

مکتبہ جدید

سیرت لائبریری

ابوبکرؓ

— صدیق اکبر —

صاحبِ رسولؐ، ثانیِ اشنین، خلیفہٴ اول  
حضرت ابوبکرؓ کا پہلا شایانِ شان تذکرہ

محمد حسین میمن

مصنف: عمر، فاروق اعظم

ساڑھے چار روپے

پہلی قیمت: دس روپے

ابو کبریا صدیق اکبر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
الحمد لله رب العالمين - الرحمن الرحيم - مالك يوم  
الدين - اياك نعبد و اياك نستعين - اهتدنا الصراط  
الاستقيم - صراط الذين انعمت عليهم ط غير  
المغضوب عليهم - ولا الضالين -

# ابوبکر صدیق اکبر

تصنیف

محمد حسین ہیکل

سابقہ وزیر معارف حکومت مصر

ترجمہ

شیخ محمد احمد پانی پتی

مکتبہ جدید لاہور

جلد حقوق محفوظہ

میری لائبریری میں پہلی مرتبہ ۱۹۶۱ء

طابع : ————— نقوش پریس، لاہور

ناشر : ————— رشید احمد چودھری

کتابچہ جدید، لاہور، ۷

# ترتیب

حزب اول "

(۱) ابو بکر رسول اللہ کی زندگی میں ۳۳

ابتدائی حالات قبیلہ ہم و قبیلہ ادکنیت یکجہی اور جوانی پیشہ و صلیبہ اور اخلاق و عادات رسول اللہ سے تعلق اور قبول اسلام۔ بلاترود و قبول اسلام کا سبب۔ حرات ایمانی۔ غار و مآثر میں۔ جزا و سزا کی مظاہر کی مدد اور رسول اللہ کی تائید و حمایت۔ اس کے موقع پر اس کے بعد کثرت و مسلمانوں کی حفاظت، ہجرت کی تیاری اور ہجرت۔ قادیان میں گھبرائش کی رو۔ مدینہ میں نسبت ایمانی و رسول کے غلبے کی پیش گوئی۔ جنگ جند۔ اسیران ہند کی سفارش۔ جنگ بدر کے بعد جنگ احد و صلح حدیبیہ۔ اسیرانجی۔ حمت انداز۔ غار ثور حاتم کا شکم۔ ابو بکر اور رسول اللہ کی نظریں۔

(۲) بیعت خلافت ۶۲

وفات رسول اللہ پر مسلمانوں میں سرسجی۔ ابو بکر کا ضد نفس۔ منک خلافت۔ انصار اور مهاجرین میں اختلاف۔ سقیفہ بنی ساعدہ۔ مسجد بنی ہماہ کی تقریر۔ انصار کی پہلی کڑوسی۔ اوس خدیج کی سرور و دلدادگی۔ اہل شریعہ میں اتحاد۔ عمر اور ابو عبیدہ میں گفتگو۔ عمر اور ابو بکر کا سقیفہ بنی ساعدہ میں سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع کی اہمیت۔ سامری سقیفہ سے ابو بکر کا خطاب۔ بعض انصار کی مخالفت۔ حباب بن منہ و انصاری حضرت عمر کی تقریر حضرت عمر اور حباب میں تخریب بعض منافقین کی ضرورت۔ بشیر بن سعد کی تقریر۔ عمر اور ابو عبیدہ کی بیعت۔ ابو بکر کا بشیر بن سعد و دوسرے انصار کی بیعت۔ مسجد بنی ہماہ کا انکار بیعت۔ بیعت پر انصار کا قیام۔ مسجد نبوی میں بیعت عام۔ غار ثور کا پہلا خطبہ۔ ابو بکر کی بیعت بالا جماع۔ بیعت سے پہلے ہی کہاں کی غلطی کی۔ منافقین کا اجتماع

انکارِ حیات کی مشہور ترین روایت۔ انتخابِ حقہ کے منتظر روایات۔ سعیت علی کے منتظر روایات  
 دلتے۔ ہزار میس کی نقشہ کشی۔ میراث کا مطالبہ۔ ابو بکرؓ کی پراسن خلافت۔ مسلمانوں کا نصرت و خلافت۔  
 اسلام کا نظامِ حکومت۔

### (۳) عرب رسول اللہ کی وفات کے وقت ۱۰۰

اہل مکہ ارتداد کے دروازے پر۔ نقشہ ارتداد اور قبیلہ ثقیف۔ دیگر قبائل عرب کا طرزِ حصول  
 نجات اور ارتداد کے عوامل جزئیاتی عوامل۔ انجی حلال منکریں زکوٰۃ کی منتقلی۔ مدعیانِ نبوت کا  
 خراج۔ اسود غسی کا نقشہ۔ مین نقشہ اسود۔ اسود غسی کے نقشہ کا آغاز نقشہ غسی کے عوامل۔ نقشہ  
 کا مقابلہ۔ اسود غسی کے عندیہ اور اسود غسی کے خلاف بیانات۔ اسود کا قتل۔ جزئی عربیں بیانات  
 مسیل کا دعوائے نبوت۔ رسول اللہ کی حکمت علی۔ عرب اور نقشہ مدعیانِ نبوت۔ مدعیان کی عارضی  
 کامیابی۔ نقشہ ارتداد اور پستہ ترین۔ ارتدادیں انجی ہاتھ۔

### (۴) اسلام کی روانگی ۱۲۳

خلیفہ اول کا پہلا حکم۔ رسول اللہ کی ہدایات۔ اسلام سے رسول اللہ کی محبت۔ اسلام کی اہمیت  
 پر اعتراض۔ ابو بکرؓ کی تادمی بیٹھ کر گردہ لگی کا حکم۔ روانگی لشکر کی تیاریاں۔ لشکر کو نصیحتیں۔ لشکر کا  
 ہتھیار کی جانب کھینچ۔ اسلام کی کامیابی۔ واپسی۔ لشکر کا استقبال۔

### (۵) منکریں زکوٰۃ سے جنگ ۱۳۴

مذہب میں بغاوت قتل کی خبر صحابہ سے شہور۔ دشمن قبائل کے دورہ۔ دورہ کی تاہم واپسی۔ ابو بکرؓ کی  
 ہدایات۔ مسجد بنی قریظ کا پہلا سرکہ۔ جنگ ذی القعدة اور جنگ بدر شاہدیت۔ ابو بکرؓ کا حکم دیا۔  
 شہور صحابہ کے عدم قبول کی وجہ۔ بیرونی مسلمانوں کی ادا سے زکوٰۃ۔ شام سے اسلام کی بھیج۔  
 دوبارہ جنگ۔ شکست خوردہ قبائل کی روش۔

## (۶) مرتدین سے جنگ کی تیاریاں، ۱۳۷

جنگ کی تیاری۔ قیام مدینہ کی وجہ۔ مہاجرین کی قیادت کا سبب۔ ابو بکرؓ کی بے قصبی غلام بنی نضیر۔  
مرتدین کو غری پیش کش۔ مرتدین کے نام خطوط۔ ہدایت کی کوشش۔ بہترین سیاست کا کرشمہ۔  
جنگ ہائے امداد کی اہمیت۔

## (۷) طلحہ اور جنگ براخہ، ۱۵۹

طلحہ کا دعائے ہمت۔ مرتدین کی سرکوبی اور غزوات کی روانگی۔ جمعیت اور مسلحہ کا الحاق۔ مرتدین کو ابو بکرؓ  
کی دشمنی۔ عقی کی مسمی وجہ۔ بنی ظنی کا دوبارہ قبول اسلام۔ حجاب کے لیے طلحہ کا مزار۔ طلحہ کے  
غلامان پیش قدمی۔ مسلحہ میں خطر اب۔ بنی ظنی کا انہما۔ مندرت۔ آغاز جنگ اور طلحہ اور طلحہ کا دوبارہ  
قبول اسلام۔ دوسرے مرتد قبائل کا استحصال۔ یقینہ مرتد قبائل۔ قتالوں پر خالد کی سختی۔ خالد کی روش  
پر ابو بکرؓ کی خوشنودی۔ مرتد قیدیوں کا ابو بکرؓ کی صفائی۔ قزوین میں۔ علقمہ بن ملطہ۔ قباہ و یاس۔  
ابو حنیفہ۔ ام زہل کا خروج۔ ام زہل کی شکست۔ جنوبی چھتے کے مرتد

## (۸) سہاج اور مالک بن نزیرو، ۱۸۲

جرم عام اور ان کے نسک۔ اوائے زکوٰۃ سے انکار۔ — تعمیم میں سہاج کا درجہ۔ سہاج کے ہائے  
کی خرم۔ بنی قہم کا درجہ۔ سہاج اور مالک بن نزیرو۔ مالک بن نزیرو کے اوصاف۔ سہاج کی شکست۔  
سہاج اور مسلحہ کی شادی۔ سہاج کا سر۔ مالک کی پریشانی۔ خالد کا کوچ۔ مالک کا اپنی قوم کو مشورہ۔  
مالک بن نزیرو کی گرفتاری۔ قتل۔ مالک پر مختلف روایتیں۔ خالد سے اہم قتلہ کی تاواضی۔ مدینہ میں  
خالد کی طلحہ۔ خالد کے ہائے میں عمر کا مرقف۔ خالد کے ہائے میں ابو بکرؓ کا مرقف۔ یہاں پر خالد  
کی چٹھائی۔

## (۹) جنگ یامہ، ۲۰۳

مسلحہ کے غلام خالد کی چٹھائی۔ مسلمانوں کی غیر معمولی کامیابی۔ مکر کی ہزیمت۔ مسلحہ کی قوت

کاسب سید کی علامت کیوں قبول کی گئی؟ شریعت کی شکست خالد سے ہمارے مٹ بھڑے خالد اور سید میں جنگ۔ اس سید کی آتش بیانی مسلمانوں پر بنی حنیفہ کا دیاؤ۔ ہمارا حال کا قتل خالد کی شکست عملی مجاہدین اسلام کا حرم و ثبات۔ خالد قتل سید کے بے سید کا زور و ظلم اور سید کا فساد باغ کا مہمرو۔ بنی حنیفہ کا قتل سید کا قتل۔ مغربیوں کا قاتل اور مہمرو۔ صلح بات حقیقت۔ ہمارے حال بازمی۔ خالد اور بنی حنیفہ میں صلح۔ بنی حنیفہ ابو بکر کی خدمت میں۔ ہمارے قریب اور خالد کی مصالحت۔ بنی حنیفہ کے مقتولین کی تعداد مسلمان شہداء کی تعداد مسلمانوں کا حزن و الم۔ بنت جہامہ سے خالد کی شادی۔ اس شادی پر ابو بکرؓ کی ناراضی۔

#### (۱۰) بقیہ مجاہدات ارتداد ۲۲۶

بحرین، عمان، مصر، یمن، کندہ اور حضرت موت۔ جزیری قبائل کا اسرائیلیات و جزیری عرب ہیں ایرانی اثر و نفوذ جنگی کارروائی کا آغاز بحرین میں ارتداد کا آغاز۔ علامہ بنی حنیفہ کی روانگی یمن بحرین کی شکست۔ دارین میں مغربیوں کی پناہ۔ دارین کی فتح۔ بحرین کو عمارہ کی واپسی حلقہ کی جانب پیش قدمی۔ عمان میں جنگ و جدل۔ عمان میں فتنہ ارتداد کا باقی مسلمان کی کاسیائی مہم میں جنگ۔ یمن میں قیام امن کی سیاسی یمن میں بغاوت کے اسباب، شورش یمن کا پہلا سبب۔ اسود کے بعد وہ گادول کی سرگرمیاں، شورش و اضطراب کا دوسرا سبب تھیں کی فتنہ انگیزی، معاذ بن نفیس سے نفیس کی استداد و ذریعہ کا قتل، عمارہ، نفیس کا تسلط۔ انار سے نفیس کا مسلک تھیں کی شکست۔ یمن اور حجاز کی دیرینہ دشمنی، عمرو بن سعد کی کب کی بغاوت، بلکن اور صابریہ میں تھیں اور عمرو میں پھرت۔ تھیں اور عمرو کی گرفتاری، ابو بکرؓ کی جانب سے صفائی، یمن میں امن، امان کا قیام۔ ایاموں کی حمایت کا سبب۔ کندہ اور حضرت موت میں جدال و قتال۔ ہمارے حکم کی ناکندہ کارروائی۔ پہلے قبیلے سے فتنہ کی بدھدی، فتنہ کی روانگی مدینہ، ابو بکرؓ کی جانب سے فتنہ کو صفائی حضرت موت اور کندہ میں امن۔ ہمارے حکم کی ناکندہ یمن۔ بنت نعلان سے عمارہ کی شادی عرب کی پناہ و قتل کا اختتام، کندہ و اقسام



میں حج قرآن۔ ابن مسعود کی تلامذہ۔ زید کا طریقہ کار۔ کچھ سورتوں کی ترتیب۔ جمع قرآن کی تکمیل۔  
ابوبکرؓ کا سب سے بڑا کام مر۔

(۱۷) خلافتِ ابوبکرؓ، ۴۲۰

خلافت کا تصور۔ عمر کا لقب۔ عرب کا سیاسی نظام۔ صحابہ بنی و انصار کی خلافت۔ اسلام میں  
حکومت کا نظام۔ ابوبکرؓ اور عرب کی سیاسی وحدت۔ اسلام کی طاقت کا سبب۔ ابوبکرؓ کا  
نظامِ حکومت۔

(۱۸) ابوبکرؓ کی وفات، ۴۲۳

موت کے بارے میں روایات۔ جانشینی کا مسئلہ۔ معاویہؓ، عیسیٰؑ کی دہلی۔ ہجرت و تکلیف،  
کے منتقل و حقیقت۔ وفات

حرفِ آخر، ۴۲۳

عربی ماخذ، ۴۸۲

# حرفِ اول

عالمِ اسلام کی تاریخ کا آغاز حقیقتاً اُس وقت سے ہوتا ہے جب رسول اللہ اپنے اہل وطن کے مسلسل مظالم سے نہایت دہجہ پریشان ہو کر مکہ کی سڑکیں سے ہجرت کرنے اور مدینہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ اِس عظیم الشان واقعے کو اسلامی تاریخ کا مبداء اُس لیے قرار دیا جاتا ہے کہ ترقی اسلام کی بنیاد اُنہی وقت سے پڑی اللہ کی تائید و نصرت نہایت شاندار طور پر ظاہر ہوئی اور کفار و کفر جو مسلسل تیر وصال تک اسلام کی سخت مخالفت کرتے اور اپنے مقصد میں ناکام رہنے کے بعد بالآخر رسول اللہ کے قتل پر جن جن ہرچکے تھے ایک بار پھر زہر دہست ناکامی کا منہ دیکھنا چاہا اُس موقع پر ابو بکرؓ و اُمیرِ مومنین تھے جنہیں رسول اللہ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ اِس واقعے کے دس برس بعد جب رسول اللہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں تشریف لے لا سکے تو آپؐ نے اپنی جگہ جس شخص کو امامت کے لیے منتخب کیا وہ بھی ابو بکرؓ ہی تھے۔ یہ عظیم الشان شرف ایسا تھا جو حضرت عمرؓ بن خطاب جیسے جلیل القدر صحابی کو بھی حاصل نہ ہو سکا۔

رسول اللہؐ نے ہجرت جیسے نازک موقع پر ابو بکرؓ کو اپنا ساتھی کیوں چنا اور مرض الموت میں اپنی جگہ نماز پڑھانے کا حکم کیوں دیا؟ اِس کی وجہ بالکل ظاہر ہے، ابو بکرؓ ہی سب سے پہلے آپؐ کی رسالت پر ایمان لائے تھے اور دینِ حق کی خاطر جان و مال اور عزت کی قربانی دینے میں بھی ان کا قدم دوسرے نام مسلمانوں سے آگے رہا تھا۔ وہ قبلی اسلام سے رسول اللہؐ کی وفات تک کھڑیل برسرِ ہیں با آپؐ کی اطاعت دین اسلام کی اشاعت اور کفار کے مظالم سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے میں ہر حق مشغول رہے تھے۔ رسول اللہؐ کا شاد و کھراخروں نے اپنے ہر کام پر مقدم رکھا تھا۔ رسول اللہؐ کے لیے اپنی جان تک کی مطلق پروا نہ تھی اور ہر جنگ میں آپؐ کے دوش بدوش کفار سے مقابلہ و قتال کیا تھا نہایت بہتہ ایوان کے علاوہ اُن کے اخلاق حسنہ بھی کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ اسی حسنِ خلق کی بدولت وہ

بے حد مغرور تھے اور مسلمانوں کے محبت کرنا تھا۔

ابو بکرؓ کے دینی مرتبے اور ان سے لوگوں کی حدود و معیت ہی کا قیاس تھا کہ ہر اہل اللہ کی وفات کے بعد جب آپ کی ہاشمیئین کا سوال مسلمانوں کے سامنے آیا تو ان کی نظر استحاب انھیں پر پڑی اور سب نے انھیں کو بلا آفتاب پہلا خلیفہ تسلیم کر لیا۔ اپنے مختصر عہد خلافت میں اسلام کی سرحدیں کھینچنے والوں نے حوالہ العزادہ کو کششیں کیں کہ ان کی تعمیر عالم اسلام کی تاریخ میں جس میں غنی، ابو بکرؓ جی کے مبارک زمانے سے اس اسلامی سلطنت کا آغاز ہوتا ہے جس نے پھیلنے پھیلنے دنیا کے کثیر حصے کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔ اس عظیم الشان مملکت کے کنارے ایشیا میں ہندوستان اور چین تک، افریقہ میں مصر اور تونسہ، مراکش تک اور یورپ میں انڈلس و فرانکس تک پھیل گئے یہی سلطنت تھی جس نے انسانی تہذیب و تمدن کو پرانا چڑھانے کے لیے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جن کا اثر بہتی دنیا تک ملے گا۔

اپنی کتاب حیات محمدؐ کو دینی منزل الہی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میرے دل میں خیال آیا کہ میں اسلامی سلطنت کی تاریخ اور اس کے عروج و زوال کے اسباب کے متعلق بھی کچھ حقیقی کام کرں۔ اس خیال نے اس وجہ سے اور بھی شدت اختیار کی کہ اسلامی سلطنت کا قیام کلینچ رسولؐ کا جبریت ہے۔ رسولؐ اللہ نے انسانیت کی بقا اور بہت کے لیے جو بے مثال تعلیم پیش کی وہی اس عظیم الشان سلطنت کے قیام کا باعث بنی اور اس تعلیم کے مظاہر ہمیں جا رہا اسلامی حکومت کے مختلف ادوار میں نظر آتے ہیں۔

فی الواقع ماضی سال استقبال میں ہیں کچھ اس حد تک مربوط ہوتے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ کسی قوم کے مستقبل کا اندازہ کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں کہ اس کے ماضی کا جو خلاصہ کیا جائے قوم میں جو خرابیاں بکھری ہوئی ہیں انھیں دیکھنے کا طریقہ یہی ہے کہ آج گذشتہ پر نظر ڈرائی جائے اور نہ حال سے ان کا مقابلہ کر کے خرابیوں کے ارتداد کی کوشش کی جائے، بالکل وہی طرح جیسے کسی مریض کے مرض کی تشخیص اور اس کے علاج کے لئے مرض سے پہلے کے حالات کی اچھی طرح چھان بین کرنی ضروری ہوتی ہے۔ آج مسلمانوں میں بھی اختلاط کا دور دورہ ہے۔ جو قوم صدیوں تک بڑی شان سے دنیا کے ایک بڑے خطے پر حکومت کر چکی ہے۔ وہ آج

قبر بذلت میں پڑی ہے غمزدی ہے کہ ہم بھی چودہ سو برس پہلے کے واقعات و حالات کا بغیر نظر نہ جازر لے کر وہ اسباب ڈھونڈیں جو ہمارے اخطاؤ کا باعث بنے اور وہ راستے تلاش کریں جو پر گھنٹی ہو کر ہمیں آج بھی اپنی کھوئی ہوئی شان و شوکت اور قد و منزلت حاصل ہو سکتی ہے۔

میں انھیں انکار میں غلطی و بچاؤں نکال کر میرے بعض کٹر غمخواروں نے میری کتاب حیات محمد پر لڑھکے محو سے بہار لگا کر میں اسی طرز پر رسول اللہ کے خلفاء اور اسلام کے عظیم القدر فرزندوں کے سوانح حیات بھی معرض تحریر میں لکھوں میں لکھوں میں قیسمت ہی اس امر کے متعلق سوچا، اہل قتل و قتل کے اصرار نے میرے سمندر شوق کے لیے تازیانے کا کام کیا اور میں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اگرچہ میں جتنا بھول کہ یہ کام میرا کیلئے کہ بس کا نہیں بلکہ میرا ہی ہے۔ یہ اہل علم کی ایک پوری جماعت کی ضرورت ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق تو تحقیقی کام بہت ہو چکا ہے اور ان کی بیشتر سوانح عربی مختلف اصحاب کی طوت سے لکھی جا چکی ہیں۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیق کے متعلق کوئی مستقل سوانح عمری موجود نہ تھی اس لئے میں نے پہلے انھیں کے سوانح حیات کی طوت تو لے لی۔ ابو بکر رسول اللہ کے قدیم جہاں نثار و رفیق اور نائب کے کامل متبع تھے۔ پھر امتحانی پُر سوز دل اور بے غلطی صفات کے مالک تھے۔ عالم اسلام میں پھیلے ہوئے لاکھوں مسلمان ان سے شرب بر نے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ابو بکر کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد انھیں بالائے اتفاق مسلمانوں کا پہلا خلیفہ منتخب کیا گیا۔ جب مرتدین کے اٹھتوں اسلام اپنے ہاتھ کو توڑیں تو میں سے گوردار احمد صرف ابو بکر کی شخصیت تھی۔ جس نے مسلمانوں کو تباہی کے غامض گہرے سے بچایا۔ ایمان اور دینی مسلمانوں پر فوج کشی کے غمخوار نے اس عظیم الشان اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی جس کے اثرات آج تک تمام عالم کے دلوں سے جھل نہیں ہو سکے۔ اسی لیے میں اپنی اس کتاب میں جو کچھ بیان کروں گا اس کا تعلق محض سیرت و سوانح سے نہ ہو گا بلکہ یہ اصل میں اسلامی سلطنت کی تاریخ ہوگی جس کی ابتدا حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد سے ہوئی۔

اس بابرکت عہد کے جو واقعات ہمیں مختلف کتابوں میں ملتے ہیں وہ امتحانی تعجب خیز اور خوب ہیں اور ان سے حضرت صدیقؓ کی عظیم شخصیت کے عجیب و غریب پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں لیکن طوت پر مدنی غریبوں اور مسکینوں کی مدد کے لیے بے غرضانہ ہیں فکر آتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مہیا

درد مند انسان دنیا کے پرشے پر کوئی نہ ہوگا۔ دوسری طرف اعلیٰ کلمۃ الحق اور اسلام کی سر بلندی کی خاطر وہ  
 بٹنے سے بے باخ و قبول کر لینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور دنیا کی تمام طاقتیں مل کر بھی اسے اس کے  
 عزم و ارادہ سے باز نہیں کر سکتیں۔ عزم و استقلال کا یہ عظیم پیکر ترواد اور پیکر پابست کے نام سے بھی نا آشنا  
 تھا۔ اس عظیم انسان انسان کو لوگوں کی مخفی صلاحیتوں کو بجا بن کر انھیں آجا کر کرنے اور ان سے ان  
 کی استعداد کے مطابق کام لینے کا بہترین ملکہ حاصل تھا۔

رسول اللہ کے مدین ابوبکر نے ایک عاشق صادق کی طرح زندگی بسر کی جب قریشی رسول اللہ  
 کو ایذا دل اور مظالم کا نشانہ بنا رہے تھے تو کفار کے مقابلے میں ابوبکر بی سنی سپر جوتے تھے رسول اللہ  
 کی دعوت پر جس شخص نے سب سے پہلے لبیک کہا وہ ابوبکر ہی ابوبکر نے حج مکہ کی تاریخ پر  
 فارڈ سے شرب تک پوری جان شاری سے رسول اللہ کی رفاقت کی۔ مدینہ میں رسول اللہ کو ہیڑ  
 کی مکاریوں اور منافقین کی دیشہ و عانیوں سے حاصل ہوا اور قریش کی اور یہود مدینہ کی بے دریغ کوششوں  
 کے نتیجے میں سارا عرب آپ کے مقابلے میں ٹوٹ کھڑا ہوا اور ابوبکر ہی نے آپ کے خاص الخاص مشیر کار  
 کے فرائض انجام دیے۔

اسلام کی سر بلندی کے لیے جو وقت ابوبکر نے اختیار کیا اور رسول اللہ کی رفاقت کے ذیل  
 میں جو عظیم پادشاهات انھوں نے انجام دیں وہ نہ صرف عمری طور پر آپ اللہ سے کچھ ماننے کے قابل  
 ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک ابوبکرؓ کے نام کو بدلا باؤ تک زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے حقیقت تو  
 یہ ہے کہ ابوبکرؓ کی رفاقت شان کو احاطہ تحریر میں لانا ممکن ہی نہیں کیونکہ اعلیٰ کلمۃ الحق کی مثال سر  
 قربانیاں انھوں نے پیش کیں ان کا تعلق اصل میں دل سے ہے اور یہ علم خدا ہی کو ہو سکتا ہے کہ ابوبکرؓ  
 کے دل میں اسلام اور رسول اللہ کی محبت کے جو جذبات موجزن تھے وہ ظاہر کے مقابلے میں کہتے  
 شدید تھے اور ان کا اندرونی احساس ظاہری احساس سے کتنا زیادہ تھا۔

رسول اللہ کی وفات کے بعد ابوبکر کے عہد خلافت میں جو واقعات پیش آئے ان سے ان کا  
 حسن بصیرت اور دور رس مزید آشکار ہو گئی۔ مرتدین عرب سے فراغت پانے کے بعد جب آپ نے  
 ایران اور روم پر توجہ مبذول کی تو سب سے بڑا ہتھیار جو انھوں نے ان دونوں سلطنتوں کے خلاف  
 استعمال کیا وہ مسادات کا تھا جسے اسلام نے اصل اصول کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔

اس مجتہد کا سامنا ایرانی سلطنت کر سکتی تھی نہ رومی مملکت، ایران اور روم کے باشندے شخصی اقتدار کی بجلی میں پس رہے تھے اور عایا کے درمیان مختلف طبقات قائم تھے، نسلی امتیاز کی نعمت بری طرح مستطاعت تھی، انگریز ان طبقہ ملک میں جیسے دولے دوسرے طبقوں کو اپنے سے کم تر بلکہ ابھرت بکھتا تھا اور انھیں برکھانا سے وہاں غرض خیال کرتا تھا۔ عین اس وقت اسلام نے عدل و انصاف اور مساوات کا علم پھیلایا۔ ابو بکرؓ نے ایران اور روم جاننے والی افواج کے سپہ سالاروں کو خاص طور پر ہدایات فرمائیں کہ وہ عدل و انصاف کا دامن کسی طرح ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور کھنڈر ممالک کے تمام لوگوں سے بے امتیاز مذہب و ملت مسلموں کو مل کر لیں۔ اس طرح جو شخص ایک حصے سے جوہر تمام انسانیت کا خواہے ایک حصے سے اسلام کے منصفانہ اصولوں کی جھلکیاں دیکھ کر اس کے گرد وہ ہر گئے ہوئے مملکتوں کو اپنی زیر دست عسکری قوت اور عظیم الشان مسلح افواج کے باوجود مسلمانوں کے مقابلے میں خیریت اُٹھانی پڑی ظاہر ہے کہ عظیم وقت و اور نسلی امتیاز دھواں کھٹنے والی سلطنت خداداد اس کی ظاہری طاقت کتنی ہی ٹھوس اور اس کی فوج کتنی ہی مضبوط ہو، ایسی قوم کے مقابلے میں کبھی نہیں ٹھہر سکتی جو عدل و انصاف اور مساوات کی درخت علیہ مدارج بلکہ جس کی زندگی انہیں سانچوں میں ڈھلی ہو۔ یہ طرز زندگی رسول اللہؐ کے بعد کمال طور پر ابوبکرؓ نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔

عہد رسالت اور خلافتِ ثانیہ کے اتصال کے باعث حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دور ایک خاص انفرادیت کا حامل ہے۔ رسول اللہؐ کا عہد افتاد و اصلاح کا عہد تھا۔ آپ کے عہد میں شریعت کا نزول ہو رہا تھا، اشکالِ طوط سے بندوں کی ہدایت کے لیے اپنے رسولؐ کو مسلسل احکام کی طرح جاریہے تھے۔ اس کے بالمتقابل حضرت عمرؓ کا عہد بھی تھا۔ دوزخ و آئندہ اسلامی سلطنت کے انتظام و انصرام کے لیے رسولؐ قرآن مجید کے مجاہد تھے اور مختلف ملکوں کا قیام عمل میں لایا جا رہا تھا۔ ابوبکرؓ کا دور وہاں ان جنوں کی دیرانی کوئی تھا، اہل ان غیر عمری حالت کی وجہ سے جو آپ کے عہد میں پیش آئے ان جنوں سے فوجی مددک مختلف بھی تھا۔

اپنے مختصر عہد میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کچھ مشکلات ..... اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے باعث اسلام کا وجود ہی خطرے میں لگا گیا۔ رسول اللہؐ کی وفات کے ساتھ اس دستِ حریر میں انتشار کے آثار نظر آنے لگے جیسے کہ آپ نے تئیس برس کی عمر شاد کے بعد قائم کیا تھا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ انتشار کے آثار رسول اللہ کی زندگی کے آخری میں نظر آنے لگے تھے۔ مسلمان بن حبیب نے یاسر میں نبوت کا دعویٰ کر دیا اور اپنے کامدول کے ہاتھ آپ کو یہ پتلا بھیجا تھا کہ مجھے بھی اللہ نے نبوت کے مقام پر سرفراز کیا ہے اس لیے عرب کی نصف زمین میری ہے اور نصف قریش کی۔

مسلمان کو لکھا دیکھی اسود غسی بھی نبی بن بیٹھا اور شعبدے دکھا دکھا کر اہل بن کو اپنی طرف مائل لگا طاقت حاصل ہونے پر اس نے جنوب کا رخ کیا اور رسول اللہ کے عمال کو ہال سے نکال کر اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس کے بعد وہ نجران کی طرف بڑھا اور وہاں بھی تسلط قائم کر لیا۔ یہ حالات دیکھ کر رسول اللہ کو غمزدہ اپنے عمال کو ان باغیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کرنا پڑا۔ اصل بات یہ تھی کہ عرب کو تو حید کے قائل ہو چکے تھے اور بت پرستی بھی انہوں نے ترک کر دی تھی لیکن ان میں سے بیشتر کہ اس حقیقت کا علم نہ تھا کہ دینی وحدت اور سیاسی اتحاد میں چوٹی دامن کا ساتھ ہے اور اسلام قبول کرنے کا مطلب دین کی حکومت کے آگے تسلیم ختم کرنا ہے۔ اہل عرب آزاد نفس انسان تھے اور کوشی نظم حکومت کھانے کے سڑجھکا نا اور دل و جان سے اس کی اطاعت کرنا ان کی مشیت کے خلاف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جن سی رسول اللہ کی وفات کی خبر پھیلی عرب کے اکثر قبائل نے اسلام سے ارتداد اور حدیث کی حکومت سے بدعت کا اعلان کر دیا۔

بنیاد کا منتشر جھٹل کی آگ کی طرح عرب کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گیا۔ جب یہ خبریں مدینہ پہنچیں تو لوگوں میں سخت گھبراہٹ اور بے چینی پیدا ہوئی۔ . . . . ان کی نگاہوں میں نہ آتا تھا کہ اس نازک موقع پر بغاوت کو روکنے کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔ بعض لوگوں کی۔ جن میں حضرت عمرؓ بن خطاب بھی شامل تھے۔ یہ رائے تھی کہ اس موقع پر یسعین زکواتہ کو نہ بھیڑا جائے اور جب تک وہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اقرار ہی میں انہیں ان کے حال پر قائم رہنے دیا جائے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ اگر انہیں زکواتہ کو بھی نہ لکھا جائے تو ان کے دل میں شائل کر دیا گیا تو جنگ کی آگ کو وسیع بنانے پر پھیل جائے گی جس کا انجام خدا جانے کیا ہو لیکن ابو بکرؓ نے تمام غلات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مرتدین کی طرح انہیں زکواتہ سے بھی ملک کرنے کا حکم دیا اور کوئی طاقت اور کوئی دباؤ انہیں ایسا کرنے سے باز نہ رکھ سکا۔

جگہ لے اُتار دیا تو معمولی سمجھ کر فکر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ بعض لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ ان جنگوں میں فرقہ پرستی کی تہذیب وچند سو سے زیادہ بڑھتی تھی۔ اس کے برعکس بعض لڑائیوں میں دس دس ہزار لوگوں نے حصہ لیا اور فرقہ پرستی کے سزاؤں کوئی ان جنگوں میں کام آئے۔ مزید برآں تاریخ اسلام میں انھیں فیصلہ کن اہمیت حاصل ہے۔ اگر ابوبکرؓ اہل حدیث کی اکثریت کی دانتے قبول کر کے ان لوگوں سے جنگ نہ کرتے تو فتنہ و فساد میں کمی جوئے کے بجائے اور زیادہ شدت پیدا ہو جاتی اور اسلامی سلطنت کا قیام کبھی عمل میں نہ لایا جاسکتا۔ اگر خدا نخواستہ ان جنگوں میں ابوبکرؓ کی فوجوں کو کامیابی حاصل نہ ہوتی تو معاشرہ آسانی خوفناک شکل اختیار کر جاتا اور اس کا اختیار اسلام اور مسلمانوں و دلوں کی تباہی کی صورت میں ظاہر ہوتا۔ یہ تمام حالات دیکھ کر بلاشبہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ابوبکرؓ نے مرتدین سے جنگ کرنے کا فیصلہ کر کے ہر ان پر کامل تسلط پاکر تاریخ عالم کے دھارے کا رخ مٹھوایا اور اس طرح گریبانے سرے سے انسانی تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھی۔

اگر جگہ لے اُتار دیا اس ابوبکرؓ کو کامیابی نصیب نہ ہوتی تو ایرانی اور رومی سلطنتوں کے مقابلے میں مسلمانوں کا فائز الزام ہوتا تو کبھی اسواق اور شام کی طرف پیش قدمی کرنا بھی ناممکن تھا۔ اس وقت نہ ان عظیم الشان سلطنتوں کے کشندوں پر اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی جاسکتی اور نہ ایرانی اور رومی تہذیب و تمدن کے بجائے اسلامی تہذیب و تمدن کے لیے راستہ ہموار کیا جاسکتا۔

اگرچہ قرآن کی جنگیں وقوع میں نہ آئیں اور ان میں کثرت سے حقائق قرآن کا اظہار جان نہ رہتا تو غالباً حضرت عمرؓ ابوبکرؓ کو صحیح قرآن کا مستند ذریعہ اور اس طرح قرآن کریم کو ہمیشہ ہمیت کیلئے ایک جگہ محفوظ رکھنے کا جلیل القدر کارنامہ عمل میں نہ آتا۔

اگر جگہ لے اُتار دیا تو خدا نخواستہ مسلمانوں کی شکست پر پہنچ جوتیں تو ابوبکرؓ کے لیے دین میں بھی کام ناکام کرنا مشکل ہو جاتا اور اس نظام کی بنیاد حضرت عمرؓ ایک رفیق الشرف عمارت کبھی تعمیر نہ کر سکتے۔ یہ عظیم الشان واقعات مسلمانوں کی عقل ترین مدت میں انجام پا گئے۔ اس عملی مدت کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں نے ابوبکرؓ کے عہد کو غرور افراز کر کے اپنی تمام تر توجہ حضرت عمرؓ کے عہد کی جانب منسلک کر دی۔ ان کا خیال ہے کہ گنتی کے چند بیٹے کسی طرح بھی دنیا میں انقلاب پیدا کرنے والے عظیم امور کی انجام دہی کے لیے کافی نہیں ہو سکتے۔ لیکن یہ درست نہیں۔ وہ انقلاب جنھوں نے انسانییت کو

درجہ و درجہ کمال تک پہنچایا، باصطلاح عقل و تفکر ہی میں برپا ہوتے رہے اور دنیا کی تاریخ اس پر شاہد ہے۔

ابو بکرؓ نے اپنے عہد میں پیدا ہونے والے بے انتہا مشکلات پر کس طرح تابو پایا اور ان مشکلات کے باوجود ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد کس طرح رکھ دی؟ یہ سوال ہے جو اکثر لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور یہاں سے لیے اس کا جواب دینا ضروری ہے۔

لاریب ابو بکرؓ کی عظیم الشان کامیابیوں میں ان کے ذاتی اوصاف کو بھی بڑی حاذق و غل بخت۔ لیکن سب سے بڑا دخل رسول اللہؐ کی اُس پاک صحبت کا ہے جو سترہ برس سال تک انھیں حاصل رہی۔ اسی وجہ سے مؤرخین اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت صدیقؓ کی عظمت کلیۃً رسول اللہؐ کی صحبت کی جہت سے ہے۔ آپ ہی کے فیض کا نتیجہ تھا کہ اُن کی رگ رگ میں اسلام کی محبت سرایت کر گئی اور انھوں نے اتفاقاً کے ذریعے سے اس حقیقی روح کو پایا لیا جو رسول اللہؐ کی دعوت میں پناہ لیتی تھی۔ اسی اتفاق کی روشنی میں انھیں اس حقیقت کا ادراک بھی ہو گیا کہ ایمانی ایک ایسی قوت ہے جس پر اس وقت تک کوئی طاقت غالب نہیں آ سکتی جب تک مومن تمام نفسانی خواہشات سے کلیۃً منزه ہو کر محض تبلیغ حق و صداقت کی خاطر اپنی زندگی وقف کیے رکھتا ہے۔

بلاتشہد اس حقیقت کا ادراک مختلف دماغوں میں اور بھی بہت سے لوگوں کو ہوا ہے لیکن محض عقل و دانش اور خرد و فکر کے نتیجے میں۔ اس کے بالمقابل ابو بکرؓ کے مصداقاً اور پاک دل نے بغیر کسی خارجی باؤ کے خود بخود اس حقیقت کی طرف اُن کی رہنمائی کی اور رسول اللہؐ کے طہرِ سر نے اور عمل نے اس ادراک کو اس حد تک جلاویز کر حضرت صدیقؓ کے دل میں کسی شک و شبہ کا گاہ پانا ممکن ہی نہ رہا۔

یہی ایمان صادق تھا جس کی بدولت ابو بکرؓ نے اس قدر بے نظیر حجرات اور عظیم الشان عزیمتیں پیدا ہو گئی کہ جب مرتدین سے جنگ کرنے کا سوال پیش ہوا اور مقامِ صلح نے انھیں موقع کی فراہمیت کے لحاظ سے زہری پر تنے کا مشورہ دیا تو انھوں نے نہایت مہجنتی سے اسے رد کر دیا اور فرمایا کہ میں خود مرتدین سے جنگ کروں گا خواہ مجھے اس کے لیے تنہا ہی کیوں نہ نکھڑنا پڑے۔

اولاً انصاری کا یہ سبق رسول اللہؐ نے ابو بکرؓ کو پڑھایا تھا اور اپنے پاک کرنے کے ذریعے سے ان کے دل میں یہ بات واضح کر دی تھی کہ حق کے مقابلے میں جھگڑنے اور گزندہی رکھنے کا سوال

ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا ابو بکرؓ وہ وقت بھول سکتے تھے جب شدید مخالفت کے باوجود رسول اللہؐ کو تنہا کدہ کی گلیوں میں خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے تھے؟ مال و دولت اور عزت و وجاہت کا کوئی لالچ، عظیم دستم یا نیکائے دولت کی کوئی دھمکی آپ کو صراحتاً مستقیم سے ہل بار بھی ٹھانے میں کامیاب نہ ہو سکی اور آپؐ معجزانہ اولوالعزمی و انتقامت سے بار بار یہ اعلان فرماتے رہے:

”اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں میں لٹکا کر ان کو توجہ میں تھیلین کا فریضہ ادا کرنے سے باز نہ آؤں گا خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔“

کیا ابو بکرؓ کی نظروں سے وہ واقعہ اور بھل ہر سکتا تھا کہ اس کی جنگ میں صحابہ کی ایک کثیر تعداد کی شہادت کے باوجود جب رسول اللہؐ نے بیت کو کفار قریش پیش کردہ بارہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپؐ تمام خطرات کو پس پشت ڈالتے اور تمام حواقب کو نظر انداز کرتے ہوئے موت جنگ امد میں شریک ہونے والے مسلمانوں کو شکر (جن میں زخمیوں کی خاصی تعداد بھی شامل تھی) کفار کے قاتلین میں درج نہ ہونے اور عہدہ الاسلامیہ کو قیام فرمایا مسلمانوں کو استقلال دیکھ کر کفار کے سچے ہمت ہونے اور انہوں نے مقابلے میں نہ ہلنے نہ گرنے کی باتیں ہی میں اپنی غیر بھی۔ اس طرح مسلمانوں کے دلوں سے وہ زخم بھی بڑی حد تک مندل ہو گئے جو جنگ امد کی وجہ سے انہیں پہنچے تھے۔

پھر ابو بکرؓ اس واقعے کو کس طرح فراموش کر سکتے تھے جب یہ وہ صحابہ تھے جو بعض دوسروں کی جہت تیری سے اکثر مسلمانوں کی ساریاں بھاگ کھڑی ہوئیں لیکن رسول اللہؐ صحابہ کے ہمراہ امتیازی پامردی سے دشمنوں کے مقابلے میں ڈٹے رہے اور ان کے بیروں کی بے پناہ ہرجا ڈکی مطلق پرمانہ کی۔ بالآخر جب حضرت عباسؓ نے جنداً جنداً سے پکارنا شروع کیا۔ اے گروہ انصاف! جنہوں نے رسول اللہؐ کو پناہ دی اور ہر موقع پاؤں کی مدد کی اور اسے گروہ ہمارے ہیں! جنہوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر موت کی بیعت کی! خدا کا رسول زندہ ہے اور تمہیں پانا ہے۔ تو مسلمان چلے اور دوبارہ میدان جنگ میں دشمن کے سامنے صف بٹا رہے تھے۔

ابو بکرؓ کے سامنے رسول اللہؐ کے ہی ہونے تھے جو انہوں نے آپؐ کے چتے اور کمال تیج کی حیثیت سے استیاد کیے۔ اس اولوالعزمی ہی کے باعث ٹھنی غیر مسلمانوں کو حرب کے طول و عرض



مہربان لیکن اسے عزم و استقلال سے ہر دم اپنا قدم اُگے ہی بٹھانا چاہئے مشکلات خدا کو تھنی ہی بہت ناک اور عذاب کتنے ہی حوصلہ شکن کیوں نہ ہوں لیکن باہمت قوم کو انہیں پر کاہ کے برابر بھی وقت نہ دینی چاہیے اور اسے کی تمام دھڑاریں اور اونے حق کی راہ میں قائم رکھاؤ لڑی پر نہایت جرات مندانہ و الوداعہ مانہ قابو پا کر منزل مقصود کی جانب قدم بٹھاتے دھنچا چاہیے۔

ان اسباب کی محافظت اس وقت اور بھی ضروری ہو جاتی ہے جب ان قوتوں کے لائحہ عمل اور دعوت کی بنیاد مسامات کے قیام اور علم و حکم کی ریح کئی پر استوار ہو۔ اکثر سلطنتوں کا قیام محض اس لیے عمل میں آتا کہ انھوں نے مسامات و جمہوریت کو اپنی اساس بنایا اور اسی کے سہارے استحکام حاصل کیا اس کے برعکس بیشتر سلطنتیں مدت و ازلیک اپنی شان و شوکت دکھانے کے بعد محض اس وجہ سے قلیل ترین عرصے میں نابود ہو گئیں کہ انھوں نے مسامات کے اہم ترین رکن کو ترک کر دیا تھا۔ مسامات اسلام کا بنیادی ستون ہے جس کے بغیر اس کی عمارت پائیدار نہیں کی جاسکتی۔ اس بنا پر اسلام صرف ایک جمہوریت پسند مذہب ہے۔ اس حقیقت کو آج ہم نے محض اپنی عقل کے ذریعے سے معلوم کیا ہے اور ہم سے پہلے اس حقیقت تک جن لوگوں کی رسائی ہو سکی ہے ان کی کہانی بھی ان کی عقل کے ذریعے سے ہوئی تھی۔ لیکن اس کے ارادک کے باوجود ہم اور ہمارے پیش رو ہی پوری طرح اسلامی سلطنت کی حفاظت کر سکے لیکن اب وہ کچھ اس حقیقت کا علم ضرور دیکھو کہ تدبیر کے ذریعے سے نہیں بلکہ تقارر بانی کے ذریعے سے ہوتا۔ وہ حق یقین سے اس پر نہ صرف ایمان لائے بلکہ اپنے ساتھیوں کو اس نصب العین کی تکمیل کے لیے لگا بھی دیا۔

ابو بکر اور عثمانی بھر مسلمانوں کی شہباز روز و جد و جہد کے نتیجے میں برسلطنت عالم و جہد میں آتی اس کی بنیاد کلیۃ مسامات پر تھی۔ یہی سبب تھا کہ وہ دوسری سلطنتوں کے برعکس چند روزہ بہار و کھار ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نابود نہ ہو گئی بلکہ صدیوں تک اپنی جلوہ افروزی سے دنیا کو مستور کرتی رہی۔

ابو بکر نے اللہ کی روشنی میں معلوم کر لیا تھا کہ اسلام مسامات کا علم بردار ہے اور ذات پات اور نسل کی بنا پر بنی ذریع انسان کے درمیان کسی تفریق کا حامی نہیں۔ اسی وجہ سے اس کی دعوت کسی ایک قوم کے لیے مخصوص نہیں بلکہ تمام بنی ذریع کے لیے عام ہے۔ رسول اللہ کے زمانہ مبارک میں عربوں کے علاوہ غلاموں اور عجمیوں کی ایک بڑی تعداد بھی اسلام میں داخل ہوئی لیکن کسی غلام

اور بھی سے نفرت یا حسدات کا برا و گناہ لگا اسلام نے ان کی ذات و کمیت کو ذرشت میں تبدیل کر دی اور ان کا رتبہ اس قدر بلند کر دیا کہ آج بھی ان کا ذکر آنے پر ہر مسلمان غرور و عقیدت سے سر جھکا دیتا ہے۔ ان لوگوں سے رسول اللہ کے لوگ کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ مسلمان خدا ہی آپ کے معقر بن خاص میں سے تھے۔ قرین بن حارثہ کو آپ نے آزاد کر کے اپنا حقیقی بیٹا لیا تھا۔ غزوہ موتہ کے وقت لشکر کا قائد بھی انھیں کو بنایا۔ اس سے پہلے بھی متعدد اہم ذمہ داری کے کام ان کے سپرد کیے۔ زید کے بیٹے اسامہ کو اپنی وفات سے قبل شام پر حملہ کرنے والی فوج کا سردار مقرر کیا اور تمام بڑے بڑے ہاجرین و انصار کو جن میں ابو بکرؓ اور عمرؓ بھی شامل تھے ان کی ماتحتی میں دیا۔ بزاز خادسی کو یمن کا حاکم مقرر فرمایا۔ ان مثالوں سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ کے نزدیک بعض عربی یا مغربی قبیلے کا فرد ہونا کسی شخص کی فضیلت کے لیے کافی نہ تھا۔ آپ کے پیش نظر فضیلت کی کوئی تقویتی اور صرف تقویتی تھی۔ رسول اللہ کے خاص مشیروں اور مقرب صحابہ پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ آپ کے محبوب صحابی بننے کا شرف موت انھیں لوگوں کو حاصل ہونا محض ان کے ایمان و اعتقاد میں قابل رشک ترقی کی اور جو دینی و ملی مفاد کی خاطر اپنی جان مال عزت اور وقت قربان کرنے کے لیے ہر لمحہ مستعد رہتے تھے۔ رسول اللہ نے عربوں کے دلوں میں ایسی کیسی شرافت و عزت اور فضیلت کا غرور یا کل کل نکل دیا تھا اور عربی، عجمی، آزاد اور غلام کا فرق مشکلا نہیں ایک سطح پر لاکھڑا کیا تھا۔ ابو بکرؓ نے بھی اپنے آئنا کی اس سنت پر پوری طرح عمل کیا اور وہ لوگوں کے درمیان صحیح اسلامی مساوات قائم کر سنے میں آخر وقت تک کوشاں رہے۔

اسی مساوات کا اثر تھا کہ مسلمان ایک ایسی متحدہ قوت بن گئے جس کا مقابلہ کرنے سے ایران اور رومی افواج تاہر و عاجز آ گئیں، آہستہ آہستہ ان سبھی بھرپور لیکن آہستہ طاقت والے عربوں کے سامنے سے بھاگتے ہی بن چڑی۔

ابو بکرؓ کو اس حقیقت کا بھی پوری طرح احساس تھا کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور اس کی دعوت کا دائرہ صرف جزیرہ عرب تک محدود نہیں بلکہ اس کے مخاطب دنیا کے آخری کنارے تک پہنچنے والے انسان ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ نے بیرونی عرب کے بادشاہوں اور نژادوں کو کثرت سے تبلیغی خطوط اور فرامین ارسال فرمائے تھے۔

یہ تسلیم کرنے کے ساتھ ہی مسلمان کا فرض ہو جاتا ہے کہ اس نے جو عظیم شانِ نعمت سے  
 حصہ لیا ہے اسے صرف اپنے ملک محدود و زرکھے بلکہ دوسروں کو بھی اس نعمت سے حصہ دینا ہے  
 اور دینِ خدا کی شامت میں جہاں تک کی بازی لگانے سے دریغ نہ کرے۔ رسول اللہ نے خدا کا  
 پیغام بلا لحاظِ قوم و ملت سب لوگوں تک پہنچایا تھا۔ آپ کی تعلیم میں آپ کے خلفاء کا بھی یہی فرض  
 تھا کہ وہ دعوتِ اسلام کو زمین کے کناروں تک پہنچاتے اور اس راہ میں کسی قربانی سے دریغ نہ  
 کرتے۔

ابو بکر نے یہی کیا اور اسلام کو اقصائے عالم تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ بھی فرو کرنا نہ  
 دیا۔ اس راہ میں انھیں شدید مشکلات اور عظیم مصائب سے دوچار ہونا پڑا لیکن انھوں نے خدا  
 عزوجل کی سے جرحوم کر لیا تھا اس میں آخری لمحے تک مطلق کمی نہ آنے دی اور اپنی حدودِ جدیدہ تک  
 تک پہنچا کر ہی چھوڑا۔ ابو بکرؓ کی مردانہ دلاوری و شجاعت اور دلاورانی کا نتیجہ تھا کہ اسلامی سلطنت خرو  
 بی حصر میں مملو و دنیا کے اطراف تک پہنچ گئی اور صدیوں تک اسی سلطنت نے دنیا میں تہذیب  
 تمدن کا علم بلند اور علم و عمل کا چراغ روشن کیے رکھا۔

پسے سر سے ملک کو نیا پریشان و شوکت سے حکمرانی کرنے کے بعد اسلامی سلطنت پر بھی دوسری  
 حکومتوں اور سلطنتوں کی طرح نڈال آنا شروع ہوا اور بالآخر وہ انتہائی کمیت اور پستی کی حالت  
 میں پہنچ گئی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا اس کمیت اور پستی کا سبب اسلام کے وہ بنیادی اصول تھے  
 جن کا وہ علم پر ارباب کو کھڑا ہوا تھا، یا ان بنیادی اصولوں کو پس پشت ڈال دینے کے باعث مسلمانوں  
 کو انحلال اور کمزوری کا سامنا کرنا پڑا؟ مجھے یہ کہنے میں کوئی تاثر نہیں کہ ہماری پستی اور کمزوری کا اصل  
 سبب یہ ہے کہ ہم نے ان بنیادی اصولوں کو ترک کر دیا ہے جو اسلامی سلطنت کے قیام کا باعث  
 بنے تھے۔ جو بھی شخص اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرے گا وہ اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ اسلامی سلطنت  
 کا زوال اس وقت سے شروع ہوا جب مسلمانوں نے اتحاد و جمعی نعمت کو خیر باد کہا۔

ابتداءً مزید یہ عرب میں بیٹے جانے مسلمانوں کے درمیان معرکے سر جوئے تھے بعد ازاں عربوں  
 اور عجمیوں کے درمیان جنگوں کا ایک لاقبائی سلسلہ شروع ہو گیا جس نے مسلمانوں کی طاقت و قوت  
 عز و حریت، شان و شوکت اور عجب و عذاب کو عیاں کر کے رکھ دیا۔

اس جبریت ناک داستان کو تفصیل سے بیان کرنے کے لیے ذرا وقت ہے اور ذرا گہائش اس لیے میں اس کی طرف اشارہ کر کے اپنے بیان کو صرف محمد صدیق شہک محدود کر دوں گا جو اگرچہ بے حد مختصر تھا مگر ان پڑھی لکھی کے لئے کافی تھی۔ یہی بڑی عظمتوں پر حاوی تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ صدیق کی جدوجہد کے بعد قائم ہونے والی سلطنتیں اڑھائی سال کی اس مختصر ترین حکومت کے مقابلے میں بیچ تھیں۔ ابوبکر کے عہد کا حال بیان کرتے ہوئے مجھے قلبی مسرت محسوس ہو رہی ہے اور میں پختہ جوش سے یہ تذکرہ لکھ رہا ہوں۔ اگر میں اس کتاب کے ذریعے سے قارئین کے سامنے ابوبکر کے عہد کی واضح تصویر اور رسول اللہ کے اس عاشق صادق کے اپنے حسن کمال کا پورا نقشہ کھینچنے میں کامیاب ہو سکوں تو یہ میری انسانی خوش نصیبی ہوگی۔

جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں ابوبکر کا عہد اپنی گونا گوں خصوصیات کے باعث انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ مختلف کتابوں کے مطالعے سے انسانی ان کے عہد زریں کی بعض جھلکیاں دیکھ کر ان کی رفیع المنزلت شخصیت کا کچھ اندازہ تو کر سکتا ہے لیکن اس کے پلوؤں کا جائزہ لینا آسان نہیں۔ یہ کام ایک عظیم جدوجہد اور صبر و تہمت و تدقیق کے بغیر یا تو تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ابوبکر کے متعلق تحقیق کا حق ابھی تک ادا نہیں ہو سکا۔ اس بے نظیر انسان کی زندگی کے سیکڑوں گوشے ابھی تک منظر عام پر نہیں آ سکے اور یہ فرد ذاتی شخصیت اپنے پورے جلوے سے دنیا کے سامنے اب تک بے نقاب نہیں ہو سکی۔ اشد ضرورت ہے اس امر کی کہ ان کے دواغ لکھنے کے لیے ان پر لواہیک ان تلک جدوجہد کی جائے اور ان کی سیرت و دواغ کے فضیلت کو شے اہل گدگد کرنے کے علاوہ معاصرین سے ان کا کمال مراد کیا جائے، یہ بھی بتایا جائے کہ ان کی ہم عصر قریں تہذیب و تمدن کے کس دور میں سے گزر رہی تھیں ان کے مقابلے میں اولیٰ عرب کی کیا حالت تھی اور ابوبکر نے انھیں کس طرح ان اقوام کا ہم پایہ بلکہ ہر لحاظ سے ان سے بدرجہا بستر بنا دیا۔

مجھے یقین ہے کہ باجہت مرخص مستقبل قریب میں اس اہم کام پر توجہ مبذول کریں گے اور مسلسل جدوجہد اور کاوش کے بعد ابوبکر کی زندگی کے تمام گوشے اور اس عہد کی تمام تفصیل واضح طور پر بیان کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

ابوبکر کے عہد سے متعلق قریباً مخصوص انسانی چھان بین اور تحقیق و تدقیق کی ضرورت ہے۔

قدیم عربی ناخذ جن سے اُن کے عہد کا کچھ حال معلوم ہو سکتا ہے روایات کے لحاظ سے آپس میں اتنے مختلف ہیں کہ بعض واقعات کسی واقعے کا صحیح صحیح حال معلوم کرنا نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔ بعض روایات تو بعض لغویت کی پرث اور مجبور و خرافات ہیں۔ بعض روایات کو چاند کر افسانہ پکیر حیرت بن جاتا ہے اس کی عقل پکڑانے لگتی ہے اور وہ سوچنے لگتا ہے کہ کیا واقعی ایسے واقعات کا معرض وجود میں آنا ممکن ہے؟

پھر بھی روایات میں تناقض اور اضطراب کے لیے مستقدمین کو مجبور ہی سمجھنا چاہیے کیونکہ جس زمانے میں ابو بکر نے غنائی حکومت قائم کی تھی وہ کلیدِ جہاد و قتال کا دور تھا۔ ہر مسلمان شوقِ جہاد میں دوڑتا تھا میدانِ جنگ کی جانب دوڑا چلا ہوا ہوا تھا۔ کوئی بھی امن اور چین سے نہ گزارتا تھا۔ کسی شخص کو پچھلے واقعات پر نظر دوڑانے اور ان پر غور و فکر کرنے کی فرصت نہ تھی بلکہ ہر ایک کی نظر مستقبل ہی پر تھی۔ اسی وجہ سے کسی شخص نے اس زمانے میں پیش آنے والے واقعات کو باقاعدہ مرتب کرنے کی کوشش نہ کی اور نہ کسی کو ایسا موقع میسر آ سکا۔ روایات کی تدوین بعد کے زمانوں میں ہوئی لیکن وہ بھی کسی باقاعدگی کے تحت نہیں بلکہ لوگوں نے جو روایات ایک دوسرے سے سن کر سنیں ان میں محفوظ کر رکھی تھیں انھیں بغیر کسی چھانی میں اور نقد و جرح کے ایک جگہ جمع کر دیا گیا۔ ان روایات کے جمع کرنے میں وہ احتیاط بھی نہ برتی گئی جو احادیثِ رسولؐ بیان کرنے میں برتی جاتی تھی۔ اور ایسا ہونا ممکن بھی کس طرح تھا جب اس زمانے میں مسلمان فتوحات میں مصروف اور ایک ایسی عظیم سلطنت کی تشکیل و تنظیم میں مشغول تھے جن کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جا رہا تھا۔

چونکہ اس عہد کی روایات جمع کرنے میں کسی اصول اور قاعدے کو پیش نظر نہیں رکھا گیا اس لیے کتبِ تاریخ میں ہر قسم کی رطب و یابس روایات جمع ہو گئی ہیں۔ دورِ حاضر کے مؤرخ کے لیے ضروری ہے کہ کسی واقعے کے متعلق اصل حقیقت معلوم کرنے کے لیے وہ کسی ایک روایت پر انحصار نہ کرے بلکہ ملکی حد تک اس واقعے کے متعلق بیان کر وہ تمام روایات کی چھان بین کرے ایک روایت کا دوسری روایت سے موازنہ کرے اور اس طرح اصل حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

قیم مرد میں نے روایات کی جرح و تعدیل میں عامی محنت کی ہے۔ پھر بھی اُن کی کوششوں کو انتہائی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھنے کے باوجود ہیں اس امر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ انھوں نے تصدیق اور ان کے ہمہ کی ایسی روشنی تصویر ہمارے سامنے پیش نہیں کی جس کے حسن و جمال سے ہماری آنکھیں فرحت محسوس کر سکیں۔

تیم نے ان کتابوں کی فہرست درج کی ہے جن سے اس کتاب کی تالیف میں مدد لی گئی ہے۔ نقد پُرکین یہ کتابیں ناخط فرمائیں انھیں ہمارے دعوے کی صداقت کا علم ہو جائے گا بعض موضح نے قرآنی کتابوں میں ابوبکرؓ کے سبیل القدر کا نام لیا اور اس حدیث دونوں ہر کسے والے عظیم الشان تھاوت کو بیان ہی نہیں کیا۔ اگر کہیں کیا بھی ہے تو نہایت معمولی طریقے سے چنانچہ طبری، ابن اثیر اور بلاذری نے صحیح قرآن کے متعلق کچھ نہیں لکھا حالانکہ صحیح قرآن کا کارنامہ اتنا محکم بالشان ہے کہ اگر ابوبکرؓ اس کے سوا اور کچھ بھی ذکر کرتے تو یہی یہ اُن کے نام کو بقائے دوام کا خلعت پہنانے کے لیے کافی تھا۔ جنگائے ارتداد، فتوح عراق اور فتح شام کے متعلق ان ترمذیوں نے جو روایات بیان کی ہیں ان میں اس قدر اختلاف اور تضاد ہے کہ خدا کی پناہ۔ یہی نہیں کہ ایک کتاب میں کوئی روایت ہے اور دوسری میں کوئی بلکہ ایک ہی کتاب میں ایک واقعے کے متعلق مختلف اور باہم متضاد روایات درج ہیں جبب انسان یہ روایات پڑھتا ہے تو سر جھکا کر دیکھتا ہے اور اس کی نگاہ میں نہیں آتا کہ کس روایت کو کسے اور کسے چھوڑ دے۔

واقعات کے نامزد وقوع کے متعلق بھی اختلاف کی کمی نہیں بعض اہلقت قراس باب میں انتہائی بے پروائی برتی گئی ہے اور انھیں ہند کہے روایات درج کر دی گئی ہیں۔ چنانچہ طبری میں مذکور ہے کہ جنگائے ارتداد سلسلہ میں وقوع پذیر ہوئیں، فتوحات عراق سلسلہ میں مکمل ہو گئیں اور فتوحات شام کی تکمیل سلسلہ میں ہوئی۔ واقعات کی اس ترتیب پر ایک نظر ڈالنے سے یہی خیالی ذہن میں آتا ہے کہ عراق کی فتوحات اس وقت تک شروع نہ ہوئیں جب تک فتوحات عراق باقیہ تکمیل کو نہ پہنچ گئیں حالانکہ واقعہ ایسا نہیں عراق پر لشکر کشی کی ابتداء جنگائے ارتداد کے دوران ہی میں ہو چکی تھی اور فتوحات شام کا سلسلہ جنگائے ارتداد کے ساتھ اس وقت شروع ہو چکا تھا جب خالد بن ولید کی فوجیں عراق

میں ایڑیوں سے برابر پکڑ رکھیں۔

اختلافات کی حد یہیں ختم نہیں ہوجاتی۔ کتابوں میں جہاں واقعات کے وقوع اور زمانہ وقوع کے متعلق اختلافات کی بھرمار ہے وہاں مقامات کے متعلق اختلافات کی بھی کمی نہیں۔ بسا اوقات ان اختلافات کے باعث روایت کا حلیہ ہی بگڑ جاتا ہے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اصل حقیقت سے کس طرح آگاہی حاصل کی جائے بعض اوقات ایک ہی نام کے کئی مقامات مختلف جگہوں پر پہنچنے ہیں لیکن روایت سے قطعاً پتا نہیں چلتا کہ اس جگہ کون سے مقام کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ بعض مقامات کا نام و نشان یک بحث چلے ہے اور ان کا حقیقی محل وقوع معلوم کرنا نہایت دشوار ہے (گو مستشرقین نے اس شکل کو بڑی مذمتک حل کر دیا ہے اور ایسے نقشے تیار کیے ہیں جن کی مدد سے نادر مقامات کا صحیح محل وقوع معلوم ہو سکتا ہے) بعض روایات اس قدر مشکوک ہیں کہ ان کی صحت پر مشکل ہی سے یقین کیا جا سکتا ہے۔

مسند پر بالا درجہ کی بنا پر دور حاضر کے بعض مؤرخین نے ابو بکرؓ کے عہد میں رونما ہونے والے واقعات کے متعلق بے حد تردد کا اظہار کیا ہے اور وہ ان واقعات کی تصدیق کرنے کے لیے آسانی سے تیار نہیں ہوتے۔ جیسے مؤرخین نے ان کے عہد کا تذکرہ غایت اختصار سے کیا ہے جس سے واقعات کی حقیقی تصویر سامنے آتی ہے نہ اس جاہ و جلال کا کوئی واضح نقشہ ہمارے سامنے کھینچتا ہے جو عہد صدیقؓ کا طرز اختیار تھا اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ عہد صدیقؓ کا کوئی بڑا نظام اور اسلامی سلطنت کے قیام میں فیصلہ کن اہمیت حاصل تھی۔

عہد صدیقؓ کے ابتدائی ماخذوں پر نظر ڈالنے سے ایک اور عجیب و غریب امر کا پتہ چلتا ہے کہ ہمارے مؤرخین ابو بکرؓ کے متعلق اتنا بھی بیان نہیں کرتے جتنا خالد بن ولید اور اُبی بن سلامؓ کے متعلق بیان کرتے ہیں جنہوں نے شام جا کر وہاں کی فوجات میں جبراً یا جب کوئی شخص ان کتابوں کا مطالعہ کر کے قرا سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ابو بکرؓ کو یا و الہی کے سوا کوئی کام نہ تھا اور وہ مدینہ میں بیٹھے مئی رات عبادت اور تسبیح و تحمید میں مشغول رہتے تھے۔ مگر سلطنت کی دیکھ بھال یا قرضہ، عثمانؓ اور علیؓ جیسے حلیل القدر صحابہ کرتے تھے یا قادیان مساکر اور مختلف علاقوں کے عمال، حالانکہ یہ بات صریحاً غلط اور بخت گوارہ کن ہے۔ ابو بکرؓ کے عہد میں استحکام دین اور تعمیر

سلطنت کے سلسلے میں جو کچھ ہوا وہ سب کچھ محض اللہ کی ذاتی توجہ اور کرم ششدری کے نتیجے میں ہوا اور اس کا سراوان کے سوا کسی کے سر پر نہیں ہانڈھا جاسکتا۔

ہم چند بھی استاد کہ چکے ہیں کہ مرتدین اور فاسقین زکوٰۃ کا اقتدار اٹھنے پر جب ابو بکرؓ نے اللہ سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا تو اکثر مسلمانوں نے جن میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے ابو بکرؓ کو اس ارادے سے ہانڈ رکھنا چاہا لیکن انھوں نے صاف انکار کر دیا اور انتہائی اولوالعزمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنی لوگوں سے ضرور جنگ کروں گا خواہ مجھے اکیلا ہی اللہ کے مقابلے میں ٹھکانا پڑے۔ یثربی بن حارث شیبانی کی جانب سے امداد کی درخواست موصول ہونے پر ابو بکرؓ بھی قتل کی مدد کے لیے خالد بن ولید کو عراق بھیجا۔ جب شام پر فوج کشی کرنے کا امر ملے تو پیش ہوا تو اسے عرب سے فرجیں انھیں نے کٹھی کھیں اور جب ابو عبیدہ بن جراح اور شام میں مقیم دوسرے اسلامی سپہ سالاروں نے دعویٰ سلطنت پر یوریش کرنے میں سستی دکھائی تو انھیں نے اپنے خاص حکم کے ذریعے سے خالد بن ولید کو اس اہم کام کی انجام دہی کے لیے مامور کیا۔

ایک طرف ابو بکرؓ اور شام کی جانب فوجوں پر فوجیں اور ملک پبلک ہوا وہ فراہم ہے تھے اور دوسری جانب بیت المال کی تنظیم مالی نعمت کی تقسیم عمال کے تقرر اور سلطنت کے انتظام بالخصوص میں بہت حق مصروف تھے۔ مگر سلطنت کی انجام دہی میں انھیں کسی چیز کا حسی کہ اہل و خیال کا بھی بڑا دخل نہ تھا۔ ایک ہی دم میں حق اور ایک ہی گمن اور وہ یہ کہ اللہ کی طرف سے آپ کو جو سرداری تعویض کی گئی ہے اس کی بجائے وہی سرسبز فرقہ نہ آنے پائے۔ مگر سلطنت میں اس درجہ انتہا کی کا نتیجہ کاغذوں سے انتہائی قلیل مدت میں وہ عظیم الشان کام کر رکھتے جو دوسرے لوگ سالہا سال کی جہد و مسلسل جدوجہد کے باوجود نہیں کر سکتے اور نہ کر سکتے۔

مؤرخین کا ابو بکرؓ اور ان کے عہد کی طرف سے اتنی جہد پر حقیقی بہتے کا ایک سبب غالباً یہ بھی ہے کہ انھیں مسلسل چھ سال تک رسول اللہ کی مبارک اور پاک صحبت میں زندگی بسر کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس دوران میں ان کا جو تعلق آپ سے رہا اس کا اعجاز آپ نے ان الفاظ میں فرمایا:

”اگر میں بندوں میں سے کسی کو اپنا خلیل بنا تا تو ابو بکرؓ کو بناتا۔“

اس بنا پر مؤرخین اور راویوں نے یہ خیال کر لیا کہ رسول اللہ کی پاک صحبت اور ابو بکرؓ کے حق میں

ہمپ کے ان الفاظ کے مقابلہ میں زمانہ خلافت میں رونما ہونے والے تمام واقعات اور کائناتے بالکل بھیج ہیں، اس سے ان کا تفصیل سے ذکر کرنے کی چندوں ضرورت نہیں۔

بے شک رسول اللہ اور ابو بکرؓ کے باہمی تعلقات کی نوعیت معمولی نہیں بلکہ اپنے اندر انتہائی اہمیت رکھتی ہے۔ لیکن ان کی خلافت کا زمانہ بھی کم اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ نسبت سالہ صحبت کے دوران میں جو ایمان و ایمان انھیں حاصل ہوا تھا اس کے عملی اظہار کا وقت تو زمانہ خلافت ہی میں میسر آیا تھا اور یہ عملی اظہار انھیں نے جس طرح کیا اور اس امانت کا حق، جہاں کے سپرد کی گئی تھی، جس طرح ادا کیا وہ تاریخ عالم کا ایک فراموش نہ ہونے والا سبق ہے۔ اس لحاظ سے ان کا عہد مستحق ہے کہ اس کی مفصل تاریخ قلم بند کی جائے۔

مخبروں میں اختلاف اور عدم وحدت کی نسبت مندرجہ بالا تاثر کے باعث متفہم ہیں کی کتابوں میں ابو بکرؓ کے متعلق بہت ہی کم مواد ملتا ہے۔ اس کا اثر متاخرین کی کتابوں میں بھی ظاہر ہوا کیونکہ ان کی بنیاد کلیہ متقدمین اور ابتدائی مورخین کی کتابوں اور روایات پر تھی بعض متاخرین تو عہدِ صدیقؓ کا ذکر انتہائی اختصار سے کہہ کے بہت ہی عمدہ عمر کی طرٹ متوجہ ہو جاتے ہیں لیکن بعض مؤرخ تو عہدوں کے عہد کا موازنہ شروع کر دیتے ہیں مالا کہ یہ انتہائی نامناسب ہر ہے بڑی بڑی عظمت و حرکت کے لحاظ سے دنیا کے کسی بڑے سے بڑے سیاست دان سے کم نہ تھے حضرت اُمّیر کا عہد یقیناً اسلام کا انتہائی روشن عہد ہے۔ اس میں سلطنت کی بنیادیں استوار کی گئیں تو اہم حکمت و حرب کیے گئے، نظام حکومت مضبوط بنیادوں پر قائم کیا گیا، مصر اور دیگر دوری وایران کی مغربیات پر پہلی بار اسلامی غم مہر لایا۔ لیکن اس امر سے کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت عمرؓ کی تاریخ کا یہ عظیم دور حضرت ابو بکرؓ کی تاریخ کے عہد کا تہہ و کملہ تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے ابو بکرؓ کا دور رسول اللہ کے عہد کا تہہ و کملہ تھا۔

اگرچہ موجودہ زمانے میں بہت کم کتابیں ملتی تھیں مگر جن میں ابو بکرؓ اور ان کے عہد کا ذکر تفصیل و تفریح اور تحقیق و تدقیق سے کیا گیا ہو پھر بھی مجھے اعتراض کرتا ہوں کہ اس میں مستشرقین نے عہدِ صدیقؓ کی اہمیت محسوس کر کے اس کی کوہِ مار کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ اٹھارویں صدی عیسوی میں ایسے وی ماری نے تاریخ آل عرب (History of the Arabians)

کے نام سے ایک کتاب تالیف کی جس میں ابوبکرؓ کا ذکر خصوصیت اور تحقیق سے کیا گیا۔ انہیں صدی کے اوائل میں اوسمین وی پرسیوال نے ایک کتاب (Essai sur l'Histoire des Arabes) کے نام سے تالیف کی۔ اس میں بھی ابوبکرؓ کا ذکر تفصیل و توجیح سے کیا گیا ہے۔ مشہور دین سرولیم سورڈ نے (Annals of the Early Caliphate) تالیف کی اور اس کے اندر بڑے فاضلانہ انداز میں ابوبکرؓ کے عہد و زمان کے کارناموں پر تبصرہ کیا۔ اس وقت سے آج تک جرمنی، اٹلی، فرانس، انگلستان اور دوسرے یورپی ممالک کے متعدد مستشرقین تاریخ اسلام کے دس عہدہ زریں کے متعلق تحقیق و تدقیق میں مشغول رہے ہیں اور انہوں نے اس ضمن میں ضابطہ قابل قدر کام کیا ہے۔

چنانچہ میں نے مستشرقین کی کوششوں کا ذکر کیا ہے وہاں بعض ایسے مسلمان اور عرب مؤرخین کا تذکرہ کر دیا بھی ضروری سمجھا ہوں جنہوں نے عہد صدیقؓ کی اہمیت بھرا کر اپنی کتابوں میں ان کے متعلق تفصیل اور تحقیق سے کام لیا ہے۔

مشہور مؤرخ "ریفین بک العظم" نے اپنی کتاب "اشتر مشاہیر الاسلام" کے جز اول میں حضرت ابوبکرؓ اور ان کے عہد کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کتاب کے اکثر حصوں کے علاوہ سے بتا چلتا ہے کہ ان کے نزاع و منقہ میں کے طریقوں سے بڑی حد تک متاثر ہیں۔ مرحوم شیخ محمد غفری بک نے بھی ابوبکرؓ کے عہد کا تذکرہ تفصیل و توجیح سے کیا ہے اور انہیں لکھا ہے:-

ہم باخود ترمید کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عہد ہر زمانہ تاریخ اسلام کا واحد ایسی اور ہی عورت قرار ہوتا۔ جب آپؓ نے حنائی خلافت اقدس میں بی قرعہ مسلمانوں کے دلوں پر غوث و خطر طاری اور دایہ و بدلی محیط تھی لیکن حضرت صدیقؓ نے حیرت انگیز اور العرس سے تمام فتوں اور دشمنوں کا قلع قمع کر ڈالا اور اسلام کا نام و نشان و شوکت سے دوبارہ اپنے دست پر گامزن ہو گیا:-

اس وجہ سے انہوں نے اپنی کتاب "تغفار حمزہ کا پہلا حصہ" لکھ کر ابوبکرؓ کے حالات کے لیے قیام کیا ہے۔ اسی طرح شیخ عبد اللہ اب تہار اور بعض دوسرے مؤرخین نے بھی ان کے متعلق بہت حد تک تحقیقی کام کیا ہے۔

میں یہ قبیہ اس دعا پر ختم کرتا ہوں! اللہ ہمارے علماء اور رُفہین کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ ابو بکرؓ کا حقیقی مقام سمجھیں اور کاوش و جہاں فشانی سے ان کے مستقل ایسا حقیقی مراد تیار کریں جس سے ان کی حلیہ شمیمیت صحیح رنگ میں دنیا کے سامنے آ سکے اور اب تک جو انصافی آپؐ کے ہوتی رہی ہے اس کی تلافی ہو جائے۔ ————— آخر میں میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے کسی حد تک مجددِ تاجیز کو یہ فریضہ کمالانے کی توفیق عطا فرمائی اور حقیقت تو یہ ہے کہ تمام کام اسی کی سربراہی و توفیق سے انجام پاتے ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ کے حالات کے بعد اگر اللہ نے توفیق عطا فرمائی تو حضرت عمرؓ کے حالات بھی اسی سچ پر لکھنے کا ارادہ ہے۔

محمد حسین ہیکل

(۱)

# ابوبکر رسول اللہ کی زندگی میں

## ابتدائی حالات

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بچپن اور جوانی کے متعلق اتنے کم واقعات تاریخوں میں جتے ہیں کہ ان سے نہ اس دور میں ان کی شخصیت کے بچے صحیح طور پر معلوم ہوتے ہیں اور نہ ان کے والدین کے ناموں کے سوا ان کی کے بارے میں کسی اور بات ہی کا پتا چلتا ہے۔ قبول اسلام کے وقت ان کے والدہ قیدیہ عیادت تھے لیکن تاریخ میں نہیں بتائی کہ ان کے والد پر ان کے اسلام لانے کا کیا اثر پڑا اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے ان کی زندگی میں کیا اثر لیا۔ البتہ جہاں تک آپ کے قبیلے کا تعلق ہے تو یہ یقین ہے کہ اس کا ذکر کرتے ہوئے قدرے تفصیل سے کام لیا ہے اور بتایا ہے کہ قریش میں اس قبیلے کو کیا مرتبہ حاصل تھا۔ مرتبے کا ذکر خصوصیت سے کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بسا اوقات محض قبیلے کے ذکر سے کسی شخص کے عادات و اطوار اور اخلاق و خصائص کے متعلق بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔

## قبیلہ

حضرت ابوبکرؓ قبیلہ تیم بن مرہ بن کعب سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا نسب انطویش پشت میں مرہ پر جا کر رسول اللہ سے مل جاتا ہے۔ تفصیل یہ ہے:

مرہ — تیم — سعد — کعب — عمرو — عامر — عثمان — ابوبکر صدیقؓ

کعب — قنسی — جعد مناف — اختم — عبدالعطلب — عبداللہ — محمد رسول اللہ

کو میں پسے والے تمام قبائل کو کعبہ کے صاحب میں سے کوئی نہ کوئی منصب ضرور سپرد ہوتا تھا۔  
 بنو عبد مناف کے سپرد حاجیل کے لیے پانی کی بہم رسانی اور انھیں آسائش پہنچانے کے انتظامات  
 تھے۔ بنو عبد الدار کے ذمے جنگ کے وقت علم برداری کعبہ کی دہائی اور دار الندوہ کا انتظام تھا۔  
 لشکر کی سپہ سالاری خالد بن ولید کے اجداد بنو مخزوم کے حصے میں آئی تھی۔ خول ہما اور یثیب  
 اکلہ کرنا بنو حیم بن مرہ کا کام تھا۔ جب ابو بکرؓ جہان پر گئے تو یہ خدمت ان کے سپرد کی گئی۔ خول ہما  
 اور دہبیل کے تمام مقدمات ان کے سامنے پیش ہوتے تھے اور جو فیصلہ دہا کرتے تھے اسے قریش  
 کو منظور کرنا ہوتا تھا۔ خول ہما کے متعلق تمام اموال بھی ان کے پاس جمع ہوتے تھے۔ اگر ان کے سوا  
 کسی اور شخص کے پاس جمع ہوتے تھے تو قریش اسے تسلیم نہ کرتے تھے۔

بنو حیم کے جو اوصاف کتابوں میں بیان ہوئے ہیں وہ دوسرے عرب قبائل سے کچھ زیادہ  
 عظمت نہیں۔ ان میں کوئی ایسا مخصوص وصف نہ پایا جاتا تھا جو انھیں ان کے ہم عصر دوسرے  
 قبائل سے ممتاز کر سکے۔ شباہت، اتحاد، مروت، بہادری اور مہاروں کی حمایت و حفاظت کی جو  
 صفات دوسرے قبائل عرب میں موجود تھیں وہی بنو حیم میں بھی تھیں۔

## نام، لقب اور کنیت

حضرت صدیق اکبرؓ کا نام عبداللہ تھا اور کنیت ابو بکرؓ۔ والد کی کنیت ابو تھا ذہبی اور نام عثمان بن مالک  
 والدہ کی کنیت ام الخیر تھی اور نام سلمیٰ بنت صفوان مامر بعض کتابوں میں کعبہ کے کہ اسلام لانے  
 سے قبل ابو بکرؓ کا نام عبد کعبہ تھا لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہؐ نے یہ مشرکانہ نام تبدیل  
 کر کے عبداللہ رکھ دیا بعض روایات کے مطابق انھیں منقہ بھی کہتے تھے۔ دوسرے بھی کہتے ہیں کہ آپ کی والدہ  
 کے لڑکے زندہ نہ رہتے تھے۔ انھوں نے نذرانی کہ اگر ان کے لڑکا پیدا ہوا اور زندہ رہا تو وہ اس  
 کا نام عبد کعبہ رکھیں گی اور اسے کعبہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گی چنانچہ جب ابو بکرؓ پیدا ہوئے  
 تو انھوں نے نذر کے مطابق ان کا نام عبد کعبہ رکھا۔ جہاں ہونے پر وہ یثیب (آؤنا کو وہ غلام ہم کو نام  
 مرحوم کے جانے لگے کہ اگر انھوں نے حرکت نہ کی پائی تھی یثیب کیوں کا خیال ہے کہ تین کا لقب نہیں لایا تین کا یہ فیصلہ  
 کے باعث دیا گیا۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ ان کی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یثیب کو گننے

ہجرا کہ ان کے والد کو متین کیوں کہا جاتا تھا انہوں نے فرمایا:  
 "ایک مرتبہ رسول اللہ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا 'ہذا متین اللہ من اللہ' اللہ کا یہ بندہ  
 آگ سے آلودہ ہے۔"

یہ روایت اس طرح بھی آئی ہے کہ ایک مرتبہ ابو بکر چند لوگوں کے ساتھ رسول اللہ کی خدمت  
 میں حاضر ہوئے۔ انہیں دیکھ کر آپ نے فرمایا،

"جو چاہتا ہو کہ آگ سے آلودہ شخص کو دیکھے وہ ابو بکرؓ کو دیکھے۔" ابو بکرؓ ان کی کنیت  
 تھی اور عمر بھرا انہی کنیت ہی سے موصوم کیے جلتے رہے۔ لیکن اس کنیت کا حقیقی سبب معلوم نہ ہو  
 سکا۔ بعد میں آنے والے بعض محدثین کہتے ہیں 'یہ کنیت اس لیے پڑی کہ آپ سب سے پہلے اسلام  
 لائے (انہ بکرمہ لی الاسلام قبل غیرہ)۔"

## بچپن اور جوانی

بچپن کا زمانہ انہوں نے اپنے دوسرے ہم سن بچوں کے ساتھ مکہ کی ٹلیوں میں کھیلنے گزارا۔  
 جوان ہونے پر ان کی شادی قتیبہ بنت عبد العزیٰ سے ہوئی۔ ان سے عبد اللہ اور اسماء پیدا ہوئے۔  
 اسماء کا لقب بعد میں ذات بنی تاقین قرار پایا۔ قتیبہ کے بعد انہوں نے ام رومان بنت عامر بن  
 حریر سے شادی کی۔ ان سے عبد الرحمن اور عائشہؓ پیدا ہوئے۔ اس کے بعد مدینہ آکر پہلے انور  
 نے حبیبہ بنت خدیج سے شادی کی پھر اسماء بنت عیس سے۔ اسماء کے طبع سے محمد پیدا ہوا۔

## پیشہ، حلیہ اور اخلاق و عادات

ترتیب کی ساری قوم تجارت پیشہ تھی اور اس کا ہر فرد اسی فن میں مشغول تھا۔ چنانچہ ابو بکرؓ نے بھی بڑے  
 ہو کر کپڑے کی تجارت شروع کر دی جس میں انہیں غیر معمولی فروغ حاصل ہوا اور ان کا شمار بہت جلد  
 مدینہ میں نہ صرف اس کنیت سے مشہور ہونے کی ایک وجہ بھی بن گیا جس سے کہ عربی میں بزرگواروں کو کہتے ہیں۔  
 چونکہ انہیں اوتاروں کی خود پرہیزگاری سے بہت دلچسپی تھی اور ان کے علاج معالجے میں بہت واقفیت رکھتے  
 تھے۔ اس لیے لوگوں نے انہیں ابو کبہؓ کا شمار کیا۔ (مترجم)

کمر کے نایت کامیاب تاجروں میں ہونے لگا۔ تجارت کی کامیابی میں ان کی جاذب نظر شخصیت اور بے نظیر اخلاق کو بھی بڑا خاصا دخل تھا۔

ان کا رنگ سفید بدن، دلا، دارمی خشکاشی، چہرہ شگفتہ، آنکھیں روشن اور میثاقی فرخ تھی وہ بہترین اخلاق کے مالک، رحم دل اور نرم خور تھے۔ ہوش و خرد، عاقبت اندیشی اور پختہ فکر و نظر کے لحاظ سے کم کے بہت کم لوگ ان کے ہم پل تھے۔ مثل و خرد جہاں انسان کے قلب و فکر کو جلا بخشتی ہے وہاں بسا اوقات بے راہ روی کا موجب بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن اللہ کی طوت سے ابو بکرؓ کو قلبِ سلیم و ولایت ہوا تھا۔ اسی لیے وہ انہی قوم کے اکثر گمراہ کن اعتقادات اور رسوم و عادات کے بالکل الگ رہتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ انھوں نے سبعاہلیت اور اسلام اور وفاتِ زمانہ میں شراب کا قطرہ تک نہ چکھا حالانکہ اہل مکہ شراب کے حاوی ہی تھے بلکہ عاشق تھے۔ ابن ہشام اپنی سیرت میں ان کے اخلاق کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ابو بکرؓ اپنی قوم میں نبوتِ ہر دل عزیز تھے۔ علم الانساب کے بہت بڑے ماہر تھے۔ قریش کے کمرے تمام خاندانوں کے نسب انھیں پتہ چلا کرتے اور ہر قبیلے کے محبوب و نقائص اور محار و فضائل سے بہ خوبی واقف تھے۔ اس وصف میں قریش کا کوئی فرد ان کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ وہ خلیق ایمان دار اور عطا و تاجر تھے۔ قوم کے تمام لوگ ان کے معنی اخلاق اور عہدہ برتاؤ کے مستر تھے اور انھیں فضائل کے باعث ان سے بے حد محبت کرتے تھے۔“

## رسول اللہ سے تعلق اور قبولِ اسلام

ابو بکرؓ کا قیام مکہ کے اس محلے میں تھا جہاں حضرت عبداللہؓ نہت خویلد اور دوسرے بڑے بڑے تاجر حکومت پذیر تھے اور جن کی تجارت یمن و شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسی محلے میں رہنے کے باعث رسول اللہؐ سے ان کا رابطہ پیدا ہوا اور وہ ان ایک دوسرے کے گہرے دوست بن گئے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب آپؐ حضرت عبداللہؓ سے شادی کر کے لہذا انھیں گھر قتل ہو گئے تھے۔ ابو بکرؓ رسول اللہؐ سے دو سال چند ماہ چھوٹے تھے گمان غالب یہ ہے کہ ہم عربی پیشے میں

اشتراک، طبیعتوں میں یک جہتی، قریش کے معاندانہ سادہ سے نفرت اور بری عادتوں سے اجتناب، ان تمام باتوں نے دونوں کی دوستی کو پُر ان چڑھانے میں بہت مدد دی۔ مگر ان میں فرق یہ بھی تھا کہ دوستی کے نسل بھی اختلافات بعض تیرہ لکھے ہیں کہ بعثت سے پہلے ہی رسول اللہ سے ابو بکرؓ کی گہری دوستی ہو چکی تھی اور یہی دوستی ایک جہتی ان کے سب سے پہلے اسلام لانے کا محرک ہوئی۔ لیکن بعض مومنین کا بیان ہے کہ دونوں کے تعلقات میں استوا ہی اسلام کے بعد ہوئی، اسلام سے پہلے دونوں کے تعلقات صحت ہسائی اور دینی میلانات درجانات میں کیسانی ملک محدود تھے۔ اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ بعثت سے قبل رسول اللہؐ عزت اور گرفتاری پر نہ کہتے تھے اور انھوں نے کوئی سال سے لوگوں کے ساتھ ملنا تقریباً ترک کر رکھا تھا جب اللہ نے آپؐ کو رسالت کے شرف سے مشرف کیا تو خیال آیا کہ ابو بکرؓ کو اللہ نے عمل و خیر سے حصہ دافروے دیکھا ہے اس لیے سب سے پہلے انھیں اسلام کی تبلیغ کرنی چاہیے چنانچہ آپؐ اسی کے پاس گئے اور انھیں اللہ کی طرف بلایا جس پر ابو بکرؓ نے کسی تردد کا اظہار نہ کیا اور ایک لمحے کے توقف کے بغیر ایمان لے آئے۔ اس وقت سے دونوں کے درمیان تعلقات کا آغاز ہوا۔ اعداد ان تعلقات میں روز بروز استقامت پیدا ہوتی چلی گئی۔ ابو بکرؓ نے رسول اللہؐ کی محبت و امانت میں اپنے آپ کو سزا پا غرق کر دیا اور ایمان کا وہ نمونہ پیش کیا جس کی نظیر مری دنیا تک پیش نہ کی جاسکے گی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے ہر شے منہا لیا اپنے والدین کو دین اسلام کی محبت میں ترقی ہی کرتے دیکھا۔ کوئی دن ایسا نہ تھا جب رسول اللہؐ ہمارے گھر صبح و شام تشریف دلاتے ہوں۔

آغاز اسلام ہی سے ابو بکرؓ اپنے اندر دین حق کی اشاعت و ترویج میں رسول اللہؐ کی اعدا و امانت کا خیر معمولی مجاہد رہ گئے تھے اور ہر وقت نہایت اخلاص سے اس میں مشغول رہتے تھے۔ چونکہ ابو بکرؓ عوام و خواص میں بہت ہر طرز پر تھے اور لوگوں کے دلوں میں ان کی جے صحت و مقصد تھی اس لیے بہت جلد متعدد اشخاص ان کی تبلیغ سے اسلام لے آئے۔ عثمان بن عفان، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ بن عبید اللہ، مسد بن ابی وقاص اور زید بن عوام جہا ان میں صحابہ میں سے ہیں ابو بکرؓ ہی کی کوششوں سے اسلام لے گئے۔ بلوین علی

ابو عبیدہ بن جراحؓ اور کثرت سے لوگ ان کی تبلیغ کے نتیجے میں مسلمان ہوئے۔

## بلا ترد و قبول اسلام کا سبب

ابو بکرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ پڑھتے ہی طبعاً دل میں خیال آتا ہے، یہ بڑی ہی حیرت انگیز بات ہے کہ انھوں نے اسلام قبول کر کے دو وقت کسی بچکچا ہٹ اور ترد کا اظہار نہ کیا اور جو نبی رسول اللہؐ کے سامنے اسلام پیش کیا انھوں نے فوراً بے پس و پیش اسے قبول کر لیا۔ چنانچہ خود رسول اللہؐ فرماتے ہیں:

”میں نے جس کسی کو اسلام کی طرف بلایا اس نے کچھ نہ کچھ ترد اور بچکچا ہٹ کا اظہار کیا سوا ابو بکر بن ابی قحافہ کے جب میں نے انھیں اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے بغیر کسی تاخیر کے فوراً میری آواز پر لبیک کہا۔“

صرف یہی نہ تعجب انگیز نہیں کہ ابو بکرؓ نے توحید کی دعوت سنتے ہی اس امر پر لبیک کہا بلکہ جب رسول اللہؐ نے نماز میں فرشتے کے نزول اور وحی آنے کا واقعہ انھیں سنایا تو بھی انھوں نے خفیف ترین شک کا اظہار نہ کیا اور بے پس و پیش آپؐ کی تمام باتوں کا یقین کر لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ابو بکرؓ کو کے آنحضرتؐ مندا ان اہل میں سے تھے جو ایک طرف بتوں کی عبادت کو طاقت سے تعمیر کرتے تھے اور دوسری طرف دل و جان سے رسول اللہؐ کی صداقت امانت انکی اور پاک بانہی کے قائل تھے۔ جب انھوں نے رسول اللہؐ کی باتیں سنیں تو کوئی شک دل میں لائے بغیر وہ فوراً آپؐ پر ایمان لے آئے کیونکہ انھیں دعوت آپؐ کی صداقت پر کامل یقین تھا بلکہ آپؐ کی پیش کردہ تمام باتیں بھی سراسر حکمت پر مبنی نظر آتی تھیں اور وہ انھیں عقل و فکر کے تقاضوں پر پورا اترتے دیکھتے۔

## جراتِ ایمانی

ہم اسے نزدیک ان کے بلا ترد و اسلام قبول کرنے سے بھی زیادہ تعجب انگیز امر ان طے یہ سب کے سب بلند پایہ صحابی اور مشرور مشرور میں سے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ ابو بکرؓ نے جس لوگوں کو مسلمان کیا وہ تمام پختہ ایمان و اخلاص میں بے نظیر ثابت ہوئے۔ (مترجم)

کی وہ بے نظیر حجرات ہے جس کا سلام قبول کرتے ہی انھوں نے اس کی اشاعت کے سلسلے میں دکھائی۔ وہ نہ صرف دل و جان سے توحید و رسالت پر ایمان لائے بلکہ علانیہ ان باتوں کی تبلیغ بھی شروع کر دی اور اس بات کا مطلق خیال رکھا کہ اس طرح آئندہ مل کر ان کے لیے کتنے خطرات پیدا ہوں گے ان مشارک کے معزز نامہ جوں میں ہوتا تھا اور ایک تاجر کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں سے گھرے دوستاں و روادار و امانت رکنے اور ان باتوں کے اظہار سے احتراز کرے جو عوام کے نتیجہ خفاہ و افعال کے حیات میں مبادا اس کی تجارت پر برا اثر پڑے۔ دنیا میں اس قسم کے مظاہر عام طور پر نظر آتے ہیں کہ اکثر لوگ عامۃً ان اس کے عقائد و خیالات پر اعتقاد نہ رکھنے کے باوجود نہ صرف اپنے فائدے و مصلحت یا عافیت کی خاطر مزہ میں گھس گھسیاں ڈالے عاوش بیٹھے ہوتے ہیں بلکہ ایسا دانتا اپنے ذاتی خیالات کے برعکس عوام کی۔ انہی باتوں کی تائید کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جنہیں وہ اپنے دل میں غلط و فضول اور بے معنی سمجھتے ہیں۔ عام لوگوں ہی کا یہ حال نہیں بلکہ وہ لوگ بھی جنہیں قوم کی قیادت کا دعویٰ ہوتا ہے اور جو اس کے لیے راہِ عمل متعین کرنے کے لیے جگہ جگہ ہوتے ہیں، بالعموم رائے عام کی کھلم کھلا مخالفت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ لیکن ابو بکرؓ نے اسلام قبول کرنے کے بعد پہلے ہی مدینہ سے جو عظیم الشان نذر دکھایا وہ نظیر نہیں رکھتا۔ اگر وہ خفیہ طور پر رسالت رسول اللہؐ کی تصدیق پر اکتفا کرتے اور تجارت میں نقصان کے ڈر سے اپنے اسلام کو مخفی رکھتے تو بھی رسول اللہؐ کو شاید کوئی اعتراض نہ ہوتا اور آپؐ ان کی طرف سے محض اسلام کے اظہار ہی کو کافی سمجھتے، لیکن ابو بکرؓ نے ایسا نہ کیا۔ وہ علانیہ اسلام لائے اور مابعد اپنی ساری زندگی اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دی۔ انھوں نے نہ اپنی تجارت کا خیال کیا اور نہ کناریک کی مخالفت و ایذا رسانی کا بلکہ پورا انہماک سے تبلیغ دین میں مشغول ہو گئے۔ ایسا حجرات منہذا اقدام صرف وہی شخص کر سکتا ہے جسے دین کے واسطے میں نہ جان کی پروا نہ مال کی اور جمال و منال اور دنیاوی دجاہت و عزت کو ذریعہ کی خدمت اور عوام کی تبلیغ و اشاعت کے مقابلے میں بالکل ہیچ سمجھتا ہو۔

## خادمِ اولیں

بے شک حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب اور حضرت عمرؓ بن خطابؓ نے بھی اسلام کی سرچند ہی اور اس کی

اشاعت کے لیے زبردست کوشش کی اور ان کے ذریعے سے دین کو سب سے معتبر و نہجی لیکن اس کے باوجود وہیں یہ کہنے میں ذرا تاخیر نہیں کہ ابو بکرؓ ہی وہ شخص تھے جنہیں اللہ نے سب سے پہلے اپنے دین کی خدمت کے لیے چنا۔ دین اسلام اور اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے اس نیک نفس اور اتھائی رقیب القلب شخص کے دل میں وہ قوت ایلائی پیدا کر دی تھی جس کا پیدا کرنا دنیا میں کسی بھی طاقت کے بس میں نہ تھا۔ اور ایک ابو بکرؓ کی مثال سے معلوم ہو جاتا ہے کہ قوت ایلائی اپنے اندر کتنا زبردست اثر رکھتی ہے۔

## غریاء، مساکین اور مظلوموں کی امداد

ابو بکرؓ نے اپنے دوستوں اور ملنے جلنے والوں کو تبلیغ کرنے اور ان کیسے معلوم مسلمانوں سے مدد کی کہ جسے ہی پراگشاندہ کی جہت پریش نہ کہ کے باوجود محض اسلام لانے کی وجہ سے مظلوم پر رفاقت کر رہے تھے بلکہ انھوں نے اپنا مال بھی انی غریب لوگوں پر دل کھول کر خرچ کیا جنہیں اللہ نے اسلام کی جانب رہنمائی کی تھی اور دشمنانِ حق نے انہیں تکالیف پہنچانے اور ان پر سختی مظلوم کوڑنے میں کوئی کسر اٹھا رکھی تھی۔ جس روز وہ اسلام لائے ان کے پاس چالیس ہندو درجہ موجود تھے۔ تجارت کا سلسلہ انھوں نے اسلام لانے کے بعد بھی جاری رکھا اور اس سے داخلہ حاصل کیا لیکن اس کے باوجود جب دس سال بعد ہجرت کا موقع پیش آیا تو ان کے پاس صرف پانچ ہزار درجہ باقی تھے۔ اس دوران میں انھوں نے جو کچھ کمایا اور جو کچھ پہلے پس ادا کر رکھا تھا وہ سب کا سب اللہ کی راہ میں اسلام کی تبلیغ میں اور انی غلاموں کو آزاد کرانے میں خرچ کر دیا۔ محض اسلام لانے کے حجم میں اپنے سب سے دین آقاوں کے ہاتھوں جو ان کی سختیاں برداشت کر رہے تھے۔

ایک روزنا غفلتِ بخل کو دیکھا کہ ان کے آقا نے انہیں دوپہر کے وقت شدید و صحراب میں بھیجی ہوئی ریت پر لٹا یا اور ان کے سینے پر پتھر رکھ کر کہا۔ "اسلام چھوڑ دیجئے گا اعلان کر دو ورنہ اسی طرح مار ڈالوں گا۔" یہ دونوں منظر دیکھ کر ابو بکرؓ نے انہیں ان کے آقا سے خرید کر آزاد کر دیا۔ اسی طرح ایک اور غلام عامر بن فیروز کو مسلمان ہونے کی وجہ سے سخت تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ ابو بکرؓ نے انہیں بھی خرید کر اپنی بکریوں کی نگہداشت اور چرانے کا کام سپرد کر دیا۔ اسی طرح انھوں نے ابو

بھی جیسوں فلام خرید کر انھیں اللہ کی راہ میں آنا دیا۔

## رسول اللہ کی تائید و حمایت

رسول اللہ کا مرتبہ قریش میں بہت بلند تھا۔ آپ کا شمار قبیلے کے معزز ترین افراد میں ہوتا تھا۔ غلط فہمی نہ رہے۔ یہی حال ابو بکرؓ کا بھی تھا۔ انھیں بھی شہر کا سربراہ اور وہ فرد ہونے کے باوجود محض اسلام لانے کے جرم میں قریش کے مظالم کا نشانہ بننا پڑتا تھا۔ لیکن اس پر بھی جب آپ نے دیکھا کہ قریش رسول اللہ کو تکلیفیں پہنچا رہے ہیں تو انھوں نے جان تک کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو حضورؐ کے بچانے کے لیے قریش کو دیا۔ ابن ہشام اپنی سیرت میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کو قریش کے ہاتھوں سب سے زیادہ تکلیف اس وقت پہنچی جب بت پرستی کی مذمت میں آیات نازل ہوئیں۔ وہ لوگ خزانہ گہر میں اکٹھے ہوئے اور ایک شخص کہنے لگا: تم نے من لیا محمد ہمارے بتوں کے متعلق کیا الفاظ کہے ہیں۔ یہ شخص تمہاری کمزوری کی وجہ سے بھاگے۔ وہ تمہارے دین اور تمہارے بتوں کے متعلق جس قسم کے الفاظ چاہتا ہے کہتا ہے۔ لیکن تم غار میں رہتے ہو۔ ابھی وہ یہ باتیں کر رہے تھے کہ رسول اللہ بھی ادھر سے گزرے جب انھوں نے آپ کو دیکھا تو ایک دم آپ پر چھپٹ پڑے اور کہنے لگے: تم نے ہمارے بتوں کے متعلق یہ یہ الفاظ استعمال کیے ہیں؟ رسول اللہ نے منہ دایا: شبہ شک! میں نے یہی یہ الفاظ کہے ہیں۔ اس پر ایک آدمی نے آپ کی چادر چھین لی اور اسی سے آپ کا گلا گھونٹنے لگا۔ اسے میں ابو بکرؓ بھی ادھر تشریف لے آئے۔ انھوں نے یہ دیکھ کر آپ کو کفاح کے زخموں سے چھڑک دیا۔ ان سے کہا: کیا تم ایک شخص کو محض اس لیے قتل کر دینا چاہتے ہو کہ وہ کفار ہیں؟ رب اللہ ہے؟ راوی ذکر کرتا ہے کہ یہ وہی تھا جب رسول اللہ کو کفار کے ہاتھوں سخت ترین تکلیف پہنچی۔

صرف اسی موقع پر نہیں بلکہ بعد میں بھی اکثر مواقع پر ابو بکرؓ نے خدا کی وصالت اور رسول اللہ کی وصالت پر ایمان کامل کا ثبوت دیا۔ ان کے یہی جذبہ ایمانی کو دیکھ کر بعض مشرکین کہ رسول اللہ کی صداقت کا اعتراف کرنا چاہتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ابو بکرؓ کو محمدؐ سے کسی قسم کے دنیوی فائدے

کی توقع نہ تھی۔ اس کے برعکس وہ مشبہ و روزیہ دیکھتے تھے کہ مکہ مکرمہ کو ہر قسم کی تکلیفیں دیتے۔ آپ کا مذاق اڑاتے اور آپ کے ماننے والوں کو جھگ کہتے ہیں۔ اگر محمد اپنے دعوے میں جھوٹے ہوتے تو ابو بکرؓ جیسے عقل مند اور مدبر شخص کو آپ پر ایمان لانے آپ کے وعادی کی تصدیق کرنے آپ کی ہر طرح مدد کرنے اور قریش میں خود اپنی پوزیشن خراب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ محض اپنی عقل و فراست کے بل بوتے پر اپنے اندر وہ ایمان پیدا کر سکتے تھے جو انسان کو تمام خطرات سے بے پروا کر کے اس میں شدید غرپ اور وحسن پیدا کر دیتا ہے جس ایمان کا مظاہرہ ابو بکرؓ نے کیا اور جس طرح انھوں نے رسول اللہؐ کے ہر قول و فعل کی تصدیق کی وہ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ اسلام یقیناً خدا کی طرف سے چلنے کو ایک باطل مذہب اور ایک جھوٹا شخص کہیے اپنے ماننے والوں کے دلوں میں ایسا ایمان پیدا نہیں کر سکتا۔

## اسلام کے موقع پر

اسلام کے موقع پر ابو بکرؓ نے جس قربت ایمانی کا شہوت دیا وہ نہ صرف حیرت انگیز ہے بلکہ اس نے بہت سے مسلمانوں کو نظر کرکھانے سے بچا لیا جب رسول اللہؐ نے اہل مکہ سے بیان فرمایا کہ رات آپ کو خدا نہ کہہ سے بیت المقدس لے جایا گیا اور وہاں آپ نے مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھی تو مشرکین نے آپ کا مذاق اڑانا شروع کیا اور کہنے لگے کہ مکہ سے شام تک کا فاصلہ ایک مہینے کا ہے یہ کس طرح ممکن ہے کہ محمدؐ بیت المقدس جائیں اور ایک ہی رات میں دو مہینے کی مسافت طے کر کے واپس آجائیں۔ بعض مسلمانوں کے دلوں میں بھی تردید پیدا ہو گیا اور انھوں نے جاہل ابو بکرؓ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ یسینؓ کو ابو بکرؓ پر وہ بشت مٹی طاری ہو گئی اور وہ کہنے لگے کہ تم رسول اللہؐ پر بے باک نہ ہوتے ہو۔ لوگوں نے کہا ہم جھوٹ نہیں کہہ رہے۔ آپ نے ابھی مسجد میں یہ بات بیان فرمائی ہے۔ یسینؓ کو ابو بکرؓ نے کہنے لگے اگر آپ نے واقعی یہی کہا ہے تو بالکل سچ کہا ہے۔ جب اللہ آسمان سے چند لوگوں میں وہی نازل فرما دیتا ہے تو اس کے سب سے رات بھر میں آپ کو مکہ سے بیت المقدس لے جانا اور واپس لے آنا مکمل ہے۔ یہ کہہ کر وہ مسجد میں آئے۔ آپ اس وقت بیت المقدس کا حال بیان فرما رہے تھے۔ ابو بکرؓ بیت المقدس ہو آئے تھے جب آپ مسجد اقصیٰ کا حال بیان کر کے فارغ

ہوئے تو ابوبکرؓ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ بالکل سچ فرماتے ہیں۔ اس وقت آپؐ نے ابوبکرؓ کو صدیق اکبرؓ کا لقب عطا فرمایا۔

اگر ابوبکرؓ بھی اس کے واقعے میں شک کا انداز کرتے تو یقیناً نہایت سے مسلمان مرتد ہو جاتے اور جو لوگ اسلام پر قائم بھی رہتے ان کے دلوں میں بہر حال شکوک و شبہات گھر گھر جاتے۔ لیکن ابوبکرؓ کی قوت ایمانی نے نہ صرف لوگوں کو مرتد ہونے سے بچایا بلکہ ان کے دلوں کو بھی شکوک و شبہات سے پاک کر دیا۔ یہ واقعات دیکھ کر یہ ہر صورت ماننا پڑتا ہے کہ ابوبکرؓ کے ذریعے سے دین اسلام کو جو نفرت حاصل ہوئی وہ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے ذریعے سے بھی حاصل نہ ہو سکتی۔ اور یہی وجہ تھی کہ ان کی خدمت کا احترام کرتے ہوئے خود رسول اللہؐ نے فرمایا تھا: "لو كنت متخذاً من الصبا دخليلاً لا تتخذت ابياً بكم خليلاً" یعنی اگر میں بندوں میں سے کسی کو گمراہ اور بدلی دوست بنانا تو یقیناً ابوبکرؓ کو بنانا (مگر اور وہی دوست سوا خدا کے اور کوئی نہیں ہو سکتا)۔

### اسرار کے بعد

اسرار کے واقعے کے بعد ابوبکرؓ سارا وقت رسول اللہؐ کی صحبت، کمزور اور مظلوم مسلمانوں کی امانت اور اسلام کی تبلیغ میں گزارنے لگے۔ تجارت صحت اسی منزل تک کہ تھے جس سے اپنا اور اپنے اہل گھرانہ کا گزارہ چلا سکیں۔ اس دوران میں رسول اللہؐ ابوبکرؓ اور دوسرے مسلمانوں پر قریش کے مظالم میں فحاشی ہی برتی جلی گئی۔ . . . . قریش نے ایذا رسانی میں کوئی ہتھیار نہ چھوڑا۔ یہ حالت دیکھ کر رسول اللہؐ نے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ اگر وہ چاہیں تو حبش کی جانب ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ متعدد مسلمان ان مظالم سے تنگ آ کر مکہ سے حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔ لیکن ابوبکرؓ نے رسول اللہؐ کا ساتھ چھوڑنا گامزاد کیا اور یہ متروکہ میں رہ کر تبلیغ کرنے، مظلوموں کو نصیحت کرنے، ایک سعادت میں ملکہ رہے کہ ابوبکرؓ کی حاجت ہجرت کرنے کے ارادے سے دور رہنے تھے۔ راستے میں ان کا ایک مشرک راہی دشمنان تھے۔ جب سے ان کے ارادے کا علم ہوا تو وہ بولا: "آپ ہجرت نہ کریں۔ آپ صدمہ لگی کرتے ہیں نہایت صلیقہ انکار میں تھا جس کی مدد کرتے ہیں اور یکسوں اور مظلوموں کو دکھ درد دے دیتے" (تقریباً سنہ ۶۱ھ)

کی مدد کرنے اور انھیں بے دخلی سے چھڑانے کے کام میں سرگرمی سے مصروف رہنے اور مکہ میں مسلمان پھیلانے کا فرض پوری خیریت اور ترقی دہی سے انجام دیتے رہے۔

جب رسول اللہ اہل مکہ کی طرف سے مایوس ہو گئے تو آپ نے دوسرے قبائل عرب تک خدائی پیغام پہنچانے کا ارادہ فرمایا۔ اس سفر کے لیے آپ طائف تشریف لے گئے اور وہاں لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، لیکن انھوں نے آپ سے جھڑپ کر لیا وہ محتاج بیابانی نہیں۔ اس دوران میں ابراہیمؑ مکہ میں رہ کر مسلمانوں کی باتیں اور جو بھلے بلند رکھنے اور انھیں حتی المقدور رکھنا کے مظالم سے بچانے میں مشغول رہے۔

## کمزور مسلمانوں کی حفاظت

گو اس سلسلے میں بنی نضیر سیرت اور ابو بکرؓ کے سماج نگاروں نے کچھ زیادہ روشنی ڈالی پھر بھی ابو بکرؓ کی زندگی پگھری نظر رکھنے والے لوگوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اس دوران میں وہ خاص شہر بیٹھے بلکہ انھوں نے حسب معمول حضرت حمزہؓ اور حضرت عثمانؓ جیسے معزز و سربراہان مسلمانوں سے مل کر کمزور مسلمانوں کو قریش کے مظالم سے محفوظ رکھا۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے اپنے وسیع اثر و رسوخ کے ذریعے سے کفار میں ایسے اشخاص سے بھی تعلق قائم کیا جو عربوں کو پرہیزگار اور اسلام کی حفاظت کرنے کے باوجود قریش کی ان ایذا رسانیوں کو جو وہ غریب و کمزور مسلمانوں پر مار سکتے تھے، نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ انھوں نے انھیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنے بھائی ہندوں کی ان انسانیت سوز حرکات پر برا نفرت کا اظہار کریں اور انھیں ایسا کرنے سے روکیں۔ چنانچہ کتب سیر

(تجلیات ص ۳۳) میں، آپ کو پناہ دیتا ہوں آپ والہیں کہ چلیے: چنانچہ وہ کہہ آ گئے۔ (ابن دہقان نے اپنے دوستوں کے مطابق حاذقہ میں اعلان کر دیا کہ میں نے ابو بکرؓ کو پناہ دی ہے۔ قریش نے بھی اس پناہ کو قبول کر لیا۔ ابو بکرؓ نے اپنے گھر کے سامنے ایک مسجد بنا رکھی تھی جہاں وہ نماز پڑھتے اور پڑوس محلے میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے۔ مشرکین کی عمریں اور بچے قادیان کے تھے اور ان کے گرد جمع ہو جاتے اور شے انہماک سے قرآن مجید سننے دیتے تھے جب قریش نے یہ دیکھا تو انھیں شدید برا لگا کہیں ان کی عمریں اور بچے ابو بکرؓ کی تلاوت میں کہ اسلام کا انہیں انکار کیا انھوں نے ان کو غور سے شکایت کی جس پر اس نے اپنی پناہ مانگی مگر انھیں صاف اور ابو بکرؓ کو چھوڑنا کہنے کا ارادہ کیا۔

پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار و کفر میں سے بعض ایسے منصف مزاج آدمی اٹھ کھڑے ہوئے تھے جو اپنے ہم مذہب لوگوں کو مسلمانوں پر ظلم کرنے سے روکتے تھے۔ اس کی واضح مثال اس وقت نظر آتی ہے جب قریش نے معاہدہ کر کے رسول اللہ اور مسلمانوں کو مکمل بائیکاٹ کر دیا تھا اور آپ شعب ابی طالب میں محصور ہونے پر مجبور ہوئے تھے۔ بائیکاٹ کا یہ سلسلہ لگاتار تین سال تک جاری رہا۔ مسلمانوں پر معاش کے تمام دروازے بند کر دیے گئے اور انھیں ایسی ایسی تکالیف پہنچائی گئیں جن کا ذکر کرتے ہوئے بھی قلم حفر ہوتا ہے اور لکھنا بڑا آنا ہے آخر قریش ہی میں سے بعض لوگ اس ظالمانہ معاہدے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ اور دوسرے مسلمانوں کو مکمل بائیکاٹ اور محاصرے سے رافقی ملی مہینہ یقین ہے کہ ابو بکرؓ ہی نے ان ایک دل لوگوں سے مل کر انھیں معاہدے کے خلاف آواز اٹھانے کے لیے تیار کیا ہو گا۔

اسلام کے اولین دور میں مسلمانوں کی مدد کرنے اور برحق اسلام کی تبلیغ میں مشغول رہنے کے باعث ان کے بارہ رسول اللہ کے درمیان ایسا تعلق قائم ہو گیا جس کی نظیر ملنی ناممکن ہے بیعت عقبہ کے بعد جب یشرب میں اسلام بھیل گیا تو رسول اللہ نے اپنے متبعین کو اجازت دے دی کہ وہ یشرب ہجرت کر جائیں۔ قریش قطعاً لاعلم تھے کہ آیا اس ترغیب محمدؐ بھی اپنے متبعین کے ساتھ ہجرت کر جائیں یا ہجرت حبشہ کی طرح مسلمانوں کو یشرب بھیج کر خود کبریٰ میں مقیم رہیں گے۔ اس موقع پر ابو بکرؓ نے بھی ہجرت کرنے کی اجازت مانگی لیکن رسول اللہ نے یہ فرما کر انھیں یشرب جانے سے روک دیا۔

”ابھی ایسا ذکر و شاید اللہ تعالیٰ کو کافی ساختی پیدا کر دے جو ہجرت کے موقع

پر تمہارے ہمراہ ہو۔“

## ہجرت کی تیاری اور ہجرت

اس واقعے سے ابو بکرؓ کی پہچانی ایمان کا ایک اور ثبوت ملتا ہے اور وہ یہ کہ آپ کو پتا تھا جب کہ قریش کو مسلمانوں کی شہرہ کی جانب ہجرت کرنے کی خبر ملی ہے وہ اس بات کی برکت کو شش کر رہے ہیں کہ مسلمان کہہ سکیں کہ ہم باہر نہ نکلنے پائیں تاکہ وہ انھیں ستا کر اور عذاب دے دے کہ جس کو تمام کی تسکین کا سامان پیدا کر سکیں۔ ابو بکرؓ کو یہ بھی معلوم تھا کہ قریش دارالندوہ میں جمع ہو کر رسول اللہ کے قتل

کے مخصوص جہانوں میں رہے ہیں اور اگر وہ (الوہی) ہجرت کے موقع پر آپ کے ساتھ ہوئے اور قریش خدا کو راستہ آپ پر قابو پائیں گے کامیاب ہو گئے تو وہ آپ کے ساتھ انھیں بھی قتل کر دیں گے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود جب رسول اللہ نے انھیں ہجرت میں توفیق کرنے کا ارشاد فرمایا تو وہ نہ صرف اپنے ارادے سے بازی رہے بلکہ ان کے دل میں سرور و کھیت کی ایک لہر دوڑ گئی اور انھیں یقین ہو گیا کہ رسول اللہ انھیں ہجرت کے موقع پر اپنا ساتھی بنانا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ کی ہر کلمی کا اثر حاصل کرنا وہ نعمت تھی کہ دنیا کی ساری نعمتیں مل کر بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکتی تھیں۔ چنانچہ وہ آپ کے حسب ارشاد ہجرت گئے اور پھر دیکھا کہ اس موقع پر شہادت بھی نصیب ہو گئی تو یہ ایسی شہادت تھی جو اپنی جلو میں جنت اور اس کی تمام نعمتوں کو بے ہوگی اور جس پر ہزاروں برس کی زندگی ہوشی قریبی کی جاسکتی ہے۔

اسی روز ابو بکرؓ نے وعادہ دشمنیوں کا انتظام کیا اور احتیاط رکھنے لگے کہ کب ہجرت کا حکم نازل ہوگا انھیں رسول اللہ کی ہر کلمی کا اثر حاصل ہوتا ہے۔ ایک روز صبح محفل شام کے وقت آپ ان کے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ نے انھیں شرب کی جانب ہجرت کی اجازت دے دی ہے۔ ابو بکرؓ نے بے تابی سے رفاقت کی خواہش ظاہر کی جسے آپ نے بڑی خوشی سے قبول فرمایا اور بعض غمخواری حایات دے کر واپس اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اسی دن قریش کے ذوالاثر نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور انتظار کرنے لگے کہ کب آپ باہر نکلے ہیں اور انھیں کب آپ کو قتل کرنے کے لیے اپنی قواؤں کے جہر دکھانے کا موقع ملے گا۔ آپ نے حضرت علیؓ بن ابی طالبؓ کو حکم دیا کہ وہ آپ کی سہر خیمہ چادر اوڑھ لیں اور بے خوف و خطر آپ کے بستر پر سر جائیں۔ انھوں نے ایسا ہی کیا جب رات کا انتہائی جھٹکا لگا تو آپ قریش کے لوگوں کو غفلت کی حالت میں پا کر اپنے گھر سے نکلے اور ابو بکرؓ کے پاس پہنچے۔ وہ جاگ رہے تھے فوراً دونوں گھر کی پشت کی ایک کھڑکی سے باہر نکلے اور جانب جنوب تین چار میل کی مسافت طے کر کے غار ثور تک پہنچے اور وہاں چھپ گئے۔

صبح ہوئے پر حسب قریش کو رسول اللہ کے کتے سے نکل جانے کا چاہا تو انھوں نے چاروں طرف آپ کی تلاش میں آدمی دوڑائے۔ کتے کے قریب کوئی مادی کوئی میدان اور کوئی پہاڑ نہ تھا ہوا نظر نہ تھا جہاں مارا ہو۔ وہ لوگ آپ کو تلاش کرتے کرتے غار ثور تک بھی پہنچ گئے اور ایک آدمی نے غار میں

آرتے کا ارادہ بھی کیا جب ابوبکرؓ نے ان لوگوں کی آوازیں نہیں سنی تو ان کی پیشانی سے پسینہ چھوٹ پڑا اور انھوں نے ایسا سانس تک روک لیا جتنا کسی قسم کی آواز نکل کر دشمنوں کو ان کے یہاں پہننے کا احساس دلا دے لیکن رسول اللہؐ بڑے اطمینان سے اللہ کے ذکر اور دعاؤں میں مشغول رہے۔ جب آپؐ نے ابوبکرؓ کی گھبراہٹ دیکھی تو جھک کر ان کے کان میں کہا لا تحزن، ان اللہ معاذ اللہ موت اللہ ہمارے ساتھ ہے اور قریشی زحمان نے اپنی فتنہ فساد کے ارد گرد وڑائی تو کیا کفار کے منہ پر ایک تلخی نے حال اتن دیا ہے یہ دیکھ کر وہ واپس ہو گیا جب اس کے ساتھیوں نے اس سے فارغین نہ آتے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ غدار کے منہ پر ایک کوڑی نے حال اتن رکھا۔ اگر غدار میں جاتے تو یقیناً بالاکوٹ جاتا اس لیے میں واپس آ گیا۔ یہ سن کر وہ لوگ حالت مایوسی میں وہاں سے چلے گئے جب وہ دور نکل گئے تو رسول اللہؐ نے پکار کر فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر ابوبکرؓ بھی خدا کی قدرت کا یہ عجیب قاتل دیکھ کر وجود میں آ گئے۔

## غارتوں میں گھبراہٹ کی وجہ

اس موقع پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابوبکرؓ کی گھبراہٹ — جس کے باعث ان کی پیشانی سے پسینہ چھوٹنے لگے تھے اور ان کا سانس تک رک گیا تھا — اپنی جان جانے کے خوف سے تھی یا اس وجہ سے کہ رسول اللہؐ کا مال بیکار ہو چلے؟ کیا اس وقت انھیں اپنی جان کا خیال تھا یا رسول اللہؐ اور صورت رسول اللہؐ کی جان کا؟ اس کا سنی بخش جواب یہی مندرجہ ذیل روایات میں ملتا ہے۔

ابن ہشام حسن بن ابوالحسن بصری سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہؐ اور ابوبکرؓ آجی مات کو غار پہنچے تو آپؐ سے پہلے ابوبکرؓ غار میں داخل ہوئے اور اسے اچھی طرح دیکھا بھلا، مبادا اس میں کوئی سانپ بچھو یا روندہ چھپا بیٹھا ہو اور رسول اللہؐ کو خدا نخواستہ کوئی ضرر پہنچ جائے بالکل یہی جذبہ ان کا ان نازک لمحات میں تھا جب انھوں نے غار کے سرے پر قریش کے نو جوانوں کو دیکھا۔ اس وقت انھوں نے جھک کر رسول اللہؐ کے کان میں کہا ”اگر ان میں سے کوئی اپنے دھوکے نیچے نکل کرے تو یقیناً ہمیں دیکھ لے گا۔“ اس وقت ابوبکرؓ کو اپنی جان کا مطلق خیال نہ تھا اگر خیال تھا تو صورت رسول اللہؐ کا اور اس دین کا جس کی خاطر انھوں نے اپنی جان کی کوئی حقیقت نہ سمجھی تھی۔

انہیں غور کرتا تھا کہ اگر اس وقت منافقت کفار نے رسول اللہ پر نکلا یا تو دین اسلام کا خاتمہ ہو جاتا۔  
اپنی بات کا خیال انہیں ایسی کس طرح سمجھ سکتا تھا صاحب انھوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ کی محبت اور  
دین اسلام کے عشق میں بالکل جذب کر لیا تھا۔  
وہ کلاہٹے نفس کو پہلے ہی عشق رسول اللہ میں فنا کر چکے تھے۔ اس لیے اللہ کے رستے میں دوبارہ  
فنا ہونے سے انہیں کیا ڈر ہو سکتا تھا؟

تاریخ کے مطالعے سے متعدد ایسے اشخاص کے حالات معلوم ہوتے ہیں جنھوں نے اپنی  
جانیں اپنے مزارع اہل اہل و شاہوں پر قربان کر دیں۔ آج کل بھی اکثر علماء ایسے ہیں جنہیں ان کے  
مستقرین انتہائی تقدیس کی نگاہ سے دیکھتے اور انہیں اپنی جانوں سے زیادہ عزیز سمجھتے ہیں۔ لیکن  
ابوبکرؓ نے غامی جو نو زد کیا یا وہ ان سب سے الگ اور بالا حیثیت رکھتا ہے۔ کیا بادشاہوں اور  
یٹھوں کی تہذیبوں میں ایسی کوئی مثال پائی جاتی ہے کہ ان کی رعایا یا مستقرین میں سے کسی فرد  
نے ان کے لیے ایسی قربانی پیش کی ہو؟ یا ایشام و قربانی کی اس مثال کی تفسیر پیش کرنے سے تاریخ  
عاجز ہے۔

جب کفار کا جوش و خروش کچھ ٹھنڈا پڑا اور انہیں ان دوزلوں کے چلنے سے مایوسی ہو گئی تو  
آہستہ آہستہ اور ابوبکرؓ سے ٹکے اور شرب کا رخ کیا۔ راستے میں بھی بعض ایسے واقعات پیش آئے جو  
خطرے کے لحاظ سے اس راستے سے گم نہ تھے جو غامی میں پیش آچکا تھا۔ ابوبکرؓ نے مکہ سے نکلنے پر  
پانچ ہزار دھرم بھی ساتھ لے لیے تھے جو حجاز کے مناخ میں سے ان کے پاس باقی بچ گئے تھے۔  
جب وہ مدینہ پہنچے تو انھوں نے ایک عام سماج کی ہی زندگی بسر کر لی خیرات کی اگرچہ ان کی حیثیت  
بر دستور رسول اللہ کے ذریعہ مشیر کی تھی۔

### مدینہ میں

مدینہ میں ان کا قیام شہر کے نواح میں مقام سخ پر غار جو بن ندیم کے ہاں تھا جو قبیلہ خزرج کی مشرک  
بنو عمارت سے تعلق رکھتے تھے جب رسول اللہؐ نے حجاز میں اور انصار کے درمیان برائیاں کا سلسلہ  
تاکم کر دیا تو ابوبکرؓ اور غار جو کہ بھائی بھائی بنایا جب ابوبکرؓ کے دل و خیال کہ سے مدینہ پہنچ گئے تو

انھوں نے ان سے مل کر روزی کے وسائل تلاش کرنے شروع کیے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے رشتہ داروں کی طرح ان کے رشتہ دار بھی انصار کی زمینوں پر ان کے مالکوں سے مل کر کام کرنے لگے جن میں خارجی بن زید بھی شامل تھے۔ خارجیہ کے ساتھ ان کے تعلقات اس حد تک بڑھ گئے کہ انھوں نے اپنی بیٹی حبیبہ کلاں کے عقد میں دے دیا حبیبہ کے بطن سے ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ ابوبکرؓ کی وفات کے وقت حبیبہ حاملت حمل میں تھیں۔

ابوبکرؓ کے اہل و عیال ان کے ساتھ مقام یسج میں خارجی بن زید کے ہاں ڈھکے رہے تھے، بلکہ ام رومانؓ ان کی بیٹی عائشہ اور ابوبکرؓ کے تمام لڑکے مدینہ میں حضرت ابوالقرب انصاری کے مکان کے قریب مقیم تھے۔ ابوبکرؓ یسج سے روزانہ وہاں آیا کرتے تھے البتہ ان کا مستقل قیام اپنی نئی بیوی کے ساتھ یسج ہی میں تھا۔

ہجرت کے چند روز بعد وہ بخارا میں مقیم ہو گئے۔ صحت دہی جنیں کلبکب و ہوا کی ناموافقیت کے باعث اکثر صحابہؓ بنجار سے بیمار ہو گئے تھے۔ مکہ کی آب و ہوا صحرا میں واقع ہونے کے باعث مشکل تھی۔ اس کے مقابلے میں مدینہ کی آب و ہوا مطلوب تھی کیونکہ وہ بارانی علاقہ تھا اور وہاں کھیتی باڑی ہوتی تھی۔

حبیبہ انھیں الطینان نما اور روزی کی طرف سے بے ٹکلی نصیب ہوئی قرۃ اسلامؓ کی ولادت رسول اللہؐ کی مساندت اور مساندت کے نئے مرکز کے استقام میں اسی طرح منہمک ہو گئے جس طرح مکہ میں شہولی رہتے تھے۔

## غیرت ایبانی

ابوبکرؓ نہایت نرم مزاج انسان تھے لیکن جب وہ یہود اور منافقین کی نباہتوں سے دین خدا کے مستقل شہر آمیز باتیں سنتے تھے قرآن کے صفحے کی انتہا نہ رہتی تھی۔ مدینہ قشر لائف لالے پر رسول اللہؐ اور یہود کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا جس کے تحت یہود اور مسلمانوں دونوں کو اپنے اپنے دین کی تبلیغ و اشاعت اور اپنے اپنے رسوم و رواج پر عمل کرنے کی آزادی حاصل تھی۔ یہود کا شروع میں یہ خیال تھا کہ وہ مساجد میں کو اپنے شہ و حسب پر لا کر انھیں مدینہ کے قبیلوں اور خنجر کے خلاف

استعمال کر سکیں گے لیکن چند ہی روز میں انھیں تپا چلی گیا کہ ایسا ہونا ممکن نہیں اور ماحرینِ دہلی نے  
میں ایسا تعلق قائم ہو چکا ہے جو کسی صورت ٹوٹ نہیں سکتا۔ اس وقت انھوں نے اپنی پہلی روش  
بدل کر مسلمانوں کی مخالفت پر کرنا شروع کیا اور اسلام کے متعلق قسطنطنیہ اور استنبول کی باتیں کرنی شروع کیں۔  
ایک دن کا واقعہ ہے کہ چند یورپی اسٹوڈنٹس ایک عالمِ فاضل کے گھر میں جمع ہوئے۔ اتفاق سے  
اسی وقت ابو بکرؓ بھی اس عورت آئے۔ انھوں نے یہودیوں کے اجتماع کو غنیمت جانتے ہوئے  
انھیں اسلام کی تبلیغ کرنی چاہی اور فاضل سے کہنے لگے:

”میں نے فاضل! اللہ سے ڈرنا اور اسلام لے آؤ۔ اللہ کی قسم! تم جانتے ہو کہ  
میرا اللہ کے رسول ہیں اور اسی کی جانب سے تمھارے پاس وہ حق ہے کہ انھیں  
جس قسم قرابت میں رکھا ہوا پانے ہو۔“

یہ سن کر فاضل کے لبوں پر قسطنطنیہ آریز مسکرایا۔ خود فرما رہی اور وہ کہنے لگا:

”اللہ کی قسم! اب بیکرا! ہمیں خدا سے کسی چیز کی حاجت نہیں خود اسے ہماری  
حاجت ہے۔ ہم اس کی طوٹ جھکنا بلکہ وہ ہماری طوٹ جھکنے پر مجبور ہے۔ ہم  
اس کی مدد سے بے پروا ہیں لیکن وہ ہماری امداد سے مستغنی نہیں۔ اگر وہ ہماری  
امداد سے مستغنی ہوتا تو کبھی ہمارے مال ہم سے بطور قرض نہ مانگتا جس طرح تمھارے  
دوران کا خیال ہے۔ اللہ تعالیٰ سزا دینے سے منع کرتا ہے لیکن خود ہمیں سزا دیتا  
ہے۔ اگر وہ ہم سے مستغنی ہوتا تو ہمیں سزا کیوں دیتا؟“

اس ناپاک گفتگو سے فاضل کا مقصد واصل اس آیت پر چڑھ کر تھا جس میں اللہ فرماتا  
ہے: **مَنْ ذَا الَّذِي يَقْرُضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً** (کون ہے جو  
اللہ کو قرض دے اس کے بدلے میں، اللہ اس کے مال کو کئی گنا بڑھا کر واپس کرے گا)۔

ابو بکرؓ نے فاضل کو اللہ کے قول اور اس کی وحی کا مذاق اڑاتے دیکھا تو وہ اپنے آپ پر قابو  
نہ رکھ سکے اور فاضل کے اسٹوڈنٹس سے ایک خط لکھا کہ اس کے حواس بکا رہے ہیں۔ اس کے بعد

فرمایا:

”میں نے اللہ کے دشمن! اگر مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو اللہ

کسی قسم میں تیری گردن اٹھا دیتا۔

کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ ابو بکرؓ نہایت دقیق القلب اور بہارِ جوف کے باوجود اس موقع پر جوش میں آگئے حالانکہ آپ کی عمر بھی پچاس برس سے متجاوز ہو چکی تھی اور اس مرحلے پر بالعموم انسان میں جوش و خروش باقی نہیں رہتا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ غیبتِ ایمانی کا مظاہر تھا اور اس بات کا ثبوت کہ آپ اللہ کی آیات اور اس کے رسول پر استہزاء کرنے کو کبھی صورتِ برداشت دے سکتے تھے۔

## رومیوں کے غلبے کی پیش گوئی

اسی قسم کی ایک اور بھی مثال ہمیں ابو بکرؓ کی زندگی میں نظر آتی ہے۔ یہ واقعہ ہجرت سے دس سال قبل رونما ہوا تھا جب ایرانیوں اور رومیوں کی جنگ کے دوران میں ایرانی رومیوں پر غالب آگئے تھے چونکہ ایرانی مجوسی تھے اور رومی اہل کتاب اس لیے مسلمانوں کو اہل کتاب کے مقابلے میں مشرکوں کے غالب آجانے سے فطرتاً ہی پہنچا تھا۔ ان کی عین خواہش تھی کہ رومی فتح یاب ہوں کیونکہ ان کی طرح اہل کتاب تھے۔ ایک مشرک نے ابو بکرؓ سے اس کا ذکر کیا اور اپنے ہم مذہب لوگوں کے فتح یاب ہونے پر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔ یہ سنی کہ ابو بکرؓ کو سخت غصہ آیا۔ اسی واقعے میں یہ آیات نازل ہوئی تھیں: **الْعُرَّةُ غَلِبَتْ الْعَرَبُ فِي ادْفِ الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلِبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ** فی بضع سنین (اگرچہ رومی ایرانیوں کے اٹھتوں مغلوب ہو گئے ہیں لیکن چند ہی سال میں وہ پھر غالب آجائیں گے) ابو بکرؓ نے اس پیش گوئی کی بنا پر اس مشرک سے شرط لگائی کہ ایک سال کے اندر رومی ایرانیوں پر غالب آجائیں گے۔ (بعد میں رسول اللہؐ کے ارشاد پر انھوں نے یہ مدت دو سال متعین کر دی) اور اگر ایسا نہ ہوا تو وہ اسے دس اونٹ دیں گے۔

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابو بکرؓ جیسے عظیم الطبع اور نرم مزاج انسان کا خصلتِ حیرت اس وقت بھل کر نکلتا تھا جب عینِ یقین کے اور ایمان کا سوال درپیش ہوتا تھا۔

جب سے ابو بکرؓ رسول اللہؐ کی بیعت کر کے آپ کے دین میں داخل ہوئے اسی وقت سے ان کی رگ رگ میں ایمان صادق بچ گیا تھا۔ ان کے تمام اعمال و افعال میں اسی ایمانِ صادق

کا رنگ نمایاں تھا۔ چھات، اخاندان، غریبشات، غرض دنیا کی کوئی بھی چیز جو لوگوں کی زندگیوں کی طرف بھرتی ہو، ان کی نظر میں اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے میں بالکل بیک وقت تھی۔ ان کا جسم دل و دماغ اور ان کی روح خالص اللہ اور اس کے رسول کے لیے تھی۔ یہی جذبہ ایمانی تھا جس نے انہیں روحانیت کے اعلیٰ ترین مقام تک پہنچا کر صدیقین کے زمرے میں شامل کر دیا۔

## جنگ بدر

ہجرت کے کچھ عرصے بعد بدر کا مسوکہ پیش آتا ہے۔ قریش تک اور مسلمان اپنی اپنی صفیں مرتب کیے ایک دوسرے کے بالمقابل میدان جنگ میں کھڑے تھے۔ مسلمانوں نے حضرت سعد بن معاذ کے مشورے سے قریب کی ایک پہاڑی پر ایک شامیانہ لگا دیا اور رسول اللہ سے عرض کیا کہ آپ اس شامیانے میں تشریف رکھیں اور اگر مسلمانوں کی حالت دگرگوں دیکھیں تو اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ تشریف لے جائیں۔ ابو بکرؓ بھی رسول اللہ کے ہمراہ تھے۔ جب جنگ شروع ہوئی اور رسول اللہ نے دشمن کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت دیکھی تو آپ نے قہر و ہر کہ اپنے آپ کو خدا کے حضور لگا دیا اور اس سے اس کے وعدوں کی یاد دلایا کہ مسلمانوں کے لیے فتح و نصرت کی دوائیں مانگنی شروع کیں۔ آپ فرما رہے تھے: "اللہم! ہذا قریش قد اتت عجلانہا حقاً و دل ان تکن ذب و صولت و اللہم فصرک لکذلک و عدلنی اللہم ان تہلک ہذا العصابة فیہ الیوم لا تغیب!" (اے اللہ! یہ قریش اپنے عظیم الشان لشکر کے ہمراہ تیرے رسول کو گھیرنا ثابت کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اے اللہ! اپنے اس وعدہ کو پورا فرما جو تو نے مسلمانوں کی فتح کے متعلق کیا ہے۔ اے اللہ! اگر مجی یہ چھوٹی کمی جماعت ہلاک ہو گئی تو آئندہ تیرا کوئی نام لیا باقی نہ رہے گا)۔ آپ اس قدر زاری اور اتنی بے چینی اور گھبراہٹ کی حالت میں اپنے رب کو پکار رہے اور اللہ دعا کے لیے بھیل رہے تھے کہ بار بار آپ کی چادر زمین پر گر جاتی تھی۔ بالآخر آپ پر غزوہ کی حالت طاری ہوئی اور اللہ کی طرف سے ایک بار پھر بڑے دور سے مسلمانوں کی فتح و نصرت کی خوشخبری دی گئی۔ آپ مطمئن ہو کر شامیانے سے باہر تشریف لائے اور بلند آواز سے مسلمانوں کو کفار پر حملہ کرنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ آپ فرما رہے تھے: "مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کہ آج کے روز جو شخص

کفار سے لڑے گا اور اس حالت میں شہید کیا جائے گا کہ اس کے پیش نظر صرت اللہ کی رضا اور اس کے دین کی مدد کا جذبہ ہو گا اور اس نے میدان جنگ میں کفار کو چھوڑ دیکھائی ہوگی، اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

گو پہلے ہی سے اللہ نے رسول اللہ کو فتح کی خوشخبری دے دی تھی لیکن اس کے باوجود آپ براہِ گولگان کرا اللہ سے دعائیں مانگتے رہے جب تک ایک بار اللہ کی طرف سے فائزگانِ غفلانوں سے مسلمانوں کی فتح و نصرت کا وعدہ نہ دے دیا گیا اور آپ کو ولیِ ملتینان نصیب نہ ہو گیا۔

واقعہ ایک پیغمبر کی شان ہی ہوتی ہے۔ آپ جانتے تھے کہ اللہ کے وعدے سچے ہیں اور وہ ضرور مسلمانوں کو فتح عطا فرمائے گا لیکن ساتھ ہی آپ کو یہ علم بھی تھا کہ اللہ خفی عن العالمین بھی ہے۔ لیکن ہے کہ مسلمانوں سے دورانِ جنگ میں کوئی ایسی کوتاہی سرزد نہ ہو جائے جس کے باعث فتح و نصرت کا وعدہ دور جا پڑے اور مسلمان اولین سرطانیوں میں اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

اس پر سے عرصے میں ابوکرؓ رسول اللہ کے ساتھ ساتھ رہے انھیں یقین تھا کہ اللہ ضرور مسلمانوں کی مدد کرے انھیں فتح سے ہم کنار کرے گا۔ اسی لیے وہ حیرت و تعجب سے آپ کی مناجات سن رہے تھے۔ آپ ہر سائی فاعزری کے ساتھ اللہ سے دعا کر رہے اور اسے اس کا وعدہ یا د دلارہے تھے۔ آپ کی چادر بار بار زمین پر گر پڑتی تھی اور اسے ابوکرؓ اٹھا کر آپ کے کندھوں پر ڈالتے اور کہتے تھے،

”یا رسول اللہ! آپ گھبراہٹ میں نہیں۔ اللہ نے آپ کو فتح و نصرت کا وعدہ دیا ہے“

اور وہ اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔

اکثر دیکھا گیا ہے بعض لوگ اپنے عقیدے میں اس قدر راسخ ہوتے ہیں کہ وہ ان لوگوں کی طرف دیکھتا بھی گمراہ نہیں کرتے جہاں عقائد میں اختلاف رکھتے ہوں۔ ایسے لوگ کہتے ہیں کہ حقیقی ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مخالفین سے تعصب بندی اور سختی کا برتاؤ کیا جائے لیکن ابوکرؓ کمالِ ایمان ہونے کے باوجود نہایت نرم دل انسان تھے۔ سب و قسم تندہی اور سختی سے وہ کوسوں دور تھے۔ تاہم پالنے کے بعد مخالفت کو ممانعت کر دینا اور فتح و یاب ہونے کے بعد وہ غنیمت پر احسان کرنا ان کا شیوہ تھا۔ اس طرح ان میں حق و صداقت کی محبت اور رحم و کرم کا جذبہ بہ یک وقت پایا جاتا تھا جس کے سچے

میں وہ ہر چیز جتنی کہ اپنی جان کو بھی بچھ بچھتے تھے اور علاوہ لکھنے لکھنے کی خاطر قہریم کی قربانی کرنے کو بخوشی تیار ہو جاتے تھے لیکن جب حق غالب آجاتا تو دشمن سے سختی کا برتاؤ اور اس سے معاملہ کی جواب دہی کرنے کے بجائے ان میں رحم و کرم کا مہذبہ ابھرتا تھا۔

## اسیرانِ بدر کی سفارش

مسلمانوں کو جنگِ بدر میں فتح نصیب ہوئی اور وہ قریش کے ستر قیدی براء لے کر مدینہ واپس آ گئے۔ یہ قیدی وہی تھے جنہوں نے مکہ میں تیرہ برس تک مسلمانوں پر سخت مظالم ڈھائے تھے اور انی چھوڑ دینا تنگ کر دیا تھا۔ انہیں دیکھائی دے رہا تھا کہ ان مظالم کا بدلہ چکانے کا وقت آ پہنچا ہے اور اب مسلمان ان پر جس قدر بھی سختی کریں کم ہے۔ اپنے آپ کو مسلمانوں کی سختیوں سے بھالنے کی کوئی تدبیر انہیں اس کے سامنے نہیں آئی کہ وہ ابو بکرؓ سے رحم کی التجا کریں۔ چنانچہ قریش نے انہیں بلایا اور کہا:

”اے ابو بکر! رقم جانتے ہو کہ ہم قیدیوں میں سے کوئی تم لوگوں کا باپ ہے کوئی بھائی، کوئی چھاپا ہے اور کوئی ماسں۔ اب اگر تم ہمیں قتل کر دے گے یا انہیں اپنا ڈالنے ڈالنے قریشی رشتہ داروں ہی کو قتل کر دے گے یا انہیں اپنا چٹا کر دے گے ہم رشتہ داری کا واسطہ بنے کہ تم سے انتقام کرتے ہیں کہ تم ہم سے کہہ کر ہماری جان بخشی کر دو یا وہ ہم پر احسان کرے ہمیں رہا کر دیں یا خریدے کر بھی لوں۔“

ان کی یہ عاجزانہ التجا سن کر ابو بکرؓ نے وعدہ کر دیا کہ وہ ان کی بھلائی کے لیے مسزور کوئی نہ کوئی تدبیر کریں گے۔ قریش کو ڈر پیدا ہوا کہ کہیں عمرہ کوئی گڑبڑ نہ کریں۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو بلا کر ان سے بھی وہی بات کہی جو حضرت ابو بکرؓ سے کہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے خشکیں نظرتے انہیں دیکھا اور کوئی جواب نہ دیا۔ ابو بکرؓ اپنے وعدے کے مطابق رسول اللہؐ کے پاس گئے اور آپ سے انی مشرک قیدیوں کی سفارش کی۔ حضرت عمرؓ کی داسیہ بھی کہ ان سب قیدیوں کو قتل کر دیا جائے لیکن حضرت ابو بکرؓ نے اس امر کو کہ انہی بات منافی نہی اور مقامِ قیدیٰ نزدیک کے عوض رہا کر دیے گئے۔

ابو بکرؓ کا یہ فعل ان کی پاکیزگی، ملک اور حدود پر زہم دلی پر دلالت کرتا ہے۔ شاید یہ وجہ بھی براء انہوں نے دور بھی نظرتے اس امر کا مشاہدہ کر لیا تھا کہ مشرکین کہ پالا خریم کے غلام ہوں ہی کے

ذریعے سے مغلوب ہوں گے جب وہ دیکھیں گے کہ رسول اللہؐ نے ہر قسم کی طاقت و قوت رکھنے کے باوجود ان سے عداوت و احسان کا سلوک کیا ہے تو وہ آپ سے آپ اسلام کی آغوش میں آکر بیٹھ گئے (انہیں اچھی طرح علم تھا کہ ظاہری قوت کے ذریعے سے مخالف چڑھائی لگانے سے تو بڑا بڑا چالاکتہ پن ممکن اس کے دل کو صلح نہیں کیا جاسکتا۔ مخالفت کے دل پر اسی وقت منتج ماحصل کی جاسکتی ہے جب طاقت کے ذریعے سے نہیں بلکہ پایدار محنت کے ذریعے سے اسے اپنی طرف مائل کیا جائے۔)

### جنگ بدر کے بعد

خزوہ و بدر جس طرح مسلمانوں کے لیے ایک نئے دور کا آغاز تھا اسی طرح ابو بکرؓ کی کتاب زندگی کا بھی ایک نیا حق تھا۔ اس جنگ کے بعد مسلمانوں نے ایک نئے بیج سے اپنی سیاست کو مرتب کرنا شروع کیا۔ بدر کی فتح سے مسلمانوں کو بہت بڑی سیاسی اہمیت حاصل ہو گئی تھی اور ان کے مخالفین کے دلوں میں ان کی جانب سے حسد اور نفرت کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اس فتح نے جہاں یہود کو چکنا کر دیا تھا اور انہوں نے کچھ لایا تھا کہ اب مسلمان ان کے دستِ نگرین کر ضیع رہ سکتے وہاں مدینہ کے اور گرد بیٹھے واسے قبائل کو بھی یہ فکر پیدا ہو گیا تھا کہ مبادا مسلمانوں کا رخ ان کی طرف پھر جائے۔ چنانچہ یہود اور مدینہ کے فوجی قبائل نے مسلمانوں کے خلاف دلیہ دو انیاں شروع کر دیں۔

ان امور کی موجودگی میں رسول اللہؐ کے لیے یہ ضروری ہو گیا کہ آپ ہر اسی اور ہر لمحہ سختی سے صورتِ حال کا جائزہ لیتے رہیں اور صحابہ سے مشورہ لینے کے بعد ان حالات کے مطابق اپنی پالیسی وضع کریں۔ ابو بکرؓ اور عمرؓ آپ کے خاص اہلِ خاص مشیر تھے۔ ان دونوں کی معیشتوں میں بے حد فرق تھا لیکن یہاں بہہ دونوں نہایت شخص اور رسول اللہؐ کے جانِ نثار تھے اور ہر مشورہ انہما کی طرف دیکر سے دیتے تھے۔ ان مشوروں کی روشنی میں رسول اللہؐ کے لیے ناچل متعین کرنے میں بہت کمافی مدد تھی۔ ان دونوں کے علاوہ آپ دوسرے مسلمانوں کو بھی اپنے مشوروں میں باورِ شریک کرتے تھے جس کا اثر لوگوں پر بہت اچھا پڑتا تھا اور ہر شخص خیال کرتا تھا کہ اسے رسول اللہؐ کا اعتماد حاصل ہے اور آپ اسے بھی مشوروں میں شریک کر کے خدمت کا موقع عنایت فرماتے ہیں۔

میں وہ ہر چیز حتیٰ کو اپنی جان کو بھی بچے سمجھتے تھے اور علاوہ اہلکۃ الجن کی خاطر ہر قسم کی قربانی کرنے کو بخوشی تیار ہو جاتے تھے لیکن جب حق غالب آجاتا تو دشمن سے سختی کا برتاؤ اور اس سے معاملہ کی جواب دہی کرنے کے بجائے ان میں رحم و کرم کا مہذبہ ابھرتا تھا۔

## اسیرانِ بدر کی سفارش

مسلمانوں کو جنگِ بدر میں فتح نصیب ہوئی اور وہ قریش کے ستر قیدی ہمراہ لے کر مدینہ واپس آ گئے۔ یہ قیدی وہی تھے جنہوں نے کاتبِ تیروہ میں ہند مسلمانوں پر سخت مظالم ڈھائے تھے اور ان پر جبراً ستم کیا کرتے رہے تھے۔ انہیں دیکھائی دے رہا تھا کہ ان مظالم کا بدلہ چکانے کا وقت آ پہنچا ہے اور اب مسلمان ان پر جس قدر بھی سختی کریں ٹھیک ہے۔ اپنے آپ کو مسلمانوں کی سختیوں سے بچانے کی کوئی تدبیر انہیں اس کے سوا کچھ نہیں آئی کہ وہ ابو بکرؓ سے رحم کی التجا کریں چنانچہ قریش نے انہیں بلایا اور کہا، ”اے ابو بکر! تم جانتے ہو کہ ہم قیدیوں میں سے کوئی تم لوگوں کا باپ ہے کوئی بھائی کوئی چچا ہے اور کوئی ماں۔ اب اگر تم ہمیں قتل کر دو گے یا انہیں اپناؤ گے تو ہمارے قریبی رشتہ داروں ہی کو قتل کر دو گے یا انہیں اپناؤ گے ہم رشتہ داری کا واسطہ بنے کہ تم سے انتہا کرتے ہیں کہ تم محمدؐ سے کہہ رہا رہی جان بخشی کر دو۔ یا وہ ہم پر احسان کرے ہمیں رہا کر دیں یا غیریہ لے کر چھوڑ دیں۔“

ان کی یہ عاجزانہ التجائیں کر ابو بکرؓ نے وعدہ کر لیا کہ وہ ان کی بھلائی کے لیے ضرور کوئی نہ کوئی تدبیر کریں گے۔ قریش کو ڈر پیدا ہوا کہ کہیں عمرہ کوئی گواڑ نہ کر دیں۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو بلا کر ان سے بھی رہی بات کہی جو حضرت ابو بکرؓ سے کسی سختی حضرت عمرؓ نے خشکیوں نظر سے انہیں دیکھا اور کوئی جواب نہ دیا۔ ابو بکرؓ اپنے وعدے کے مطابق رسول اللہؐ کے پاس گئے اور آپ سے ان مشرک قیدیوں کی سفارش کی حضرت عمرؓ کی مانتیہ تھی کہ ان سب قیدیوں کو قتل کر دیا جائے لیکن حضرت ابو بکرؓ نے اصرار کر کے اپنی بات منہا ہی لی اور تمام قیدی کو رہائی کے عوض رہا کر دیے گئے۔

ابو بکرؓ کا یہ فعل ان کی پاکیزگی قلب اور حدود جو نرم دلی پر دلالت کرتا ہے۔ شاید یہ وجہ بھی ہو انہوں نے دور میں نظر سے اس امر کا مشاہدہ کر لیا تھا کہ مشرکین کتنا بے رحم کتنے ظالم ہیں ان کے

طوت یہودی بنی مخطب کے زیر سرکردگی مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے منصوبے صبح رہے تھے، دوسری طوت قریش مکہ اپنی پوری طاقت سے مسلمانوں کو زیر کرنے اور ان پر غالب آنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ چھوٹی چھوٹی جھڑپوں اور لڑائیوں کے علاوہ بنو نضیر خندق (احزاب) اور بنو قریظہ کے غزوات یہودی فتنہ انگیز سیاست اور قریش کے غیظ و غضب کے نمایاں مظاہر ہیں۔ ان تمام لڑائیوں اور غزوات میں ابوبکرؓ نے ہمیشہ رسول اللہؐ کے دوش بدوش جھڑپا لیا اور دوسرے تمام مسلمانوں سے زیادہ بہادری، صدق و ثبات اور ایمانی کا ثبوت دیا۔

### صلح حدیبیہ

ہجرت کے چھ سال بعد رسول اللہؐ نے عمرو کو لے کر ارادہ کیا اور مسلمانوں کو مکہ چلنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ مسلمانوں کی آمد کی اطلاع جتنے پر قریش نے تمہید کر لیا کہ وہ کسی صورت آپؐ اور آپ کے صحابہ کو مکہ میں داخل ہونے اور عمرو کو لے کر کی اجازت نہ دیں گے۔ رسول اللہؐ کو اسے کچھ نہ سمجھے پر حدیبیہ میں فتنہ ہوئے اور مکہ والوں کو کھانا بھیجا کہ آپؐ کے آئے کا مقصد جنگ اور قریش مکہ سے چھوڑ دیا مگر انہیں بلکہ موت عمرو کو سب سے قریش کے سفیر آپؐ کے پاس آئے شروع ہوئے۔ بالآخر یہ معاہدہ ہوا کہ مسلمانوں اس سال دس چھ ماہیں اور اگلے سال آٹھ ماہ مکہ کریں۔

مسلمانوں اور بالخصوص حضرت عمرؓ بن خطابؓ کو معاہدے کی شرطیں سخت ناگوار لگیں۔ وہ ان شرائط کو اپنی جنگ سمجھتے اور اپنی کمزوری کا مظاہرہ خیال کرتے تھے لیکن ابوبکرؓ صدیقؓ دل سے رسول اللہؐ کے ہر قول و فعل کے آگے تسلیم کیے ہوئے تھے اور انھیں چننے یقین تھا کہ آپؐ کی کوئی بات اور کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اور جو کچھ آپؐ نے کیا ہے وہ یقیناً دین اسلام اور مسلمانوں کے فائدے کے خاطر کیا ہے۔ اس طرح آپؐ نے ایک بار پھر عمل سے اپنا صدیق ہونا ثابت کر دیا۔ بعد ازاں جب سورتہ فتح نازل ہوئی تو مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ صلح حدیبیہ اصل میں ایک فتح ہے جہاں رسول اللہؐ نے سورتہ فتح کو مظاہر فرمائی ہے۔

اب مسلمانوں کو آئے دن ثروت اور روز افزاں ترقی حاصل ہونے لگی۔ خیبرؓ مذکورہ تباہی میں یہود کا محاصرہ کیا گیا اور انھیں صلح ہوئے پر مجبور کر دیا گیا۔ رسول اللہؐ نے فارس، روم، مصر، حبشہ

میں اور دوسرے علاقوں کے پادشاہوں اور سرداروں کو خطوط لکھے جن میں انھیں اسلام کی دعوت دی گئی۔ فتح مکہ اور بحارہ طاعت کی وجہ سے مسلمانوں کی ترقی عروج پر پہنچ گئی۔ سارا جزیرہ منائے عرب اسلام کے نور سے جگمگا اٹھا اور اسلامی سلطنت کی سرحدیں ایران اور روم کی عظیم الشان حکومتوں سے ٹکرائے گئیں جو اس زمانے میں دنیا کے بیشتر حصے پر قابض تھیں۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے المہینان کا سانس لیا اور انھیں یقین ہو گیا کہ اب کوئی طاقت اس نور کو بجھا نہیں سکتی اور اسلام کا غلبہ اب کبھی کس رو کے رک نہیں سکتا۔

جب عربوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی قوت روز بہ روز ترقی پذیر ہے اور ان کے منصوبے اور کوششیں اسے ضعف پہنچانے کے بجائے اس کی ترقی میں مدد و معاون ثابت ہو رہی ہیں تو وہ فوج و درفج ۶۲ بکے گوشے گوشے سے اسلام قبول کرنے کے لیے دوڑے چلتے آئے۔ ویدہ بنی کے لیے یہ بات کس قدر اثر انگیز ہے کہ ایک شخص کیہ دینا ایک مشن لے کر اٹھا آئے اس کی قوم اس کے ساتھ نہیں، یہ وہ اس کے مخالف ہیں، قبائل عرب اس کے دشمن ہیں لیکن وہ تمام مخالفین، رکاؤٹوں اور بے وجہ حملوں کے باوجود بالآخر کامیاب ہو جاتا ہے یہ یزید بن ابی مرجم اور شمر بن اس کے آگے تسلیم غم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یقیناً حق بھی غالب ہوتا ہے اور باطل مغلوب۔ اس امر کا فیصلہ کرنے کے لیے کہ رسول اللہ حق پر تھے یا باطل پر اور آپ کی دعوت سچی تھی یا جھوٹی، صحت بھی دلیل کافی ہے کہ آپ نے شدید مخالفت کے ہوتے ہوئے ان تمام طاقتوں پر غلبہ حاصل کیا اور یہ طاقتیں اپنا پورا زور لگانے کے باوجود رسول اللہ کے مقابلے میں غائب و خاسر رہیں۔ آپ کا مقصد ان پر غلبہ حاصل کرنا اور انھیں فتح کر کے ان پر حکومت چلانا نہ تھا بلکہ آپ صحت پر چلتے تھے کہ یہ لوگ اللہ پر ایمان لا کر خدائی مملکت میں داخل ہو جائیں اور نیک اعمال بجا کر جنت کے وارث بنیں۔

## امیر الحج

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ کے سامنے سے تمام رکاؤٹیں دور ہو چکی تھیں اور آپ اسلام کے تمام مخالفین و دوجہات نہایت آسانی سے ہمالا لگتے تھے سبھی ایک دینی فرائض ہے لیکن وفد کے

ہجرت درجہ حق مدینہ آنے کی وجہ سے آپ کو مکہ جانے اور بیت اللہ کراچ کرنے کی فرصت نہ مل سکی۔ اس لیے فتح مکہ کے اگلے سال آپ نے اپنی جگہ ابو بکرؓ کو امیر الحج مقرر فرما کر روانہ کیا۔ دو تین برس مسلمانوں کو لے کر مکہ پہنچے اور وہاں حج کے فرائض ادا کیے۔ اسی حج کے موقع پر علیؓ بن ابی طالبؓ نے اور بعض روایات کے مطابق خوزا ابو بکرؓ نے اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا۔ انھوں نے مشرکین کے لیے چار مہینے کی مہلت کا اعلان کیا کہ اس عرصے میں وہ مکہ چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں چلے جائیں۔ اس وقت سے آج تک کوئی مشرک بیت اللہ کراچ نہیں کر سکا اور نہ آئندہ کر سکے گا۔

## حجۃ الوداع

ہجرت کے دسویں سال رسول اللہؐ خوج کے لیے تشریف لے گئے۔ اس حج کو حجۃ الوداع کہتے ہیں کیونکہ یہ آپ کا آخری حج تھا۔ آپ کے ساتھ ابو بکرؓ، دوسرے صحابہ اور آپ کی اہل زوجہؓ بھی تھیں۔ اس موقع پر عہدات کے میدان میں مسلمانوں کا بے نظیر احتجاج مستند ہوا۔ یہی جگہ تھی جہاں کبھی کوئی شخص رسول اللہؐ کی بات تک سننے کو تیار نہ ہوتا تھا لیکن آج اسی جگہ ایک لاکھ سے زائد اشخاص آپ کی اونٹنی کے گرد مچھلائے مژدہ بانڈ کر ٹسے تھے اور انسانی خاموشی سے آپ کے مدح پر درواشات من رہے تھے۔

حج سے فارغ ہونے کے بعد آپ مدینہ واپس تشریف لے گئے۔ مدینہ آئے تو یہ وہ عرصہ گزرا تھا کہ آپ نے شام پر فوج کٹھنی کرنے کے لیے ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا۔ جس کا سربراہ آپ نے اسامہؓ بن زید کو بنایا اور بڑے بڑے صحابہ کو اس میں ابو بکرؓ و عمرؓ بھی شامل تھے، لشکر کے ساتھ جانے کے لیے ارشاد فرمایا۔ یہ لشکر مدینہ کے ایک قریبی مقام حوت ہی تک پہنچا تھا کہ رسول اللہؐ کی ملاقات کی خبر آئی۔ یہ سن کر لشکر لے وہیں پڑاؤ ڈال دیا اور وہ آپ کی زندگی میں شکم ڈالنے نہ ہوسکا۔

## نماز پڑھانے کا حکم

حب رسول اللہؐ کی ملاقات نے شدت اختیار کی تو آپؐ نے حکم دیا کہ ابو بکرؓ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

اس نرمل میں حضرت عائشہ کی ایک روایت قابل اندراج ہے۔ آپ فرماتی ہیں،  
 ”مجبوراً رسول اللہ زیادہ بیمار ہوئے تو جلالِ نماز کے لیے عرض کرنے آئے۔ آنچے  
 فرمایا، ابوبکرؓ سے کہ دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، میں نے کہا، ابوبکرؓ بہت تین اہلبیت  
 انسان ہیں۔ جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو غلط نہ کر سکیں گے اور اس طرح  
 لوگوں کی نماز میں خلل پڑے گا۔ اگر آپ کھڑے کو نماز پڑھانے کا حکم دیں تو میرے برائے  
 نے یہ سن کر بھی فرمایا، ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں؛ اس پر میں نے حصہ سے  
 کہا، ابوبکرؓ فقیح اہلبیت ہیں وہ نماز میں روزنامہ شروع کر دیں گے اور لوگوں کی نماز میں  
 خلل پڑے گا تم رسول اللہ سے کہو کہ وہ ابوبکرؓ کی جگہ جمعہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیں۔  
 چنانچہ حصہ نے جا کر یہی بات آپ سے کہ دی۔ اس پر آپ نے فرمایا، یقیناً یقیناً  
 تم وہی عورتیں ہو جنہوں نے یوسفؑ کو ہیلانے چاہنے کی کوشش کی تھی۔ ابوبکرؓ  
 سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اس پر حصہ نے مجھ سے کہا، تم نے مجھے ناحق  
 شرمندہ کر لیا۔“

رسول اللہ کے حسب ارشاد ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی۔ ایک دن ابوبکرؓ مدینہ سے باہر تشریف  
 لے گئے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا، حضرت بلالؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو نہ پا کر حضرت عمرؓ سے سفار  
 پڑھانے کو کہا، حضرت عمرؓ بلند آواز تھے۔ جب آپ نے تکیہ کیا تو اس کی آواز حضرت عائشہ کے  
 حجرے میں رسول اللہ کے کانوں تک پہنچی۔ آپ نے فرمایا، ”ابوبکرؓ کہاں ہیں؟“ اللہ اور مسلمان یہ بات  
 پسند کرتے ہیں ابوبکرؓ نماز پڑھائیں۔“

بعض لوگ اس واقعے سے بے استدلال کرتے ہیں کہ اس طرح آپ نے اپنے بعد خلافت کا  
 فیصلہ فرمایا ابوبکرؓ کو اپنا خلیفہ نامزد کر دیا تھا کیونکہ لوگوں کو نماز پڑھانا رسول اللہ کی جائزینی کا پہلا  
 مظہر ہے۔

ابوبکرؓ، رسول اللہ کی نظر میں

بیادہی کے دوران ہی میں ایک روز رسول اللہ مسجد میں تشریف لائے، دربارشاہ فرمایا،

”اللہ سنا اپنے بندے کو یہ حق دیا کہ خواہ وہ دنیا کو اختیار کرے خواہ آخرت

کو لیکن اس نے آخرت میں اللہ کے قرب کا اختیار کیا۔“

ابو بکر کچھ گئے کہ رسول اللہ خدا نپا ذکر فرما رہے ہیں۔ وہ نادر و قتلارو نے لگے یہاں تک

کہ کچھ بندہ گئی اور انھوں نے کہا،

”یا رسول اللہ! آپ پر بھاری جانیں اور بھاری اولاد و قرآن پر کیا ہم آپ کے

بعد زندہ رہ سکیں گے؟“

رسول اللہ نے پرس کر فرمایا ”مسجد میں لوگوں کے گھر دلوں کے جس قدر دروازے ہیں وہ ہند

کر دیے جائیں سوا ابو بکرؓ کے دروازے کے؟ پھر ابو بکرؓ کی طرت اشارہ کر کے فرمایا،

”میں نے اپنے صحابہ میں سے ابو بکرؓ سے افضل کسی کو نہیں پایا اور اگر میں

جند دلوں میں سے کسی کو غلبہ بنا تا ابو بکرؓ کو جانتا لیکن ابو بکرؓ سے سزا و عقوبت نہیں“

بھائی چاہ سے اور ایمان کا ہے یہاں تک کہ اللہ ہمیں اپنے پاس اکٹھا کرے۔“

وفات کے دن صبح کے وقت رسول اللہ حضرت علیؓ اور عباسؓ کا سہارا لیے ہوئے

مسجد میں تشریف لاتے تھے اس وقت ابو بکرؓ نماز پڑھا رہے تھے جب لوگوں نے آپؐ کو دیکھا تو ان

کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور وہ نماز ہی میں دستہ بنانے کے لیے دو اور بحر ہٹنے لگے۔

رسول اللہ نے اشارے سے انھیں اپنی جگہ رہنے کا حکم دیا۔ جب ابو بکرؓ نے آہٹ سنی تو سمجھ گئے

کہ رسول اللہ تشریف لاتے ہیں اس پر وہ اپنی جگہ سے پیچے ہٹنے لگے تاکہ آپؐ کے لیے جگہ خالی

کر دیں لیکن رسول اللہ نے اشارے سے انھیں اپنی جگہ ہی کھڑا رہنے کے لیے اشارہ فرمایا۔ پھر آپؐ ابو بکرؓ

کی بائیں جانب بیٹھ گئے اور بیٹھے بیٹھے نماز پڑھی۔

نماز کے بعد آپؐ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ کچھ دیر کے بعد آپؐ کو دوبارہ

بھارا گیا۔ آپؐ ایک برتن میں ٹھنڈا پانی منگوا یا اور اسے اپنے چہرے پر پھینکے۔ اس سے تھوڑی

دیر بعد آپؐ کی مقدس روح ملار املا کی طرت پر حاکم کر گئی۔

طبع یہ روایت ابن جہشام کہ جسے یہ حدیث صحاح میں مختلف الفاظ سے آئی ہے۔ اس میں سے کسی میں نہ اس کا لفظ

نہیں بلکہ بعض میں میری کت بعض میں اس کت بعض میں تو کت بعض میں ابی ذہب کے الفاظ ہیں۔

## بیعت خلافت

### وفات رسول اللہ پر مسلمانوں میں سراپگی

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۳۰ جون ۶۳۲ء کو اللہ نے رسول اللہ کو ہمارے جنت میں بلا لیا۔ اس دن صبح کے وقت آپؐ نے مرض میں کچھ افتادہ محسوس کیا جس پر آپؐ حضرت عائشہؓ کے حجرے سے نکل کر مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں سے کچھ باتیں کیں اس امر میں زید امیر لشکر کی کامیابی کی دعا کی اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے لشکر کے ہمراہ مملکت روم کی جانب روانہ ہو جائیں۔ اس کے بعد آپؐ واپس حجرے میں تشریف لے آئے۔ کچھ ہی دیر بعد جب لوگوں کو آپؐ کا چاہنک معلوم ہوا کہ ان کا محبوب آقا ان سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا ہے تو ان کی حالت مارے غم کے دیوانوں کی سی ہو گئی۔ حضرت عمرؓ کو اسے کہ مسجد میں کھڑے ہو گئے اور کتنا شروع کیا:

”جو شخص کے گا کہ رسول اللہ فوت ہو گئے، میں اس تلوار سے اس کی گڑن

اٹھا دوں گا۔ آپؐ ہرگز فوت نہیں ہوئے بلکہ اپنے خدایہ کے حضور تشریف لے گئے ہیں۔

اسی طرح جیسے مڑی تشریف لے گئے تھے اور چالیس رات غیر خاموش رہنے کے بعد

واپس اپنی قوم میں آ گئے تھے رسول اللہ بھی یقیناً واپس نہیں گئے اور منافقین کے

اتحاد باطل کاٹیں گے ؟

رسول اللہؐ کو حضرت عائشہؓ کے حجرے میں واپس پہنچانے کے بعد ابوبکرؓ آپؐ کی صحت کے بارے میں مطمئن ہو کر مدینہ کے خارج میں اپنے گھر تشریف لے گئے تھے جو مقام منیٰ میں تھا جب آپؐ کی خبر وفات پہنچی تو ایک شخص نے ابوبکرؓ کو جاکر خبر کی۔ وہ فوراً مدینہ آئے مسجد نبویؐ میں حضرت عمرؓ کو ساتھ میں لیے لوگوں کو گٹھا دھکا دے تھے گراٹھوں نے اس عزت افتخارات فرمایا بلکہ

سیدے حضرت عائشہؓ کے حجرے میں چلے گئے جہاں رسول اللہ کا جسدِ مطہر رکھا ہوا تھا۔ ابو بکرؓ نے رُخ مبارک سے کپڑا ہٹایا اور رخسار کو دوسوے کر فرمایا: کیا یہی بارگت تھی آپ کی زندگی اور کیا یہی پاکیزہ ہے آپ کی موت؟ اس کے بعد حجرے سے باہر آئے اور منبر پر چڑھ کر فرمایا:

”یہا اناس، ومن کان یحب محمدًا فکان یحب محمدًا، فانما مات رسول اللہ، فانما ماتت رعون

کان یحب اللہ، فان اللہ ہی الاموت۔“ (اے لوگو! جو شخص محمد کو پوجتا تھا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ محمد تو فوت ہو گئے لیکن جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اس پر کبھی موت واروند نہ ہوگی)۔

اس کے بعد یہ آیت پڑھی:

”وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ المرسل۔ انما مات رعون

انقلبتم علی اعقابکم۔ ومن یقلب علی عقبیہ فلن یرحہ اللہ شیئاً وسکیناً

اللہ انشا کہ جن (محمد اللہ کے رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔

اگر محمدؐ وفات پا جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل (کفر کی نہج) پر چارو گے؟ اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل پر جائے وہ اللہ کو خدا مانتا ہی نہیں

پہنچا سکتا اور عنقریب اللہ شکر گزار بندوں کو نیک بدلہ دے گا)۔

جب حضرت عمرؓ کے کانوں میں یہ اعلان پڑی تو ان کے دماغ پر بڑا ہلکا پرہ آہستہ آہستہ پھٹنے

لگا اور بالآخر انھیں یقین ہو گیا کہ واقعی رسول اللہؐ فوت ہو چکے ہیں۔ اس یقین کا ان پر اتنا شدید اثر

ہوا کہ ان کی زبان گھسی ان کا ہوجو زسماڑ لگیں اور وہ بے سدھ ہو کر زمین پر گر پڑے۔

آئیے فائدہ اٹھائیں اور اپنے نفوس میں اس واقعے کا یہ نظریہ زرا جائزہ لیں جس سے ابو بکرؓ

کی شخصیت کا ایک اور عظیم الشان پہلو واضح ہو رہا ہے۔ مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص ایسا حق جو

رسول اللہؐ کی وفات کے بعد سے کٹر سے اس حد تک پہنچ سکتا تھا جس حد تک حضرت عمرؓ

پہنچے تو وہ موت، ابو بکرؓ پر کھٹکتے کھٹکتے کہہ نہ کہ وہ آپ کے صفی اور پرورشین تھے۔ انھوں نے اپنی مادی

عمر آپ کی خدمت اور آپ کے کائنات ہونے دین کی تبلیغ و شاعت کے لیے وقف کر دی تھی جب

رسول اللہؐ فرمایا، اللہ نے اپنے ایک بندے کو حق رہا ہے کہ وہ وہ دنیا کی زندگی اختیار کر

مے یا آخرت کی زندگی اور اس نے آخرت کی زندگی اختیار کر لی تو ابوبکرؓ کی جتنی دُشمنی ہو چکی تھو گئی تھی اور آپؐ نے کہا تھا "یا رسول اللہ! آپ پر ہماری جانیں اور بھاری اولاد و قرآن ہو، کیا ہم آپ کے بعد زندہ رہ سکیں گے؟" لیکن رسول اللہؐ کی وفات کا سخت صدمہ آپؐ کو حضرت عمرؓ کی طرح بے ہوش نہ کر سکا اور جب انھیں یقین ہو گیا کہ آپؐ ملّا اعلیٰ کو تشریف لے گئے ہیں تو انھوں نے فوراً مجمع عام میں انکاس کا اعلان کر دیا۔

## ابوبکرؓ کا ضبط نفس

جو تقریر انھوں نے اس وقت کی اور جو آیت اس موقع پر پڑھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انھیں اپنے نفس پر کتنا قابو حاصل تھا اور ان میں مصائب کا موزان واقفانہ نہ کہ کٹھن و بدست قوت موجود تھی کہ رسول اللہؐ کی وفات جیسے عظیم اُشانِ صدمے کی بھی خبر سن کر انھوں نے ہوش و حواس بجا رکھے اور ان پر کسی قسم کی سوسائلی ماری نہ ہوئی۔ ہماری حیرت اور تعجب کی بات یہ ہے کہ انھیں یہ بھی سمجھنا چاہیے ہیں کہ یہ اوصاف ایک ایسے شخص سے ظاہر ہوئے جو ہستائی و یقین القلب تھا اور جو رسول اللہؐ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا تھا۔

یہ گھڑی مسلمانوں کے لیے قیامت سے کم نہ تھی۔ ابوبکرؓ نے زحمت ایسے سخت وقت میں اپنے اوصاف بجا رکھے بلکہ مہم میں بھی جب کبھی مسلمانوں پر کوئی برا وقت پڑا تو اسی قوتِ اداوی ہو اور لالہ سری سے کام لے کر تمام خطرات کو دور کر دیا۔ یہی قوتِ اداوی تھی جسے ہر دوسے کارکن ابوبکرؓ نے مسلمانوں اور اسلام کو ایک ایسے نفع سے بچایا جو اگر خدا نخواستہ شدت اختیار کر لیتا تو یہ اسلام کا کیا حشر ہوتا۔

## مسئلہ خلافت

حضرت عمرؓ اور لوگ جو سہمیں ان کے گرد جمع تھے انتہائی منہج و عالم کے باعث سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ رسول اللہؐ کے بعد مسلمانوں کی شیعہ ہندی کا کیا انتظام ہونا چاہیے لیکن جن لوگوں کو آپؐ کی وفات کا یقین ہو گیا تھا ان کی نظر سب سے پہلے اسی مسئلے پر پڑی اور عزّان و عالم انھیں اس اہم

معاشرے پر غور و فکر کرنے سے روک نہ سکا۔

ہجرت کے بعد مدینہ کا سامان انتظام رسول اللہ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ کی حکومت صرف مدینہ تک محدود نہ رہی بلکہ آہستہ آہستہ سارے عرب پر محیط ہو گئی۔ عرب کے تقریباً تمام باشندے مسلمان ہو گئے اور ہر لوگ مسلمان نہ ہونے انھوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ اب مسلمانوں کے سامنے سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ اس سلطنت کا انتظام کون سنبھالے گا اور رسول اللہ کی باطنی کافر کے نصیب ہو گا؟

## انصار اور مہاجرین میں اختلافات

انصار کا خیال تھا کہ انھوں نے مہاجرین کو پناہ دی اور آٹے وقت میں جب ان کی اپنی قوم نے انھیں نکال دیا تھا ان کی مدد کی اس لیے خلافت کے حق دار وہ ہیں۔ رسول اللہ کی زندگی میں بھی انصار کے بعض لوگوں کی زبانوں سے اس قسم کے نفرت انگیز لفظ نکل گئے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو مہاجرین پر فائق سمجھتے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد جب جنین اور طائف کے سفر کے پیش آئے اور کثیر مالی قیمت ہاتھ آیا تو رسول اللہ نے مکہ کے ان لوگوں کی تائید و تحریک کے لیے جو نئے نئے اسلام لائے تھے اور ان جنگوں میں شریک ہوئے تھے مال قیمت انھیں میں تقسیم کر دیا یہ دیکھ کر انصار کے بعض لوگوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ غول تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور مال مکہ واسے لے گئے ہیں۔ جب رسول اللہ کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے خزیج کے سردار سعد بن حبادہ کو حکم دیا کہ وہ تمام انصار کو جمع کریں۔ جب تمام لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا:

”مے انصار اہم لوگوں کی لڑتے سے مجھے ایک بات پہنچی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیمت کی تقسیم کے سلسلے میں تم لوگوں کو شکایت ہے لیکن اس بات سے قطع نظر مجھے اس بات کا جواب دو کیا یہ واقعہ نہیں کہ تم گمراہ تھے میرے شیعے سے اللہ نے تمہیں ہدایت دی تم غریب تھے میرے مذہب سے اللہ نے تمہیں امیر بنایا تم کو دھرم کے دشمن تھے میرے مذہب سے تمہارے درمیان الفت و محبت پیدا کی۔“

انصار نے یمن کو شرمندگی سے سرجھکایا اور کہا:  
 ”یا رسول اللہ! بیشک اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہم پر بڑے بڑے  
 احسانات کیے۔“

رسول اللہؐ نے پھر فرمایا:  
 ”اے انصار! تم جو اب کہیں نہیں دیتے؟“  
 لیکن وہ اسی طرح سرجھکانے بیٹھے رہے اور اس کے سوا کچھ نہ کہا:  
 ”یا رسول اللہ! ہم آپ کو کیا جواب دیں؟ یقیناً اللہ اور اس کے رسولؐ  
 کے ہم پر بڑے بڑے احسانات ہیں۔“

اس پر غزوہ رسول اللہؐ نے ان کی طرف جواب دیا:  
 ”اللہ کی قسم! اگر تم چاہتے تو کڑے سکتے تھے اور تھا را کنا بالکل سچ ہوتا کہ اے  
 رسول اللہ! آپ کی قوم نے آپ کی تکذیب کی، آپ ہمارے پاس آئے، ہم نے  
 آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائے، آپ کی قوم نے آپ کا ساتھ چھوڑ  
 دیا تھا، ہم نے آپ کی مدد کی، آپ کو مکہ سے نکال دیا گیا تھا، ہم نے آپ کو  
 پناہ دی، آپ غریب اور تنگ دستی کی حالت میں ہمارے پاس آئے، ہم نے  
 آپ کی ضرورت کا سارا سامان مہیا کیا، آپ دل شکستہ تھے، ہم نے آپ کی  
 دل جوئی کی۔“

یہ الفاظ اور کہتے دلت آپ پر ایک خاص قسم کی کیفیت اور تاثر طاری تھا۔ آپ نے

فرمایا:

”دنیا کی چند حقیر چیزوں کی خاطر تم نے یہ بات کہی ہے۔ میں نفہ مال قریش  
 کو محض تالیف نلوب کے لیے دیا تاکہ وہ اسلام پر پختہ ہو جائیں۔ تم پہلے ہی سے  
 اسلام پر پختہ ہو، تمہیں تالیف نلوب کے لیے دینے کی ضرورت نہ تھی۔ اے  
 انصار! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ دوسرے لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں  
 اور تم اپنے ساتھ رسول اللہؐ کے جاؤ۔ مجھے اُس ذات کی قسم ہے جس کے

انہیں مجھ کی جان ہے کہ ہجرت مذہبی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا مگر لوگ ایک راستے پر چلے ہیں اور انصار دوسرے راستے پر تو میں انصار کے راستے پر چلوں گا اسے اللہ! انصار پر رحم فرما، انصار کے پیشوں پر رحم فرما، انصار کے پیشوں کی دولا پر رحم فرما۔

رسول اللہ کے دل کی گہرائیوں سے نکل ہوئی ان پروردگاروں نے انصار پر بے حد اثر کیا۔ وہ اتنا روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور سب نے بیک زبان کہا: ”ہم رسول اللہ کی تقسیم اور بخشش پر دل و جان سے ماضی ہیں۔“

انصار کے اندیشوں کا اظہار جن کے مالی غنیمت کی تقسیم کے وقت ہی دہڑا تھا بلکہ اس سے پہلے فتح مکہ کے وقت بھی ہو چکا تھا جب انہوں نے رسول اللہ کو کوہ صفا پر اہل مکہ سے خطاب کرتے سنا کہ ہمیں رکھے ہوئے بتوں کو توڑتے اور رسول کے پرانے جانی دشمنوں کو اسلام کی آغوش میں آتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس موقع پر ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اب رسول اللہ اپنے وطن کو چھوڑ کر مدینہ واپس تشریف لے جائیں گے بعض لوگوں نے اس کا اظہار کھلے لفظوں میں بھی کر دیا اور کہا:

”اب کہ رسول اللہ نے کفر کو چھوڑ دیا ہے اور آپ کا وطن آپ کے قبضے میں

آچکا ہے آپ مدینہ کیوں واپس جاتے گئے؟“

جب رسول اللہ کو یہ خبر ملی تو آپ نے فرمایا:

”میرا جینا اور مرنا سب خدا سے ساتھ ہے۔ میں تم سے ملنے نہیں ہو سکتا۔“

ان امور کی موجودگی میں رسول اللہ کی خبر وفات سننے ہی انصار کے دل میں یہ خیال پیدا ہونا قدرتی امر تھا کہ آیا مدینہ کا انتظام اور امر مصلحت کی دیکھ بھال ان مہاجرین کے ہاتھ میں رہے گی جو مکہ سے ہر حالت تباہ مدینہ پہنچے، اہل مدینہ نے انہیں پناہ دی اور انہیں عزت اور وقار و طاقت بخشی، یہ یہ کام اہل مدینہ کے سپرد کیا جائے گا جن کے تعلق خود رسول اللہ فرما چکے ہیں کہ اللہ کے رسول کی نگہ ریب کی جاری تھی، آپ ان کے پاس آئے تو انہوں نے آپ کی تصدیق کی۔ آپ کو آپ کی قوم نے چھوڑ دیا تھا، انہوں نے آپ کی مدد کی، آپ کو مکہ

سے نکال دیا گیا تھا۔ انھوں نے آپ کو پناہ دی۔ آپ دل شکستہ تھے، انھوں نے آپ کی دل جاتی کی۔

### سقیفہ بنی ساعدہ

اسی مسئلے کو طے کرنے کے لیے بعض انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور اپنے ایک خُزاد سعد بن عباد کو جو اس وقت بیمار تھے ان کے گھر سے وہاں لے آئے اور بحث و شریع کی پہلے آراء ان کی باتیں سنتے رہے پھر انھوں نے اپنے بیٹے سے کہا:

”میں اپنی بیماری کے سبب تمام لوگوں تک اپنی آواز نہیں پہنچا سکتا، تم میری باتیں سن کر انھیں بتا دو۔“

چنانچہ انھوں نے تقریر شروع کی اور ان کا احوال ان کی باتیں لوگوں تک پہنچا دیا۔ انھوں نے حمد و ثناء کے بعد کہا:

### سعد بن عبادہ کی تقریر

”اے انصار! انھیں دینِ برحق کی اداوار کرنے کا جو شرف اور اسلام کی امانت کرنے کی جو تفصیلات حاصل ہے وہ عرب کے اور کسی قبیلے کو حاصل نہیں، رسول اللہؐ اپنی قوم کے درمیان تیرہ سال تک تقیم رہے اور اسے اللہ کی عبادت کرنے اور جہنم کی پرستش چھوڑ دینے کی تلقین کرتے رہے لیکن سوا چند لوگوں کے کسی نے آپ کی باتیں قبول نہ کیں۔ مگر وہ لوگ بھی جو آپ پر ایمان لائے، رسول اللہؐ کی مدافعت کرنے، دین کو عزت بخشنے اور خود اپنے آپ کو کفار کے ظلم سے بھانسنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ اس وقت اللہ نے تمہیں اپنے انعامات کا وارث بنانے، نصیبت عطا کرنے اور بزرگی سے سرفراز کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس نے تمہیں ایمان کی نعمت سے بہرہ ور کرنے، رسول اللہؐ اور آپ کے صحابہ کی حفاظت کرنے، دین کی حکمت قائم کرنے، اپنی جانیں اسلام پر قربانی کرنے

اور دشمنوں سے جہاد کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ تم رسول اللہ کے دشمنوں پر سب سے زیادہ سخت تھے۔ تمہاری عماروں نے اسلام کی فتح کے دن کو قریب سے قریب ترک کر دیا اور عربوں کو بار بار مجبوری دین خدا کے سامنے تسلیم ختم کرنا پڑا۔ اب رسول اللہ وفات پا چکے ہیں۔ وہ عمر بھر تم سے راضی رہے۔ تم ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے۔ اب تم خلافت اپنے ہاتھ میں لے لو کیونکہ تمہارے سوا خلافت کا مستحق کوئی نہیں؟

حاضرین نے سعد کی بات کو غور سے سنا اور بالواقعی جواب دیا۔  
 ”آپ نے جو کچھ کہا بالکل صحیح کیا۔ ہم آپ کی رائے سے اختلاف نہ کریں گے۔ خلافت کا کام ہم آپ ہی کے سپرد کرتے ہیں کیونکہ آپ ہی اس کے مستحق نصاب اور عبادت گزار بندے ہیں۔“

## انصار کی پہلی کمزوری

انصار نے کہنے کو تو یہ بات کہہ دی لیکن اس پر قائم نہ ہو سکے۔ قبل اس کے کہ سامی قوم صدیق جہاد کی بیعت کرنے کے لیے ٹوٹ پڑتی اور دوسرے مسلمانوں کو بھی ان کی بیعت کی دعوت دیتی، ایک شخص نے اٹھ کر کہا:

”اگر صحابہ نے جہادی بیعت سے انکار کیا اور کہا کہ ہم صحابہ ہیں، رسول اللہ

کے اولین صحابہ ہیں سے ہیں۔ آپ کے اہل خانہ ان ہیں، اس لیے ہمیں خلافت کے مستحق ہیں اور انصار کو ہمارے اس حق کا انکار نہ کرنا چاہیے تو کیا ہوگا؟“  
 یہ بات سن کر مجمع پر سناٹا مچا گیا اور کسی سے اس سوال کا جواب بن نہ پڑا۔ آخر بہت کچھ غور و فکر کے بعد ایک شخص نے اٹھ کر کہا:

”اس وقت ہم ان سے کہیں گے کہ اگر ایسا ہی ہے تو ایک امیر تم میں سے

ہو جائے ایک امیر ہم میں سے۔ ہم اس کے سوا اور کسی بات پر راضی نہ ہونگے۔“  
 صدیق جہاد خوب جلد سے کہہ کر یہ تجویز لایا یعنی ہے اور اس سے انصار کو کسی قسم کا

نائدہ نہ پہنچ سکے گا چنانچہ انھوں نے کہا :

”تم نے تو ابتداء ہی میں کمزوری کا مظاہرہ شروع کر دیا۔“

ان کا اشارہ دراصل ہمزوس کی طوط تھا کیونکہ انھیں کے ایک فرد نے یہ بات کہی تھی۔  
خزرج ایسی بات نہ کہہ سکتے تھے کیونکہ ان کے سردار سعد بن عبادہ تھے اور ان کی میں خواہش تھی  
کہ خلافت کی عنان انھیں کے ایک فرد کے سپرد کی جائے۔

## اوس و خزرج کی موروثی عداوت

اسلام سے پہلے اوس اور خزرج ایک دوسرے کے حریف تھے۔ ان دونوں قبیلوں میں اس  
وقت سے کوئی بڑی آئی تھی جب سے ان کے آبا و اجداد میں سے انتقال ہو کر شرب میں آباد ہوئے  
تھے۔ اس وقت میثرب اور اس کے گرد و راج پر یہودیوں کا تسلط تھا۔ انھیں و خزرج بھی ملت و  
نہم یہود کے اثر و اقتدار کے تحت غلامانہ حالت میں زندگی بسر کرتے رہے۔ بالآخر ان کی ہمت  
و حیثیت نے جوش ملا اور انھوں نے یہود کے خلاف بغاوت کر کے یہود کو اس مرتبے سے  
محروم کر دیا جس پر وہ مذہب و راز سے فائز تھے۔

یہود کے پنجے سے تو انھوں نے رہائی حاصل کر لی لیکن خدا ان کے درمیان اختلافات  
کی بنیاد ڈال گئی جس نے بڑھتے بڑھتے شدید دشمنی کی شکل اختیار کر لی۔ جنگ بعاث بھی اسی  
دشمنی کا شاخسانہ تھی جس میں طرفین کے سیکڑوں آدمیوں کی جانیں ضائع ہوئیں۔ اس جنگ کے  
بعد یہودیوں نے میثرب میں پھر اپنا اثر و رسوخ بڑھا کر شروع کیا۔ اوس و خزرج یہود کے پہلے  
سلوک کو دھوئے تھے۔ یہ دیکھ کر انھوں نے آپس میں صلح کر لی اور ملے پایا کہ خزرج کے ایک  
شخص عبداللہ بن ابی بن سلول کو اپنا سردار بنالیا جائے۔

وہ لوگ انھیں تیاریوں میں مشغول تھے کہ ان کی ایک جماعت حج کے موقع پر مکہ لگتی رہے۔  
ان کی ملاقات رسول اللہ سے ہوئی آپ نے انھیں توحید کی تبلیغ کی۔ اس پر انھوں نے  
ایک دوسرے سے کہا :

”اللہ کی قسم یہ وہی نہیں ہے جس کی خبر میں یہود دیا کرتے ہیں یہی ہے

قبول کر لینا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہود اسے قبول کر کے ہم سے ٹھہر جائیں؟  
چنانچہ انھوں نے آپ کی دعوت قبول کر لی اور اسلام لے آئے۔ پھر آپ سے کہا،  
”ہم اپنے پیچھے ایک ایسی قوم بھیج دو گے جس کی عداوت اور بغض مومن  
میں کوئی قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ امید ہے کہ اللہ آپ کے ذریعے سے  
انھیں متحد کر دے گا۔ اگر وہ آپ کے ذریعے سے متحد ہو گئے تو شرب کا کوئی شخص  
عزت اور بزرگی میں آپ کے ٹھہر کر نہ ہو گا۔“

شریب واپس آ کر انھوں نے اپنی قوم سے سارا حال بیان کیا اور یہی واقعہ بیت عقبہ الکبریٰ  
کا باعث شرب میں اسلام پھیلنے کا موجب اور رسول اللہ کی ہجرت کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

### اہل شرب میں اتحاد

اسلام نے شرب کے تمام مومنوں کو اکٹھا کر دیا اور رسول اللہ کی شخصیت نے تمام مسلمانوں کو  
اس طرح بھائی بھائی بنا دیا کہ دنیوی تعلقات میں اس کی نظیر نہیں پائی باقی مسلمانوں کے  
اس عظیم انڈیا اتحاد سے یہود کی قوت کو ذرو دست ضعف پہنچا۔ پھر بھی اوس مختار رج کے مومن  
میں پرانی عداوت کے دھندے دھندے کچھ لغزش باقی رہ گئے۔ یہود اور منافقین کے جوش  
دلانے سے یہ عداوت کبھی ظاہر بھی ہو جاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب سعد بن عبادہ نے دیکھا کہ  
انصار کے بعض لوگ اس شخص کی باتوں سے متاثر ہو رہے ہیں جس نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ایک  
امیر قریش میں سے ہونا چاہیے اور ایک امیر انصار میں سے تو انھوں نے کہا:

”یہ پہلی کمزوری ہے جہاں بدای میں تم سے ظاہر ہوئی ہے؟“  
کیونکہ یہ بات کہنے والا قبیلہ اوس کا ایک فرد تھا۔

### عمر اور ابو عبیدہ میں گفتگو

جب انصار عقیقہ بنی سعدہ میں خلافت کے متعلق مشغول بحث تھے تو حضرت عمرؓ فرمایا خطابؓ  
ابو عبیدہ بن جراح اور دوسرے بڑے بڑے صحابہ مسجد نبوی میں رسول اللہ کی وفات کے بعد عظیم

کا ذکر کر رہے تھے حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ اور دوسرے اہل بیت رسول اللہؐ کی تہنیر و تکفین کے انتظامات میں مصروف تھے۔ جب حضرت عمرؓ کو آپؐ کی وفات کا کامل یقین ہو گیا تو انھوں نے بھی خلافت کے متعلق غور کرنا شروع کیا۔ ان کے دو دو گمان میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ انصار پہلے ہی اس معاملے پر بحث و تحقیق میں مشغول ہیں اور اپنے میں سے کسی شخص کو امیر بنا چاہتے ہیں۔

ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ابو عبیدہ بن جراح کے پاس آئے اور کہا:

”اپنا ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں آپؐ کی بیعت کروں کیونکہ رسول اللہؐ ہاں مبارک سے آپؐ کو ”امین الامت“ کا لقب مل چکا ہے۔“  
ابو عبیدہ نے یہ سنی کر کہا:

”عمرؓ انھارے اسلام لانے کے بعد پہلی مرتبہ میں نے تمھارے منہ سے ایسی جہالت کی بات سنی ہے۔ کیا تم میری بیعت کرو گے جب ہم میں وہ شخص موجود ہے جسے اللہ و خداوندی سے نافی ائمین اور صاحب رسول کا خطاب اور رسول اللہؐ کے ”سید“ کا لقب مل چکا ہے؟“

یہ دونوں انھیں باقی میں مشغول تھے کہ انھیں متعین بنی ساعدہ میں انصار کے اجتماع کی خبر ملی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو جو اس وقت حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تھے کہا بھیجا کہ فدا ہا ہر تشریف لائیے۔ ابوبکرؓ نے جواباً کہا ”میں مشغول ہوں اس وقت باہر نہیں آسکتا۔“

حضرت عمرؓ نے دوبارہ پیغام بھیجا کہ فوری طور پر ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا ہے جس میں آپؐ کی موجودگی ہے مد ضروری ہے۔

عمرؓ اور ابوبکرؓ مسقیفہ بنی ساعدہ میں

اس پر ابوبکرؓ باہر تشریف لائے اور عمرؓ سے پوچھا: رسول اللہؐ کی تہنیر و تکفین سے زیادہ اس وقت

اور کون سا کام ضروری ہے جس کے لیے تم نے مجھے بلایا ہے؟  
 عرض کیا: ”آپ کو چاہی ہے انصارِ حبشہ بنی ساعدہ میں حج میں اور ارادہ کر رہے ہیں  
 کہ سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنادیں؟ ان میں سے ایک شخص نے یہ کہا ہے کہ ایک امیرِ ہم میں سے ہو  
 اور ایک امیرِ قریش میں سے  
 یہ سنی کر ابو بکرؓ فوراً عرض کیے ساتھ سفید کی جانب چل پڑے۔ ابو سعیدؓ بن جراح بھی ساتھ  
 تھے۔

یہ قیصل بھی راستے ہی میں تھے کہ انھیں حاسم بن عدی اور عجم بن ساعدہ ملے۔ ابو بکرؓ  
 سفید سے کہے تھے اور انصار نے انھیں یہ کہہ کر اپنی مجلس سے سخت کر دیا تھا کہ تم یہاں  
 چلے جاؤ کیونکہ جو تم چاہتے ہو وہ نہ ہو گا جب انھوں نے ابو بکرؓ، عمرؓ اور ابو سعیدؓ کو اسے دیکھا  
 تو کہنے لگے: ”آپ لوگ اپنا کام کریں اور انصار کے پاس مت جائیں؟“  
 عمرؓ نے جواب دیا: ”یہ نہیں ہو سکتا، ہم ضرور جاتیں گے۔“  
 چنانچہ یہ تینوں حضرات سفید میں پہنچے۔ انصار کی گفتگو اور بحث ابھی جاری تھی انھوں  
 نے فدہ تو صدقِ بیعت کی تھی اور کسی متفقہ فیصلے پر پہنچے تھے۔

انصار نے جب ان تینوں کو دیکھا تو بڑے پریشان ہوئے اور بالکل خاموش ہو گئے۔  
 عرض کرتے پرچھا: ”یہ شخص کون ہے جو وہ بیان میں کیل اٹھ رہے جیسا ہے؟“ لوگوں نے کہا:  
 ”یہ سعد بن عبادہ ہیں انہیں دقت بیمار ہیں۔“ ابو بکرؓ وہاں کے دوڑیں ساتھی بھی انصار کے وہ بیان سنیے  
 لگے۔ اب ہر شخص یہ سوچ رہا تھا کہ خدا جلد سے یہ اجتماع کس حد پر جا کر ختم ہو گا۔

## سفید بنی ساعدہ کے اجتماع کی اہمیت

واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی ابتدائی زندگی میں اس اجتماع کو اہمیت حاصل تھی۔ اگر اس موقع  
 پر ابو بکرؓ اپنی اہمیت راستے تو بہت ارادی اور ذمہ داری کو کام میں نہ لاتے تو خود اسلام  
 کے مرکز میں وہ فتنہ پھیل جاتا جو بعد میں عرب کے دوسرے شہروں میں بھی پھیلا اور اس عالم میں  
 پیچیدہ اسلام کے بانی کی شخص ابھی گھڑی میں پڑی ہوتی۔

فدا خود کیجیے اگر انصار و حدیثین عبادہ کی باتوں میں اگر اصرار کرتے کہ خلافت ان کا حق ہے اور انھیں کو مٹا چاہیے اور دوسری طرقت قریش اپنے سوا کسی کی خلافت پر راضی نہ ہوتے تو اس فتح کا انجام کیا ہوتا؟ خصوصاً اس حالت میں کہ سارے کاشفک حقیقہ دہل سے یس اوٹھن سے جنگ کے لیے کوچ کرنے پر بالکل تیار تھا کیا اس صورت میں وہی ہتھیار ایک دوسرے کے خلاف استعمال نہ ہوتے؟ اگر سقیفہ ہلنے والے صحابہ میں ابو بکرؓ عمرؓ اور ابو سعیدؓ کے سوا دوسرے لوگ ہوتے جنھیں رسول اللہؐ کے مشیر قرار ہونے کا شرف حاصل ہوتا اور نہ انھیں امامت ہونے کا اعزاز تو انصار و صحابہ میں کے درمیان اختلاف کی خلیج بے حد وسیع ہو جاتی اور اس کا جوہر تک انجام ہوتا اس کا اندازہ بھی آج کا مکتبہ نہیں کر سکتا۔

واقعات کا صحیح اندازہ کرنے والوں سے یہ بات مخفی نہیں کہ اس اہم اجتماع کی اسلام کی تاریخ میں اتنی ہی اہمیت حاصل ہے جتنی بیعت عقبہ الکبریٰ اور رسول اللہؐ کی ہجرت مدینہ کی یہ بات بھی ان سے پوشیدہ نہیں کہ ابو بکرؓ نے اس موقع پر جو کلام ادا کیا اور انھیں دیا اس نے صریحاً ثابت کر دیا کہ وہ دینی لحاظ سے خلافت ہندو مرتبہ رکھنے کے علاوہ بھروسہ سیاست کے شاد اور امتحانی دور کی اور خلیفہ و حاکم پر گری نظر رکھنے والے بھی تھے اور یہ معاملے میں ان کی تمام تر کوششیں یہ تھیں کہ اس سے بہتر خلیفہ برآمد ہوں اور پرانی بات سے پہلوی کی جائے جس سے شر و فساد پھرنے کا امکان ہو۔

### حاضرین سقیفہ سے ابو بکرؓ کا خطاب

موجودہ دہلے میں اسلوب بیان کے بعض پہلوؤں کی ماہرین سیاست کو یاد دہکتے ہیں۔ منجملہ دیگر اسلوب بیان کے ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ مقابل سے اس طرح گفتگو کی جائے کہ اس کے جذبات کو ششیں ہی نہ لگے اور اسے تاقی بھی کر لیا جائے۔ یہ طرز بالکل نوا کیا و عجیبانہ ہے لیکن ابو بکرؓ نے انصار سے جس طرز پر بات کی اور جس غرض اسلوبی سے معاملے کو سلجایا آج کل کے ماہرین سیاست کو اس کی ہر ایک خصلت ملے گی۔

جب یہ تینوں صحابہ امینان سے بیٹھ گئے تو انصار کی پریشانی کچھ کم ہوئی اور انھوں

نے ہر حرکت کو اگر اسی قسم کی باتیں شروع کیں مگر خلافت صرف ان کا حق ہے اور یہ حق انہیں کو ملنا چاہیے۔

حضرت حمزہؓ کہتے ہیں: میں نے بعض باتیں سوچ رکھی تھیں جنہیں میں اس مجلس میں بیان کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن جب میں تقریر کرنے کے لیے کھڑا ہونے لگا تو ابھڑنے لگا: ”وذا لعنہ۔“ مجھے بات کر لینے دو۔ اس کے بعد تم بھی اپنی باتیں بیان کر دینا۔“

اصل میں ابو بکرؓ کو ڈر تھا کہ کہیں عمرؓ نے یہی نہ آجائیں کیونکہ یہ موقع تیزی اور سختی کا رکھتا بلکہ نرمی اور بردباری پرستے کا تھا۔ حمزہؓ، ابو بکرؓ کی بزرگی اور ان کی سبقت فی الاسلام کا لحاظ کرتے ہوئے فیصلہ کر گئے اور ابو بکرؓ پر تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ انہوں نے حمد و ثنا کے بعد رسول اللہؐ اور آپ کے لائے ہوئے پیغام کا ذکر کیا پھر فرمایا:

”..... عربوں کے لیے اپنے آپ کو اسلحہ کا دین ترک کر دینا نہایت مشکل

تھا اور وہ ایسا کرنے کے لیے بالکل آمادہ نہ تھے۔ اس وقت اللہ نے آپؐ کی قوم میں سے صحابہؓ کو آپؐ کی تصدیق کرنے، آپؐ پر ایمان لانے، آپؐ کی دل جوئی کرنے اور اپنی قوم کے مظالم کو صبر سے برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ ہر شخص ان کا مخالف تھا۔ ان پر ظلم و ستم توڑے جاتے تھے انہیں جبریں آتی تھیں وہ جاتی تھیں لیکن وہ ملک، تعداد اور کثرت اعداد کے باوجود مطلق غمزدہ نہ ہوئے۔

وہ اس سرزمین میں اولین اشخاص ہیں جنہیں اللہ اس کے رسولؐ پر ایمان لانے اور اس طرح اللہ کے حقیقی بندے بننے کی توفیق ملی۔ وہ رسول اللہؐ کے محبوب اور رفیقہ دار ہیں اس لیے خلافت کے وہی مستحق ہیں اور اس بارے میں صرف عالم ہی ان سے جھگڑا کر سکتے ہیں۔

”اور تم اسے گردہ انصار اور لوگ جوہن کی فضیلت دینی اور اسلام میں سبقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ نے تمہیں اپنے دین اور اپنے رسولؐ کا مددگار بنایا۔ رسولؐ خدا نے ہر حق و مفاد کی طرف کی آپؐ کی اکثر فداکاری اور شہر

صحابہ نہیں میں سے تھے۔ مہاجرین اولین کے بعد تھا راہی مرتبہ ہے۔ (اس لیے ہم امیر ہوں گے اور تم ذریعہ نہ تھا اسے شورش کے بغیر کوئی فیصلہ کیا جائے گا اور نہ نہیں شریک کیے بغیر کوئی کام انجام دیا جائے گا۔)

اسی سے متعلق ایک فقرہ پہلے بھی ایک انصاری کے منہ سے نکل چکا تھا یعنی:۔۔۔۔۔

..... ایک امیر ہم میں سے ہر ایک امیر مہاجرین میں سے ہے۔

مگر یہ بات ناقابل عمل تھی لیکن ابو بکرؓ کی تجویز صورت قابل عمل بلکہ اعلیٰ سیاست کا کرشمہ بھی تھی جس سے ان کا مقصد بھی پورا ہو جاتا تھا اور انصار کا تردد بھی دور ہو جاتا تھا۔

اس نے 'بر خیزد' کے خلاف منافست کے جذبات رکھتے تھے اور اپنے آپ پر خراج کا غلبہ گوارا نہ کر سکتے تھے۔ ابو بکرؓ کی اس تجویز پر اطمینان کا سانس لیا خندرج کے بھی بہت سے افراد نے اس سے ولی اتفاق کیا کیونکہ ابو بکرؓ نے سعد بن عبادہ کی طرح صورت مہاجرین کو تسلیم کرنا تسلیم نہ کیا تھا بلکہ انصار کو دلدرا کی حیثیت میں مہاجرین کا شریک بنانا بھی بنایا تھا کیونکہ وہ فتنہ فتنی رسول اللہؐ کے دل سے ایمان لائے، آپؐ کی حد کرنے اور ہائی ٹیکری کا شہرت دینے میں مساوی تھے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ انھوں نے امداد اور وفات کا حق دار علیؓ اور شریب مہاجرین و انصار کو ٹھہرایا کسی اور قبیلے کو جو عرب میں آباد تھا شریک کار نہ بنایا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ سرسخت تباہی کو دین میں وہ سبقت حاصل نہ تھی جو مہاجرین و انصار کو حاصل تھی، نہ انھوں نے دین کے دامن میں وہ کارہائے نمایاں ہی انجام دیے تھے جو مہاجرین و انصار نے انجام دیے۔

## بعض انصار کی مخالفت

ابو بکرؓ کے دلائل کی روشنی میں تمام لوگوں کو تسلیم ہو جانا چاہیے تھا کیونکہ ان کی تمام باتیں منجی برحق اور قرین انصاف تھیں، لیکن بعض لوگوں نے جنہیں مہاجرین کی امداد سرے سے ناپسند تھی ان کے دلائل سے کوئی اثر قبول نہ کیا کیونکہ ان لوگوں کو خدشہ تھا کہ مہاجرین جن کا حق غصب کریں گے اور سلطنت پر قابض ہو کر من مانی گدازیاں کریں گے۔ چنانچہ ان میں سے

ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

”ہم ہمارے انصار اور اسلام کا لشکر ہیں اور تم اسے مہاجرین اہم سے  
تکلیف دے رہے ہو لیکن اب تم ہمارا حق منصب کرنا اور ہمیں سلطنت سے محروم کرنا چاہتے  
ہو، ایسا کبھی نہ ہو سکے گا۔“

یہ سن کر بھی ابوبکرؓ کے ہاتھ پر تل چڑھے اور وہ بدستور اپنے دھبے پر سے بلبل کو  
کو خطاب کرتے رہے۔ انھوں نے فرمایا:

”اے لوگوں! ہم مہاجرین تو ہیں اشخاص ہیں جو اسلام لانے حسب نسب  
اور غرضتوں کے لحاظ سے بھی ہم تمام عربوں سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ ان تمام باتوں  
کے علاوہ ہمیں رسول اللہؐ کے قرہی رشتہ دار ہونے کا فخر بھی حاصل ہے۔ ہم تم  
سے پہلے ایمان لاتے اور تم ان میں ہمارا ذکر تم سے مقدم ہے۔ اللہ فرماتا ہے  
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ يَدْعُونَ لَا يَصِلُونَ إِلَى اللَّهِ عَالِمِينَ لَوْ أَنَّهُمْ  
فَعَلُوا مَا وَعَدُوا اللَّهَ بِهِ لَافْتَدَيْنَا بِهِمُ الْوَعْدَ لَئِنْ كُنَّا مِنْكُمْ لَمَنظُورِينَ“

”اے مہاجرین! ہم اور تم انصار تم میں ہمارے بھائی، نصیب  
میں ہمارے شریک اور دشمنوں کے مقابلے میں ہمارے مددگار رہ۔ ہمارے  
اپنی فضیلت کا حوزہ کر لیا ہے اس سے پہلے انکار نہیں۔ تم واقعی اس کے اہل ہو  
اور روئے زمین پر سب سے زیادہ تمہارے کے مستحق۔ لیکن عرب اس بات کو  
کبھی نہ مانیں گے کہ سلطنت قریش کے سوا کسی اور قبیلے کے ہاتھ میں ہے۔ اس  
لیے امدت تم ہی سے سیکو کرو اور وفات خود سنبھال لو۔“

حباب بن منذر انصاری

لیکن اس پر بھی انصار کے ایک طبقے کا جوش و خروش تھا اور وہ کہتا تھا کہ حباب بن منذر بن سراج  
اٹھے اور کہنے لگے:

”اے انصار! امدت اپنے ہاتھوں ہی میں رکھو کیونکہ لوگ تمہارے طریق ہیں۔  
کسی شخص میں یہ جرات نہ ہو گی کہ وہ تمہارے خلاف کو آواز اٹھائے یا تمہاری سزا

کے خلاف کوئی کام کر سکے۔ تم اہل عزت و ثروت ہو تم تعداد اور تجربہ کی بسند پر دوسروں سے ٹھہر چکے ہو۔ تم بہادر و دلیر ہو۔ لوگوں کی نگاہیں تمہاری طرف لگی ہوئی ہیں۔ ایسی حالت میں تم ایک دوسرے کی مخالفت کر کے اپنا معاملہ خراب نہ کر دینا۔ لوگ تمہاری بات ماننے پر مجبور رہیں۔ زیادہ سے زیادہ رعایت جو ہم انہیں دے سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک ان میں سے ہو۔

### حضرت عمرؓ کی تقریر

جواب نے ابھی اپنی تقریر ختم بھی نہ کی تھی کہ حضرت عمرؓ کھڑے ہو گئے۔ وہ اس سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کے منع کرنے سے مجبور خاموش ہو رہے تھے لیکن اب ان سے ضبط نہ ہو سکا اور انہوں نے کہا :

”ایک بیان میں دو حکمرانیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اللہ کی قسم! جو بقیہ امیر بنائے پر ہرگز رضامند نہ ہوں گے جب رسول اللہؐ تم سے نہ تھے۔ ہاں اگر امارت ان لوگوں کے ہاتھوں میں آئے جن میں رسول اللہؐ مبعوث ہوئے تھے تو انہیں کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ مگر عربوں کے کسی طبقے نے ہماری امارت اور خلافت سے انکار کیا تو اس کے خلاف ہمارے ہاتھ میں دلائل ظاہر ہو اور ہر تامل سے ہمیں رسول اللہؐ کی جانشینی اور امارت کے بارے میں کوئی شخص ہم سے جھگڑا کر سکتا ہے جب ہم آپ کے جہاں شاہ راہ اہل حشر و ہیں۔ اس معاملے میں ہم سے جھگڑا کرنے والا کسی شخص پر سکتا ہے جو باطل کا پیروکار دگن ہل سے اکودہ اور چاکت کے گڑھے میں گرنے کے لیے تیار ہو۔“

### حضرت عمرؓ اور جواب میں جھڑپ

جواب نے انصار کو مخاطب کر کے حضرت عمرؓ کی تقریر کا جواب یہ دیا :  
 ”اے انصار! تم بہت سے کام لیا اور عمرؓ اور اس کے ساتھیوں کی بات نہ سنی۔“

اگر تم نے اس وقت کمزوری دکھائی تو یہ سلطنت میں سے تمہارا حصہ نصیب نہیں کئے  
 اگر یہ تمہاری مخالفت کریں تو انہیں یہاں سے علاء الدین کو دوبارہ سلطنت پر غزو  
 تا بعض ہوجاؤ کیونکہ اللہ کی قسم انہیں اس کے سب سے زیادہ حق دار چھوڑا  
 یہی ظالموں کی بدولت اسلام کو شام و شوکت نصیب ہوئی ہے اس لیے اس  
 کی تندر و منزلت کا موجب تمہیں ہر تمہیں اسلام کو پناہ دینے والے اور اس کی  
 پشت پناہ ہوا اور اگر تم چاہو تو اسے اس کی شان و شوکت سے محروم بھی کر سکتے ہو۔  
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فتوہ سنا تو کہا:

اگر تم نے اس قسم کی کوشش کی تو اللہ تمہیں ہلاک کر ڈالے گا۔

جواب نے جواب دیا:

”میں نہیں اللہ تمہیں ہلاک کرے گا۔“

جواب کی باتیں (اگر درست تسلیم کر لی جائیں تو) ایک خطرناک جھلک کا رنگ دیتی تھیں۔  
 اگر انصار کی اکثریت جواب کے ساتھ ہوتی اور وہ سعد بن عبادہ کی بیعت پر رضا مند ہوجاتے تو  
 مہاجرین بھی انصار کے مقابلے میں اپنی من مانی کستہ اور ایک عظیم اور تباہ کن فتنہ برپا ہوجاتا  
 جو کسی کے دھکے نہ دیتا۔

## بعض منافقین کی شرارت

کچھ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض منافقین نے حضرت عمرؓ اور جناب کی تسخیر لکھنؤ سے بڑھ  
 اٹھاتے ہوئے شرارت برپا کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ طبری نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ خود  
 جناب نے باتیں کرتے کرتے تمہارا رنٹا لی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے ہاتھ جھٹک کر تمہارا ان کے ہاتھ  
 سے گراؤ لی اور کچھ لشکر سعد بن عبادہ کی طرف بڑھے۔ اس وقت ابو عبیدہ بن جراحؓ جواب تک  
 حاضر ہوئے۔ فریقین کی باتیں سن رہے تھے اس معاملے میں دخل دینے پر زور دے گئے۔ وہ اٹھے  
 اور اہل مدینہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

”میں انصار اہم ہوں تھے جنہوں نے اس دینی کی نصرت و حمایت کے لیے

سب سے پہلے اپنے آپ کو پیش کیا تھا اب تمہیں سب سے پہلے اس کی تباہی کے دو پہلے پر رہے ہو۔

## بشیر بن سعد کی تقریر

ابو عبیدہ کے اس فقرے کا قبیحہ خرمج کے ایک سردار بشیر بن سعد ابو النعمان بن بشیر کے ساتھ لڑا۔ وہ کھڑے ہوئے اور یہ تقریر کی۔

”اللہ کی قسم! اگرچہ میں مشرکوں سے جہاد اور دین میں صفت اختیار کرنے کے معاملے میں مساجد میں پر فضیلت ماحصل ہے لیکن ہم نے یہ سب کچھ محض اپنے رب کی رضا اپنے نبی کی اطاعت اور اپنے نفس کی اصلاح کے لیے کیا تھا۔ اس لیے ہمیں زیادتیاں کہ ہم ان باتوں کی وجہ سے فخر و مباہلات کا اظہار کریں اور اپنی دینی خدمات کے بدلے دنیا کا مال و منال طلب کریں۔ اللہ ہی ہمیں اس کی جزا دے گا اور اس کی جزا ہمارے لیے کافی ہے۔ سبیل اللہ قریش میں سے تھے۔ اور آپ کی قوم ہی اس کی سب سے زیادہ حق دار ہے۔ اللہ ذکر سے کہ ہم اس بارے میں ان سے جھگڑا کریں۔ اس لیے اسے انصار اتم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو! مساجد کی مخالفت نہ کرو اور ان سے مت جھگڑو۔“

بشیر بن سعد کی یہ باتیں سن کر ابو بکرؓ نے انصار کی طرف غصہ و زانیہ کیا۔ انھوں نے کہاں تک ان باتوں کا اثر قبول کیا ہے۔ انھوں نے دیکھا کہ اوس آہیں میں آہستہ آہستہ کچھ کر رہے ہیں۔ اور عربی خرمج کے چھوٹے سے بھی مترشح ہوتا تھا کہ ان کے دلوں پر بشیر کی باتوں کا ہیبت اثر ہوا ہے۔

یہ دیکھ کر ابو بکرؓ کو یقین ہو گیا کہ معاملہ سدھ رہا ہے اور یہی لمحات فیصلہ کن ہیں انھیں ضائع نہ کرنا چاہیے۔ وہ دعوتِ عمرہ اور حضرت ابو عبیدہ کے دھیان میں بیٹھے ہوئے تھے ان میں ایک کا ہاتھ پکڑ کر کمر سے روکنے والا کہ اتحاد کی یقین کی اور دوسرے سے خبردار کیا۔ پھر فرمایا: ”یہ عمرہ اور ابو عبیدہ بیٹھے ہیں ان میں سے جس کی ہیبت جاہد کر لو۔“

## عمر اور ابو عبیدہ کی بیعت ابو بکرؓ

اس وقت شمر و شطب بہت بڑے لوگ حضرت عمرؓ کی دینی فضیلت سے کبھی غفلت کو انکار نہ تھا۔ وہ رسول اللہ کے معتقد علیہ اور ام المؤمنین حضرت حفصہ کے والد تھے لیکن ان کی سختی اور تیز مزاجی سے ہر کوئی ڈرتا تھا۔ اسی لیے غفلت ان کی بیعت سے پس و پیش کر رہا تھا۔ جہاں تک ابو عبیدہ کا تعلق تھا ان میں عمرؓ کی کسی سختی نہ تھی لیکن انھیں دینی لحاظ سے حضرت عمرؓ کا سامنا ہم درجہ حاصل نہ تھا۔ اگرچہ وہ اور بھی حالت رہتی تو اختلاف انتہائی شدت اختیار کر گیا لیکن حضرت عمرؓ نے اسے بڑھتے نہ دیا اور بلند آواز سے کہا:

”ابو بکرؓ! اپنا ہاتھ بڑھائیے۔“

حضرت ابو بکرؓ نے ہاتھ بڑھایا حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ کی بیعت کر لی اور کہا:

”ابو بکرؓ! کیا آپ کو رسول اللہ نے حکم نہ دیا تھا کہ آپ مسلمانوں کو ناز پڑھائیں؟

اس لیے آپ ہی غلیفۃ اللہ ہیں۔ ہم آپ کی بیعت اس لیے کرتے ہیں کہ آپ ہم سے زیادہ رسول اللہ کے محبوب تھے۔“

حضرت ابو عبیدہ نے بھی یہ کہتے ہوئے آپ کی بیعت کر لی:

”آپ مہاجرین میں سب سے بڑے ہیں۔ آپ خدا میں رسول اللہ کے ساتھی تھے۔ رسول اللہ کی خبر یا خبری میں آپ ہی نواز پڑھایا کرتے تھے۔ اس لیے آپ سے زیادہ کوئی شخص اس بات کا مستحق ہے کہ اسے خلافت کی اہم ذمہ داریاں سپرد کی جائیں۔“

## بشیر بن سعد اور دوسرے انصار کی بیعت

حضرت عمرؓ جو حضرت ابو عبیدہ کے بیعت کر لینے کے بعد بشیر بن سعد بھی جلدی سے آگے بڑھے اور بیعت کر لی۔

بشیر بن سعد کو بیعت کرتے دیکھ کر جناب بن مقدس سے ضبط نہ ہو سکا اور وہ کہنے لگے:

”اسے بشیر بن سعد اہم نے اپنی قوم کی تاک کاٹ ڈالی تھیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا تم امارت کے معاملے میں اپنے چھپرے بھائی (سعد بن جبلیہ) کی مخالفت کرو گے؟“  
بشیر نے جواب دیا:

”میں نے اپنی قوم کو دلیل نہیں کیا۔ لیکن مجھے یہ بات ناپسند تھی کہ میں میرا  
سے اس حق کے بارے میں جھگڑا کرتا جو اور کسی نے نہیں بلکہ خود اللہ نے انھیں  
دیا تھا۔“

اسید بن حضیر رئیس اوس نے جو بشیر بن سعد کی کارروائی کو برا نظر فائدہ دیکھ رہے تھے،  
اپنے قبیلے کی طرف رخ کیا اور کہنے لگے:

”اللہ کی قسم اگر خزرج ایک بار بھی خلافت پر قابض ہو گئے تو اس کے  
سبب انھیں تم پر ہمیشہ کے لیے فضیلت حاصل ہو جائے گی تم انھیں کبھی اس  
میں حصہ دار نہ بننے دو اور ابو بکرؓ کی بیعت کرو۔“

چنانچہ اوس نے آپ کی بیعت کر لی۔ اور خزرج اپنے سرور و بشیر بن سعد کی باتوں سے  
ملنے ہو چکے تھے وہ بھی آگے بڑھ کر بیعت کرنے لگے۔

## سعد بن جہادہ کا انکارِ بیعت

”لوگوں کو بیعت کرنے کی اتنی جلدی تھی کہ ایک کے اوپر ایک لگا پڑا تھا۔ بیعت کرنے کی عجلت میں  
انھیں سعد بن جہادہ کا خیال بھی نہ ہوا۔ سعد انھیں دوند کر بیعت کرنے کے لیے آگے بڑھنے لگے۔  
یہ دیکھ کر بعض لوگوں نے کہا:

”اسے دیکھو! کہیں سعد تمہارے پاؤں کے نیچے نہ روندے جائیں۔“  
عزیز نے کہا:

”وہ میری روندے جانے کے قابل۔ اللہ اسے وقت نصیب کرے؟“  
ساتھ ہی سعد سے کچھ مخالفت کلائی کی۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے کہا:

”عمرؓ کو کہا کرتے ہو؟ نری سے کام لو۔ یہ تاریخ سختی کا نہیں۔“  
 سعد بن عبادہ کرمان کے ساتھی اٹھا کر اُن کے گھرنے گئے جہاں انھوں نے اپنی  
 زندگی کے بغیر آدم عارضی اور تنہائی سے گناہ دیے۔ ان سے کہا گیا:  
 ”آپ بھی بیعت کر لیجئے کیونکہ تمام مسلمانوں نے اور خدا آپ کی قسم نے  
 بیعت کر لی ہے۔“

لیکن انھوں نے انکار کر دیا اور کہا  
 ”اللہ کی قسم! اب اس میں ہوسکتا جب تک میرے ترکش کا آخری تیرم پہچان  
 کرنے میں فتنہ نہ ہو جاتے میرے نیزے کا پھل تھارے خون سے سرخ نہ ہو جائے  
 میری تلوار کے جوہر نمایاں نہ ہو جائیں اور میں اپنے اہل خانہ ان اور میری کاروں کے  
 ساتھ تم سے جنگ نہ کروں۔“

جب ان کی یہ باتیں حضرت ابو بکرؓ تک پہنچیں کہ حضرت عمرؓ نے کہا:  
 ”اب مسدک اس وقت تک نہ چھوڑنا چاہیے جب تک ان سے بیعت نہ  
 لے لی جائے۔“

لیکن بشیر بن سعد نے حضرت عمرؓ کی مخالفت کی اور کہا:  
 ”ان کا انکار حد کو پہنچ چکا ہے۔ وہ لوگ مرجائیں گے اگر بیعت نہ کی جائے۔“  
 اور وہ اس وقت تک قتل نہیں ہو سکتے جب تک ان کے بیٹے اہل خانہ ان اور  
 مرد گاران پر نثار نہ ہو جائیں اس سے تم انھیں چھوڑ دو۔ ایسا کرنے کے بغیر  
 کوئی ضرر نہ پہنچے گا کیونکہ اب ان کی حیثیت فرہ واعد کی ہے۔“  
 ابو بکرؓ نے بشیر کی رائے سے اتفاق کیا اور مسدک ان کے حلال پر چھوڑ دیا۔ مسدک ان کے  
 ساتھ نثر پڑھتے اور دُعاؤں کے ساتھ شامی ہر گرج کے ارکان بکالتے۔  
 ابو بکرؓ کی وفات تک ان کی یہی حالت رہی۔

سیتہ کی بیعت میں حضرت علیؓ بن ابی طالب اور بعض کبار صحابہ شریک ہوئے کیونکہ وہ  
 رسول اللہؐ کی تمیز و تکفین میں مشغول تھے۔ مسدک نری میں مجاہدین بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔

چونکہ انھیں واقعہ سقیفہ کی خبر نہ تھی اس لیے وہ بھی اس بیعت میں شریک نہ تھے۔ بیعت سقیفہ کے متعلق بعض مادی حضرت عمرؓ کی جانب یہ قول غور و فکر کرتے ہیں کہ یہ بیعت بغیر کسی اہل و عیال کے فیض اتفاقاً ہو گئی۔ بیعت مادی یہ ذکر کرتے ہیں کہ ابو بکرؓ، عمرؓ اور ابو سہیدہؓ پہلے ہی سے یہ اتفاق کر کے سقیفہ گئے تھے کہ منصب خلافت پر ابو بکرؓ کو سرخراہ کیا جائے گا۔ بہر حال اہل و عیال دعاوت میں سے طرہ کوئی کسی بھی صبح ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ سقیفہ ہذا معاہدہ میں جو کچھ ہوا اس نے اسلام کو ایک ایسے ہونکے فتنے سے بچایا جس کا اتہام اللہ جلہ نے کیا اہل نماک حرمت اختیار کرتا۔

### بیعت پر انصار کا قیام

اس دن کے بعد چرکھی انصار کی طرف سے خلافت کی خواہش نہ کی گئی۔ حضرت ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کی بیعت ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد تخت خلافت پر حضرت عثمانؓ بٹھائے گئے۔ لیکن انصار نے خلافت کا دعویٰ نہ کیا۔ حضرت علیؓ کے عہد میں آپؐ کے اوپر حضرت عباسؓ یہ سکھ دیا کہ اختلاف برپا نہ ہو جس نے بڑھتے بڑھتے جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ اس اختلاف کے موقع پر بھی انصار کی طرف سے خلافت کے حصول کی کوئی کوشش نہ کی گئی حالانکہ اگر وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر چاہتے تو بہ خوبی اٹھا سکتے تھے۔ لیکن دعاوت کو بکڑ کے اس قول پر صدق دل سے بیان لایچکے تھے :

”عرب سوا قریش کے اور کسی کی خلافت پر راضی نہ ہوں گے۔“

بعد میں وہ ہمیشہ رسول اللہؐ کی حسب ذیل وصیت کے مطابق معاہدہ کر کے زیر سایہ الہیہ کی زندگی بسر کرتے رہے :

”میں معاہدہ انصار سے اچھا سلوک نہ کرنا کیونکہ عرب کے اوتھیلوں میں انھیں ہوتا چلا جلتے گا لیکن انصار کی تعداد میں اضافہ نہ ہوگا۔ میں نے انہی میں بنیاد لی تھی اس لیے تم بھی ان پر احسان ادا کی برائیتوں سے ہٹ کر رہنا۔“

## مسجد نبوی میں بیعت عامہ

سفید بنی ساعدہ میں بیعت ختم ہونے پر سلمان مسجد نبوی میں واپس آ گئے۔ اس وقت شام برپا تھی۔ اگلے روز حضرت ابوبکرؓ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ گئے۔ سب سے پہلے حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور کچلے روز کے واقعے پر انکا براہنوس کیا جب انھوں نے تدارا تھیں کہ کہا تھا کہ جو شخص کہے گا رسول اللہؐ فوت ہو گئے میں اس تدار سے اس کی گردن اڑا دوں گا بھرتے لڑنے لگا:

”میں نے تم سے کل ایسی بات کہی تھی جو کہ کتاب اللہ میں پائی جاتی ہے اور میں نے رسول اللہؐ سے کبھی سنی تھی۔ لیکن میں اپنی محبت کے جوش میں یہ سمجھتا تھا کہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور ہمارے نام کاموں کی نگرانی بغیر نفیس فرماتے رہیں گے لیکن اللہ نے تمہارے لیے وہ کتاب پائی رکھی ہے جس سے خود رسول اللہؐ نے ہدایت حاصل کی۔ پس اگر تم اسے غضبناکی سے تھلاؤ کہ تم کو ایسی طرح ہدایت پاؤ گے جس طرح آپ نے پائی۔ تمہارا خلیفہ اللہ نے اس شخص کو بنایا ہے جو تم میں سب سے بہتر ہے۔ یہ رسول اللہؐ کا مقرب ہے اور بھی ہمسودہ جیسے غار میں آپ کی رناعت کا شرف حاصل ہوا۔ اس لیے اٹھو اور اس کی بیعت کرو۔“

چنانچہ اس وقت عام بیعت ہوئی جب سفید بنی ساعدہ کی سمیت میں مروت غامس بناس لوگ شریک تھے۔

## خلافت کا پہلا خطبہ

بیعت کے بعد ابوبکرؓ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا جو خلافت کا پہلا خطبہ تھا۔ آپ نے اللہ کی حمد ثنا کے بعد فرمایا:

”اے لوگو میں تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں لیکن تم سے بہتر نہیں۔ اگر میں نیک کام

کہوں تو اس میں میری حدود کو داؤد اگر بالاکام کروں تو مجھے ٹکڑا صدق امانت ہے  
اور کذب خیانت۔ اتھارہ کمزور شخص میرے نزدیک قوی ہے جب تک میں اسے  
اس کا حق نہ دلا دوں اور اتھارہ قوی آدمی میرے نزدیک کمزور ہے جب تک  
اس کے فسے جو حق ہے وہ اس سے نہ لوں۔ جو قوم اللہ کے راستے میں  
جہاد تک کر دیتی ہے اس پر اللہ قوت و غواہی مسلط کر دیتا ہے اور اگر کسی قوم  
میں بے حیائی پھیل جاتی ہے تو اللہ اس پر بلائیں اور عذاب عام کر دیتا ہے۔  
تم میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر رہا ہوں لیکن  
اگر مجھ سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جس سے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا  
پہلو نکلتا ہو تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔ اب نماز کے لیے کھڑے ہو۔  
اللہ تم پر رحم فرمائے۔

### ابوبکرؓ کی بیعت بالا جماع

اس مرتبہ پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ابوبکرؓ کی بیعت مسلمانوں کے اجتماع سے ہوئی تھی جس میں  
مسلم بن عبد اللہ کے (جنہوں نے سقیفہ کی خاص بیعت میں ان کی بیعت سے انکار کر دیا تھا)  
باقی تمام صحابہ کبار شریک تھے یا بعض صحابہ بیعت سے الگ بھی رہے تھے؟

### بیعت سے مہاجرین کبار کی علیحدگی

کچھ روایات میں مذکور ہے کہ بعض مہاجرین کبار بیعت سے علیحدہ رہے تھے جن میں حضرت علیؓ بن  
ابی طالب اور حضرت عباسؓ بن عبد المطلب شامل تھے۔ بشیر مودعہ نقی لکھتا ہے:  
”مہاجرین اور انصار کے چند افراد حضرت ابوبکرؓ کی بیعت میں شامل نہ تھے  
بلکہ ان کا میکان حضرت علیؓ بن ابی طالب کی طرف تھا۔ ان میں سے مشہور لوگ یہ  
تھے: جہاشؓ بن عبد المطلب، فضلؓ بن عباسؓ، ابو بکرؓ بن عوامؓ بن العاصؓ بن عبد المطلبؓ، سید  
تھوڑؓ بن عمروؓ، سلمانؓ فارسیؓ، ابو ذرؓ غفاریؓ، عمارؓ بن یاسرؓ، بلدہؓ بن عازبؓ، ابی بنیہؓ

ابوبکرؓ نے عمرؓ، ابوسعیدؓ بن جراح اور زبیرؓ بن عتبہ سے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ عباس بن عبدالمطلب سے بیٹے اور خلافت میں ان کا حصہ بھی رکھ دیجئے جہاں کی اولاد کی طرف منتقل ہو جائے۔ اس طرح ان کے اہل ان کے بیٹے علیؓ بن ابی طالب کے دو بیان اختلاف واقع ہو جانے لگا اور یہ بات آپ کو علیؓ کے مقابلے میں غائدہ مند ثابت ہو گئی۔

اس مشورے کے مطابق ابوبکرؓ عباس سے ملے۔ دونوں کے درمیان طویل گفتگو ہوئی۔ ابوبکرؓ نے کہا:

”آپ رسول اللہؐ کے چچا ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ خلافت میں آپ کا حصہ بھی ہو جو آپ کے بعد آپ کی اولاد میں منتقل ہو تا رہے۔“  
لیکن عباس نے یہ پیش کش نہ کی کہ وہ خلافت ہمارا حق ہے تو ہم دوسری خلافت لینے پر رضامند نہیں ہو سکتے۔“

### مناظرت کا اجتماع

ایک اور روایت میں جسے لیبقری اور بعض دیگر مؤرخین نے بھی ذکر کیا ہے، مذکور ہے کہ مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت حضرت علیؓ کی بیعت کرنے کے ارادے سے حضرت فاطمہؓ اور حضرت رسول اللہؐ کے گھر میں جمع ہوئی۔ ان میں خالد بن ولید بھی تھے۔ خالد نے حضرت علیؓ سے کہا: ”اللہ کی قسم، رسول اللہؐ کی جانشینی کے لیے آپ سے بہتر اور کوئی آدمی نہیں اس لیے آپ ہماری بیعت قبول کیجیے۔“

جب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو اس اجتماع کی خبر ملی تو وہ چند لوگوں کے ساتھ حضرت فاطمہؓ کے گھر پہنچے اور اس پر حملہ کر دیا۔ حضرت علیؓ انہوں نے گھر سے باہر نکلے۔ سب سے پہلے ان کی مٹھی پر حضرت عمرؓ سے ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے ان کی تلوار توڑ ڈالی اور وہ دوسرے لوگوں کے ہمراہ گھر میں داخل ہو گئے۔ اس پر حضرت فاطمہؓ باہر آئیں اور کہا:

یا تو تم میرے گھر سے نکل جاؤ ورنہ اللہ کی قسم! میں اپنے گھر کے بال  
 و بچہ لے کر آؤں گا اور تمہارے خلاف اللہ سے مدد طلب کر دوں گی؟  
 حضرت طاہرہؓ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر سب لوگ گھر سے باہر نکل گئے۔  
 کچھ روز تک تو مذکورہ بالا اصحاب بیعت سے انکار کرتے رہے لیکن آخر آہستہ آہستہ پھر  
 سب نے بیعت کر لی۔ سو حضرت علیؓ کے بھائی نے پھر بیعت تک بیعت نہ کی مگر حضرت طاہرہؓ  
 کی وفات کے بعد انھوں نے بھی بیعت کر لی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے چالیس روز بعد بیعت کر لی تھی۔  
 ایک اور روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت علیؓ نے انکار کر دیا تھا مگر خاتم حضرت  
 طاہرہؓ کے گھر میں خفیہ محاسن منعقد کرنے سے باز نہ آئے تو وہ اپنے من جمیع کے گھر کو آگ لگا  
 دیں گے۔

### انکار بیعت کی مشہور ترین روایت

حضرت علیؓ اور دیگر بنی ہاشم کے بیعت نہ کرنے سے متعلق مشہور ترین روایت یہ ہے جو ابن قتیبہ  
 نے اپنی کتاب الامارۃ والسیاستہ میں درج کی ہے۔ دور کہ حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کے بعد  
 حضرت عمرؓ چند لوگوں کو ساتھ لے کر بنی ہاشم کے پاس گئے جو اس وقت حضرت علیؓ کے گھر جمع  
 تھے تاکہ ان سے بھی بیعت کا مطالبہ کریں۔ لیکن سب لوگوں نے حضرت عمرؓ کا مطالبہ ماننے سے  
 انکار کر دیا۔ نیز بنی حوام تو قریب قریب انھیں لے کر حضرت عمرؓ کے مقابلے کے لیے باہر نکل آئے یہ  
 دیکھ کر حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا:  
 ”دبیر کو پکادو۔“

لوگوں نے دبیر کو پکاد کر ان کے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ اس پر مجبوراً دبیر نے جا کر حضرت  
 ابو بکرؓ کی بیعت کر لی۔

لے کیا حضرت طاہرہؓ کو ان کے گھر میں باجیا، ہاشمیت خاتون اپنے منہ سے (خبر باشر) اس قسم کے کیک لکھا  
 کال کھی تھیں؟ اسی الفاظ ہی سے روایت کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے (مترجم)

حضرت علیؑ سے بھی بیعت کرنے کا مطالبہ کیا گیا لیکن انھوں نے انکار کر دیا اور کہا،  
 "میں تمہاری بیعت، دُکروں، گناہوں، تم سے زیادہ خلافت کا حق دار ہوں  
 اور تمہیں میری بیعت کرنی چاہیے تھی۔ تم نے یہ کہہ کر انصار کی بیعت کرنے سے انکار  
 کر دیا تھا کہ ہم رسول اللہؐ کے قریبی عزیز ہیں اور آپ کے قریبی عزیز ہی خلافت کے  
 حق دار ہیں۔ اس اصول کے مطابق تمہیں چاہیے تھا کہ خلافت ہمارے حوالے کرتے  
 مگر تم نے اہل بیت سے چھین کر خلافت غصب کر لی۔ کیا تم نے انصار کے سامنے یہ  
 دلیل پیش کی تھی کہ ہم خلافت کے زیادہ حق دار ہیں مگر رسول اللہؐ ہم میں سے  
 تھے۔ اس لیے تم ہماری اطاعت قبول کرو اور خلافت ہمارے حوالے کرو؟ وہی دلیل  
 جو تم نے انصار کے مقابلے میں پیش کی تھی، اب میں تمہارے مقابلے میں پیش کرتا ہوں۔  
 ہم تم سے زیادہ رسول اللہؐ کے قریبی عزیز ہیں۔ اس لیے خلافت ہمارا حق ہے۔  
 اگر تم میں ذرہ برابر ایمان ہے تو ہم سے انصاف کر کے خلافت ہمارے حوالے کرو۔  
 لیکن اگر تمہیں ظالم بننا پسند ہے تو جو تمہارا حق چاہے کہ وہ تمہیں اختیار ہے۔"

حضرت عمرؓ نے یہ سن کر جواب دیا،

"میں اس وقت تک آپ کو نہ چھوڑوں گا جب تک آپ بیعت نہ کریں گے۔"  
 حضرت علیؑ اس وقت تیزی میں آگئے اور کہنے لگے،

"عمرؓ تم شوق سے دو دو دھڑک رہے ہو، تمہارا بھی حقد ہے۔ آج تم اس لیے  
 خلافت اور کبریا کی حمایت کر رہے ہو کہ کل کو خلافت تمہارے پاس وٹاٹے گی لیکن  
 میں کبھی ان کی بیعت نہ کروں گا۔"

حضرت ابو بکرؓ کو ڈر پیدا ہوا کہ ان کی بات ٹھہر جائے اور ورثت کلامی تک ذہن دہانہ  
 انھوں نے کہا،

"علیؑ! اگر تم بیعت نہیں کرتے تو میں بھی تمہیں مجبور نہیں کرتا۔"

اس پر ابو سعید بن جراحؓ حضرت علیؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور نہایت نرمی سے کہا،  
 "بھتیجے! تم ابھی کم عمر ہو اور یہ لوگ بزرگ ہیں۔ ان جیسا بڑا معاملہ ہے

اور نہ تم ان کی طرح جہانگیر ہو۔ اگر قوم میں کوئی شخص رسول اللہ کی جانشینی کے فرائض صحیح طور پر ادا نہ کر سکتا اور خلافت کا بوجھ نہ اٹھا سکتا ہے تو وہ عزت اور کبریا نہیں اس لیے تم ان کی خلافت قبول کرو۔ اگر تم نے یہی شرط تو یقیناً اپنے علم و فضل و نبی رتبے، فہم و ذکا، سابقیت اسلام، حسب و نسب اور رسول اللہ کی ممانعت کی طرف مائل ہونے کے باعث تمہیں خلافت کے مستحق ٹھہرو گے۔

یہ سن کر حضرت علیؑ کے جوش کی انتہا نہ رہی اور وہ جھٹکتے سے بولے:

”اللہ اللہ! اگر وہ مہاجرین، تم رسول اللہ کی حکومت کو آپ کے گھر بنائے گا اپنے گھروں میں داخل نہ کرو آپ کے اہل بیت کو ان کے صحیح مقام پر سرفراز نہ کرو۔ اور ان کا حق انھیں دے دے مہاجرین! اللہ کی قسم! جہیں خلافت اور حکومت کے مستحق ہیں کیونکہ ہم اہل بیت میں ہم اس وقت تک اس کے حق دار ہیں جب تک ہم میں اللہ کی کتاب کا قاری، دین کا فقیہ، رسول اللہ کی سنت کا عالم رہا یا کی ضرورت کے واقعہ ان کی تکالیف کو دور کرنے والا اور ان سے مساوات کا سہلو کرنے والا قائم ہے۔ اؤ اللہ جانتا ہے کہ ہم میں ان صفات کا حامل موجود ہے یا اس لیے اپنی خواہشات کی پیروی کر کے اللہ کے راستے سے گمراہی اختیار نہ کرو اور حق کے راستے سے ڈو نہ چلے جاؤ۔“

راویوں کے بیان کے مطابق بشیر بن سعد بھی اس موقع پر موجود تھے جب انھوں نے حضرت علیؑ کی باتیں سنیں تو کہنا:

”اے علیؑ! اگر یہ باتیں جو اس وقت تم نے کہی ہیں، انصار کا گردہ اور کبریا کی ہیبت سے پہلے سن لیتا تو وہ لوگ تمہارے سرا کسی کی ہیبت نہ کرتے۔“

اس گفتگو کے بعد حضرت علیؑ پیش میں بھرے ہوئے گھر چلے گئے جب رات ہوئی تو وہ حضرت خاندکوسہؓ کے پاس گئے اور انھیں ایک چلے چکا گھوڑا لے کر دیا کہ اس سے ملے حضرت فاطمہؓ گھر گھر جانتی تھیں حضرت فاطمہؓ کی شخص سے یہ بات تھا اب یہ ہے کہ وہ گھر گھر جا کر اپنے خاندان کی ہیبت کے لیے دکان کو تیار کریں۔ (منہج)

اور ان سے حضرت علیؓ کی مدد کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ لیکن ہر جگہ سے انھیں یہی جواب ملتا،  
”کے بہت رسول اللہ! ہم ابو بکرؓ کی بیعت کر چکے ہیں۔ اگر آپ کے حق ہوں

بیعت سے قبل ہمارے پاس آتے تو ہم ضرور ان کی بیعت کر لیتے۔“

یہ سن کر حضرت علیؓ غصے میں آکر جواب دیتے:

”کیا میں رسول اللہ کی لعش کو بلا تمہیز و تکلیف چھوڑ دیتا اور باہر نکل کر لوگوں سے  
آپ کی باتیں کرنے متعلق لڑتا جھگڑتا پھرتا؟“

حضرت فاطمہؓ بھی کہتی:

”ابو الحسن (علیؓ) نے وہی کیا جو ان کے لیے مناسب تھا۔ باقی ان لوگوں نے  
جو کچھ کیا اللہ ان سے ضرور اس کا حساب لے گا اور باہر اس کو لے گا۔“

## انتخاب متفقہ کے متعلق روایات

یہ قرین روایتیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کرنے سے انکار  
کر دیا تھا لیکن ان کے پاس بعض ایسی روایتیں بھی ہیں جن میں اس امر سے مواخا انکار کیا گیا ہے  
کہ نہ تاہم اور بعض مہاجرین بیعت سے علحدہ رہے۔ ان روایتوں سے پتا چلتا ہے کہ عقیدہ کی غماں  
بیعت کے بعد عام بیعت کا وقت آیا تو مہاجرین اور انصار بالاجتماع آپ کی بیعت میں شریک تھے۔

چنانچہ طبری میں مذکور ہے کہ کسی شخص نے سعید بن زید سے پوچھا:

”کیا آپ رسول اللہ کی وفات کے وقت مدینہ میں موجود تھے؟“

انھوں نے جواب دیا:

”ہاں۔“

اس شخص نے پوچھا:

”حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کب کی گئی؟“

انھوں نے جواب دیا:

”اُسی روز جب رسول اللہ کی وفات ہوئی۔ صحابہ کو یہ بات صحت ناپسند تھی کہ

وہ ایک بھی روزِ بھر خلیفہ کے زندگی گزاریں :-

اس پر اس شخص نے پوچھا:

”کیا کسی شخص نے حضرت ابوبکرؓ کی مخالفت بھی کی؟“

انھوں نے جواب دیا:

”نہیں، مسلمانوں کے یا ان لوگوں کے جو حالتِ ارتداد کے قریب پہنچ چکے تھے۔“

پوچھا گیا:

”کیا وہاں جو یہاں سے بھی کسی نے بیعت کرنے سے انکار کیا؟“

جواب دیا:

”نہیں۔ وہاں جو یہاں سے بات کا انتظار بھی نہ کیا کہ کوئی شخص انھیں آکر

بیعت کے لیے بلائے جکے انھوں نے خودی آکر ابوبکرؓ کی بیعت کر لی؟“

ایک روایت پر بھی مذکور ہے کہ جب حضرت علیؓ کو اپنے گھر میں یہ خبر ملی کہ حضرت ابوبکرؓ

بیعت لینے کے لیے مسجد نبویؐ میں تشریف فرما ہیں تو ان کے بدن پر ایک قبض کے ساتھ کئی کپڑے

تھا۔ لیکن وہ اسی حالت میں گھر سے باہر نکل آئے اور جلد جلد قدم اٹھاتے ہوئے مسجد میں پہنچ گئے

مبادا بیعت کرنے میں دیر ہو جائے۔ جب بیعت کر لی تو اس کے بعد گھر سے اور کپڑے منگو کر پہنے۔

## بیعتِ علیؓ کے متعلق درمیانی رائے

بعض روایات میں حضرت علیؓ کی بیعت کے بارے میں درمیانی راہ اختیار کی گئی ہے۔ ان روایات

کا مضمون یہ ہے کہ بیعت کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے منبر پر صلوٰۃ افرز ہوئے۔ آپؐ نے حاضرین پر نذر

دہرائی تو زیرِ کونہ پایا۔ آپؐ نے انھیں بلا بھیجا اور کہا:

”اے رسول اللہ کے ہمدرد! داؤد و حماری! کیا آپ مسلمانوں کی لاشیٰ کو توڑا

چاہتے ہیں؟ (کیا بیعت دکر کے مسلمانوں کی قربت کو کمزور کرنا چاہتے ہیں؟“

انھوں نے کہا:

”یا خلیفہ رسول اللہ! مجھے سرزنش نہ کیجیے میں بیعت کرتا ہوں۔“

چنانچہ انھوں نے کھڑے ہو کر بیعت کر لی۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے پھر ایک نظر روڑائی تو معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ بھی موجود نہیں۔ آپؐ نے انھیں بھی بلایا اور کہا،  
”اے رسول اللہ کے بھادر علم نادر آپ کے محبوب داماد! کیا آپ مسلمانوں  
کی راجھی کو توڑنا چاہتے ہیں؟“

انھوں نے بھی جواب دیا،

”یا خلیفہ رسول اللہ! میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔“

اور یہ کہ کر بیعت کر لی۔

## بنو امیہ کی فتنہ کو شنی

بعض روایات سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ بنو امیہ نے بنی ہاشم اور ابو بکرؓ کے درمیان اختلافات پیدا کر کے  
مسلمانوں میں فتنہ برپا کرنے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ مذکور ہے کہ جب لوگ ابو بکرؓ کی بیعت کیے  
مسجد میں جمع ہوئے تو ابوسفیان بنی ہاشم کے پاس آئے اور کہنے لگے،

”میں ایک خبر دیکھتا ہوں جو خون بہانے ہی سے چھٹ سکتا ہے۔ اے

آلی عہد منات! ابو بکرؓ تمہارے امور کے نگران کب سے ہو گئے؟ کہاں ہیں؟ لوگ

جو کمزور دنیا پسند کرتے ہیں؟ کہاں ہیں علیؓ اور عباسؓ جنھیں وقت و خوار ہی مبارک

ہے؟“

اس کے بعد یہ شعر پڑھے،

ولا یقبح علیٰ ضمیمہ یادیہ      الا الاذلان عیر الھی والوئد

هذا علیٰ الغضہ ہوس یوتد      وفا ضمیمہ فلا یحک لہ احد

(دو ذلیل چیزوں کے سوا کوئی بھی ظلم پر صبر نہیں کر سکتا۔ ایک تو قبیلہ کا گڑھا،

دوسری میخ۔ گدھا بوسیدہ رسی سے بندھا ہوا بھی ہر قسم کی ذلت سہتا رہتا ہے اور

میخ گاڑتے وقت زخمی کیا جاتا ہے لیکن کوئی اس پر اصرار نہیں ہوتا۔)

## میراث کا مطالبہ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بیعت نہ کرنے کے متعلق روایات غالباً حتمی حود میں بعض مخصوص سیاسی اعراض کی خاطر وضع کی گئیں۔ وہ کہتے ہیں کہ شیخہ حضرت حضرت علیؑ کے بیعت نہ کرنے کے ثبوت میں ایک واقعہ پیش کرتے ہیں۔ اس واقعے کے دست ہونے میں تو کوئی شک نہیں لیکن اس کا بیعت نہ کرنے یا نہ کرنے سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کے بعد حضرت فاطمہ بنت رسول اللہؐ اور حضرت عباسؓ حجۃ رسول اللہؐ ان کے پاس آئے اور آپ کی اس میراث کا مطالبہ کیا جو ارض فدک اور خیبر کی جائیدادوں میں آپ کے حصے پر مشتمل تھی۔ ابو بکرؓ نے فرمایا: ”میں نے رسول اللہؐ سے یہ حدیث سنی ہے، اٹھن ہوا شر الہیہ ما دلائلہ“ ما ترک احد فتنہ (مجم البیارات کا گروہ ہیں۔ ہم کوئی میراث نہیں چھوڑتے، اپنے پیچھے ہم جو کچھ چھوڑیں گے وہ حدتہ ہو گا) اس جملہ کی آمدنی سے جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے، آپ کے اہل و عیال کا گزارہ چلتا تھا اس لیے میں بھی اسے وہیں خرچ کر دوں گا جہاں آپ خرچ کیا کرتے تھے؟

اس پر حضرت فاطمہؓ ناراض ہو گئیں اور آخری وقت تک انھوں نے حضرت ابو بکرؓ سے کلام نہ کیا۔ وفات کے بعد حضرت علیؓ نے انھیں بات ہی کر دینا اور حضرت ابو بکرؓ کو اصلاح نہ دی۔ حضرت فاطمہؓ کی وفات رسول اللہؐ کی وفات کے چھ بیسے بعد ہوئی تھی۔ ابو بکرؓ سے حضرت فاطمہؓ کی ناراضی کے باعث حضرت علیؓ بھی ان سے کشیدہ خاطر تھے لیکن حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد انھوں نے مصالحت کر لی۔

ملہ بیعت کے مطالبے پر حضرت فاطمہؓ کا حضرت ابو بکرؓ سے ناراض ہونا کبھی نہیں آتا جب ابو بکرؓ نے رسول اللہؐ کی حدیث کا ذکر کیا تو ان کے لیے وہی راستے تھے، یہ تو یہ کہ وہ اس حدیث کی صحت سے انکار کرتے یا آپ کے ارشاد پر شیخہ عم کو تنبیہ کی روایت میں یہ ذکر نہیں کرتے کہ انھوں نے ابو بکرؓ کی بیان کردہ حدیث کی صحت سے انکار کیا اور عجب یہ بات نہیں کہ فاطمہؓ ہمیں یہ چیز گوارا تو کس طرح آپ کے ارشاد سے منہ مروا کر محض نہیں لکھ چڑھتے کہ آپ نے ابو بکرؓ سے ناراض ہو چکی تھیں؟ (مترجم)

یہ ہے وہ اصل روایت جس میں ابوبکرؓ سے حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی ناراضی اور ان سے بول چال ترک کر دینے کا بیان ہے لیکن اس کے ساتھ یہ ٹکڑا بھی ملا دیا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی وفات تک حضرت ابوبکرؓ کی صحبت نہ کی۔ وفات کے بعد ابوبکرؓ قرابت کے لیے حضرت علیؓ کے پاس گئے۔ علیؓ ابوبکرؓ کو آتے دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: ”اب ہمیں آپ کی صحبت کرنے میں کوئی روک نہیں لیکن ہمارے خیال میں خلافت ہمارا ہی حق ہے، آپ نے اس پر قابض ہو کر بھارتی چھینا ہے اور اس طرح ہم پر ظلم کیا ہے۔“

حضرت ابوبکرؓ نے اس کے جواب میں کہا:

”اس مال و جان کا وہ سلسلے میں جو میرے اور تمہارے درمیان وجہ نزاع بنی

میری نہیں ہے جو کارروائی کی وہ محض تمہاری عیادت کے لیے تھی۔“

مذکورہ صدر اصحاب یہ کہتے ہیں کہ روایت کا آخری حصہ درایا ناقابل قبول ہے حضرت فاطمہؓ اور حضرت عباسؓ حضرت ابوبکرؓ سے رسول اللہؐ کی میراث کا مطالبہ اسی وقت کر سکتے تھے۔ حبیب سلسلے بالاتفاق صحبت کر کے حضرت ابوبکرؓ کو اپنا خلیفہ منتخب کر لیتے خلافت سے پہلے اس قسم کا مطالبہ کرنے کے کوئی معنی ہی نہ تھے۔ اگر حضرت علیؓ اور غزوہ ہند نے ان سے صحبت کی ہی نہ تھی اور انھیں خلیفہ تسلیم ہی نہ کیا تھا تو ان سے میراث کا مطالبہ کیا ہے معنی تھا۔

جن لوگوں کا یہ دعوے ہیں کہ حضرت علیؓ نے بلا تردد حضرت ابوبکرؓ کی صحبت نہ کی تھی، ان میں سے اکثر کا خیال ہے کہ ان کی صحبت نہ کرنے سے متعلق روایات عباسیوں کے ہیں جن میں مخصوص سیاسی اغراض کے پیش نظر گھڑی گئیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ روایات عباسیوں سے بھی پہلے حضرت علیؓ اور حضرت مصائبؓ کی جنگوں کے دوران میں بنی ہاشم اور بنی امیہ کے باعث وضع کی گئیں۔

مؤرخانہذا اگر وہ کا بیان ہے کہ عراق اور فارس کی فتح کے بعد وہاں ایرانی نسل لوگوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جس نے اپنے قائد کے کی فاطمہؓ اس قسم کی روایات وضع کرنی شروع کیں۔ سلطنت اسلامیہ پر امویوں کے قبضے کی وجہ سے یہ لوگ حکم کھلا ان روایات کی تشہیر کرنا کر سکتے

تھے لیکن خفیہ طور پر ان کی اشاعت و سرچہ ہلانے پر کرتے تھے اور اس افتخار میں تھے کہ کب موقع ملے اور وہ حکم کھلا اپنے عقائد کا اظہار کر سکیں۔ البتہ علم خراسانی کے غرض نے اُن کی یہ دیرینہ قنات پوری کر دی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اور جس طرح ان روایات کا سہارا لے کر ہنر عباس نے سلطنت حاصل کی وہ تاریخ کا ایک غریب باب ہے۔

جن لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ اور جنودِ باہم نے چالیس دن یا چھ مہینے کے بعد بیعت کی وہ اپنی دلیل میں گذشتہ روایات کے علاوہ یہ امر پیش کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ اور ان کے مددگار لشکرِ اسامہ میں شامل نہ ہوئے حالانکہ حضرت علیؑ کی شجاعت اور مردانگی ضربِ القتل علی۔ جس کا اظہار وہ رسول اللہؐ کے عہد میں کر چکے تھے۔

علاوہ بریں مہاجرین نے سفید بنی ساعدہ میں یہ مقابلہ انصاری غلامت کی دلیل پیش کی تھی کہ رسول اللہؐ سے رومانی تعلق کے علاوہ ان کا جہانی تعلق بھی ہے اور عرب سوائے قریش کے اور کسی کی اطاعت قبول نہ کریں گے کیونکہ وہ کہہ کے گھسپاں ہیں اور جزیرہ فاعوب کے تمام لوگوں کی نگاہیں ہر امر میں قریش ہی کی طرف اٹھتی ہیں۔ یہ دلیل یہ ذاتِ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ ہنر باہم دوسرے لوگوں کی نسبت رسول اللہؐ کی ہاشمینی کے نیا و حق حار تھے۔ اس لیے لازم تھا کہ وہ اپنا حق مقدم سمجھتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کو سٹے نہ کر کے رہتے اور یہی حضرت علیؑ نے کیا بھی۔ اگر بعد میں وہ بیعت پر رضامند ہو گئے تھے تو محض اس لیے کہ کہیں ایسا فتنہ پیدا نہ ہو جائے جو مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ کر دے خصوصاً اس صورت میں کہ عرب کے طول و عرض میں ارتداد کا فتنہ پھوٹ پڑا تھا اور مدینہ کی حکومت کے حکام عربوں کی بغاوت سے دینِ اسلام کی تباہی کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

### ابوبکرؓ کی پُر امن خلافت

خدا و مومنین میں حضرت علیؑ اور بنیِ باہم کی بیعتِ خلافت کے متعلق کتابی اختلاف ہو لیکن اس بار پر سب متفق ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے اقل مدتی سے خلافت کا کاروبار بغیر کسی شورش و شہوانیت و فساد کے سنبھال لیا۔ اس سلسلے میں ایک بھی دعایت موجود نہیں جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ بنیِ باہم کے

کسی فرد یا کسی شخص نے ابوبکرؓ کے خلاف مسلح بغاوت یا اعلان جنگ کرنے کا ارادہ کیا ہو چاہے اس کا باعث لوگوں کے دلوں میں اس بلند ترین مرتبے کا احساس ہو جو رسول اللہؐ کی بارگاہ میں ابوبکرؓ کو حاصل تھا یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا تھا - اگر میں بندوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا - یا وہ شرفِ قربت ہو جو ہجرت کے موقع پر انھیں حاصل ہوا ان کے وہ فضائل جو محاسن ہوں جن کے باعث لوگوں کے دلوں میں ان کی قدر و منزلت کا احساس پیدا ہو گیا تھا یا وہ مدد ہو جو ہر موقع پر رسول اللہؐ سے روا رکھتے تھے یا یہ واقعہ ہو کہ آپؐ نے اپنی آخری ملاقات میں انھیں غازی پڑھانے کا حکم دیا۔ یہ ہر حال ان کی بیعت کا سبب خواہ کوئی بھی ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کے مقابلے میں کوئی شخص انشا اور نہ کوئی شخص جس نے ایک مرتبہ ان کی بیعت کر لی تھی ان کی بیعت سے کدہ کشی کرنے والوں کے پاس گیا۔

یہ امر اس بات کی حکم و دلیل ہے کہ اولین مسلمانوں کے دلوں میں خلافت کا جو تصور تھا وہ اس تصور سے بالکل مختلف تھا جو بعد میں بنی امیہ کے زمانے میں پیدا ہو گیا تھا۔ اولین مسلمانوں کے دلوں میں خلافت کا تصور اس عربی تمدن کے عین مطابق تھا جو رسول اللہؐ کی بعثت کے وقت عرب میں رائج تھا لیکن جب اسلامی فتوحات نے دستِ اختیار کی اور عربوں کا اختلاف و کثرت سے متنوع قوموں کے ساتھ ہونے لگا تو اس اختلاف اور ملکیتِ اسلامیہ کی دست کے نتیجے میں خلافت کے متعلق مسلمانوں کے تصور میں بھی فرق آگیا۔

## مسلمانوں کا تصورِ خلافت

ابتداء میں مسلمانوں کا تصورِ خلافت خاص عربی نقطہ نگاہ سے تھا۔ سب لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہؐ نے کسی شخص کے لیے خلافت کی وصیت نہ فرمائی۔ اس امر کے پیشِ نظر جب ہم رسول اللہؐ کی وفات کے دن سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار اور مهاجرین کے درمیان تنازع اور عام بیعت کے بعد بنی اہظم اور دوسرے تمام مهاجرین کے درمیان خلافت کے سلسلے میں پیدا شدہ چٹک پر غور کرتے ہیں تو بلاشبہ ہر سچا عیاں ہو جاتا ہے کہ خلیفہٴ اول کا انتخاب کرنے کے موقع پر اہل مدینہ نے اجتماع سے کام لیا۔ کتاب و سنت میں خلافت کے لیے کوئی

منع نہ تھی۔ اس لیے مدینہ کے مسلمانوں نے جس شخص کو خلافت کی گراں بار ذمہ داری اٹھانے کا اہل سمجھا اسے خلافت سپرد کر دی۔ اگر انتخابِ خلیفہ کا معاملہ مدینہ سے باہر دوسرے قبائل اور ملک بھی محیط ہو جاتا تو حالات بالکل مختلف ہوتے اور اس صورت میں حضرت عمرؓ کے قول کے مطابق حضرت ابو بکرؓ کی سمیت اتفاق اور نامائی نہ ہوتی۔

حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے موقع پر جو طریقہ استعمال کیا گیا تھا وہ بعد کے دو خلیفوں (حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ) کے انتخاب کے وقت استعمال نہ کیا جاسکا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی وفات سے قبل حضرت عمرؓ کی وصیت فرمادی تھی اور حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے پہلے انتخابِ خلیفہ کے لیے چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی مقرر کر دی تھی۔ جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اور اس کے نتیجے میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان اختلافات رونما ہو کر بالآخر خلافت امویوں کے ہاتھ میں آئی تو انتخاب کا طریقہ بالکل بدل گیا اور خلافت باپ کے بعد بیٹے اور بیٹے کے بعد پوتے کی طرٹ منتقل ہونے لگی۔

ان واقعات اور حرکات کو دیکھتے ہوئے اس قول کی قطعاً گنجائش نہیں رہتی کہ اسلام نے مملکت کا نظام سنبھالنے کے لیے باقاعدہ اصول مقرر کئے ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سراسر یکجہ اجتہادی معاملہ ہے جو بدلتے ہوئے حالات کے مطابق بدلتا چلا گیا ہے اور مختلف صورتوں میں ہمارے سامنے پیش ہوتا چلا آیا ہے۔

## اسلام کا نظام حکومت

ابو بکرؓ نے اپنے عہد میں جو نظام جاری کیا وہ خاص عربی نظام تھا۔ رسول اللہؐ کے زمانے سے اتصال اور غزوہ ان کے آپؐ سے کئے گئے قلم کے باعث ان کے زمانے میں جو نظام رائج ہوا وہ تقریباً وہی تھا جو رسول اللہؐ کے زمانے کا تھا۔ لیکن جب حالات متغیر ہوئے اور اسلامی نشریات میں دست پیدا ہوتی تو یہ نظام بھی آہستہ آہستہ متاثر ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ عہدِ عباسیہ کے زمانہِ عروج اور ابو بکرؓ کے زمانے کے نظام ہائے حکومت میں نہیں آسانی کا فرق تھا۔ یہیں نہیں بلکہ ان کے بعد میں آنے والے تین خلفاء کے عہد کی کوئی نظاموں میں بھی بہت فرق تھا۔

ابوبکرؓ کا عہد اپنی نرمیت کے لحاظ سے بالکل منفرد ہے۔ ان کا زمانہ رسول اللہ کی دینی سیاست اور حکومت کی دنیوی سیاست کا سنگم تھا۔ یہ دیرت ہے کہ دین مکمل ہو چکا تھا اور کسی شخص کو اس میں تغیر و تبدل اور اس کی تفسیح کرنے کا حق حاصل نہ تھا لیکن رسول اللہ کی وفات کے مناجات بعد عرب میں امتداد کی وبا پھیل گئی اور بہت سے قبائل اسلام سے روگرداں ہو گئے اس صورت حال کی موجودگی میں ابوبکرؓ نے اپنے غزوئی ہو گیا کہ وہ اس عظیم انسانی خطرے کو دور کرنے کے لیے ایک مضبوط پالیسی مرتب کریں۔ رسول اللہ نے اپنی زندگی میں سب سے بڑے مشکلات کو حل کر دیا کہ اسلام کی دعوت پہنچانے کا ایک اہم فریضہ بھی شروع کیا تھا۔ ابوبکرؓ کو اسے بھی پائے تک پہنچانا تھا۔

انھوں نے یہ کام کس طرح انجام دیا؟ اور یہ اہم و ضروری کس طرح ادا کی؟ اس کا تفصیلی ذکر ہم آنکھ ابواب میں کریں گے۔

(۳)

## عرب رسول اللہ کی وفات کے وقت

اور مدینہ میں ابو بکرؓ کی بیعت کی جا رہی تھی اور ہر قبائل عرب میں رسول اللہ کی خبر وفات آگئی کسی تیزی سے پھیل رہی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ عرب میں کوئی خبر اتنی تیزی سے نہیں پھیلی جتنی وفات رسول اللہ کی اطلاع۔ جو انہی اس حادثے کی شہرت ہوئی عربوں نے فوراً حکومت مدینہ کا ہوا کندھوں سے اتارنے اور بیعت نبوی سے قبل کی بددیاندہ غیر ذمہ دارانہ زندگی گزارنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آہنا قاتنا عرب کے ہر قبیلے میں ارتداد کی لہر دوڑ گئی اتفاقاً ستارہ اوج پہنچ گیا یہودیوں اور نصاریوں کی بن آئی اور چاروں طرف مسلمانوں کے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ رسول اللہ کی وفات سے مسلمانوں کی حالت اس بکری کی سی ہو گئی جو جھاڑے کی ٹہن اور درخت والی رات کو صحرا کے قریب وقف میں بھیر چڑا ہے کہ وہ جائے اور اسے صبح بھیلے کو کہیں جگہ نہ مل سکے۔

قبل ازیں مساجد میں اور انصاف کے دو میان قضیہ خلافت کے بارے میں تفصیل سے بحث کی جا چکی ہے اگر اس موقع پر اللہ کی مدد شامل حال نہ ہوتی اور ابو بکرؓ و عمرؓ کی حکمت عملی آڑے نہ آجاتی قریہ قضیہ کسی صورت ہٹائے نہ دیتا اور مسلمانوں کو کبھی اتفاق و اتحاد نصیب نہ ہوتا۔

### اہل مکہ ارتداد کے دروازے پر

اگر مدینہ اور مکہ کے حالات کا موازنہ کیا جائے تو مدینہ کے واقعات مکہ کے حالات کے سامنے کچھ حقیت نہ رکھتے تھے۔ مدینہ میں تو صرف خلافت پر چھگڑا تھا لیکن اہل مکہ نے قرآن و حدیث کی بنیادیں شریعت کو دی تھیں اور اہل مکہ، عثمان بن امیہؓ لوگوں کے خلاف سے روپوش ہو گئے تھے۔ اللہ

کرے منظور تھا کہ اہل مکہ تھے کی آگ سے بچے وہیں اس لیے وہ رسول اللہ کے غصے صحابی سہیل بن عمرو کی مہی کے بل پر ارتداد سے محفوظ رہے۔ ہذا یہ کہ جب انھوں نے اہل مکہ کے تذبذب کی حالت دیکھی تو تمام لوگوں کو جمع کیا اور رسول اللہ کی وفات کا ذکر کر کے کہا،

”آپ کی وفات سے اسلام کی قوت میں کوئی کمی نہیں آئی کس بارے میں

جو شخص شک و شبہ میں گرفتار ہو گا تذبذب کی آگ اختیار کرے گا اور ارتداد کے

معلق سوچے گا ہم اس کی گردن اٹھا دیں گے۔“

مکمل تھا کہ دھمکی کا اثر قائم ہوتا اس لیے سہیل نے دھمکی کے ساتھ ساتھ ترغیب و ترہیں

سے بھی انھیں اسلام پر قائم رکھنے کی تلقین ان الفاظ میں کی،

”یقیناً اسلام پر دستور قائم رہے گا اسے کوئی ضعیف نہ پہنچے گا اور مکمل اللہ

کے حسب ارشاد و خلافت بھی مختار ہے یہی جھٹتے میں آئے گی۔“

سہیل کے اس نچوڑ سے لوگوں نے اہل مکہ کے دلوں پر دھمکی سے زیادہ اثر کیا، اور ارتداد اختیار

کرنے سے باز ہو گئے اور فوراً بعد انھوں نے یہ بھی سن لیا کہ خلافت ابوبکرؓ کے جھٹتے میں آئی ہے

جو قریش کے ایک سزافرد ہیں۔ اس پر وہ مطمئن ہو گئے اور پر دستور اسلام پر قائم رہے۔

### فتنہ ارتداد اور قبیلہ ثقیف

طائف کے قبیلہ ثقیف نے بھی ارتداد اختیار کرنے کا ارادہ کیا تھا جب وہاں کے عامل عثمان

بن ابوالعاص کو معلوم ہوا تو انھوں نے قبیلہ والوں کو اکٹھا کر کے کہا،

”اے ابنا ثقیف! تم لوگ سب سے پہلے اسلام لائے تھے اب اسے

پہلے ارتداد اختیار کرنے والے مت بنو۔“

ثقیف کو وہ سلوک یاد تھا جو حنین کی جنگ کے بعد رسول اللہ نے ان سے کیا تھا پھر

انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ ان کے اہل مکہ کے درمیان قرابت ہے اس لیے وہ عثمان بن ابوالعاص

کے بھانے بھالے کا پتہ لادے سے باز آگئے اور پر دستور اسلام پر قائم رہے۔ غالباً ابوبکرؓ

نے سہیل کا اشارہ رسول اللہ کے اس قول کی طرف تھا ”انھیں قریش اچھی نظر نہیں آتے“

کی خلافت نے نصیحت پر بھی وہی اثر کیا جو اہل کفر پر کیا تھا۔

## دیگر قبائل عرب کا طرز عمل

جس طرح مکہ مدینہ اور طائف کے وہیلان جسے دسے قبائل اسلام پر قائم رہے اسی طرح مزینہ، خثعم، زہرین، بنی اشجع، اسلم اور خزاعہ نے بھی اسلام کو ترک نہ کیا لیکن ان قبائل کے سوا سارے عرب میں اضطراب برپا ہو گیا۔ جن لوگوں کو اسلام قبول کیے وہ بارہ دن دگر سے تھے یا جن لوگوں کے دلوں نے اسلامی تعلیمات کا اثر قبول نہ کیا تھا انہوں نے حکم کھلا ارتداد اختیار کر لیا۔ باقرین کے بھی خثعم نہیں فرق آئیگی۔ ایک گروہ ایسا تھا جو گنہگاروں پر قوت قائم تھا لیکن مدینہ کی حکومت اور قبلے کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھا خواہ اس پر ماہرین فاضل ہوں یا انصار۔

یہ لوگ اداسے زکوٰۃ کو جزیہ سمجھتے تھے جو حکومت مدینہ نے ان پر لگا رکھا تھا۔ لاج کخیال تھا کہ رسول اللہ کی حکمت تو زکوٰۃ ادا کرنے میں کوئی حرج نہ تھا کیونکہ آپ نبی تھے آپ پر وحی نازل ہوتی تھی اور جو کچھ آپ ان سے طلب کرتے تھے وہ آپ کا حق تھا لیکن اب کہ آپ کر اللہ نے جہادِ رحمت میں بلا لیا ہے اہل مدینہ ان سے کسی بات میں بڑے بڑے غصے اور غصے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ رسول اللہ کی طرح ان سے اداسے زکوٰۃ کا مطالبہ کریں۔

جن قبائل نے اداسے زکوٰۃ سے انکار کیا تھا وہ مدینہ کے قریبی قبائل یس اور فہیل اور ان سے ملحقہ قبائل بنو کنانہ و غطفان اور خزاعہ تھے لیکن جو قبائل مدینہ سے خاصے ملحق تھے وہ انداد کی رد میں رہ گئے تھے اور انہوں نے حسب ذیل مدعیانِ نبوت کا ذریعہ بنی ہوئی تھی:

طلحہ جس نے بنی اسد میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

سہل جس نے بنی قریظہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

سہل جس نے بنی امیہ میں علم بغاوت بلند کیا تھا۔

ذوالفاج لغظیل بن مالک جو عجم میں شورش برپا کرنے کا ممدار تھا۔

ان کے علاوہ بنی امیہ و غسانی نے اپنے حامیوں کی ایک بھاری تعداد جمع کر لی تھی۔

یہ لوگ اس کے نقل ہونے تک لڑتے رہے اور بعد میں بھی جب تک جنگمائے اور تعداد کا مکمل نتائج نہ ہو گیا وہ ہر دستہ رفتہ رفتہ و فساد میں مصروف رہے۔

## بناوت اور ارتداد کے عوامل

غلبہ قریش کے خلاف عرب کے شہریوں اور بدویوں کا آٹھ گھڑا ہونا اور کثیر قبائل کا اسلام کے ارتداد اختیار کر لیتا صرف اس وجہ سے نہ تھا کہ یہ قبائل مدینہ سے خاصے خاصے پر واقع تھے اور انھوں نے موقع کو فینیت جانتے ہوئے علم بناوت بلند کر دیا بلکہ اس کے علاوہ بعض اور عوامل بھی تھے جنہوں نے اس فتنہ کو پروان چڑھنے میں مدد دی۔

اسلام عرب کے طولی دامن اور مکہ و مدینہ سے دور دوان کے علاقوں میں اس وقت تک پھیل سکا جب تک فتح مکہ، غزوہ حنین اور محاصرہ خائف کے واقعات پیش نہ آ گئے۔ اس عرصے تک رسول اللہ کا دار کا کارکن مدینہ اور ان دونوں شہروں کے درمیان بسنے والے قبائل ہی تک محدود رہا اسلام ہجرت مدینہ سے بہت مختصر عرصہ قبل مکہ کی حدود سے نکلا تھا ہجرت کے بعد بھی کئی سال تک رسول اللہ مدینہ میں اسلام کی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ بعد میں جب مسلمانوں نے یسوع کے آخری اقتدار کو یسوع بن سے اکھاڑ پھینکا اور قریش کو زیر کر کے مکہ فتح کر لیا تو دیگر قبائل عرب بھی اسلام کی طرف متوجہ ہوئے اور عرب کے طولی دامن سے دفرہ مدینہ کو قبیل اسلام کا اعلان کرنے لگے۔ رسول اللہ نے بھی اپنے عمال کو دین کا علم سکھانے اور صدقات وغیرہ وصول کرنے کے لیے ان علاقوں میں بھیجنا شروع کیا۔

## جغرافیائی عوامل

یہ طبعی امر تھا کہ ان قبائل کے دلوں میں مکہ مدینہ اور فزحی علاقوں کے مسلمانوں کی طرح دین اسلام کی حقانیت راسخ نہ ہوتی تھی۔ اسلام کو پوری طرح پاؤں جمانے میں جس سال صحت ہوئے مسلمانوں کو اپنی سستی بوقت رور کھٹنے کے لیے سخت جدوجہد سے کام لینا اس سال تک مخالفین کے ظلم و ستم کا نشانہ بننا اور تھرا تو دشمن سے لڑا نہیں میں مصروف رہنا پڑا تھا۔ بالآخر مخالفانہ دیر ہو گئے اور

کہ خلافتِ مدینہ اور قریشی قبائل کے لوگوں کے دلوں میں جنہیں رسول اللہ اور آپ کے صحابہ سے بہتر سمجھے جاتے تھے کا سرخ ملا اسلامی تعلیمات و اسخ ہو گئیں۔ لیکن ان لوگوں پر اسلامی تعلیمات کا کوئی اثر نہ ہو سکا جو اسلامی مراکز سے دور تھے اور جنہوں نے اسلام کی خاطر مسلمانوں کی جدوجہد کو نہ انھوں سے دیکھا تھا اور نہ ان کی قربانیوں کا مشاہدہ کیا تھا۔ اس لیے رسول اللہ کی وفات کے فوراً بعد انھوں نے اس نئے دین سے چھٹکارا حاصل کرنے کی سعی شروع کر دی جو ان کے خیال میں زہر دہنی ان پر مسلط کر دیا گیا تھا۔

## اجنبی حوامل

جنرالی حوامل کے علاوہ اجنبی حوامل بھی ان قبائل کے خلاف اسلام آٹھنے میں کم اثر انگیزہ تھے۔ کہ مدینہ کے ارد گرد کے علاقے تو ایرانیوں اور رومیوں کی دست برد سے محفوظ تھے لیکن عرب کا شمالی حصہ جو شام سے متصل تھا اور جنوبی علاقہ جو ایرانیوں سے ملا ہوا تھا ان دونوں عظیم شاہن سلطنتوں کے زیر اثر تھا۔ ان دونوں سلطنتوں کو ان علاقوں میں بہت اثر و رسوخ حاصل تھا اور یہاں کے سردار بھی براہ راست رومیوں اور ایرانیوں کے تابع تھے۔ ان امور کی مرچہ دہی میں کچھ تعجب نہیں کہ اتنا دور کی زمین مندوجہ ذیل حوامل کام کر رہے ہوں :

(۱) شخصی آئادوی اور خود مختاری کا جذبہ

(۲) شمال میں سچی اور جنوب و مشرق میں مجوسی سلطنتوں سے قرب کے باعث مسیحیت اور جوسیت کا دلوں پر اثر

(۳) آریائی عقیدے (بت پرستی) کی کشش

جو نبی رسول اللہ کی خبر وفات مشہور ہوئی ان حوامل نے اثر و کمانا شروع کر دیا اور جا بجا ارتداد کا فتہ برپا ہونے لگا۔ بعض علاقوں میں تو رسول اللہ کی زندگی ہی میں ان حوامل نے اثر کرنا شروع کر دیا تھا جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں بیان ہوگی۔ مستند ایسے لوگ آٹھ لکھڑے چھ لکھے سمفوں نے اپنے قبیلوں کو بنیاد کے لئے پرکھنا اور اپنے جھنڈے تلے جمع کرنا شروع کیا اور اس طرح عرب کے طول و عرض میں ایک زہر دہست تختہ پھیل گیا۔

## منکرین زکوٰۃ کی منطق

جو لوگ اداۓ زکوٰۃ سے انکار دی تھے انہیں میں کہتے تھے کہ مہاجرین اور انصار اور جو مکہ خلافت کے بارے میں جھگڑا کر چکے ہیں اور رسول اللہ نے وفات سے قبل کسی شخص کی خلافت کے متعلق وصیت نہیں کی اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اسلام پر قائم رہنے ہرے خود مختاری کی حفاظت کریں اور ہمیں یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ انصار و مہاجرین کی طرح ہم بھی اپنے میں سے کسی شخص کو اپنا امیر مقرر کر لیں جو ہمارے لیے جانشین رسول اللہ کے طور پر ہو۔ ابو بکرؓ یا ان کے سوا کسی اور کی اہمیت سے متعلق ذہن میں کوئی نص موجود ہے اور کتاب اللہ سے اس کا پتا چلتا ہے اس لیے ہم پر صرف اسی شخص کی اطاعت واجب ہے جسے ہم خود اپنا امیر مقرر کریں۔

یہ لوگ اپنی تائید میں یہاں بھی پیش کرتے تھے کہ رسول اللہ نے عرب کے متعدد شہروں کو اپنی زندگی میں بڑی حد تک خود مختاری عطا فرمادی تھی۔ اب اگر آپ کی وفات کے بعد وہ مکمل خود مختاری چاہتے ہیں تو اس میں کسی کو اعتراض کی گنجائش نہ ہونی چاہیے۔ ان کا کتنا تھا کہ آپ نے مین کے عامل جہسان (دیا باخان) کو جہانیرا میں کی جانب سے وہاں مکہ سے کر دیا تھا۔ جہانیرا ترک کرنے اور اسلام لائے کے بعد یہ دستور وہاں کا حاکم بنائے رکھا۔ اسی طرح بحرین اور حضرموت و طبرستان کے تمام امرا کو بھی قبیلہ اسلام کے جہسان کے حہدوں پر برقرار رکھا اور اپنی طرف سے کوئی نیا عامل ان علاقوں میں نہ بھیجا۔

زکوٰۃ کے بارے میں ان لوگوں کا خیال تھا کہ یہ اہل میں جو یہ ہے جہان پر عائد کیا گیا ہے حالانکہ جو یہ صرف غیر مسلموں پر واجب ہے۔ اس صورت میں کہ وہ ویسے ہی مسلمان میں جیسے مدینہ واسے تو وہ قبول حاکم مدینہ کو زکوٰۃ ادا کریں؟ ان کے اور اہل مدینہ کے درمیان صرف ایک فتر مشترک ہے اور وہ ہے دین اسلام اس کا مطلب یہ نہیں کہ مدینہ واسے ان پر حکومت کرنے کے بھی حق نہ ہیں۔ اہل مدینہ کو بے شک اسلام میں اولیت کا شرف حاصل ہے لیکن دوسرے قبائل پر اپنی اس فضیلت کا انکار وہ صرف اس صورت میں کر سکتے ہیں کہ وہ ان کی طرف متعلق بھیجیں جو انہیں دین کا علم رکھنا نہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے رسول اللہؐ کیا کرتے تھے وہ اور ہم بے شک

ایک ہی امت میں یکساں اس سے یکساں طرح لازم نہیں آتا کہ کسی فرقہ کو دوسرے فرقہ پر غلبہ و تسلط حاصل ہو اور ایک قبیلہ کو اس کی آزادی و خود مختاری کی نصبت سے محروم کر دیا جائے۔  
 اس قسم کے خیالات ان قبائل میں پیدا ہو رہے تھے جو مکہ مدینہ اور طائف کے قریب واقع تھے۔ لیکن یمن اور دود و زاز کے علاقوں کے حالات بالکل مختلف تھے۔ ان لوگوں میں جو بنی کسلی کہلاتے تھے ان کی خبر وقات مشہور ہوئی ان کے ایمان متزلزل ہونے لگے اور انھوں نے نہ صرف ارتداد اختیار کر لیا بلکہ ان لوگوں کے جھنڈے تلے جمع ہو کر سلطنت اسلامیہ سے بغاوت کی تیاریاں شروع کر دیں جنھوں نے قبائلی عصبیت کی آگ بھڑکا کر لوگوں کے دلوں میں اہل مکہ و مدینہ کے خلاف سخت نفرت پیدا کر دی تھی یہ لوگ کسی تبلیغ کی وجہ سے مسلمان نہ ہوئے تھے بلکہ یہ دیکھ کر کہ رسول اللہ کا اقتدار نہایت تیزی سے روم و ایران کی سرحدوں تک پھیل گیا ہے اور سارے عرب پر آپ کی حکومت قائم ہو گئی ہے طوعاً و کرہاً اسلام لانے پر مجبور ہوئے تھے۔ ان کے وفود مدینہ میں آئے اور اپنے اور اپنے قبیلوں کی طرف سے اسلام لانے کا اعلان کرتے تھے۔

### مدعیان نبوت کا خروج

خفیہ کی آگ سب سے زیادہ بظہر کانے والے لوگ وہ تھے جو نبوت کے مدعی بن کر کھڑے ہوئے اور دعوے کرنے لگے کہ ان پر اسی طرح وحی نازل ہوتی ہے جس طرح محمد پر۔ ان لوگوں نے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن بعد میں خود نبوت کا دعویٰ کر دیا بعض نے قریشی اللہ کے دعوے ہی میں خروج کر دیا تھا۔

بنی اسد میں طلحہ نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ ایک بار وہ اپنی قوم کے ساتھ سفر کر رہا تھا سخت گرمی کے دن تھے اور ہر پاس کے ماہے لوگوں کا دم ٹھکا جا رہا تھا۔ اچانک انھیں صحرا میں ایک شخص پر جھڑپ گیا۔ یہ دیکھ کر اس کی نبوت پر لوگوں کا ایمان مستحکم ہو گیا۔

بنی حنیفہ میں سیدہ نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس نصرت و حوالے نبوت پر ہی استقامت کیا بلکہ رسول اللہ کے پاس پیغام بھی بھیجا کہ مجھے نبوت میں آپ کا شریک کیا گیا ہے۔ اس سے نصیحت زمین قریش کی ہے اور نصف زمین میری لیکن قریش بڑی سہ انصاف قوم ہے۔

میں میں اسودھنسی بہت کامیابی بن کر کھڑا ہوا تھا اس نے طاقت حاصل کر کے میں پر قبضہ کر لیا اور رسول اللہ کے عامل کو وہاں سے نکال دیا۔

رسول اللہ نے ان مدعیانِ نبوت کی طرف زیادہ توجہ نہ دی کیونکہ آپ کو یقین تھا، وہیں خدا میں اتنی قوت موجود ہے کہ ان مدعیوں کے کذب و افتراء کے مقابلے میں کافی برکتی ہے اور مسلمانوں کا ایمان اس قدر مضبوط ہے کہ وقت پڑنے پر بر خیز ہوں اور ان لوگوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

### اسودھنسی کا فتنہ

یہ مدعیانِ نبوت بھی اس بات کو خوب سمجھتے تھے کہ رسول اللہ کی زندگی میں وہ آپ کے مقابلے پر ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے اور اسی احساس کے باعث اسودھنسی کے سوا اور کسی مدعیِ نبوت نے آپ کے خلاف کھلم کھلا فتوات کرنے کی جرأت نہ کی۔ اسودھنسی کے متعلق بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس نے رسول اللہ کی زندگی ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور آپ ہی کے عہد میں قتل کر دیا گیا۔ لیکن بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اس نے بھی اپنے بھائیوں کی سی روش اختیار کیے رکھی۔ . . . . اور اند بھی اندرا چنے سے زمین مبرا اور کتا رہا اور رسول اللہ کی وفات کے بعد اس نے ملتان اسلام کے خلاف فتوات کر دی اور میدانِ مقابلے میں آگیا۔ یقیناً اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:

”اسودھنسی نے رسول اللہ کی زندگی ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد اس نے ترقی کرنی شروع کی اور اس کی قوم کے ہزاروں افراد اس کے حلقہٴ اطاعت میں داخل ہوئے گئے۔ بلاخرہ شیعیت، تیس بن مکرش، المزاری اور فیروز دینی نے اس کے گھر میں داخل ہو کر اسے قتل کر دیا اس وقت وہ فتنے کے عالم میں تھا۔“

طبری بھی اپنی ایک روایت میں لکھتا ہے:

”رسول اللہ کی وفات کے بعد مرتدین سے پہلی جنگ میں اسودھنسی کے خلاف لڑی گئی۔“

رسول اللہ کی زندگی کے آخری چھتے میں عرب کا مائجر سکون ڈھکا بلکہ اندر ہی اندر رختے کی آگ لگ رہی تھی۔ عرب کا شمال مشرقی اور جنوبی حصہ سارے کا سارا اس آگ میں جل رہا تھا۔ اس حالت انتشار کو دور روحانی قوت ہی دور کر سکتی تھی جو اللہ نے اپنے رسول کو مرحمت فرمائی تھی۔ مگر رسول اللہ کی بالغ فطری حکمت عملی اور حیرت انگیز تدبیر کے ساتھ اللہ کا فضل شامل حال نہ ہوتا تو سخت خطرہ تھا کہ یہ آگ آپ کی زندگی ہی میں پورے دور سے بھڑکنے لگتی اور سارا عرب اس میں جل کر خاکستر ہو جاتا۔

### یمن میں فتنہ اسود

اغلب گمان یہی ہے کہ اسود بنی کا فتنہ رسول اللہ کی زندگی کے آخری چھتے میں برپا ہوا تھا جو یمنی اس بغاوت کا حال جس طرح بیان کرتے ہیں اس سے بعض ایسے پہلو نمایاں ہوتے ہیں جو عام سے غور و فکر کے محتاج ہیں۔

اس واقعے کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ جب رسول اللہ نے یروشہم کو تبلیغی خطوط لکھنے شروع کیے تو کسریٰ شاد نادر اس کو بھی ایک خط لکھا جس میں یہ ہے کہ سلام لانے کی دعوت دی۔ جب اسے خط کے مضمون کا ترجمہ سنا یا گیا تو اس نے اپنے عامل یمن ہازانہ کو حکم بھیجا کہ جہاز سے اس آدمی کا سرنگار کر باہر دلت کے پاس بھیج دو جس نے عرب میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔

اس نافرمانی میں دوی ابراہیموں کے زیر نگیں تھے لیکن کسریٰ کے یہ خط لکھنے کی درستی کی مصلحت بدل گئے اور وہ مدعی جو اس سے قبل ایرانیوں کی ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے تھے اب ان کی فتالی کا جڑ اُٹا کر چھیننے کو تیار ہو گئے۔ ذمہ دار انھوں نے ابراہیموں کی فتالی سے نجات حاصل کرنی بلکہ ان پر غلبہ پا کر ان کی طاقت و قوت کو بے حد کمزور بھی کر دیا۔

جب یانان کو اپنے آقا کا خط ملا تو اس نے اپنے دو آدمیوں کو وہ خط لے کر رسول اللہ کی خدمت میں بھیجا مگر آپ نے ان آدمیوں کو یہ کہہ کر فرما دیا:

”میرے اللہ نے مجھے بتایا ہے کہ تمھارے بادشاہ (کسریٰ) کو اس کے بیٹے

کے بعض دوا لایات میں عامل کا نام یانان کے بھائے دھان آیا ہے۔

شیر و پیٹنے ہلاک کر دیا ہے اور اس کی جگہ خود بادشاہ بن بیٹھا ہے۔  
ساتھ ہی آپ نے بائبل کو اسلام لانے کی دعوت بھی دی اور وعدہ کیا کہ اگر وہ اسلام لے  
آیا تو آپ اسے پستور دین کا حاکم بنائے رکھیں گے۔ اسی عرصے میں ایران کی گواٹر، تخت نشاہی  
پر شیر و پیر کے قبضے اور رومیوں کے غلبے کی خبریں بھی بائبل کو مل گئیں۔ اس نے رسول اللہ کی موت  
پر لبیک کہا اور اسلام قبول کر لیا۔ آپ نے اپنے وعدے کے مطابق اسے پستور دین کا حاکم  
بنائے رکھا۔

بائبل کی صفات کے بعد رسول اللہ نے مین کو کئی حقوق میں تقسیم کر کے برحق پختہ و پختہ  
کو حاکم مقرر کر دیا۔ بائبل کے لڑکے شہر کو صفا اور اس کے گرد و فراز کی حکومت تفویض ہوئی۔  
باقی ماطوں میں سے بعض تو مین ہی کے باشندے تھے اور بعض کو رسول اللہ نے مدینے حاکم  
مقرر کر کے بھیجا تھا۔ ان عمال نے اپنی اپنی ولایت میں پہنچ کر لکھ و لسن سمجھا لایا تھا کہ انھیں کوئی  
کا پیغام ملا کہ وہ فوراً مین سے نکل جائیں کیونکہ مین پر حکومت کرنے کا حق صرف اسی کو حاصل  
ہے۔ یہ سچی اس فتنے کی ابتدا۔

## اسود و فتنے کا آغاز

اسود اصل میں ایک کامن تھا جو مین کے جنوبی حصے میں رہتا تھا۔ اس نے مشہور ہادی اور مسیح و  
مسیحی لشکر کی وجہ سے بہت جلد لوگوں کی توجہ اپنی طرف منطقت کر لی۔ بالآخر وہ نجات کا دعویٰ  
کرنے لگا اور اپنا لقب رحمان امین رکھا۔ پسینہ جیسے سیر نے اپنا لقب رحمان الیاس رکھا تھا۔ وہ  
لوگوں پر یہ ظاہر کرتا تھا کہ اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے جو ہر بات اسے بتا دیتا ہے اور اس  
کے دشمنوں کے تمام منصوبے ٹھٹھ اذ بام کر دیتا ہے۔ اس کا قیام مذبح کے ملاتے میں ایک  
قادر تھا جسے خیال کھتے تھے۔ جہاں ایک بہت جری جماعت اس کی باتوں سے مسحور ہو کر  
مذبح کے کتاب خانہ میں کھڑے ہو کر ان کے صفات سے جاس کے سوا اور کسی کے لیے سوال نہیں  
پرکتی۔ اس کتاب خانے میں بھی مذکور ہے کہ جن کا نام میراف ہے اور عجم عربی میں مشہور ہے کہ اس کے قریب  
عرب کے جنوبی حصے میں ایک مسجد نام رحمان تھا جس سے اہل ہمارا وقت نہ تھے۔

اس کے گرد اکٹھی ہو گئی۔

اسود اس جامعیت کو بے کر بخیران کی طرف روانہ ہوا اور وہاں کے مسلمان حاکموں، خالد بن ولید اور عمرو بن حزم کو شہر سے نکال دیا۔ اہل بخیران کی ایک بھاری تعداد بھی اسود کے ساتھ چل گئی تھی وہ اسے لے کر صغار و مدائن ہوا۔ وہاں شہرین باذان سے اتفاقاً پیش آیا۔ اسود نے اسے شدید کر دیا اور اس کی فوج کو شکست دی۔ یہ دیکھ کر صغار میں تمام مسلمانوں کو وہاں سے بھاگ کر ویزانہ آنا پڑا۔ انھیں لوگوں میں معاذ بن جبل بھی تھے۔ ابوہریرہؓ اور عمرو بن حزم بھی بخیران سے مدینہ پہنچ گئے۔ ابابن پر اسود کا بعض تھا اور حضرت موت سے بچرہ بن احسا اور عدی بن ابی کاظمی بدل رہا تھا۔

## فتنہ عینی کے عوامل

جب اسود صغار میں شہرین باذان کے مقابلے پر آیا تھا تو اس کے ساتھ موت سات سو سوار تھے جن میں سے بعض اس کے ساتھ درج سے آئے تھے اور بعض بخیران سے ہمراہ ہی رہے تھے۔ قہر بڑھتا ہے کہ اس قلیل تعداد سے یہ کام اس علاقے کے لوگوں پر کس طرح فوج پاب ہو گیا اور کسی جانب سے بھی اس کے خلاف آواز کیوں نہ اٹھی؟ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس علاقے کے باشندے پہلے ایلائیوں کے زیرِ یگیں تھے ان کے بعد مجازی مسلمانوں کے درِ تسلط آ گئے۔ زمین اور چاروں کے لوگوں میں دیرینہ خصومت اور بغض و عناد پایا جاتا تھا۔ جب اسود عینی نے کھڑے ہو کر یہ نعروں لگایا کہ میں سرزمینِ نبویوں کا ہے تو وہاں کے باشندے اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ کوئی شخص مسلمانوں کی عزت میں اس نام میں اور شہید ہانکے سے کھڑا نہ ہوا۔ میں مختلف مذاہب کا اکھاڑہ تھا یہاں یہودیت بھی پائی جاتی تھی نصرانیت کا وجود بھی تھا اور مجوسیت بھی، اثر جہاں رکھا تھا اسی کے بعد اسلام نے اپنا علم بلند کیا لیکن بھی کنگ اصول اسلام پیغمبروں کے ذہنوں میں راسخ نہ ہوئے تھے جس بنا پر مدعیِ نجات کھڑا ہوا۔ لوگوں کو غفلت و سستی کا واسطہ دے کر اپنی طرقت بٹایا اور یہ دعویٰ کیا کہ وہ انہی حصار کو سیلائے سے کھلیتے نکال بیچے گا تو وہ لوگ جہاں ایک عرصے سے انہی تسلط کے باعث تنگ آچکے تھے اس کی اسرار کو دھڑکڑے۔ اس صورت میں مسلمانوں کے لیے فرار کے سوا کوئی چارہ نہ

خدا بقیۃ الایمانوں کے لیے بجز اس کے اور کوئی راستہ نہ تھا کہ یا تو اسود غسانی کی اطاعت قبول کر لیں یا اپنے آپ کو موت کے منہ میں دینے کے لیے تیار ہو جائیں۔

## فتنہ کا مقابلہ

جب یہ تشویش ناک خبریں مدینہ میں پہنچی تو رسول اللہ غزوہٴ مرد کا انتقام لینے اور شمالی جانب سے حملوں کا سد باب کرنے کے لیے مدینوں پر چڑھائی کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے اور اساتذہ کے لشکر کو تیاری کا حکم دے چکے تھے، مگر جب یہ خبریں ملیں تو اب آپ کے سامنے دوئی راستے تھے، ایک یہ کہ آپ اس لشکر کو بکالت کے فرو کرنے کے لیے مین بھیج دیں تاکہ مسلمانوں کا دوبارہ قابض ہو سکیں یا پر وگام کے مطابق اسے دوئی سرحدی کی جانب روانہ کر دیں اور غسانی کا مقابلہ کرنے کے لیے فی الحال انہی مسلمانوں سے کام لیں جو مین میں موجود تھے۔ اگر وہ اس پر غالب آگئے تو اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہو سکتی در نہ جب اس امر کا لشکر مدینوں پر فتح باب ہو کر آئے گا تو اسود اور دیگر باغیوں کے مقابلے اور ان کا قلع قمع کرنے کے لیے روانہ کر دیا جائے گا۔

بہت ہی احتیاط سے معاملے پر غور کرنے کے بعد رسول اللہ نے دوئی تجویز پر عمل کرنا مناسب سمجھا اور وزیر بن عقیس کو مین کے مسلمان مشاؤں کے نام پر پیغام دے کر بھیجا کہ وہ دوسرے حکام کو اسلام پر قائم رکھنے کی پوری جہد و جد کریں۔ اسود سے جنگ جاری رکھیں اور ہر ممکن طریقے سے اس کی حکومت کا تختہ آٹھنے کی کوشش کریں۔ آپ نے مین کے مستقل فی الحال ہی کا ردائی کرنی مناسب سمجھی اور پوری قوت سے لشکر اس امر کی تعلیم میں مصروف ہو گئے۔

ابھی اس امر کا لشکر روانہ ہی نہ ہوا تھا کہ رسول اللہ بیمار ہو گئے اور لشکر رک گیا۔ دریں اثناء اسود غسانی اپنی سلطنت مضبوط کرنے کی تدابیر میں مصروف رہا۔ اس نے تمام علاقوں میں اپنے عامل مقرر کیے اور جا بجا قریب میں تھیں کہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی اس نے زبردست قوت حاصل کر لی اور عدنان تک کا اس کا ساحل اور صندھ سے طائف تک کی تمام دایاں اور چٹاؤں کے درمیان آگئے۔

## اسود غنسی کے عہدیدار

قیس بن عبد الغوث کو اسود غنسی نے اپنا سپہ سالار بنایا اور دو ایرانیوں : فیروز اور وادویہ کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ اس نے شہر بن باذان کی بیوہ آزاد سے شادی بھی کر لی جو فیروز کی چھیری بہن بھی تھی۔ اس طرح عرب اور عجم دونوں اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ جب اس نے اپنی یہ شان و شوکت دیکھی تو خیال کر لیا کہ روئے زمین کا مالک وہی ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حکم سے سر تابی کر سکے۔

## اسود غنسی کے خلاف بغاوت

لیکن وہی عوامل جو اس کی فتح تندی کا موجب ہوئے تھے، بالآخر اس کے زوال کا باعث بنے۔ انہی قیس، فیروز اور وادویہ سے جنھیں اس نے اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا تھا، اسے خطرہ محسوس ہونے لگا۔ اور آخر کار ان کے شخصوں اور زمین میں مقیم تمام ایرانیوں کے متعلق تو اسے یقین ہو گیا کہ وہ حبشیوں سازشوں اور مکر و فریب سے اس کی سلطنت کا تختہ الٹنے کی فکر میں ہیں۔

اسود کی ایرانی بیوی کو بھی اسود کی دہائی ان لوگوں کی مخالفت کا حال معلوم ہو گیا۔ اس کی رگوں میں بھی ایرانی خون دھڑا ہوا اور وہ دل میں اس کا جن کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات پنہاں کیے ہوئے تھے جس نے اس کے پیارے خاوند کا اس سے جدا کر دیا تھا، بھی اس نے سراسرانی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر نفرت و حقارت کو اس سے چھپائے رکھا، اور طرز سلوک سے اس پر ہمیشہ ہی ظاہر کیا کہ وہ اس کی عنایت و نفاذ پر مبنی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی بیوی کی طوٹ سے بالکل مطمئن رہا اور اس کے دل میں یہ شبانہ شب نگہ راکہ وہ بھی اسے دغا دے سکتی ہے۔ لیکن وہ اپنے دو وزیروں اور تائب لشکر سے مطمئن تھا اور اس کا خیال تھا کہ وہ اپنے خطرہ عمل سے اس و نفاذ کی کا شورت بہم نہیں پہنچا رہے جو غلام اپنے اتکاؤں کی نصرت سے کیا کرتے ہیں۔ قیس کی طوٹ سے وہ خصوصاً فکر مند تھا۔ کیونکہ اگر سارا لشکر اس کے ماتحت تھا اور وہ لشکر کی مدد سے اس کے خلاف ہر چاہتا کر سکتا تھا، چنانچہ اس نے قیس کو

بلایا اور کامیاب فرشتے نے مجھ پر یہ وحی نازل کی ہے کہ،  
 اگرچہ کرنے میں کسی کی ہر طرح عزت افزائی کی لیکن جب اس نے ہر طرح عمل  
 دخل کر لیا اور وہی عزت جو تجھے حاصل تھی اسے بھی حاصل ہو گئی تو اب وہ تیرے  
 دشمنوں سے سادہ باز کر رہا ہے اور تجھ سے ندامت کر کے تیرا ملک چھیننے کے درپے  
 ہے۔"

قیس نے جواب دیا،

"آپ کا خیال درست نہیں میرے دل میں آپ کی تدبیر و منزلت بہ دستور ہے  
 اور میں آپ کے خلاف ہنات کرنے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔  
 اسود نے گہری اور قائم نظر سے قیس کا مائدہ لیا اور بولا،  
 کیا تو فرشتے کو جھٹلاتا ہے؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ فرشتے نے منور پرچ کا  
 سہا بے البتہ مجھے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ تو اپنی کھچلی کا لہجہ بول پر نادم ہے اور جو غلطی  
 ارادے تو نے میرے متعلق کر رکھے تھے ان سے توبہ کرتا ہے۔"

قیس کو اسود کی باتیں سن کر یقین ہو گیا کہ وہ اسے نقصان پہنچانا چاہتا ہے اس لیے وہ  
 وہاں سے نکل کر فریونڈ اور داؤد پر سے ملا اور صاری سرگزشت انھیں سنا کر رہنے پر یا منت کی۔  
 انھوں نے کہا خود ہمیں بھی اسود کی طعن سے خطرہ ہے۔

ابھی دو ہی باتیں کر رہی رہے تھے کہ اسود نے ان دونوں کو بلا بھیجا اور کہا کہ تم قیس سے  
 مل کر میرے خلاف سازشیں کر رہے تھے لیکن یاد رکھو میری مخالفت کا انجام اچھا نہ ہو گا۔ ان  
 دونوں کو بھی یہ باتیں سن کر یقین ہو گیا کہ اسود کی نیت ان دونوں کی طعن سے تھکتی نہیں۔

ان واقعات کی خبر لیکن کے دوسرے مسلمانوں کو بھی ہو گئی۔ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 طعن سے یہ روایت پہلے ہی آچکی تھی کہ جس طرح ابھی ہوا اسود غصی کی حکومت کا تختہ الٹ دیا  
 جائے۔ انھوں نے قیس اور اس کے ساتھیوں کو پیغام بھیجا کہ اسود کے ساتھی ہیں ہم سب کی  
 رائے ایک ہے اس لیے اس کے خلاف بالاتفاق کا دعویٰ کرنی چاہیے۔ بجز ان اور اس کے  
 قریبی ملا تھے میں بے حد اسے مسلمانوں کو بھی ان واقعات کا علم ہو گیا۔ انھوں نے اپنے

ساختیں کر جہاں اسود کے قریب رہتے تھے کھاکر وہ بھی دل دہانی سے قتل اسود کے خواہش مند ہیں اور اس کام میں ہر طرح ان کی مدد کرنے کو تیار ہیں۔ اوپر سے انھیں جواب ملا کہ فی الحال وہ اپنی اپنی جگہوں پر مقیم ہیں اور کوئی کام ایسا نہ کریں جس سے اسود کو شبہ ہو کہ اس کے خلاف کوئی سازش کی جا رہی ہے۔

ان لوگوں کی یہ رائے بالکل درست تھی کہ اسود کے خلاف جہاں دوائی کی پہلے خفیہ کی جائے کیونکہ دائرہ داری سے اس کا کام تمام کر دینا کھلم کھلا لڑائی کرنے سے بہر حال بہتر تھا۔ اب ان لوگوں کے شعروں میں اسود کی بیوی آنا دلچسپی شامل ہو گئی، گو بنظر ہر وہ اپنے خاوند کو یہی جانتی تھی کہ اسے اس سے بے انتہا محبت ہے۔ اس لیے فیروزہ داؤد ویرا در قیس کو ساتھ لایا اور انھیں اسود کے سونے کا کمرہ دکھا کر دعایت کی کہ وہ رات کو نقب لگا کر محل میں داخل ہو جائیں۔ محل کے ہر گوشے میں اسود کے سپاہی موجود ہوتے ہیں لیکن سونے کے کمرے کی پشت سپاہیوں سے بالکل خالی ہوتی ہے۔ وہ پشت سے داخل ہوں اور اسے خواب کی حالت میں اچانک قتل کر ڈالیں خود بھی اس سے نجات حاصل کر لیں اور اسے بھی ایسے ظالم انسان کے غصے کا نشانہ نہ بنیں۔

## اسود کا قتل

چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور رات کو پشت کی طرف سے محل میں داخل ہو کر اسود کو قتل کر ڈالا۔ صبح ہوئے پراٹھوں نے افانین دینی خروج کیں اور بلند آواز سے کہا ”ہم گرامی دیتے ہیں کہ تم اللہ کے رسولؐ ہیں اور جہلہ (اسود غنسی کا نام) کذاب ہے۔ اسود کا سرچی اٹھوں نے محل کے باہر پھینک دیا۔ ان کی آوازیں سن کر محل کے پہرے واردوں نے ان کا حصار کر لیا۔ لیکن اسی دوران میں اہل شہر کو اسود غنسی کے قتل ہونے کا پتا چل چکا تھا۔ وہ محل کی طرف بھاگے۔ اس وقت ایک جنگا سر ہا ہو گیا اور بالآخر فیصلہ ہو کر قیس، فیروزہ داؤد ویرا و تنیرا بن کا استحکام سمجھا لیں گے۔

اس بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ اسود غنسی رسول اللہؐ کی وفات سے قبل قتل ہوا یا بعد میں۔ اس مسئلے میں یقینی کی روایت ہم پہلے درج کردے ہیں طبری اور ابن اثیر

کا بیان ہے کہ وہ آپ کی وفات سے پہلے ہی جہنم داخل ہو گیا تھا۔ جس بات اس کے قتل کا واقعہ ہوا اسی بات اللہ نے بذریعہ وحی آپ کو اس واقعے کی اطلاع دے دی۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا:

”مضی قتل کروا گیا۔ اسے ایک بابرکت آدمی نے قتل کیا جو خود بھی ایک بابرکت خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔“

لوگوں نے دریافت کیا:

”حضور اس کا قاتل کون ہے؟“

آپ نے فرمایا: ”فیروز۔“

ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسروہی کے قتل کی خبر رسول اللہ کی زندگی میں مدینہ نہیں پہنچی تھی بلکہ بعد میں پہنچی اور پہلی غرض خبری تھی جوابدہ ذکر ملی۔

ایک روایت خود فیروز کی دیہاتی مروجی ہے جس میں وہ کہتا ہے:

”جب ہم نے اسروہی قتل کیا تو وہاں کا انتظام اسی طرح برقرار رکھا جس

طرح اسروہی کے قتل سے پہلے تھا۔ ہم نے پہلے مساذ بن جہل کو بلا بھیجا کہ وہ ہمیں

فناؤں پر حائیں اور دین کی تعلیم دیں۔ ہماری طرف سے اس انتہائی گہرے گمراہی کے

بہت بڑے نوٹش سے نجات حاصل کی تھی۔ کیا ایک رسول اللہ کی خبر وفات

پہنچی اور دین میں دوبارہ اضطراب پیدا ہو گیا۔“

یہ اضطراب کیوں اور کس طرح پیدا ہوا؟ اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے بیان مرتبین کی جگہوں کے ذیل میں آئے گا۔

## جنوبی عرب میں بناوت

میں کی مذکورہ بالا بناوت کو اسلام کے علامات ایک زبردست مظاہرہ تھا ہی لیکن پیام اور تبلیغ قارس سے ملحقہ قبائل میں بھی حالات پر سکون نہ تھے بلکہ وہاں بھی باخود ہی اندلشتوں کی آگ لگ رہی تھی۔ مسلمان اس صورت حال سے غامض پریشان تھے۔ کبھی قرہ و شرار کے انہیں سے

صلح کرنے پر آمادہ نظر آتے تھے اور کبھی طاقت کے ذریعے سے ان کا سر کھٹنے کی ندامت میں مصروف ہوجاتے تھے تاکہ ان کا غلبہ واقعہ اور بدستور قائم رہے اور اسے کوئی ضعف نہ پہنچے۔ یہ علاقے ایک طرف تو مکہ اور مدینہ سے دور تھے اور اسلام کی تعلیم ان لوگوں کے دلوں میں راسخ نہ ہوئی تھی اور دوسری طرف یہ فارس کے متصل تھے اور ایرانیوں سے ان لوگوں کا تجارتی رابطہ قائم تھا، اس لیے تعجب نہیں کہ ان بھادوڑوں اور شہسواروں میں ایرانیوں کا بھی خفیہ ہاتھ ہو۔

### مسئلہ کا دعوائے نبوت

گزشتہ اوراق میں ہم اجمالاً بیان کر چکے ہیں کہ بنی حنیفہ کے مدعی نبوت مسیلہ بن صبیح نے دو قاصدوں کے ہاتھ رسول اللہ کو یہ خط مدینہ بھیجا تھا۔

”من مسیلۃ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ۔ سلام علیک اے ابا عبد  
ذابی قد اشرکت فی الاحرم معک اوان لنا النصف الارض ولقد ریش  
نصف الارض، ولكن قد ریشا قوم لا یعدون۔“

(مسیلہ رسول اللہ کی جانب سے محمد رسول اللہ کی طرف آپ پر سلامتی  
ہو۔ بعد ازاں واضح ہو کہ میں آپ کا شریک بنایا گیا ہوں۔ اس لیے نصف زمین  
ہماری ہے اور نصف قریش کی۔ لیکن قریش کی قوم انصاف سے کام نہیں لیتی،  
رسول اللہ نے یہ سنا تو قاصدوں سے دریافت فرمایا:  
”تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟“

انھوں نے جواب دیا:

”ہم وہی کہتے ہیں جو خط میں لکھا ہے۔“

آپ نے غضب ناک نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا:

”اللہ کی قسم اگر قاصدوں کا قتل ہوا ہوتا تو میں تم دونوں کی گردنیں  
آٹا دیتا۔“

اس کے بعد مسیلہ کو یہ جواب لکھوایا:

”بسم الله الرحمن الرحيم . من محمد رسول الله الى مسيلمة الكذاب  
 اما بعد فان الارض الله يرثها من يشاء من عباده المتقين“  
 (محمد رسول اللہ کی جانب سے مسیلہ کذاب کی طرف بے شک زمین اللہ کی  
 ہے اور اپنے متقی بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے)

رسول اللہ اس خط کے مضمرات سے ناواقف نہ تھے۔ آپ نے اہل یامامہ کے دلوں سے  
 مسیلہ کا اثر ڈال کر دے اور انہیں اسلامی تعلیمات سکھانے کے لیے مدینہ سے ایک شخص خنسا را را  
 کو یامامہ بھیجا لیکن وہ جا کر مسیلہ سے مل گیا اور اہل یامامہ کے سامنے گواہی دی کہ واقعی مسیلہ محمد رسول  
 اللہ کے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ہے۔ نہارا الرا مال کی تائید نے مسیلہ کے اثر و نفوذ میں بے پناہ  
 اضافہ کر دیا اور اہل یامامہ جوق در جوق مسیلہ کے حلقہٴ اطاعت میں شامل ہونے لگے۔ پھر بھی  
 رسول اللہ خدا کی رحمت سے قطعاً ناامید نہ ہوئے آپ کو یقین تھا کہ اللہ مسلمانوں کو رومیوں پر  
 ضرور فتح عطا فرمائے گا اور اس فتح کے نتیجے میں تمام داخلی فتنے اپنی موت آپ ہی مر جائیں گے

## رسول اللہ کی حکمت عملی

اس وقت رسول اللہ کی حکمت عملی یہ تھی کہ ہر قومیت پر رومیوں کو ذریعہ کیا جائے اور عرب کی مشاغل  
 حدود کو ہر نقل کی فوجوں کی تاخت و تاراج سے محفوظ رکھا جائے۔ اس دامن میں ہر مسئلہ کی  
 قوت و طاقت میں اضافہ نہ ہوتا تھا اس نے اپنے وہ تمام علاقے جو کچھ عرصہ قبل ایرانیوں کے  
 قبضے میں چلے گئے تھے واپس چھین لیے تھے اور صلیب اعظم کو بھی ایرانیوں سے چھین کر  
 بہت مقدس واپس لے آیا تھا۔ اس بات کا ذریعہ دست خط و تھا کہ کس رومی فوجوں کا رخ عرب  
 کی جانب نہ پھر جائے کیونکہ وہاں کے حکمران سرزمین عرب میں ایک نئی قوت کو ابھرتے دیکھ کر  
 سخت پریشان ہو رہے تھے۔ خود ہامدہ میں اسلامی لشکر رومیوں کے مقابلے کی تاب نہ لا کر  
 واپس ہونے پر مجبور ہوا تھا اگر اسے ان کے مقابلے میں شکست کا سامنا نہ کرنا پڑا، خود تبرک  
 نے مسلمانوں کے دعب و داب میں خاصا اضافہ کر دیا تھا پھر بھی عرب پر رومیوں کے حملے کا خطرہ  
 کلیتہً دور نہ ہوا۔ رسول اللہ کا خیال تھا کہ اگر اسلامی فوجیں رومیوں پر غالب آئیں تو نہ صرف

اُنکے لیے عرب علاقوں پر ان کی تاخت و تاراج کا سلسلہ رک جائے گا بلکہ شریہ سرحدی قبائل بھی دیک کر بیٹھ جائیں گے اور پرماد کر مسلمانوں کی اطاعت کرنے پر مجبور ہوں گے۔ آپ کا یہ خیال بالکل درست تھا کیونکہ اس زمانے میں عرب کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک مسلمانوں ہی کا غلبہ برپا تھا۔ انھیں عرب کی سب سے بڑی طاقت تسلیم کر دیا گیا تھا۔ یہاں میں سیدہ امان میں لقیہ اور بنی اسد میں عقیہ اس قابل نہ تھے کہ مسلمانوں سے مکمل کھلا جنگ چھیڑ کر رخ باب ہو سکتے۔

لقیہ عظیمہ اور سیدہ عینوں ایسے مناسب موقع کے انتظار میں تھے جب باقاعدہ بغاوت کا اعلان کر کے مسلمانوں کا تختہ الٹ سکیں۔ ابتدا میں ان عینوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی رسالت پر اعتراض کیے بغیر اپنا پروپیگنڈہ شروع کیا۔ عینوں کا دعویٰ تھا کہ وہ نبی ہیں اور جس طرح ہر قوم میں اللہ کی طرف سے نبی مبعوث کئے گئے ہیں، انھیں بھی اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا ہے تاکہ وہ انھیں ہدایت کا راستہ دکھائیں۔

بصورت حال ان علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے بڑی پریشان کن تھی۔ ان کے ذہن پر فتنہ کی آگ ملگھ رہی تھی اور کسی کو علم نہ تھا کہ کب یہ آگ بھڑک اُٹھے۔ جو نبی رسول اللہ کی خبر وفات شہر ہوئی یہ آگ بھڑک اُٹھی اور بچتے بچتے عرب ایک آتش نشان پہاڑ میں تبدیل ہو گیا جس سے آگ اور سیال لدا لعل کر پاروں طرف پھیل رہا تھا۔ فتنہ فتنوں کا اندر مختلف سرورقوں میں پھیلا اور ہر جگہ اس کے اسباب و عوامل بھی ملنے لگے۔ ان تمام باتوں کا ذکر ہم آگے چل کر وضاحت سے کریں گے لیکن یہاں بعض ضروری باتوں کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

### عرب اور فتنہ مدعیانِ نبوت

فتنہ و فساد کے اس طوفان پر نظر ڈالنے سے بعض اہم امور کا علم ہوتا ہے جن پر غور و فکر سے قریب کر لے کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جو بھی فتنہ اُٹھا بڑی تیزی سے اُٹھا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ

اسروہنی نے تھوڑے ہی عرصے میں ملک کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کر لیا اور اس کی حکومت جنوب میں حضرموت سے لے کر دھاکت تک پھیل گئی۔ سید اور علی نے بھی خیر عمری کامیابی حاصل کی جو یہاں جن علاقوں میں درتھاؤ کی وجہ پھیلی اور جہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کی اطاعت کا جڑ کھدھوں پر اٹھانے سے انکار کر دیا وہ علاقے تہذیب و تمدن اور دولت و ثروت کے لحاظ سے تمام قبائل عرب سے بڑھے ہوتے تھے اور ان کی حدود و مملکت ایران سے بہت قریب تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ ابراہیم نے اس فتنے کو فرو کرنے میں پوری طاقت صرف کر دی اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک ان علاقوں میں اسلامی سلطنت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر کے ان کا بحال نہ کر دیا۔

اسروہنی کی بنیاد اور سید و علی کی تیارپوں سے اس امر کا بھی علم ہو سکتا ہے اس زمانے میں دینی اضطراب اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ اگر کوئی شخص مذہب کا نام لے کر ذاتی مفاد کے لیے کوئی تحریک چلانا چاہتا تو بڑی آسانی سے کامیاب ہو سکتا تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ لوگوں میں کسی خاص مذہب کے متعلق تعصب پایا جاتا تھا۔ بلکہ اس کے برعکس کوئی بھی عقیدہ ان لوگوں کے دل میں رائج نہ تھا۔ بلکہ نہایت یہودیت، مجوسیت، اہمیت پرستی، غرض ہر مذہب و ملت کے پرستار اور مددگار یہاں موجود تھے۔ لیکن سب کے سب باہم لڑتے بھگڑتے رہتے تھے۔ ہر مذہب کے پرستاروں کا دھڑنی تھا کہ انھیں کا مذہب جی برحق ہے اور انسانییت کی غلام و بہبود کا امت و دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ چونکہ ہر مذہب سچائی کا دھی تھا۔ اس لیے عام انسان کے لیے یہ تصور کرنا بہت مشکل تھا کہ وہ کس مذہب کو قبول کرے اور کسے چھوڑے۔ اندریں حالات مدعیانِ نبوت کے لیے یہ بات آسان ہو گئی کہ وہ اپنے اپنے قبیلے میں مصیبت کے جراثیم پھیلا کر اور مختلف شعبہ کو اپنی صداقت کے ثبوت میں پیش کر کے انھیں اپنی طرف مائل کر لیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہذا ادرانی مدعیانِ نبوت نے کثیر التعداد لوگوں کو اپنے گرد جمع کر کے اسلامی حکومت کے خلاف مظاہرہ کیا جس کا حاصل یہ کہ۔

مدعیانِ نبوت کی عارضی کامیابی

ان مدعیانِ نبوت کی عارضی کامیابی کا مآثر ان کے دوسرے دور لوگوں کے ان پر ایمان لانے

میں مضر نہ تھا بلکہ اس میں بعض اور عوامل بھی کام کر رہے تھے۔ چنانچہ اسود دھنسی کی کامیابی کی بڑی وجہ وہ بے پناہ نفرت تھی جو اہل مین کو اہل فارس اور اہل حجاز سے تھی۔ اسود نے یمنیوں کا یہ جذبہ نفرت ابھار کر انھیں آسانی سے حجازیوں کے مقابلے پر لا کھڑا کیا۔

مسیلر اور ظلیعہ نے بھی اسود دھنسی کے نقش قدم پر چل کر اپنی اپنی قوم میں عصبیت کے جذبات کو بڑھایا اور اس طرح لوگوں کو اپنے جھنڈے کے جمع کر لیا۔ اگر ان علاقوں میں اسلام کی بنیاد مضبوط ہوتی اور اس کے اصول لوگوں کے دلوں میں راسخ ہوتے تو ان مدعیان نبوت کو کبھی حکومت کے مقابلے میں کھڑے ہونے اور کثیر العدد لوگوں کو اپنے گرد و جمع کرنے کی توفیق نہ ملتی۔ کیونکہ جو عقیدہ دلوں پر غلبہ حاصل کر چکا ہو اسے شاذ و نادر ہی کوئی طاقت مغلوب کر سکتی ہے لیکن مذکورہ بالا علاقوں کے لوگوں کا ایمان چونکہ محض دھکی تھا اور وہ اسلام کی حقیقت و ماہیت سے قطعاً ناواقف تھے اس لیے جو بھی ذمیت کے نام سے قریب کیس شروع کریں اور عصبیت کا واسطہ ملا کر انھیں ابھار دیا گیا وہ اسلام کو خیر باد کہہ کر اسود اور مسیلر جیسے لوگوں کے پیچھے چل کھڑے ہوتے۔

بہار سے نظر سے کی تاہم اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ اس عظیم الشان شورش کے وقت مکہ اور طائف والے ہر دستور اسلام پر قائم رہے۔ یہ درست ہے کہ مین میں اسلام کا جہا و باں کے ماکہ باذان کے قبول اسلام کے وقت شروع ہو گیا تھا اور یہ واقعہ فتح مکہ و طائف سے پہلے کا ہے۔ لیکن یہ حقیقت بھی فراموش نہ کرنی چاہیے کہ سیزدہ سال قیام کے دوران میں رسول اللہ کے مشن کی سخت مخالفت کے باوجود آپ کی تعلیمات نے اہل مکہ کے دلوں پر اسلام کے مستقل ایسا غلبہ یکن گرا اثر چھوڑا تھا جو باذان کے قبول اسلام اور منافذین جبل کی تعلیم و تربیت کے باوجود اہل مین کے دلوں پر دہر سکا۔

تیسری بات جس کا یہاں ذکر کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ مین کی بناوت ہی نے بنی یمامہ اور جنی آمد کو اسلامی حکومت کے خلاف کھڑے ہونے کی جرأت دلائی۔ ظلیعہ اور مسیلر دونوں مسلمانوں کی جیسے بڑا ہوت سے خوف کھاتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے مقابلے میں کبھی جیت نہیں سکتے۔ اسی وجہ سے انھوں نے حکومت سے بناوت اور سرکشی کی جرأت نہ کی۔ لیکن جب اسود دھنسی

میدانِ مقابلہ میں آگیا اور اسے ابتداً کامیابی بھی ہوئی قرآن و روزں کو بھی علمِ جہاد تلمذ کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ رسول اللہ کی وفات سے ان کے حوصلے اور بھی بلند ہو گئے۔ اگر اسود منسی مسلمانوں کے خلاف کھڑا نہ ہوتا اور یمن میں فتنہ و فساد اور جہاد کی آگ نہ بھڑکتی تو ان روزوں کو کبھی مسلمانوں کے مقابلے میں آنے کی جرأت نہ ہوتی۔

جب ایک بار فتنہ پر پا ہو گیا تو اسود منسی کی موت کے باوجود وہ دسلا۔ بلکہ اس میں پادری ہی ہوتی ملی گئی۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد اس نے شدت اختیار کر لی اور سادہ عبادس کی پیٹ میں آگیا۔

### فتنہ ارتداد اور مستشرقین

بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ فتنہ کا اصل باعث وہ عظیم تفاوت تھا جو عرب کے مختلف طبقوں اور علاقوں میں طرزِ معاشرت کے بارے میں پایا جاتا تھا اور جس کی تغیر عرب کے سوا دوسرے علاقوں میں کہیں نہیں ملتی۔

بدوی اور شہری طرزِ زندگی میں عظیم تفاوت کے باعث عربوں کو ایک قومیت میں بحال دینا آسان کام نہ تھا۔ بدویوں کے لیے حاکم کی اطاعت کا وہ تصور بھی محال تھا جو شہریوں کے ذہنوں میں تھا۔ بدویوں کو شخصی آزادی کے مقابلے میں ہر چیز کو بچا جکتے اور اس پر کبھی آنچ نہ آنے دیتے تھے۔ آزادی ان کے نزدیک سارے حیات تھی۔ اگر کبھی وہ اسے خطرے میں دیکھتے تھے تو زبردست قربانی دے کر بھی اس کی حفاظت کرتا اپنا فرض آئین خیال کرتے تھے اور یہی کامیابی جذبہ مدیت و انتہا تک مینوں اور شمالی علاقے کے لوگوں کے لیے وجہ عدوت و نفرت بنادیا۔

مستشرقین سمجھتے ہیں کہ بدوی اور شہری طرزِ معاشرت اور دواش اور طبائع میں فرق کے باعث رسول اللہ کی وفات سے قبل ہی اضطراب پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اسلام نے وحدہ کا عقیدہ دنیا کے سامنے پیش کیا تھا اور بت پرستی کو مٹانا اس کا مقصد اولیٰ تھا۔ اسلام کی تعلیم کا اثر اتنا ضرور ہوا کہ عقیدہ توحید عرب کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گیا

لیکن ساتھ ہی عربوں کو یہ چند شرعی لائق ہو گیا کہ عقیدہ توحید عرب کی سیاسی وحدت پر ختم نہ ہو اور اہل بادید آزادی کی نعمت سے محروم نہ رہائیں۔

یہی خیالات تھے جن کے باعث یمن اور بعض دوسرے علاقے مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کی خاطر مجدد و جدید شروع کر دی۔

### ارتداد میں اجنبی ہاتھ

مستشرقین کا یہ خیال صحیح ہر لحاظ بہ حال اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عربوں کی اس بنیاد اور نقشہ ارتداد میں اجنبی ہاتھ ضرور تھا۔ ایرانیوں اور دوسروں کو حسب رسول اللہ کی فکر سے اسلام کی دعوت پہنچی اور انھوں نے اپنی آنکھوں سے اسلام کے اثر و نفوذ کو بڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو اپنی غیریت اسی میں سمجھی کہ قبل اس کے کہ اسلام کا عظیم اثر ان سیلاب ان کی عزت و شوکر سے خود عربوں میں اس کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کر دیے جائیں اور انہیں اس نئے دین کے خلاف بھڑکا کر خود عربوں کو اپنے ہم قوم مسلمانوں سے بٹھرایا جائے۔

اس نئے نئے کے بانیوں نے رسول اللہ کی زندگی ہی میں حصول مقصد کے لیے پیشہ واری شروع کر دی تھیں۔ آپ کی وفات سے محض دین کے حوصلے اور بڑھ گئے اور انھوں نے پوری قوت سے بنیاد کے ضلع بھڑکا کر مسلمانوں کو انتہائی نازک مرحلے سے دوچار کر دیا۔

ابو بکر نے فتنے کا مقابلہ کس طرح کیا، عربوں کا اتحاد دوبارہ کس طرح قائم کیا اور اسلامی مملکت کی بنیادوں کو دوبارہ استوار کرنے کے لیے کیا کیا طریقے اختیار کیے؟ ان سب باتوں کا جواب آئندہ صفحات میں ملے گا۔

## (۴) اسامہ کی روانگی

### خلیفہ اول کا پہلا حکم

عرب قبائل کی بغاوت کے نتائج و عواقب سے ذوقا لبرکثرے خبر لیتے اور نہ انصار و مہاجرین کا کوئی فرق۔ اب ان کے سامنے ایک ہی سوال تھا۔ آیا اس موقع پر سب سے پہلے ارتداد کے فیض کو کچلا جائے یا رسول اللہ کے احکام کی تعمیل میں سرحدوں کی حفاظت کے لیے اسامہ کے لشکر کو شام روانہ کر دیا جائے؟ اگرچہ وہ وقت مسلمانوں کے لیے نازک تھا لیکن البرکثرے نے تمام ضرورت کو نظر انداز کرتے ہوئے بیعت کے بعد پہلا حکم یہ صادر فرمایا کہ اسامہ کا لشکر شام روانہ ہو جائے۔

اسامہ کے لشکر میں مہاجرین اور انصار کے معزز ترین افراد شامل تھے اور اسے رسول اللہ نے شام کی سرحد پر روئیں سے جنگ کرنے کے لیے تیار کیا تھا۔ جنگ مؤثرہ اور غزوہ تبوک کے بعد آپ کو خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں اسلام اور سچیت کے بڑھتے ہوئے اختلافات اور یہودی فتنہ انگیزی کے باعث اہل وہم عرب پر حملہ کر دیں۔ جنگ مؤثرہ اور غزوہ تبوک میں جو واقعات پیش آچکے تھے ان سے آپ کے ان خدشات کو مزید تقویت پہنچی۔ جنگ مؤثرہ میں رسول اللہ کے مقرر کردہ تینوں قائدین، زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ کو حاکم شہادت نوش کرنا پڑا۔ بالآخر خالد بن ولید نے مسلمانوں کے لشکر کو روئیں کے زرخے سے نکالا اور انھیں یہ حفاظت دینیے آئے۔ مگر انھیں جنگ میں فتح حاصل نہ ہو سکی گلاتی قبل الموعود زچ کر آئے عظیم الشان لشکر کے سامنے سے یہ حفاظت نکال لانا بہانے خود نایت شہانہ کارنامہ تھا۔

اس کے بعد آپ پھر نفسِ مسلمانوں کو ہمارے کر جانپ ترک روز ہرے لیکن دشمن کو مسلمان  
 میں نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور اس نے شام کے اندوڑنی ملاقاتوں میں کھسکی  
 مسلمانوں کے حصے سے محفوظ ہو جانے میں اپنی غیریت بھی۔

ان غزوات کے باعث مسلمانوں کے متعلق رومیوں کے اڈوے بہت خطرناک ہو گئے اور  
 انھوں نے عرب کی سرحد پر پیش قدمی کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ  
 نے اس امر کو بطور پیش بندی شام روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔

## رسول اللہ کی ہدایات

اس امر میں برس کے ذریعہ ان تھے۔ رسول اللہ نے انھیں اس لیے سردار لشکر مقرر فرمایا تھا کہ آپ  
 طرقتِ توحید اور ان میں غلطی دین کے لیے آگے آئے اور ہم ذمہ داریوں کا جو بھرا تھا نے کا  
 شوق پیدا ہو، دوسری طرقت اس امر اپنے والدِ زید بن حارثہ کا انتقام سے سکیں جنھیں رومیوں  
 نے جنگِ مؤثر میں شہید کر دیا تھا۔ آپ نے اس امر کو حکم دیا کہ وہ فلسطین میں ملبارہ اور داوم  
 کی حدود میں پہنچ کر دشمن پر حملہ کریں اور اس پر خیال ہی سے کام لیں تاہم وہیں کہ جب تک کہ دشمن  
 کے سر پر نہ پہنچ جائیں اسے مسلمانوں کی آمد کا پتہ نہ لگے۔ انھیں یہ حکم بھی دیا گیا تھا کہ شیعہ  
 کے بعد فوراً مدینہ واپس آجائیں۔

## اس امر سے رسول اللہ کی محبت

اس امر زمانہ طفولیت ہی سے رسول اللہ کے منظرِ نظر اور محبوب تھے۔ آپ کران کی اس قدر  
 پاس داری تھی کہ صلح حدیب کے اگلے سال جب آپ عمر کو کرنے کے لیے مکہ تشریف لے گئے  
 تو انھیں اپنی سواری کے پیچھے بٹھایا اور اسی حالت میں مکہ میں داخل ہوئے۔ اس امر بھی فری  
 اور بادی میں کسی سے کم نہ تھے اور یہ صفات حمدِ طہلی ہی سے ان میں نمایاں تھیں۔ جب  
 صلح کے موقع پر وہ پہنچے تھے اور پھل کر لشکر کے ساتھ جانے کی اہازت نہ تھی۔ لیکن جب  
 اسلامی لشکر مدینہ سے روانہ ہوا تو اس امر سے میں اس کے ساتھ شامل ہو گئے لیکن سفرِ سنی

کی وجہ سے انھیں واپس کر دیا گیا۔ جنگ جبین میں انھوں نے بہادری کے خوب جہر دکھائے اور ثابت قدمی کا بے نظیر مظاہر کیا۔

## اسامہ کی امارت پر اعتراض

ان اوصاف کے باوجود بعض لوگوں کو اسامہ کی امارت پر اعتراض تھا۔ وہ کہتے تھے کہ اسامہ سے رسول اللہ کی محبت اور اسامہ کی بہادری سلم علیہ السلام کیسے لشکر کی امارت جس میں امیر کبیرؓ، عمرؓ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ شامل ہیں، ایک بچے کو سپرد کرنا مناسب نہیں۔

ان چرچہ گریز کی خبر رسول اللہ کو بھی عین مرض الموت میں مل گئی۔ اس وقت اسامہ کا لشکر مقام حرت میں مقیم تھا اور کوچ کی تیاریوں میں مشغول تھا۔ آپ نے اپنی اذواج و اولاد کو حکم دیا کہ وہ آپ کو نہ ملائیں۔ چنانچہ پانی کی سات مشکلیں آپ پر ڈالی گئیں۔ جن سے آپ کا بخار راز گیا۔ اس وقت آپ مسجد میں فشرعین لائے اور منبر پر چڑھ کر حمد و ثنا اور اصحاب امد کے لیے دعا کرنے کے بعد فرمایا:

”اے لوگو! اسامہ کے لشکر کو ہانے دو تم نے اس کی امارت پر اعتراض کیا ہے اور اس سے پہلے تم اس کے والد کی امارت پر بھی اعتراض کر چکے ہو۔ اس کے باوجود وہ امارت کے قابل ہے اور اس کا آپ بھی امارت کے لائق تھا۔“

جب رسول اللہ کے مرض میں اضافہ ہو گیا تو اسامہ کا لشکر حرت ہی میں رک گیا۔ اسامہ بیان کرتے ہیں:

”جب رسول اللہ کی بہادری ٹھہر گئی تو میں اور میرے چند ساتھی مدینہ آئے۔ میں آپ کے پاس گیا۔ آپ کو شدید ضعف تھا اور بول نہ سکتے تھے۔ آپ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے اور مجھ پر دیکھ دیتے۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ میرے لیے دعا فرما رہے ہیں۔“

رسول اللہ کی وفات کے روز صبح اسامہ نے آپ سے کوچ کی اجازت مانگی آپ نے اجازت دے دی لیکن کچھ ہی دیر بعد آپ کی وفات ہو گئی اور اسامہ اپنے لشکر کے ہمراہ حرت

سے مدینہ آگئے۔

رسول اللہ کی تمیز و تکفین میں اسامہ اہل بیت کے ساتھ شریک مجھے۔ وہ اور میری اہل بیت کے غلام شقران آپ کے جسد اطہر پر پانی ڈالتے اور حضرت علیؓ غسل دیتے تھے۔

بیت کے بعد جب ابو بکرؓ نے اسامہؓ کو کوچ کا حکم دیا تو ستر ضیق کی دبا میں پھر حرکت میں آئیں اور وہ کوئی ایسا میلہ تلاش کرنے لگے جس کے ذریعے سے ابو بکرؓ کو اس لشکر کے دوازدہ کولے یا کم از کم اسامہؓ کو اسیر بنانے سے باز رکھ سکیں۔ انھوں نے خلافت کے بارے میں مہاجرین اور انصار کے اختلافات اور عرب قبائل کی بغاوت کا سوا دیا اور ابو بکرؓ سے جا کر عرض کیا کہ موجودہ دور مسلمانوں کے لیے سخت نازک اور پرخطر ہے، سہل طر بات کے شعلے ٹھکر رہے ہیں اس موقع پر لشکر کو شام بھیج کر مسلمانوں کی جمعیت کو منتشر کرنا مناسب نہ ہو گا لیکن ابو بکرؓ نے ضایت ثابت قدمی اور اولوالعزمی سے فرمایا:

”مجھے اس ذات کی قسم ہے میں کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مجھے یقین ہو کہ جنگل کے درندے مجھے اٹھا کر لے جائیں گے تو بھی میں اسامہؓ کے اس لشکر کو دوازدہ کولے سے نہیں روک سکتا جسے رسول اللہؐ نے دوازدہ کولے کا حکم دیا تھا۔ اگر مدینہ میں میرے سوا کوئی بھی شخص باقی رہے تو بھی میں اس لشکر کو منظور و آ کر دوں گا۔“

ایک روایت یہ بھی ہے ”حبیب اسامہؓ نے دیکھا کہ ان کے غلات چرگیاں نیاں کی جا رہی ہیں تو انھوں نے عرض کیا آپ ابو بکرؓ کے پاس جلیجے اور ان سے کہیے کہ وہ لشکر کی دعا لگی کا حکم منسوخ کر دیں تاکہ بڑھتے ہوئے غنیمتوں کے مقابلے میں یہ لشکر مدد و معاون ہو سکے اور مدینہ کو آسانی سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت دے۔ اور انصار نے عرض کیا اگر ابو بکرؓ لشکر کو دوازدہ کولے ہی پر مصر ہوں تو ہماری طرف سے ان کی خدمت میں یہ درخواست کریں کہ وہ کسی ایسے آدمی کو لشکر کا سردار مقرر فرمائیں جو عمر میں اسامہؓ سے بڑا ہو۔“

عرض نے ہا کر سب سے پہلے اسامہؓ کا پیغام دیا۔ ابو بکرؓ نے فرمایا:

”اگر جنگل کے کتے اور بھیڑیے مدینہ میں داخل ہو کر مجھے اٹھا لے جائیں تو بھی

میں وہ کلمہ کہنے سے باز نہ آؤں گا جسے رسول اللہ نے کلمہ کا حکم دیا ہے :

## ابوبکرؓ کی ناراضی

اس کے بعد عمرؓ نے انصار کا پیغام دیا۔ یہ سنتے ہی ابوبکرؓ نے غضب ناک ہو کر منہ دیا،  
 ”اے ابن خطاب! اسامہؓ کو رسول اللہؐ نے امیر مقرر فرمایا ہے اور تم مجھے  
 کہتے ہو کہ میں اسے اس کے حمد سے شہادوں؟“  
 عمرؓ پیشانی پر ہر کر مچھکائے، دہلی چلے آئے جب لوگوں نے پوچھا کہ ابوبکرؓ نے کیا جواب  
 دیا تو انھوں نے بڑے سختی سے کہا،  
 ”میرے پاس سے فرار چلے جاؤ، محض تمہاری بدولت مجھے خلیفہ رسول اللہؐ  
 سے جبر کیا گیا کھانی پڑی۔“

اس واقعے سے اس مسلک کی ایک جھلک ہمارے سامنے آتی ہے جس پر ابوبکرؓ  
 ابتداء خلافت سے آخر وقت تک گامزن رہے۔ اسی مسلک کا مظاہرہ آپؐ نے اس وقت  
 کیا جب قاضی الزہراءؓ رحمت رسول اللہؐ آپؐ سے اپنے والد کی میراث کا مطالبہ کرنے آئی تھیں۔  
 آپؐ نے انہیں فرمایا،

”واللہ! مجھ پر یہ فرض ہے جو کام میں رسول اللہؐ کو کرتے دیکھ چکا ہوں خود  
 بھی وہی کر دوں اور اس سے ہر موافقات نہ کروں۔“  
 اور یہی نذر آپؐ نے اسامہؓ کے لشکر کو بھیجتے وقت دکھایا۔

## لشکر کو روانگی کا حکم

مقررہ زمین کے اعتراضات کو رد فرمانے کے بعد ابوبکرؓ نے اسامہؓ کے لشکر کو روانہ ہونے کا حکم دیا۔  
 اور فرمایا کہ مدینہ کا کوئی شخص جو اس لشکر میں شامل تھا، نیچے درجہ بکرہ مدینہ سے نکل کر مقام  
 حیرت میں لشکر سے مل جائے۔ آپؐ نے فرمایا،

”اے لوگو! میں تمہاری مانند ایک انسان ہوں میں نہیں جانتا کیا تم مجھ پر

وہ ہرجہ رکھو گئے جس کے اٹھانے کی طاقت صرف رسول اللہ میں تھی، اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں میں سے رسول اللہ کو منتخب فرمایا تھا اور تمام آفات سے آپ کو محفوظ رکھا تھا، میں تو صرف آپ کی پیروی کرنے والا ہوں کوئی نئی چیز تمہارے سامنے پیش کرنے والا نہیں، اگر میں سیدھا رسول تو میری پیروی کرو اور اگر کچھ اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔

یہ تھا خلیفہ اول کا نظریہ سیاست۔ انھوں نے واقعی اس سے کبھی انحراف نہ کیا اور سب لوگوں سے بڑھ کر رسول اللہ کی پیروی اختیار کی۔ آپ کی زندگی میں جس قبی قتل کا شہوت ابوبکرؓ نے دیا اس کا حال گزشتہ اوراق میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اللہ و اس کے رسول پر جویا یان انھیں تھا اسے دنیا کی فحش سے بڑی طاقت بھی متزلزل نہ کر سکتی تھی اور آپ سے جو شک و دو شبہ تھے انھیں تھا اس کی نظیر دوسرے زمین پر کوئی نہیں پاتی جاتی۔ ابوبکرؓ آپ کی اطاعت کامل ایمان اور یقین سے کرتے تھے اور اس ایمان و اعتقاد میں انھوں نے جس قدر ترقی کی میں بڑھ سکتا ہوں کہ اس کی گرد کو نہ عمر بھر پہنچ سکے نہ علیؓ کوئی اور شخص۔

## روانگی لشکر کی تیاریاں

جنت بئج کر جب عمرؓ نے لوگوں کو ابوبکرؓ کے جواب سے مطلع کیا تو انھیں خلیفہ کے احکام کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہ رہا، ابوبکرؓ بھی جنت تشریف لے گئے اور اپنے سامنے لشکر کو جمع کیا۔ دعا کی کہ وقت لوگوں نے یہ حیرت انگیز نظارہ دیکھا کہ اساتذہ کرام میں اور خلیفہ رسول اللہؐ ان کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے ہیں یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اساتذہ کی تعلیم و تکریم کا جذبہ پیدا ہو اور وہ آئندہ اپنے سردار کے تمام احکام کی تعمیل سے چون و چرا کیا کریں۔

اساتذہ کو بڑی شرم آئی کہ وہ تو گھوڑے پر سوار ہیں اور رسول اللہؐ کا سب سے محبوب ساتھی، خلیفۃ المسلمین اور مسلمانوں کا سب سے قابلِ تعلیم شخص بڑھاپے کے باوجود پیدل

تہاں رہا ہے۔ انھوں نے کہا،

”اے غلیفہ رسول اللہ! یا تو آپ بھی سمار ہر جائے، ورنہ میں اتر پڑتا ہوں۔“

ابوبکر نے جواب دیا،

”واللہ! نہ تم اترو گے نہ میں سمار ہوں گا۔ کیا ہوا اگر میں نے ایک گھڑی اپنے

پاؤں اللہ کی راہ میں عبادت کو کر دیے؟“

جب لشکر کی روانگی کا وقت آیا تو انھوں نے اسامہ سے کہا،

”اگر تم جاہوز میری مدد کے لیے عمرہ کو چھوڑتے جاؤ؟“

اسامہ نے بڑی خوشی سے عمرہ کو ابوبکر کے ساتھ واپس جانے کی اجازت مانگی۔

## لشکر کو نصیحتیں

واپسی کے وقت ابوبکر فوج کے ساتھ کھڑے ہوئے اور یہ تقریر فرمائی:

”اے لوگو! غنیمت جاؤ، میں تمہیں دس نصیحتیں کرتا ہوں، انہیں یاد رکھو، خیانت

دکرتا، بدعہدشی نہ کرنا، چورتی نہ کرنا، مفوضوں کے اھضام نہ کاٹنا، نیچے بڑھے اور

عزت کو قتل نہ کرنا، کھجور کے دھنٹ کاٹنا نہ جانا، پہلے واسے دھنٹ نہ کاٹنا، کسی

بھیس نہ لگانے یا اونٹ کو سوا کھانے کے فوج نہ کرنا، تم ایسے لوگوں کے پاس سے

گزرو گے جنہوں نے اپنے آپ کو گرجاؤں میں عبادت کے لیے وقف کر دیا ہے

اور وہ ذات دن انہیں میں بیٹھے عبادت کرتے رہتے ہیں، تم انہیں ان کے مالی

پرچہ نہ دینا، تم ایسے لوگوں کے پاس پہنچو گے جو تمہارے لیے برتنوں میں مختلف

کھانے لاتیں گے، جب بھی کھانا شروع کرنا اس پر اللہ کا نام ضرور لے لیا کرنا۔

۱۰ تم ایسے لوگوں سے طرے جہوں نے سرکا درمیانی حصہ تو منڈا دیا ہر گاہ لیکن چاقوں

طوت ڈبی بڑی نہیں نکلتی ہوں گی، انہیں تھارے سے قتل کرنا۔ اپنی حفاظت اللہ

کے نام سے کرنا، اللہ تمہیں شکست اور وبال سے محفوظ رکھے۔“

اسامہ کو یہ نصیحت کی:

رسول اللہ ﷺ نے انھیں جو کچھ کرنے کا حکم دیا تھا وہ سب کچھ کرنا۔ جنگ کی ابتداء اتفاقاً عرس سے کرنا۔ اس کے بعد آبل جانا۔ رسول اللہ ﷺ کے احکام کی کجیاری میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا۔

### الشکر، بلقاء کی جانب کوچ

یہ نصیحتیں فرما کر ابومرثدہؓ کے ہمراہ مدینہ واپس آ گئے اور اساتذہ شام روز سو گئے۔ نبی کا مہینا تھا اور سخت گرمی کے دن تھے۔ لشکر پہنچے ہوئے صحراؤں اور جنگوں کو قطع کرتا تھا۔ ان میں روز بعد بلقاء پہنچ گیا۔ بلقاء کے قریب ہی جنگ مڑتے ہوئی تھی جس میں اساتذہ کے والد زید بن عارض اور ان کے دونوں ساتھی صحیفہ بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ شہید ہوئے تھے۔ اساتذہ نے اپنے لشکر کو وہیں ٹھہرایا اور فوج کے مختلف دستوں کو آبل اور قیائل قضاہ پر دھاوا بولنے کے لیے روانہ کیا۔ ان جنگوں میں مسلمانوں نے بڑی کامیابی حاصل کی۔ بے شمار روپی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا اور اس طرح اساتذہ اپنے والد کا انتقام لینے میں کامیاب ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے اساتذہ کو حملہ کرنے کے متعلق جو ہدایات دی تھیں انھوں نے ان پر پوری طرح عمل کیا۔ جہاں جہاں جانے کے لیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا وہاں گئے اور آپ کی ہدایت کے مطابق دشمن پر اس طرح چڑھا کہ جب تک مسلمانوں کے دستے روپیوں کے سوا پر نہ پہنچے تھے انھیں مسلمانوں کی آمد کا مطلق پتا نہ چل سکا۔ اور فتح کے بعد فوراً مدینہ واپس آ گئے۔

### اساتذہ کی کامیابی واپسی

دشمن پر کامیابی حاصل کرنے کی وجہ سے اساتذہ کی شان اور عزت و توقیر میں بے حد اضافہ ہو گیا۔ وہی ہاجرین اور انصار صحبوں نے اس سے پہلے فقر اساتذہ کی مخالفت کی تھی، اب خوشی سے بھروسے نہ سماتے تھے۔ وہ بڑے فخر سے اساتذہ کے کارنامے بیان کرتے اور رسول اللہ کا یہ قول بار بار دہراتے تھے: "اساتذہ امت کے لائق ہے اور اس کا اب بھی امدت کے لائق تھا۔"

ہمارے اس صدمہ میں صرف سرحدی جھڑپوں پر اکتفا کی۔ انھوں نے رومیوں کا تعاقب کرنے اور رومی سرحد پر پھر پڑھانے کے اندرونی ملاح میں گھس کر اپنی کامیابی سے مزید فائدہ اٹھانے کی کوشش کی کیونکہ ان کا مطلع نظر صرف یہ تھا کہ عرب کی سرحدوں کے محلے سے محفوظ رہے اور رومی مسلمانوں کو کم زور بلکہ مدینے سے یہودیوں کی جلا وطنی کا انتقام لینے کے بہانے عرب کی سرحدوں میں گھس کر اسے اپنے گھوڑوں کے سواروں سے پامال نہ کرنے پائیں۔

لیکن اب حالات تبدیل ہو چکے تھے۔ رومی ایک وسیع خطہ زمین پر قابض ہونے کی وجہ سے زبردست قوت و طاقت کے مالک تھے مسلمانوں کو بھی اس حقیقت کا پوری طرح علم تھا۔ رسول اللہ نے اپنی وفات سے عین سال قبل منہجہ میں وحی گہنی کو تبلیغی خطہ دے کر ہرقل کی جانب روانہ فرمایا۔ ہرقل کا ستارہ اس وقت عروج پر تھا اور دیر گہنی نے روم کے تمام حالات اور رومیوں کی قوت و طاقت کا بخیر مطالعہ کیا۔ علاوہ بریں اسی سال یہود و خیرہ فداک اور تاجاٹا مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھا کر فلسطین پہنچے تھے اور ان کے دل جوش و انتقام سے بھر رہے تھے۔ انھوں نے فلسطین پہنچ کر رومیوں کو مسلمانوں کے خلاف بغاوت کا مشورع کیا اور یہ کہ اگر انھیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دی کہ جب رومی ایران میں بھی زبردست طاقت پر فخریاب ہو سکتے ہیں تو مسلمانوں پر بھی ہو سکتے ہیں؟

ان حالات میں بنظاہر یہ زیادہ مناسب ہو تا کہ اساتذہ سرحدی فتوحات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اندرون ملک میں بھی جیش قدی کرتے اور جو کام وصال ابداً شروع ہوا اس کا آغاز اسی جہم سے کر دیتے۔

## شکر کا استقبال

جب اسارا اپنے غم و غصہ و شکر کو لے کر مدینہ کے قریب پہنچے تو ابو بکرؓ نے کہا کہ صابریں اور انصار کے ہمراہ شہر سے باہر نکل کر بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا۔ اس وقت سب مسلمانوں کے ہرے فرحت و انبساط سے کھلے ہوئے تھے۔ مدینہ میں داخل ہوتے ہی اساتذہ نے مہربانی کا

کا رخ کیا اور شکرانے کے طور پر ناز و دو گانہ ادا کی۔ مدینہ کران کی واپسی پر اہلین وطن اور بعض مہایات کے مطابق ستروں بعد ہوئی۔

بعض مستشرقین نے اس معرکہ کی اہمیت گھٹانے اور اس کا شمار معمولی سعودی جھڑپوں میں کرنے کی ناکام کوشش کی ہے جتنا نچے مستشرق، نکاح جس نے افسانیکہ پٹریا، ات اسلام میں اس اثر کے متعلق عقائد لکھا ہے، نکاح ہے:

”جنگنامے امتداد کے دوران میں مسلمانوں کو جن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا، انہیں دیکھتے ہوئے اس امر کی فوج یا بی مسلمانوں کی فوجوں میں زبردست اہمیت حاصل کر گئی، حالانکہ اس امر کا سیاسی کراس کے مسا اور کوئی اہمیت حاصل نہ تھی کہ وہ بعد میں پیش آنے والی شامی لڑائیوں کی ابتدا ثابت ہوئی۔ اس معرکہ میں اس امر کا کارنامہ موت اس حد تک ہے کہ انہوں نے بعض قبائل پر اس کا حملہ کر دیا اور کسی بڑے مدنی لشکر سے مرٹ بھیڑ ہو گئے، انہیں مدنی غنیمت لے کر واپس چلے آئے، اس کے باوجود مسلمانوں، ماضی عربوں اور رومیوں — عینوں فریقوں پر اس کا دور رس اثر پڑا۔ جب باغی اور مرتد قبائل نے لشکر اس امر کی مدد کی کی غیر سنی قوم کہنے لگے کہ اس لشکر کے بھیجنے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ مسلمان زبردست قوت و طاقت کے مالک ہیں اگر ان کے پاس قوت و طاقت نہ ہوتی تو وہ ہرگز ایسے موقع پر اس لشکر کو نہ بھیجتے جب سارا عرب ان کے خلاف متحد ہو چکا ہے۔“

برقی کو بھی جب اسلامی لشکر کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ گھبرا گیا اور اس نے ایک بڑی فوج مسلمانوں سے مقابلے کے لیے بلقاہ روانہ کی۔ یہ واقعتاً مراکز اس بات کا ثبوت ہیں کہ اس غزوہ کے باعث مدنی اور مرتد عرب قبائل دونوں مسلمانوں کی قوت و طاقت سے مرعوب ہو گئے۔ اسی وجہ سے وہ امیندوں کے سوا عرب کے شمالی حصے کے درجن والوں نے مدینہ پر حملہ کرنے میں پس و پیش کیا حالانکہ اس سے قبل ان کا مصمم ارادہ تھا کہ مدینہ پر چڑھائی کر کے مسلمانوں کو روک کر سرحدوں پر حملہ کرنے کا رخ لکھا یا جائے۔

پھر بھی شمالی عربوں کے سوا عرب کے دوسرے علاقوں کا یہ حال تھا۔ اس سے قبل تفصیل سے

بتایا جا چکا ہے کہ رسول اللہ کی زندگی کے آخری روز میں بناوت کی روح کس طرح عرب قبائلی میں سرایت کر گئی تھی اور کئی قبائل میں نہرت کے مدعی پیدا ہو گئے تھے۔ اگر آپ کی قایت رجب حرم ماحیاط اور مسلمانوں کی جانب سے قوت و طاقت کے مظاہروں کی وجہ سے ان قبائل اور مدعیان نہرت کو خوف و خطر لاحق نہ ہوتا تو آپ کی زندگی ہی میں ہر طرف سے بناوت کے علم بلند ہو جاتے۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد باخیزوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور انہوں نے اپنے خطرناک مخفی ارادوں کا اظہار کھلم کھلا شروع کر دیا۔

اس وقت مسلمان قلت تعداد اور کثرت اعداء کی وجہ سے بے حد مضطرب تھے۔ اگر اس نازک موقع پر ابو بکرؓ کی طرف سے بلند پایہ سیاست کا مظاہرہ نہ کیا جاتا اور مضبوط و محکم پالیسی وضع نہ کی جاتی تو مسلمانوں کا خاتمہ عین ممکن تھا۔

(۵)

## منکرین زکوٰۃ سے جنگ

اس امر شام جاتے ہوئے ابھی راستے ہی میں تھے کہ رسول اللہ کی خبر وفات سارے عرب میں پھیل گئی اور ہر طرف ہنساوت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ ان مشغلوں کی زد میں سب سے زیادہ یمن کا علاقہ تھا، اگرچہ آگ بھڑکانے والا شخص عسی نقل ہرچکا تھا۔ بنی حنیفہ میں مسیلہ اور بنی اسد میں ظلمیر نے نہایت کا دھڑنی کہ کسے ہزاروں لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور لوگوں نے یہ کتنا شروع کر دیا: "اسد اور قحطان کے طیف تبدیلوں کا نبی ہمیں قریش کے نبی سے زیادہ محبوب ہے کیونکہ محمد وفات پا چکے ہیں اور ظلمیر زندہ ہے۔"

### مدینہ میں بغاوتوں کی خبر

حب ابن بناو قیل کی خبر ابوبکرؓ کو پہنچی تو انھوں نے فرمایا کہ ہمیں اس وقت تک انتظار کرنا چاہیے جب تک ان علاقوں کے عمال اور اموال کی طرف سے تمام واقعات کی مکمل دہدہ میں موصول نہ ہو جائیں۔

زیادہ دن ڈگر رہے تھے کہ امراء کی طرف سے دھڑا دھڑا دہدہ میں پہنچنے لگیں۔ ان دہدہوں سے سامع ظاہر ہوتا تھا کہ باغیوں کے ہاتھوں بدرفتار سلطنت کا امن خطرے میں ہے جبکہ ان لوگوں کی جانوں کو بھی سخت خطرہ ہے جنھوں نے ارتداد کی رو میں باغیوں کا ساتھ نہیں دیا اور بدستور اسلام پر قائم ہیں۔ اب ابوبکرؓ کے لیے پوری قوت سے بغاوتوں کا مقابلہ کرنے اور باغیوں کو ہر قیمت پر دیر کے سروربہ حال کو قابو میں لانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اس پر دیگر سرداروں کے نتیجے میں بعض قبائل نے تو کلمۃ اسلام سے انحراف اختیار کر دیا تھا

لیکن بعض قبائل اسلام پر قناتم تھے امتہ زکوة دینے سے انکار کر دیا تھا۔

مؤخر الذکر گروہ میں سے بھی بعض لوگ قریبے تھے جو دل و جان سے مال و دولت پر فریفتہ تھے اور اللہ کے راستے میں مالی قربانی کرنا ان کے لیے بے حد دشوار تھا۔ لیکن بعض لوگ اسے تادان کہتے تھے اور ان کے خیال میں رسول اللہ کی صفات کے بعد اہل مدینہ کے مقررہ گروہ امیر کو ان سے زکوة یا بے الفاظہ دینا اولیٰ تاوان کے مطابق ہے کا کوئی اختیار نہ تھا۔ چنانچہ ہر فرقہ نے اساتذہ زکوة سے انکار کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ شہرہ ابو بکرؓ کو اپنا امیر تسلیم کرتے ہیں اور نہ ان کے احکام کی بجا آوری کو منوری سمجھتے ہیں۔

مدینہ کے فاضل قبائل عبس اور ذبیان منکرین زکوة میں شامل تھے اور مسلمانوں کے لیے ان قبائل سے عہدہ برپا کرنے کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم سمجھتا تھا۔ ان سے لڑائی چھیڑ دینا آسان کام نہ تھا کیونکہ ابو بکرؓ اساتذہ کو شام روانہ فرما چکے تھے اور مدینہ میں بہت ہی مختصر سی تعداد میں لڑائی کے قابل افراد رہ گئے تھے۔ اس حالت میں مسلمانوں کے لیے دو ہی راستے تھے۔ ایک یہ کہ منکرین زکوة ان کا سامنے زکوة کے لیے مجبور کر دیا جائے اور زنی و عاتق سے انھیں ساتھ ملا کر ان قبائل کے مقابلے میں آمادہ پیکار کیا جائے جنھوں نے کلمہ کھلا اسلام سے انحراف کیا تھا اور مزاحمہ ان سے جنگ کی جائے مؤخر الذکر راستہ اختیار کرنے سے مسلمانوں کے دشمنوں کی تعداد یقیناً بہت زیادہ ہو جاتی اور اسلامی لشکر کی غیر موجودگی میں پھرتے ہوئے باقی قبائل سے لڑائی چھیڑ دینا آسان کام بھی نہ تھا۔

### صحابہ کے مشورہ

ابو بکرؓ نے کہا رضی اللہ عنہ کہ ان سے منکرین زکوة کے ساتھ جنگ کرنے کے متعلق مشورہ کیا۔ عمرؓ نے خطاب اور حبشہ مسلمانوں کی یہ رائے تھی کہ ہمیں اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے والے لوگوں سے ہرگز نہ لڑنا چاہیے بلکہ انھیں ساتھ ملا کر مرتدین کے خلاف مصروف پیکار رہنا چاہیے۔ بعض لوگ اس رائے کے مخالف بھی تھے۔ لیکن ان کی تعداد بہت مختصر ہی تھی۔

بحث طویل ہو چکی تھی اور بالاخر ابو بکرؓ کو خود اس میں دخل دینا پڑا۔ وہ اس رائے کے حامی

تھے کہ منکرینِ زکوٰۃ سے جنگ کر کے بہ دور امانتے زکوٰۃ پر مجبور کرنا چاہیے۔ اس امر میں ان کی شدت کا یہ عالم تھا کہ بحث کرتے ہوئے پر زور الفاظ میں فرمایا :

”اللہ اگر منکرینِ زکوٰۃ تلے ایک وی دینے سے بھی انکار کریں گے جے

دوسرا اللہ کے نامنے میں ادا کیا کرتے۔ تھے تو بھی میں ان سے جنگ کروں گا۔“

پرسن کر ٹر بھی — جن کی دانتے میں اس موقع پر منکرینِ زکوٰۃ سے جنگ کرنا مسلمانوں کے لیے نقصان دہ تھا — قدرے تیزی میں آگئے اور کہا :

”ہم ان لوگوں سے کس طرح جنگ کر سکتے ہیں جب رسول اللہ نے صاف

فرمایا ہے کہ تلے اس وقت تک لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک

وہ زبان سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ کہیں۔ جو شخص یہ کلمہ زبان سے

ادار کر دے گا اس کی حفاظت جان و مال مسلمانوں کے ذمے ہوگی البتہ جو حقوق

اس پر واجب ہوں گے ان کی ادائی کا مطالبہ اس سے ضرور کیا جائے گا۔ ہاں

اس کی نیت کا حساب اللہ اس سے خود لے گا۔“

لیکن ابو بکرؓ پر عمرؓ کے دلائل کا اثر کچھ نہ پڑا اور انھوں نے فرمایا :

”اللہ! میں صلوات اور زکوٰۃ میں فرق کرنے والے لوگوں سے ضرور لڑوں گا۔“

کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے اور رسول اللہؐ کے فرمایا ہے کہ اسلام قبول کیا تو

وہ لوگوں کے ذمے جو حقوق ہوں گے ان کی ادائی کا مطالبہ ان سے پہلے

کیا جائے گا۔“

عمرؓ کیا کرتے تھے۔

”یہ جواب سن کر تلے بغیر ہو گیا کہ اللہ نے منکرینِ زکوٰۃ سے جنگ کرنے

کے لیے ابوبکرؓ کو شرح صدر عطا کیا ہے اور حق وہی ہے جو ابوبکرؓ کہتے ہیں۔“

اس واقعے سے ملتا جلتا ایک واقعہ خود رسول اللہؐ کو بھی پیش آیا تھا۔ طاعت سے قبل

نقیض کاوند آپؐ کی خدمت میں قبیل اسلام کی غرض سے حاضر ہوا لیکن راتھی یہ درخواست بھی

کی کہ انھیں صلوات صحابہ کی دی جائے۔ رسول اللہؐ نے ان کی درخواست قبول کر لے سے انکا

کر دیا اور فرمایا :

”اس میں کوئی بھلائی نہیں جس میں صلوٰۃ نہیں۔“

ابو بکرؓ رسول اللہ کے نقش قدم پہنچا اپنا فرض اولیں خیال کرتے تھے، انھوں نے بھی

یہی فرمایا :

”واللہ انہیں ان لوگوں سے ضرور اعلیٰ گا جو صلوٰۃ اور زکوٰۃ میں لائق کہتے

ہیں۔“

## دشمن قبائل کے وفود

باقی قبائل جس زبان، نسل، مذہب، نژاد اور نژادوں کے گروہ و قباہ میں آباد تھے، ہمسایوں سے لڑنے کے لیے نہیں آگئی تھیں اور مدینہ کے قریب ٹھہر کر رہا کرتے تھے۔ یہ قبائل دو حصوں میں منقسم تھے۔ ایک حصہ مدینہ کے قریب مقام ابرق میں خیمہ زن تھا اور دوسرا ذی القعدہ میں حملہ کے قریب تھک کے رہنے میں واقع ہے۔ ان فوجوں کے سرداروں نے پہلے اپنے وفود مدینہ روانہ کیے جنھوں نے وہاں پہنچ کر بعض لوگوں کے قریب سے ابو بکرؓ کو منام بھیجا کہ وہ نماز ادا کرنے کے لیے تیار ہیں البتہ انھیں اسے زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ لیکن ابو بکرؓ نے وہی جواب دیا جو پہلے عمرؓ کو دے چکے تھے یعنی اگر انھوں نے زکوٰۃ کی ایک دسی بھی ادا کرنے سے انکار کیا تو میں اس دسی کی خاطر ان سے جنگ کر دوں گا :

## وفود کی ناکام واپسی

چنانچہ وفود غائب رہا سرحد پر واپس پہنچے اپنے لشکروں میں چلے گئے لیکن قیام مدینہ کے دوران میں انھوں نے وہاں کے حالات کا براہ نظر قریب مطالعہ کر لیا تھا اور انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ ان لوگوں کی مدد بہت کمزور ہے اور شرک و بیرونی طاقت کے حملے سے بچا نہیں سکتے۔

ابو بکرؓ کی ہدایات

ابو بکرؓ کی دور بین آنکھ نے ان لوگوں کے اداوں کو جان بوجھ کر دیکھا تھا کہ وہ اپنے جانے

کے بعد انھوں نے اہل مدینہ کو جمع کر کے فرمایا :  
 "تمہارے چاروں طرف دشمن ڈھیرے ڈھیرے پڑا ہے اور اسے تمہاری کمی نہ دیکھ  
 کا علم ہو گیا ہے۔ یہ معلوم دن اور رات کے کس جتنے میں وہ لوگ تم پر چڑھ جائیں۔  
 وہ تم کے ایک منزل کے فاصلے پر غیہ رہیں گے۔ ابھی تک وہ اس امید میں تھے  
 کہ شاید تم ان کی شرائط قبول کر لو گے۔ لیکن اب ہم نے ان کی شرائط ماننے سے  
 انکار کر دیا ہے اس لیے وہ منوہم پر حملہ کرنے کی تیاریاں کریں گے۔ تم بھی اپنے  
 آپ کو لڑائی کے لیے تیار رکھو۔"

اس کے بعد آپ نے علیؑ، زبیرؓ اور عبداللہؓ مسعود کو بلایا اور انھیں ایک ایک  
 دست دے کر مدینہ کے بیرونی راستوں پر تعین کر دیا۔ دوسرے تمام لوگوں کو حکم دیا کہ وہ مسجد نبوی  
 میں بیٹھ جائیں اور لڑائی کی تیاری کریں۔

### عبداللہؓ کا پہلا مصرعہ

ابو بکرؓ کا اہوازہ بالکل درست نکلا۔ ابھی تین روز بھی دگر سے تھے کہ منکرینِ ذکاوت نے مدینہ پر چڑھان  
 کر دی اور حقیقت کر دیا کہ غلیفہ سے اپنی بات منوا کر ہی واپس جائیں گے۔

مدینہ کے ارد گرد پھیلے ہوئے جاہل و سوسائے منکرینِ ذکاوت کے ارادوں سے علیؑ، زبیرؓ اور  
 ابن مسعود اور دوسرے لوگوں کو مطلع کر دیا۔ انھوں نے ابو بکرؓ کے پاس خبر بھیجی۔ ابو بکرؓ نے انھیں  
 قیادت کی کہ وہ اپنی اپنی جگہوں پر ٹھہر کر خضر کے قسام ناکوں کی حفاظت کریں اور خود اونٹ پر  
 سوار ہو کر مسجد نبوی میں تشریف لائے اور تمام مسلمانوں کو خبر دیاں جس تھے ساتھ کے ان لوگوں  
 کے مقابلے کے لیے نکل کھڑے ہوئے جو بے خبری میں مسلمانوں پر شب خون ملانا چاہتے تھے۔

ان قبائل کے دہم میں بھی یہ بات نہا سکتی تھی کہ مسلمانوں میں سے کوئی بھی ان کے مقابلے  
 میں آئے گا۔ کیونکہ انھیں اپنے دھوکے دہی سے اہل مدینہ کی کمزوری کا علم ہو گیا تھا۔ لیکن  
 جب ان کی توقعات کے قطعاً برعکس ابو بکرؓ نے ان پر اچانک حملہ کر دیا تو ان کی سرسیمائی کی انتہا  
 نہ ہوئی اور وہ چٹخیر کیر کے مسلمانوں نے ہی حساب لگ ان کا مقابلہ کیا۔

جب حمد اور قبائل حنیفہ پر حملہ کرنے کے لیے نکلے تو انھوں نے اس خیال سے کہ مدینہ میں ان کا مقابلہ کرنے والی کوئی طاقت موجود نہیں اپنے چیدہ ہتھیاروں کو ساتھ لے جانا مناسب نہ کہا تھا۔ لیکن جب قبائل شکست کھا کر جیسے کہ اور مسلمانوں نے ان کا مقابلہ کرنا شروع کیا تو وہ لوگ جنہیں پیچھے ہٹنا پڑا یا گیا تھا اس موقع کی نزاکت بھانپ کر مسلمانوں کے بالمقابل آگئے اور لڑائی شروع ہو گئی۔ رات بھر لڑائی ہوتی رہی لیکن کسی بھی فریق کے حق میں فیصلہ نہ ہو سکا۔ بالآخر غنائم کئے گئے اور ایک کڑی لڑائی کے بعد دونوں فریقوں میں اپنی اپنی شرمشک کیں تاکہ مسلمانوں کو گرفتار کر سکیں۔ یہاں تک کہ دونوں فریقوں کے افسرین نے خود ہر کر دینا کثرت نہیں لگایا شروع کیا اور اپنے آپ کو کھینچنے شروع کر دیں۔

میں اور یہاں اور ان کے دو گار مسلمانوں کے بھاگ جانے سے بڑے خوش ہوئے اور اسے اپنی فتح مندی اور مسلمانوں کی کمزوری پر عمل کرنے سے بڑے مقام ذی الفتح کے غیر ذی لوگ کہ ان تمام واقعات کی اطلاع دی۔ ذی الفتح واپس بھی ان کے پاس پہنچ گئے اور اس پس میں صلاح مشورہ ہوئے۔ . . . . . بالآخر فیصلہ ہوا کہ وہ اس وقت تک واپس نہ جائیں جب تک مسلمانوں کو ناک چنے چمکا کر اپنی پیش کردہ شرائط قبول کرنے پر مجبور نہ کر دیں۔

ابو بکرؓ اور تمام مسلمانوں نے اس رات پلک پلک نہ جھپکائی بلکہ دشمن سے لڑائی کی تیاریوں میں مشغول رہے۔ رات کے آخری تہائی جیسے میں وہ مسلمانوں کو نے کہہ دیا وہ دشمن کی جانب روانہ ہوئے۔ پہلے کی طرح اب بھی انھوں نے اس امر کی کمال احتیاط کی کہ دشمن کو کانٹوں کا ٹکڑا مسلمانوں کے آنے کی خبر نہ ہونے پائے۔ صبح صادق کا ظہور ہوا تو مسلمان اور ان کے دشمن قبائل ایک ہی میدان میں تھے۔ لیکن اس فرق کے ساتھ کہ مسلمان لڑائی کے لیے پوری طرح تیار تھے اور دشمن بڑے اطمینان و آرام سے خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔

مسلمانوں کے لیے اس سے بہتر اور کوئی سامانچہ ہو سکتا تھا۔ انھوں نے بے دھڑک اپنی کماریاں دشمن کے سینوں میں پروست کرنی شروع کر دیں۔ وہ لوگ اس چابک چھنے سے بڑی آگاہ تھے اور اسی فیم ہمداری کی حالت میں لڑنا شروع کر دیا لیکن تاج کے ؟ ابو بکرؓ کے ساتھیوں نے اپنی تلواروں کے خوب جوہر دکھائے اور ابھی سورج نے اپنا چہرہ افق عالم پہنچا ہی کیا تھا کہ

دشمن کے لشکر نے خایت بے ترقی کی حالت میں بھاگنا شروع کر دیا۔ ابوبکرؓ نے ذی القعدة تک ان کا تعاقب کیا۔ آخر جب یہ دیکھ لیا کہ وہ دوبارہ واپس آنے کی جرأت نہ کریں گے تو ابوبکرؓ اس جگہ واپس آ گئے جہاں۔ تھوڑی دیر قبل میدان کاغذا درگرم تھا اور نعمان بن مقرنؓ سالارِ مینہ کو تھوڑی سی جمعیت کے ہمراہ اس جگہ چھوڑ کر خود مدینہ تشریف لے آئے۔

## جنگ ذی القعدة اور جنگ بدر میں مشابہت

اس موقع پر ابوبکرؓ نے انبیاؑ، ائمہؑ، عوام و ثقات اور حرم و استیلا کا جو مظاہرہ کیا اس سے مسلمانوں کے دلوں میں عہد رسول اللہؐ کے عزائم کی یاد تازہ ہو گئی۔ ابوبکرؓ کے عہد کی یہ پہلی لڑائی تھی جس تک جنگ بدر سے مشابہ ہے۔ جنگ بدر کے روز مسلمان مرت عین سوتیرہ کی قلیل تعداد میں تھے جب مشرکین کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی۔ اس موقع پر بھی مسلمانوں کی تعداد نسبتاً قلیل تھی اس کے باوجود انہیں جس زبان اور غلغلے کے قبائل بھاری جمعیت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تھے۔ جنگ بدر کے موقع پر رسول اللہؐ و آپ کے صحابہ نے حیرت انگیز ایمان کا مظاہرہ کیا تھا اور اسی لیے اللہؑ نے انہیں مشرکین پر فتح عطا فرمائی۔ اس موقع پر ابوبکرؓ اور آپؐ کے ساتھیوں نے ایمان کا ثبوت دیا اور دشمن پر فتح حاصل کی جس طرح جنگ بدر و مدینہ نتائج کی حامل تھی اسی طرح اس جنگ میں بھی مسلمانوں کی فتح نے اسلام کے مستقبل پر گہرا اثر ڈالا۔

## ابوبکرؓ کا عزم و ثبات

ابوبکرؓ نے عزم و ثبات اور ایمان و ایمان کا جو مظاہرہ کیا وہ چنداں قابلِ تعجب نہیں کیونکہ انھوں نے آقاؐ کو اسلام ہی سے اپنا مقصد ڈال دیا یہ قرار دے رکھا تھا کہ وہ ہر کام میں رسول اللہؐ کی پیروی اختیار کریں گے اور ان کی ساری زندگی اس امر کی شاہد ہے کہ انھوں نے ہر موقع پر اپنے اس عہد کو پوری طرح نباہا اور بڑی سے بڑی روک بھی انھیں ان کے عہد مقصد سے علیحدہ نہ کر سکی۔ اس صورت میں یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ دشمنوں سے ایسے معاملے کے متعلق سمجھتا کہ ایسے ہر سوسو احکامِ الہی کے خلاف تھا۔ ابوبکرؓ کی نظروں کے سامنے رسول اللہؐ کی زندگی کا ایک ایک ورق

کھڑا ہو کر جوتا تھا۔ جب کبھی کسی جانب سے فٹاٹے الٹی اور تعلیمات غبری کے خلاف کوئی کام کرنے کے لیے الٹی پر زور دیا جاتا تو انھیں رسول اللہ کا وہ فقرہ یاد آ جاتا جو ابوطالب کی درخواست پر آپ نے کہا تھا:

”واللہ اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں لاکھڑا کریں اور یہ چاہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں جو مجھے اللہ کی طرف سے تفویض کیا گیا ہے تو مجھی میں اس کام کو نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ یا تو میں دوسروں کو بھی اپنا ہم فرما بنا لوں یا اپنی کوشش میں ہلاک ہو جاؤں۔“

ابوبکرؓ نے بھی بالکل اسی قسم کا جواب اپنے ساتھیوں کو اس وقت دیا تھا جب انھوں نے اساتذہ کی دعا کی مفسوخ کر کے پر زور دیا تھا اور یہی موقوفہ انھوں نے اس وقت اختیار کیا جب لوگوں نے انھیں منکرین زکوٰۃ سے جنگ کے کرنے کا مشورہ دیا۔ یہی وہ ایام تھے اس وقت تھا جس کے مقابلے میں انھوں نے کسی چیز کی، حتیٰ کہ موت کی بھی پروا نہ کی اور یہی ایام تھے اس وقت کے مقابلے میں دنیا کی تمام آسائشیں ان کی نظروں میں نہ تھیں، اس نازک وقت میں اسلام کو تباہی و بربادی سے بچانے میں بھی سب سے بڑا مدد و معاون ثابت ہوا۔

## مشورہ صحابہ کے عدم قبول کی وجہ

رسول پیدا ہوتا ہے آخر کیا حرج تھا اگر ابوبکرؓ منکرین زکوٰۃ سے جنگ کے کرنے کے بارے میں ٹھنڈے دوسرے بڑے بڑے صحابہ کا مشورہ قبول کر لیتے؟ اس کا جواب بہت سہل ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ عرب کے اکثر قبائل نے بہت تھوڑا عرصہ قبل بتہ پرستی سے نہایت ماضی کی تھی اور باہلیت کا دور ختم ہونے نہایت قلیل عرصہ گزرا تھا۔ اگر ابوبکرؓ قرآن فیض دینی کو ترک کر دینے کے متعلق قبائل عرب کا کوئی مطالبہ تسلیم کر کے ان سے کھڑا کر لیتے تو طویل عرصہ اور دوسرے خود ساختہ نبی قوماً یہ پُر گیند شروع کر دیتے کہ قرآن فیض دینی کی بجائے دوسری کے متعلق ہر کچھ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کھڑے ہو جیسا کہ دنیا کے سامنے پیش کیا تھا وہ (خود اللہ) اللہ کی طرف سے دیا تھا بلکہ آپ کا خود ساختہ دورہ ابوبکرؓ اس کے متعلق کھڑے کیوں کہتے۔ قبائل عرب

پر اس پر دو پگینڈے کا زبردست اثر ہوتا اور اس کے نتیجے میں وہ لوگ مدعیان نبوت سے مل جاتے جو ابھی ان پر ایمان نہ لائے تھے اور ان کی اطاعت قبول نہ کی تھی۔ ذی القعدة میں شہر ننگ شکست کا انتقام لینے کے لیے بنی ذریبان اور بنی حبس کے مشرکین نے ان تمام مسلمانوں کو قتل کر ڈالا جو ان کی دسترس میں تھے، لیکن اس کا اثر اٹھا پڑا اور قبائل کے وہ لوگ جو بدستور اسلام پر ایمان تھے اپنے عقیدے میں اور کچے ہو گئے اور انھوں نے بے پس و پیش ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر زکوٰۃ پیش کرنی شروع کر دی کیونکہ انھوں نے تمام حالات و واقعات کا مشاہدہ کر کے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ ابوبکرؓ اپنی قوتِ ایمانی کی بدولت ان مرتدین پر لامحالہ غالب آجائیں گے، دین حق کا بلبل بالا ہو گا اور وہ بدولتِ انتقام جو ہزیمتِ غمروہ قبائل نے کمزور و یکس مسلمانوں سے دیا ہے ان کی ہزیمت کے داغ کو نہ مٹا سکے گا اور ان قبائل کو اس کی بہت لمبی قیمت دینی پڑے گی۔

کسی شک کی گنجائش بھی کہاں تھی؟ سدید بن اکبر نے عہد کر لیا تھا کہ ان قبائل سے غریب بے کس مسلمانوں کے قتل کا انتقام لیا جائے گا اور کسی بھی مشرک کو جس نے مسلمانوں کے قتل میں حصہ دیا ہے زندہ نہ چھوڑا جائے گا۔ اس کام کے لیے صرف لشکرِ سامری واپسی کی یہ تھی۔

### بیرونی مسلمانوں کی ادائیگہ زکوٰۃ

ذی القعدة میں مسلمانوں کی فتح پر قبائل کے جو لوگ بدستور اسلام پر قائم تھے حق و جوق زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے مدینہ آنے شروع ہوئے۔ سب سے پہلے جو لوگ آئے وہ بنی قیس کے رئیس صفوان اور ہذیل اور بنی ثعلی کے سردار عدی بن حاتم طائی تھے۔ اہل مدینہ نے بڑی گرم جوشی سے ان لوگوں کا خیر مقدم کیا۔ لیکن اندری اندر ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ میں ان لوگوں کا آنا ہمارے لیے مصیبت کا باعث نہ ہو مگر ابوبکرؓ ہمیشہ یہ جواب دیتے کہ میں یہ لوگ تمھارے لیے مصیبت کا پیغام لے کر نہیں بلکہ خوش خبری لے کر آئے ہیں۔ یہ تمھارے دشمن نہیں، مددگار ہیں۔

اس وقت مسلمانوں کے جو پہلے بلند رکھنا بے حد ضروری تھا کیونکہ یہ جانبِ ظلمات کے بادل مٹا لیتے وہ یکسر مسلمانوں کو جہاں مضبوطی کی ضرورت تھی جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو

کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں:

”رسول اللہ کی وفات کے بعد ہم اس مقام پر پہنچے تھے اگر اللہ ابو بکرؓ کے لیے سے ہماری مدد نہ فرماتا تو ہماری طاقت یقینی تھی۔ ہم سب مسلمانوں کا بالائتفاق یہ خیال تھا کہ ہم زکوٰۃ کے اونٹوں کی خاطر دوسروں سے جنگ نہ کریں گے اور اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ ہمیں کاملاً قلب حاصل ہو جائے۔“ لیکن ابو بکرؓ نے منکرین زکوٰۃ سے لڑنے کا حکم کر لیا۔ انھوں نے منکرین کے ساتھ صحت و باتیں پیش کیں۔ تیسری نہیں۔ پہلی یہ کہ وہ اپنے لیے ذلت و خواری قبول کر لیں اور اگر یہ منظور نہیں تو جلا وطنی یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ اپنے لیے ذلت و خواری کی حالت قبول کرنے کا مطلب یہ تھا، وہ اقرار کریں کہ ان کے مقتول و زخمی اور ہمارے مقتول جنتی ہیں۔ وہ ہمیں ہمارے مقتولوں کا خون بہاوا کریں۔ ہم نے ان سے جو مال غنیمت و حاصل کیا ہے اس کی داپہی کا مطالبہ ذکر میں نہیں جو مال انھوں نے ہم سے لیا ہے وہ ہمیں داپہی کر دیں، جلا وطنی کی سزا بھگتے کا مطلب یہ ہے کہ شکست کھانے کے بعد اپنے علاقوں سے مکمل ہجرت اور دوردراز مقامات میں جا کر زندگی بسر کریں۔“

## شام سے اسامہؓ کی واپسی

مختلف قبائل کے سلطان زکوٰۃ سے کہہ دینے پہنچ ہی رہے تھے کہ اسامہؓ بھی سرزمین روم سے منظور منصور واپس آ گئے۔ ابو بکرؓ اور کبار صحابہ نے مقام حرت میں لشکر کا استقبال کیا۔ مائتہ انکس نے بھی بڑے جوش و خروش سے اس فرج کا خیر مقدم کیا۔ جب لشکر مدینہ میں داخل ہوا تو سچا سچ سے خوشی اور مسرت کے گیتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اسامہؓ سب سے پہلے مسجد نبویؐ میں پہنچے وہ علم جو رسول اللہؐ نے دست مبارک سے انھیں مرحمت فرمایا تھا، مسجد میں بلند کیا اور نواز شکرانہ دیا۔

## دوبارہ جنگ

ابو بکرؓ نے نہایت دودا اندیشی سے فیصلہ کیا کہ دشمن کو تیاری کا موقع نہ دیا جائے بلکہ اس پر پہلے در پہلے حملہ کر کے اس کی قوت و طاقت توڑ دی جائے۔ انھوں نے اس امر اور اہل ان کے لشکر کو فی الحال آرام کرنے کا حکم دیا اور غزوہ ان لوگوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے جو اس سے پہلے ذی القعدہ کی لڑائی میں ان کے ساتھ شریک تھے۔ لوگوں نے درخواست کی کہ آپ اپنے آپ کو خطرے میں نہ لائیں کیونکہ اگر خدا خواست آپ کو کوئی منہر پہنچ گیا تو اسلامی سلطنت کا نظام ترو بالابہر چلنے لگا۔ اس لیے آپ اپنی جگہ کسی اور کو لشکر کا سربراہ مقرر فرما دیں تاکہ اگر وہ میدان میں کام بھی آجائے تو مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچ سکے لیکن ابو بکرؓ صاحب کسی کام کا ارادہ کر رہے تھے تو جب تک اسے پر راز نہ کہہ لیتے تو کچھ بچنے کا نام ہی نہ دیتے تھے۔ انھوں نے یہ باتیں سن کر فرمایا،

”واللہ میں ہرگز کچھ نہ دھول گا بلکہ تمہارے ساتھ رہ کر تمہاری بہتری کو چاہوں گا۔“

مدینہ سے روانہ ہو کر ابو بکرؓ اہل حق پہنچے جو ذی القعدہ کے قریب واقع ہے۔ وہاں بنی مہض، ذبیان اور بنی بکر سے ان کی مٹ بھیر ہوئی۔ جنگ میں سرخراہ لڑ کر قبائل کو شکست اٹھانی پڑی اور مسلمانوں نے انھیں اس علاقے سے نکال دیا۔ اہل حق بنی ذبیان کی ملکیت تھا لیکن جب ابو بکرؓ نے انھیں وہاں سے نکال دیا تو اعلان کیا کہ ”اب یہ سرزمین مسلمانوں کی ملکیت ہے۔“ آئندہ بنی ذبیان اس پر تباہی نہ کر سکیں گے کیونکہ اللہ نے اسے یہیں تقسیم میں دے دیا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد یہ مقامات مسلمانوں ہی کی ملکیت میں چکا اور رعایاں حاصل پر آنے کے بعد بھی جزائلیہ نے اس جگہ دوبارہ آباد ہونا چاہا مگر ابو بکرؓ نے اجازت نہ دی۔

اس طرح منکر بن زکوة کی شکست پانچویں کر پہنچ گئی۔ مدینہ واپس جے مدغش تھے ایک قواسم کا لشکر پہنچ جانے کی وجہ سے شہر پر کسی حملے کا خطرہ باقی نہ رہا تھا۔ دوسرے تقسیم اور رکاوٹ کے سوال سترہ پہنچنے کے باعث مسلمانوں کی غزوی و تنگ دستی بھی پڑی نہ تھی۔ دور رہو گئی تھی۔

## شکست خوردہ قبائل کی روش

عیسائی و ہریانہ خلفائے نبیؐ کو اور عینہ کے قریب بیٹے داسے دوسرے ہاشمی قبائل کے لیے مناسب تھا کہ وہ انہی مہم و حربی اور بغاوت سے باز آجائے ابو بکرؓ کی کامل طاقت اور ارکان اسلام کی کیا آویسی کا اقرار کرتے اور مسلمانوں سے مل کر مرتدین کے خلاف نبرد آزما ہو جاتے عقل کا نقصان بھی یہی تھا اور طاقت بھی اسی کی تائید کرتے تھے۔ ابو بکرؓ کے ذریعے سے ان کا نور لوٹ چکا تھا۔ روم کی سرحدوں پر حملہ کیا یہاں کے باعث اہل حبشہ کا رعب قائم ہو چکا تھا مسلمانوں کی قوت و طاقت بچھ چکی تھی اور اب وہ اس کمزوری کے عالم میں نہ تھے جو جنگ بدو اور ابتدائی عزیمت کے ایام میں ان پر طاری تھی۔ اب کبھی ان کے ساتھ تھا اور طاقت بھی اور ان دونوں شہروں کی سیادت سارے عرب پر تسلیم تھی۔ پھر خود ان قبائل کے درمیان ایسے مسلمان کثرت سے موجود تھے جنہیں باغی کسی صورت ساتھ نہ ملا سکے تھے اور اس طرح ان کی پریشانی بے حد کمزور تھی۔

لیکن مسلمانوں کی دشمنی نے ان کی آنکھیں اندھنی کر دی تھیں اور سو و دیاں کا احساس دلوں سے جانا رہا تھا۔ انھوں نے اپنے وطن کو چھوڑ دیا اور قبیلہ بنی اسد کے متعلق طلبہ بن خزیلہ سے جا ملے۔ جو مسلمان ان کے درمیان مرجعہ تھے وہ انھیں ان کے داروں سے باز نہ رکھ سکے۔ ان لوگوں کے پہنچ جانے سے طلحہ اور سلیک کی قوت و طاقت میں بہت اضافہ ہو گیا اور ان میں فہارت کے شعلے زور و شور سے بھڑکنے لگے۔ یہ حالات دیکھ کر ابو بکرؓ نے فیصلہ کیا کہ جنگ کا سلسلہ بدستور جاری رکھا جائے اور اس وقت تک دم نہ لیا جائے جب تک کہ بنی کلابہ پر اسلامی حکومت کے زیر نگیں نہ آجائے۔ اگر یہ قبائل عقل سے کام لیتے تو طلحہ اور دوسرے دشمنان نبوت کو اتنا فویر حاصل نہ ہوتا اور بہت جلد سارا عرب اسلام کی آغوش میں آجاتا۔ لیکن اللہ کو کچھ اور منظور تھا۔ اس نے نیا طعن کو مزید ہلست دی کہ وہ اس طرح سے اپنی جمعیت اور مضبوط کر لیں۔

اسلام سے ان قبائل کے فساد اور نفرت کی اصل وجہ یہی تھی جس کا ذکر ہم ابتدا میں کرتے ہیں یعنی قبائلی عصبیت اور یہ جذبہ کہ ہم کسی طاقت کا غلبہ تسلیم نہیں کر سکتے جب یہ قبائل کو دین پر متحد کرنے میں ناکامی ہوتی بلکہ اس کے برعکس انھیں اپنی بعض امتیں ہی سے ٹکرا پڑے

بدی مہدی نے خارج طاقت کے سامنے سر جھکانا اور اس کی سیادت قبول کر کے اس کے تحت زندگی بسر کرنا گوارا نہ کیا۔ چنانچہ وہ اس خیال سے بنی اسد اور علیہ سے جا کر مل گئے کہ ممکن ہے ان کا ساتھ دینے سے وہ اپنی محبت ناک شکست کا داغ دھو سکیں۔

لیکن اب بکثرت تمام قبائلی مصہبتوں سے دور تھے۔ ان کے پیش نظر صرف ایک مقصد تھا اور وہ یہ کہ رسول اللہ کا قائم کردہ طریقہ اختیار کیا جائے اور آپ کے بتائے ہوئے راستے پر چلا جائے۔ انھوں نے اپنی ساری جدوجہد اسی مقصد کے حصول کے لیے وقف کر دی۔ یہی سیاست تھی جس کے نفاذ کا اعلان انھوں نے بیعت کے دن کیا تھا اور اپنے عہد خلافت میں اسی پر نہایت سختی سے کار بند رہے۔

(۶)

## مرتدین سے جنگ کی تیاریاں

ابوبکرؓ نے قبائل عصب، ذبیان، بکر اور ان کے مددگاروں کو شکست دے کر حلا وطن کر دیا تھا اور وہ ہذا جزیرہ جاکر طلحہ بن خزیلہ اموی سے مل گئے تھے۔ ابوبکرؓ نے یہ اعلان بھی کیا تھا کہ یہ سب قبائل جو کہ اللہ نے ہمیں نصیبیت میں دی ہیں۔ اس لیے انھیں ان کے منفرد باشندوں کے حوالے نہ کیا جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے ابرق اور ربذہ کے اس پاس کی تمام زمینیں اور چراگاہیں مسلمانوں میں تقسیم کر دیں اور مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ اب ان کے پیش نظر مرتدین کا استیصال تھا جو عرب کے مختلف خطوں میں مذہب کے شے بڑھ کر رہے تھے اور ان کے ہاتھوں اسلام اور مسلمانوں کو سخت خطرہ درپیش تھا۔ منکرین نکوۃ کی طرح مرتدین کے متعلق بھی انھوں نے توجہ کر لیا تھا کہ انھیں ہر قیمت پر عبرت ناک شکست دی جائے گی اور ان سے کسی قسم کی مصالحت نہ کی جائے گی۔

## جنگ کی تیاری

جب اساتذہ کبار لشکر اچھی طرح آرام کر چکے تو ابوبکرؓ نے اسے کہ دین سے نکلے اور ذی القعدہ میں قیام فرماید وہاں انھوں نے گیارہ علم تیار کیے۔ لشکر کو گیارہ حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصے پر ایک امیر مقرر کیا۔ پھر ان امراء کو حکم دیا کہ وہ مرتدین کے استیصال کے لیے اپنے اپنے مقرر کردہ علاقے کی جانب روانہ ہو جائیں اور راستے میں جن قبیلوں کے پاس سے گزریں وہاں کے مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے لیں۔

مرتدین کے مقابلے میں، دس بیسے ہوئے ابوبکرؓ نے اس سرکاغاس خیال رکھا کہ مرتدین کی جمعیت اور قوت و طاقت کا لحاظ رکھ کر ان کی طاقت کو جس حد تک کم کیا جائے۔ اسی لیے انھوں نے خالد بن ولید کو طلحہ بن خزیلہ سے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۱)

اور دیگر بڑے مدینہ کی حفاظت کے لیے جو فوج رکھ چھوڑی تھی وہ باہر جانے والے لشکروں سے بہت کم تھی کیونکہ اب مدینہ کو فوری حملے کا خطرہ نہ تھا۔ لشکریں زکوٰۃ کی سرکوبی کے بعد وہاں کے باشندے بڑے اطمینان سے زندگی بسر کر رہے تھے کسی قبیلے کو مدینہ پر حملہ کرنے کی جرأت

بقیہ ماہ صفر ۱۱۳۷ھ

لڑنے کے لیے بنی اسد کی طرف روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ ظہیر سے فراغت حاصل ہونے کے بعد باصلاح جا کر بنی قسیم کے سردار مالک بن ذریہ سے جنگ کی ہلے۔

بنو اسد اور بنو قسیم مدینہ کے قریب ترین مرقہ قبائل تھے اس لیے غزوی تھا کہ جنگ کا آثار انھیں سے کیا جلتے تاکہ ان کی شکست کا اثر دوسرے قبائل پر بھی پڑے اور وہ بآسانی زیر ہو سکیں۔ حالانکہ باطن پر سخت تھے کہ انھیں ان علاقوں قبائل سے جنگ کرنے والی فوجوں کی کمان سونپی جلتے۔

حکمر بن ابی جہل کو دوسرا جھنڈا دیا گیا اور انھیں یہاں جا کر بنی حنیفہ کے مشرک سید سے جنگ کرنے کا حکم سپرد کیا گیا۔

شرعیل بن جہش کو تیسرا جھنڈا سپرد کر کے حکم دیا گیا کہ وہ پہلے سید کے خلاف حکمر بن ابی جہل کی اور یہاں سے فراغت حاصل ہونے کے بعد عمرو بن ماسک کی امداد کے لیے قضاہ کی جانب روانہ ہو جائیں۔ حکمر اور شرعیل کو یہاں سے کامیابی حاصل نہ ہو سکی بلکہ یہ غزوہ خلد بن ولید کے جھگڑے میں آیا اور انھوں نے غزوہ حقرہ میں سید کو قتل کر کے بنی حنیفہ کی مکر توڑ دی۔

چوتھا جھنڈا اساجر بن ابی امیہ غزوی کے حوالے کر کے کھڑا کیا گیا وہ بنی ہاکم اسد غنی کے لشکر اور عمرو بن سعدی کرب زبیدی تمیم بن کثیر حراوی اور بنی کے دو گادوں سے جنگ کریں۔ یہاں سے فراغت حاصل ہونے کے بعد کندہ اور حضرموت ہاکم اشعث بن تمیم اور اس کے ساتھی مرقہ بن سے لڑیں۔

پانچواں جھنڈا سدید بن مقرن اوی کو عطا کر کے انھیں تھماڑ میں جلتے کا حکم دیا گیا۔ چھٹا جھنڈا عدا بن حضری کو عت کے انھیں بحر بن حکم بن ضبیہ اور بنی قیس بن ثعلبہ کے مرتدین کی سرکوبی کا حکم دیا گیا۔

ساتواں جھنڈا اسیر کے عزیز بن عیسیٰ غلفانی کو دیا گیا اور انھیں عمان جا کر وہاں کسے غنی غزوت (بقیہ ماہ صفر ۱۱۳۹ھ)

بھی کس طرح جو پہنچتی تھی جب مسلمانوں کی فتح مندی کی خبریں ہر طرف پھیل چکی تھیں اہل کابل سے  
 عرب پر چھا چکا تھا اور ان کی بہادری کا سکہ تمام کابل پر چھڑ چکا تھا۔

## قیام مدینہ کی وجہ

ان لشکروں کو رخصت کرنے کے بعد ابو بکرؓ مدینہ واپس تشریف لے گئے اور مستقل طور پر یہیں قیام فرمایا۔  
 مدینہ میں قیام کی وجہ یہ تھی کہ اب یہ شہر مسلمانوں کا حقیقی سرگھر بن چکا تھا اور فوجوں کی نقل و حرکت  
 کے متعلق تمام احکام یہیں سے صادر ہوتے تھے۔ اس لیے خلیفہ کا مستقل طور پر وہاں اٹھنا ان میں  
 قیام نہایت ضروری تھا اور نہ فتوحات کا سلسلہ درجہ بدرجہ ہر جات اور مسلمانوں کو مخالفین کے  
 مقابلے میں کلمہ یابی ہرگز حاصل نہ ہوتی جو ہوئی۔

سب سے ضروری حکم ہوا ابو بکرؓ نے لشکروں کے سپہ سالاروں کی روانگی کے وقت دیا یہ  
 تھا کہ کوئی سپہ سالار مخالف پر فوج پانے کے بعد اس وقت تک کسی دوسری جانب رخ نہ کرے  
 جب تک وہاں خلافت سے اس کی اہازت حاصل نہ کرے کیونکہ ابو بکرؓ کے خیال میں سیاست  
 کا تقاضا یہی تھا کہ وہاں جنگ میں دلاؤ تھا کہ اسے استقامت شہنشاہی اور جنگی قیادت میں کامل اتھار  
 ہونا چاہیے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۸ :

ذوالحجہ قبیلہ بنی مالک ازبکی سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا۔

آنکھوں میں جھنڈا اور فوجیں ہر طرف کو دے کر انھیں سرحد بھیجا گیا۔

جانب حزب دشمن کو غیر لشکر بھیجنے کی وجہ یہ تھی کہ اونٹنوں کا قتلہ اسی جھڑپ میں زیادہ پھیل پھیل رہا تھا اور یہاں  
 کے عربوں کی سرکوبی کے لیے زیادہ لشکر بھیجنے کی ضرورت تھی۔ اس کے باوجود شمالی جانب تین فوجیں بھیجی گئیں۔  
 پہلی فوج عمرو بن عباس کے سرکردگی قنصہ سے لڑنے کے لیے نکلی گئی۔ دوسری فوج معمر بن حجاز  
 سلمیٰ کی قیادت میں بنی سلیم اور بنی ہوازن کے نزدیک سر قباہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کی گئی اور تیسری فوج حاتم  
 بن سید بن عامر کی کمان میں شام کی مہوڑوں پر اس زمانہ تک قائم رکھنے کے لیے بھیجی گئی۔

## مہاجرین کی قیادت کا سبب

اس موقع پر انصار کے بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ ان لشکروں کے سپہ سالار تمام مہاجرین ہی میں اور انصار میں سے کسی شخص کی قیادت کا علم ہو نہیں سکتا کیونکہ یہ ان کی غلط فہمی تھی۔ ابو بکرؓ کا اصل مشا رہ تھا کہ اہل مدینہ اپنے مشرک حفاظت خود کریں کیونکہ وہ یہاں کے تمام حالات کو خوب جانتے تھے اور دوسروں کی نسبت اپنے شہر کی حفاظت ابھی طرح کر سکتے تھے۔ ان لوگوں کا یہ خیال بہت غلط تھا کہ ابو بکرؓ نے فقہ نبویؐ سے سادہ میں انصار کی روش دیکھتے ہوئے انہیں اس خیال کے تحت قیادت سے محروم کر دیا کہ مبادا باہر جا کر وہ قیادت کا علم بند کر دیں۔

یہ فوجیں بر تدین سے جنگ کر لے کے یہ روانہ کی گئی تھیں اور ابو بکرؓ خوب جانتے تھے کہ انصار ایمانی بالحد اور شیعہ تھے رسولؐ میں مہاجرین سے کسی طرح کم دتھے اس لیے انہیں انصا سے کسی قسم کا خدشہ کم کر لاجن ہو سکتا تھا ؟

اگر انصار کے متعلق یہ بات تسلیم کرنی چاہئے تو ان مہاجرین مثلاً علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ وغیرہ کے متعلق بھی یہ خیال کیوں درست نہیں ہو سکتا کہ ابو بکرؓ نے انہیں اس لیے مدینہ سے باہر نہ جانے دیا کہ ان کی طرف سے قیادت کا اندیشہ تھا۔ حالانکہ بات صحت اتنی ہے کہ انھوں نے ان لوگوں اور ان کو اس وجہ سے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا تھا کہ ان سے وقتاً فوقتاً مشورہ لیتے رہیں اور ان کے تدبیر اور مشوروں سے فائدہ اٹھا کر مہاجر قیادت کو مضبوط کر سکیں۔

## ابو بکرؓ کی بے تعصبی

آپ ابو بکرؓ کے لیے ان لوگوں سے ٹڈنہ کی وجہ کیا ہو سکتی تھی ؟ انھوں نے خلافت اپنی مرضی اور خواہش سے حاصل نہ کی تھی بلکہ یہ گراں بار و عرواوی صفت اس لیے قبول کی تھی کہ مدینہ کے اہل اللہ سے اصحاب ان کی صلاحیتوں کی بنا پر انہیں کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے اور ان کے سوا کسی کی خلافت پر راضی نہ تھے۔ اٹھائی برس کے عرصے میں جو واقعات پیش آئے انھوں نے روز روشن کی طرح ثابت کر دیا کہ ابو بکرؓ نے خلافت محض اللہ کے راستے میں قربانی کرتے ہوئے

قبول کی تھی۔ چنانچہ سمیت لینے کے بعد انھوں نے پہلی ہی تقریر میں فرمایا :  
 ”اے لوگو! مجھے عقیدہ تو رہا دیا گیا ہے لیکن میں اسے ناپسند کرتا ہوں اور خدا  
 میری قبول خواہش ہے کہ یہ باورگاہ تم میں سے کوئی اور شخص اٹھائے :  
 اسی طرح ایک بار خطبہ دیتے ہوئے فرمایا :

”عسکران دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ بد بخت ہوتے ہیں :  
 یہ سُن کر لوگوں نے حیرانی کا اظہار کیا تو فرمایا :

”لوگو! تمہیں کیا ہذا؟ تم اعتراض کرنے والے اور جلد باز ہو جب کوئی شخص  
 عسکران خلتا ہے تو چاہتا ہے کہ دوسروں کا مال بھی اُس کے قبضے میں آجائے لیکن  
 اس کی حالت محض سواب کی ہی ہوتی ہے۔ وہ ظاہر میں تو خوش و خرم دکھائی دیتا  
 ہے مگر اصل میں محدود و غمگین شخص ہوتا ہے :“

سنج میں ابو بکر کا قیام حسن مکان میں تھا وہ بہت معمولی اور دیہاتی طرز کا تھا۔ مگر وہ چاہتے  
 تو خلافت کے بعد اس کی حالت درست کر سکتے تھے لیکن خلافت کے پورے عرصہ میں مکان جوں  
 کا توں رہا اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ آئی۔ اسی طرح مدینہ کا مکان بھی بہ دستور پہلی ہیئت پر قائم  
 رہا۔ خلافت کے بعد چھ مہینے تک وہ روزانہ پیدل رخ سے مدینہ آتے تھے اور شافعی مذہب کی  
 گھوڑا استعمال کرتے تھے۔ خلافت سے پہلے وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے جب خلافت کا  
 کام چلھا اور سلطنت کی ذمہ داریاں زیادہ ہوئیں تو تجارت کے لیے وقت دینا مشکل ہو گیا۔ اس  
 لیے انھوں نے لوگوں سے فرمایا کہ انصرام سلطنت اور تجارت کا کام ساتھ ساتھ نہیں چل سکتا۔  
 چونکہ رعایا کو دیکھ بھال اور اس کی خبر گیری تجارت سے زیادہ ضروری ہے اس لیے میرے  
 اہل و عیال کے واسطے اتنا وظیفہ مقرر کر دیا جائے جو انھیں معمولی طور پر کائی ہو۔ پانچ سو اہل  
 سے ان کا اتنا وظیفہ مقرر کر دیا گیا جس سے ان کا اور ان کے اہل و عیال کا گزارہ چل سکے لیکن  
 جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے دشمنوں کو حکم دیا۔ جو وظیفہ میں نے  
 بیت المال سے لیا ہے وہ سارے کا سارا واپس کر دو اس کی ادائیگی کے لیے میری نکاح زمین  
 بیچ دی جائے اور آج تک میں نے مسلمانوں کا جو مال اپنے اوپر خرچ کیا ہے اس زمین کو فروخت

کر کے وہ پوری کی پوری رقم ادا کر دی جاتے۔ چنانچہ جب ان کی وفات کے بعد عمر خلیفہ مجھے  
اور وہ رقم ان کے پاس پہنچی تو وہ رو پڑے اور کہا:

”ابو بکرؓ اقامت نے اپنے ہاشمیین کے سر پر بہت بھاری بوجھ ڈال دیا ہے۔“

جو شخص ان اعلیٰ صفات اور خصائل کا مالک ہو اسے ان گنس چیز کا ڈھ ہو سکتا تھا اور  
کس شخص کی مجال تھی کہ ان پر زبان طعن و مزاح کرتا۔ تمام مسلمانوں بلکہ اسے عرب میں ان کی  
حق و خرد اصابت رائے صدق معقول ایمانی اعتلاص اور قربانی و انثار کے لیے بغیر جینے  
کی وجہ سے ان کیلئے سزا محروم کیا جاتا تھا۔ اگرچہ انی صفات حسنہ سے ان کی ناگی کا کوئی بھی  
قدر خالی نہ رہا لیکن انی کا اٹھا جس طرح خلافت کی ذمہ داریاں تفویض ہونے کے بعد بڑا پہلے  
نہ ہو سکا۔ انہیں باتوں کو دیکھتے ہوئے کسی بھی شخص نے ان بلند مقام کے بارے میں شک  
کیا اور کسی بھی جانب سے ان کے احکام کی سب آوری میں کسی قسم کے تردد کا اظہار نہ کیا گیا۔

## خالد بن ولید

خالد بن ولید کو ابو بکرؓ نے جس لشکر کی کمان سپرد کی تھی وہ تمام لشکروں سے زیادہ مضبوط تھا اور  
اس میں مجاہدین و انصار کے منتخب آدمی جمع تھے جن کا انتخاب خود خالد نے کیا تھا۔ صفات  
آئندہ میں آپ دیکھیں گے کہ ان لوگوں نے جنگ ہائے ارتداد میں بے نظیر کارنامے انجام دیے  
اور حراق و شام، یمن و حبشہ میں تو انھوں نے وہ معرکے کیے جنہیں کسی صورت فراموش نہیں  
کیا جا سکتا۔

ان فوجوں کی کامیابی کا راز خالد بن ولید کی سپہ سالاری میں مضمر تھا۔ تاکہ جو جنگی مہارت  
حاصل تھی اس کا سال کسی سے پوشیدہ نہیں۔ سکندراعظم، چنگیز خاں، ہولیس سینر، مہنی بال او  
چرمین کی شخصیتیں عوام کتنی ہی تحسین کریں نہ نظر آتی ہوں لیکن حق یہ ہے کہ خالدؓ کی شخصیت کے آگے  
وہ سب بیچ ہیں۔ وہ اسلام کے پہلے جلیل تھے اور ہر قسم کے خطرات و دشمنیات کو بالائے طاق  
رکھتے ہوئے دشمنوں کی صفوں میں داخلہ لکھس مانتا ان کا خاص شیعہ تھا۔ فتنہ جنگ سے گری  
واقفیت میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ دشمن کی ہر چال اور اس کا ہر منصوبہ ان کی نگاہ میں ہوتا تھا

اور مخالفت کی کوئی حرکت ان سے بھی دور نہ تھی تھی۔ تمام مسلمانوں کو ان کی صلاحیتوں کا علم تھا جو رسول اللہ نے انھیں جنگ جوتہ میں مسلمانوں کی قلیل انتہاء و فوج کو ہزار بار دوسوں کے نرے سے نکال لانے کی بنا پر سمیع اللہ کا خطاب مرحمت فرمایا تھا۔ زندگی بھر انھوں نے کبھی شکست نہ کھائی، ہمیشہ فتح یاب ہی ہوتے رہے اور اسی حالت میں وفات پائی۔

اسلام لانے سے قبل بھی خالد کا شمار قریش کے چوٹی کے بہادروں میں ہوتا تھا جنگ جوتہ اسرار و خندق میں وہ کفار کے دوش بے دوش مسلمانوں سے لڑے۔ سر تا پا زہری ہونے کی وجہ سے ان کی طبیعت میں خشونت تندی اور تیزی آ گئی تھی۔ دشمن کو سامنے دیکھ کر ان سے سلطان صبر نہ ہو سکتا تھا اور چاہتے تھے کہ جس قدر جلد ممکن ہو اس پر ٹوٹ پڑیں۔ اللہ کا فضل ہمیشہ ان کے شامل حال رہا اور نہ ممکن تھا کہ اپنی جلد بازی کے باعث انھیں بھاری نقصان سے دوچار ہونا پڑتا۔ دشمن بڑی سے بڑی تعداد اور کثیر الشملہ کے باوجود کبھی انھیں مرعوب نہ کر سکتا تھا صلح حدیبیہ سے اگلے سال رسول اللہ صومراۃ القضا کے لیے کوثر شریف سے گئے تو خالد مسلمانوں سے حدود جبر نفرت کے باعث مکہ چھو کر ہی چلے گئے۔ لیکن اچانک اللہ نے ان کے دل پر چڑے ہوئے تاریک پرے ہٹا دیے اور انھیں حق و صداقت سے آگاہی عطا فرمائی۔ رسول اللہ کے عزیز واپس تشریف لے جانے کے بعد خالد مکہ واپس آ گئے اور ایک روز انھوں نے قریش کے مجمع میں ملایہ کہہ یا رب ہر ذی عقل انسان پر یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ محمدؐ نہ جاوے گا ورنہ دشاعر ان کا کلام یقیناً اللہ کی طرف سے ہے۔ اب قریش کے لیے آپ کا اتباع اختیار کیے بغیر چارہ نہیں۔

خالد کی زبان سے یہ کلمات سن کر قریش کو سخت حیرت ہوئی۔ ان کے دھم میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ خالد کا میلان اسلام کی جانب ہو سکتا ہے۔ مگر عربین ابوجہل اور خالد کے تابع بہت بھی ہوتی لیکن غلامت بھول اس نے تیزی اختیار نہ کی۔ ابو سفیان اس اجتماع میں موجود نہ تھا۔ جب اسے اس واقعہ کا علم ہوا تو اس نے انھیں بلا کر پوچھا۔ کیا تمہارے اسلام لانے کی خبر پہنچ ہے؟ خالد نے جواب دیا: ہاں میں اسلام لے آیا ہوں اور محمدؐ کی رسالت پر یقین رکھتا ہوں۔ یہ سن کر ابو سفیان کو بہت خفا آیا اور اس نے کہانات اور حقوئی کی قسم ا

انگریزی بات ہے قریش محمد سے پہلے تم ہی سے ٹیٹ لیا ہوا تھا۔ مخالفانہ جواب دیا: اسلام بہ ہر حال سچا ہے خواہ کوئی شخص اس بات کو کتنا ہی تالیف نہ کیوں دکرے۔

اسلام لانے کے بعد خالد بن ولید چلے آئے۔ اپنی جنگی قابلیت کی وجہ سے انھوں نے مسلمانوں میں خاص قدر و منزلت حاصل کر لی اور اس امر کے باوجود کہ ان کی ساری عمر اسلام کی مخالفت میں گزری تھی، ہر شخص انھیں عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ اس عزت و توقیر میں گلاں قدر اضافہ اس وقت ہوا جب جنگ یرموک کے بعد انھیں دربار نبوی سے سعید اللہ کا خطاب مرحمت ہوا۔ بعد میں انھوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو اس خطاب کا پورا پورا مستحق ثابت کیا۔ عراق اور شام کی فتوحات انہی کے قندیلے سے ہوئیں۔ فارس اور روم کی عظیم الشان سلطنتیں جو اس زمانے میں روئے زمین کی مالک تھیں، انہی کے ہاتھوں نابود ہوئیں۔ ان ہی اوصاف کی بدولت انھیں مرتدین کے مقابلے میں سب سے بڑے لشکر کی سپہ سالاری نصیب ہوئی۔

## مرتدین کو آخری پیش کش

لشکروں کی روانگی سے قبل ابو بکرؓ نے مرتدین کو آخری موقع دینے کے لیے انھیں دوبارہ سامنے لائے اور امن سے رہنے کی دعوت دی۔ عرب کے ہر حصے میں انھوں نے متعدد خطوط ڈالے کیے جن میں اللہ کی حمد و ثنا کے بعد رسول اللہ کی رسالت اور ان کے بشیر و نذیر ہونے کا ذکر کیا اور بتایا کہ جب وہ کام چلے گا تو آپ دنیا میں تشریف لائے تھے تو اللہ نے آپ کو وفات سے دی۔ رسول اللہ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے ان خطوط میں یہ آیات بھی درج کیں، 'انک حقیقہ وانہم حقیقہ' 'اے رسول انھیں بھی وفات دینی جائے والے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی' 'وہا جعلنا بشر من قبلک المخلد افسون مات فہم المخلدون' 'اے رسول! ہم نے تجھ سے پہلے کسی شخص کو ہمیشگی (زندگی) سے نہیں لڑا تاہم جس نے وفات پا جائے اور دوسرے لوگ زندہ رہیں، تو وہاں محض خدا اور رسول خدا خلت من قبلہ اللہ علیہ وسلم' افسون مات او قتل المخلد علی اعقابکم و

من یقلب علی عقبیہ فلیکن فیہ من اللہ شیا وسیجنی اللہ الشاکرین (محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ اگر دوسرے رسولوں کی طرح محمد بھی فانی ہو جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو اپنی ایڑیوں کے بل پھرے گا تو وہ اللہ کو کوئی نقصان نہ پہنچائے گا اور عنقریب اللہ شکر گزار بندوں کو جزائے خیر دے گا۔)

## مرتدین کے نام خطوط

ان آیات کے مدح کرنے سے اب کبرۃ کا اعتقاد لوگوں کا فتنہ فروگنا تھا جو یہ کہہ رہے تھے کہ اگر محمدؐ کچھ جہتے تو کبھی وفات نہ پاتے۔

ان آیات کے علاوہ آپؐ نے لکھا:

"مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم میں سے بعض لوگ مسلمان ہوئے اور اسلام کے احکام پر عمل کرنے کے بعد جہالت اور شیطان کے بہکانے کے باعث دین حق سے پھر گئے ہیں میں تمہاری جانب مہاجرین الصار اور تابعین کا لشکر بھیج رہا ہوں میں نے اسے حکم دے دیا ہے کہ جب تک وہ تمہارے سامنے اسلام کا پیغام نہ پہنچا دے جنگ نہ کرے۔ پس جو شخص یہ دعوت قبول کرے گا اسلام کا اقرار کر کے تمام مخالفانہ سرگرمیوں سے باز آجائے گا اور نیک کام کرے گا اس کی جان بچتی کر دی جائے گی، لیکن جو شخص انکار کرے گا اور فساد پر آمادہ ہوگا اس سے جنگ کی جائے گی اور وہ اللہ کی تقدیر کو اپنے اوپر نافذ ہونے سے روک نہ سکے گا۔ ایسے لوگوں کو اگر گمراہی میں مبتلا یا ہائے گا اور بری طرح قتل کیا جائے گا۔ ان کی عورتیں اور بچے قیدی بنائے جائیں گے کسی شخص سے اسلام کے سوا کچھ قبول نہ کیا جائے گا۔ ان باتوں پر غور کرنے کے بعد جو شخص ایسا کرنے لگے گا تو یہ ایمان اس کے لیے بہتر ہوگا لیکن جو شخص بدستور حالت اعتقاد پر قائم رہے گا وہ اللہ کو ہرگز عاجز نہ کر سکے گا۔ میں نے تادم کو حکم دے دیا ہے



کرنے کا حق نہیں۔ اگر وہ اپنے دل میں ان باتوں سے مختلف باتیں چھپائے جو اس نے اپنی پائے سے ادا کی ہیں تو اس کا حساب بین مروت اللہ کا کام ہے۔ لیکن جو شخص قبل رحمت سے نکلا کر فتنے تو اس سے جہاں کہیں وہ بڑ چنگ کی جائے اور اسے قتل کیا جائے۔ اس سے اسلام کے سرا کوئی چیز قبل شکی قتل کرنے کے لیے تھار اور آگ دونوں استعمال کی جائیں۔

### بہترین سیاست کا کرشمہ

ابو بکرؓ نے اس موقع پر چالیسی اختیار کی وہ بہترین سیاست کا کرشمہ تھی بعض لوگ اس امر تعجب کا اظہار کرتے ہیں کہ ابو بکرؓ نے نہایت نرم دل ہونے کے باوجود اس قدر سخت رویہ کیوں اختیار کیا؟ لیکن اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ ابو بکرؓ کو اللہ اور اس کے رسولؐ پر جو کامل ایمان تھا اس کے باعث انھیں دین کے مقابلے میں فتنے کا کبھی خیال بھی نہ آیا۔ یہ درست ہے کہ نرم دل لوگ سختی اور تندی کو پسند نہیں کرتے۔ لیکن اگر کسی جانب سے ان کے عقائد پر دھچکا قرآن کی سختی کی انتہا نہیں رہتی۔ انسانی فطرت میں ایک خاص سنگ سختی اور نرمی کا مادہ رکھا گیا ہے مگر بعض اوقات جب معاملات اس قدر حد سے بڑھ جائیں تو اس کا رد عمل بالکل الٹ ہوتا ہے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی طبیعت پر سختی غالب ہوتی ہے انھیں دیکھ کر تو اس بھی نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کبھی نرمی بھی بت سکے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن پر نرمی نے پوری طرح غالب پا لیا ہوتا ہے اور انھیں دیکھ کر لیکن بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ کبھی سختی پر بھی اتر سکے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس قسم کے نظارے اکثر دیکھنے میں آتے ہیں کہ جب لوگوں سے سختی کی توقع نہیں کی جاسکتی وہ آسانی سختی پر آتے ہیں اور جن سے نرمی کی توقع نہیں کی جاسکتی وہ آسانی نرمی پر آتے ہیں۔ یہی ہے جو پچھلے دنوں کی جاہلی ہے کہ سختی احمدی ٹیڈن کی ضد و نفور ہے۔ بعض مصلحت کے نتیجے میں جب یہ ضد و نفور جاتی ہیں قرآن کا رد عمل بھی آسانی شدید ہوتا ہے۔

کیا کوئی شخص خیال کر سکتا تھا کہ اس امر کو شام بھیجے وقت ابو بکرؓ وہ رویہ اختیار کریں گے جو اب رہا جو بن اور انصار کی رائے کے بالکل خلاف تھا؟ یا منکرین دُکوا آ کے مقابلے میں اس قدر سختی برتن گئے کہ اسلامی منکر کے مدینے سے غیر حاضر ہونے کے باوجود چند آدمی لے کر ان کے

مقابلے کو نکل آئیں گے؟ انہی واقعات پر بس نہیں بکراؤ کے واقعات لے بھی لیا کہ ابو بکرؓ، جن کی سرشت میں نرمی کوٹ کوٹ کر بھری تھی، مخالفین کے مقابلے میں نہایت سخت دل واقع ہوئے۔ اس کی وجہ یہیسا کہ بیان کی جا چکی ہے، یہی ہے کہ ابو بکرؓ کو اللہ اور اس کے رسول پر کامل ایمان تھا اور انھیں وثوق تھا کہ انھوں نے جو چیز قبول کی ہے وہی حق ہے۔ اس لیے جب بعض لوگ اس چیز کے مقابلے کے لیے کھڑے ہوئے تو انہی سے ملحق ہو سکا اور وہ پورا عزم اور عظیم الشان محبت سے دین میں ختم اندازی کرنے والے لوگوں کے مقابلے میں ٹوٹ گئے۔ ابو بکرؓ نے حبیہ کو لیا تھا کہ اس وقت تک خاموش رہیں گے جب تک منکرینِ دُکوانہ اور مرتدین کو حق کی طرف نہ لے آئیں یا ان کا قطع قلع ذکر میں اور اگر اس غرض کے لیے انھیں تنہا بھی لڑنا پڑا تو اس سے بھی نہ ہٹ کر رہیں گے۔

## جنگِ ہائے ارتداد کی اہمیت

مرتدین سے جو جنگیں پیش آئیں ان کا شمار زماۃ اسلام کی فیصلہ کن جنگوں میں ہوتا ہے۔ اگر ان جنگوں میں مسلمان فتح پاؤں تو پھر جو کچھ وہی عمر سے میں عرب دوبارہ اسی پرانی جاہلیت کا شکار رہ جاتے جسے فنا کرنے کے لیے رسول اللہؐ اس دنیا میں تشریف لائے تھے، لیکن اللہ نے مقدر کر دیا تھا کہ اس کا دین غالب رہے گا۔ اس غرض سے اس نے ابو بکرؓ کو چنا تھا کہ وہ اتنی جلدی سے تمام دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کر کے انھیں دوبارہ حلقہ برگوش اسلام ہونے پر مجبور کر دیا۔ پوری تاریخ اسلام میں کسی بھی ایسی نظیر نہیں ملتی جہاں ایسے حکم ایمان کا اعجاز کیا گیا ہو جیسا ابو بکرؓ کے کیا اور عزم و استقلال کا جیسا نہایت دیا گیا ہو جیسا ابو بکرؓ نے دیا۔

(۷)

## طلیحہ اور جنگ بزانہ

قبائل عیسٰی، ذریابان، بزرگوار اور ان کے وہ بدو گار جنہوں نے مدینہ پر چڑھائی میں حصہ لیا تھا اور غزیریت دھرنے کے لیے طلحہ بن خلیلہ اسدی سے ہاکر مل گئے تھے۔ مزید برآں علی بن علقمان، سلیم اور وہ بدوی قبائل بھی جو مدینہ کے مشرق اور شمال مشرق میں آباد تھے طلحہ کے حامی بن گئے تھے۔ یہ سب قبائل عینہ بن حنن فزازی کی طرح کہتے تھے وہ عقیقہ قبائل (اسد اور علقمان) کا تھے۔ یہیں قریش کے نبی سے زیادہ محبوب ہے۔ محمد و وفات پانچ بجے ہیں لیکن طلحہ (زندہ ہے)۔

ان قبائل کو خوب معلوم تھا کہ ابو بکرؓ ان پر غزوہٴ جد کریں گے لیکن انہوں نے طلاق پیدا نہ کی اور رازِ لڑائی کی تیاریوں میں مصروف رہے۔ طلحہ کی مطالبات انہوں نے اس ضد میں اصرار کیا کہ حق کو وہ اپنے اور مدینہ کی حکومت کیوں تسلیم کریں؟ اپنی آزادی و حق کے کیوں چھوڑ دیں اور نیکوۃ جہاد کے سہم کا نامان ہے کیوں ادا کریں؟

طلحہ پہلے سمیرا میں مقیم تھا۔ وہاں سے بزانہ آگیا کیونکہ اس کے خیال میں لڑائی کے لیے بزانہ نسبتاً زیادہ مناسب اور محفوظ جگہ تھی۔

## طلحہ کا دعوائے نبوت

طلحہ نے رسول اللہؐ کی وفات کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا تھا بلکہ وہ اسوہ عیسٰی اور یسیر کی طرح آپؐ کی زندگی کے آخری روز ہی میں یہ دعویٰ کر چکا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کے برعکس عربوں کو دوبارہ بہت پرستی اختیار کرنے کی دعوت دی۔ . . . .

. . . . . کیونکہ بہت پرستی کو رسول اللہؐ عرب سے بالکل منسوب تھے اور اب اس سے چھیننے کا کوئی امکان باقی نہ رہا تھا۔ قریش کی دعوت عرب کے کناروں تک پہنچ چکی تھی اور رازِ

کے دلوں میں یہ بات رائج ہو چکی تھی کہ بت پرستی بذیان کی ایک قسم ہے جس سے ہر شریف انسان کو شرمناک پہنچے۔

مدعیانِ نبوت نے لوگوں میں یہ بات پھیلانی شروع کی کہ ان پر اسی طرح وحی نازل ہوتی ہے جس طرح محمدؐ پر نازل ہوتی ہے اور ان کے پاس بھی اسی طرح آسمان سے فرشتہ آتا ہے جس طرح محمدؐ کے پاس آتا ہے۔ ان میں سے بعض نے آیات قرآنی کے مشابہ کچھ عبارتیں بنانے کی کوشش کی اور جیسی بری بھلی وہ بھی انھیں لوگوں کے سامنے وحی آسانی کے طور پر پیش کیا۔ لیکن ان عبارتوں پر سرسری نظر ڈالتے ہی سے ان کی قلمی کھل جاتی ہے اور حیرت ہوتی ہے ان مدعیانِ نبوت کو کس طرح جرأت ہوئی کہ انھوں نے ایسی بے سرو پا باتوں کو وحی آسانی کا نام دے کر لوگوں کے سامنے پیش کیا اور وہ لوگ بھی کس عینیت کی ذہنیت کے مالک تھے جنہوں نے اس نامعقول اور بے ہودہ جبراس کو وحی الہی کچھ قبول کر لیا۔ ذیل میں فرقہ اس وحی کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے جو ظہیر پر اثر کرتی تھی۔

”والحمام والعام والاصود الصوام قد صمتم قبلکم بأعوام  
لعلی یؤمن ملکنا الصواق والشام۔“

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کابنِ لوگ مسیح موعفی عبارتیں لوگوں کے سامنے پیش کر کے ان پر رعب بٹھاتے تھے۔ قریش بھی یہ کر کر کر کے اللہ کا انکار کرتے تھے کہ شخص کابن ہے اور جو کچھ اس پر اترتا ہے وہ اسی قسم کی مسیح موعفی عبارتیں ہیں جو عرونا کابن لوگ بنا پاگئے ہیں لیکن باآغا غزویوں اور تمام انسانوں پر یہ حقیقت مسلط ہو گئی کہ قرآن محمدؐ کا معجزہ ہے اور جن دافس میں سے کسی کی طاقت نہیں کہ وہ اس کی نفیر پیش کر سکے۔ ظہیر اور اسود منسی وغیرہ بھی کابن تھے اور دوسرے کابنوں کی طرح انھوں نے بھی بعض مسیح و معجزہ عبارتیں جا کر انھیں اللہ کی طرف منسوب کر دیا تھا حالانکہ ان عبارتوں کو سننا بھی مذاقی سلیم پر گراں گزرتا تھا اور کوئی اندازہ ان عبارتوں کو نہایت دیکھتا تھا تو یہ کہ یہ بیانات سننے کے بعد لوگ کس طرح ان طریقِ نبوت کے پندوں میں گرفتار ہو گئے اور ان عبارتوں کو کلامِ الہی یقین کرنے لگے۔

ظہیر نے لوگوں کے سامنے جو قسم پیش کی وہ بیشتر پردہ اخفا میں ہے البتہ تاریخ سے

اتنا عز و ہوتا چلتا ہے کہ اس نے اپنے پیروؤں کو نماز میں رکوع و سجود کرنے سے منع کر دیا تھا اور کہا تھا اللہ کا یہ منشاء نہیں کہ تم اپنے چہرے زمین پر گرلو یا نماز میں اپنی ٹوٹھیں کمان بناؤ عصا بنات ظاہر ہے کہ اس نے یہ سب کچھ عیسائیوں کے طریقہ عبادت سے لیا تھا جلیسہ سیلہ اور ان جیسے دوسرے مدعیانِ نبوت کی پیش کردہ تعلیمات اور باتیں اس جیسے پر وہ اختلافیں ہیں کہ اس نے ان کے مسلمانوں نے انھیں مدون کرنے کی کوشش نہ کی۔ بعد میں جو چیزیں مدون ہوئیں وہ بھی صرف ان باتوں پر مشتمل تھیں جن سے دین اسلام کی تائید ہوتی تھی۔

ہر شخص کو علم ہے کہ صدر اول میں قرآن کریم کے سوا "جوابِ کوثر" کے حکم سے یک جا کیا گیا، کوثر چیزِ مدون نہیں کی گئی۔ احادیث کی تدوین بھی پہلی صدی ہجری کے بعد عمل میں آئی، جس حقیقت کے پیش نظر تعلیمات میں کوثر اور وہ سبکہ مدعیانِ نبوت کے متعلق جن روایات کا وجود ملتا ہے وہ بے سرو پائی ہوں خصوصاً اس صورت میں کہ یہ روایات اس زمانے کے عربی طرزِ بود و ماڈل نہ تھیں۔ تمدن اور رسوم کے پکس ہیں اور اس وقت کے واقعات و حالات سے قطعاً مناسبت نہیں رکھتیں۔

## مرتدین کی سرکوبی اور ضرار کی رواں گی

رسول اللہ کی زندگی ہی میں علیہ نے بنی اسد میں اسود بنی نے عین میں اور سلیم نے یامرمی نہرت کا دورانی کر دیا تھا۔ اسی لیے آپ نے ضرار بن ادور کو بنی اسد کے مسلمان عمال کے پاس یہ ہدایت دے کر بھیجا تھا کہ وہ مرتدین کے خلاف سخت کارروائی کریں۔ اس حکم کے مطابق مسلمانوں نے دارورات کے مقام پر پڑاؤ ڈالا اور علیہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سیر کے مقام پر فروکش ہوا۔ مختلف میدان آئے جہاں میں اپنی فتح یا ہار کی خبریں سن کر مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی اور مرتدین کی تعداد گھٹتی جاتی تھی۔ بالآخر ضرار نے علیہ سے جنگ کرنے کے لیے سیر کے جانب کوچ کرنے کا اعلان کر دیا۔ ایک مسلمان اس خیال سے کہ علیہ کو جنم حاصل کرنے کا شرف اس کے جھٹے میں آئے، فرج سے علیحدہ ہو کر علیہ کے گھب میں جا چنچا اور اس پر تلوار سے وار کیا لیکن تلوار اوچٹ گئی اور علیہ بچ گیا۔ یہ دیکھ کر علیہ کے حاشیہ بوداؤں نے خبر بات پھیلائی کہ ضرار

کر دی کہ ان کے نبی پر کوئی تجبیہ یا اثر نہیں کرتا۔

مسلمان طلحہ سے جنگ کی تیاریاں کرنے میں مصروف ہی تھے کہ رسول اللہ کی خبر وفات پہنچ گئی۔ اس پر ان میں اضطراب برپا ہو گیا اور ان کی تعداد گھٹنے لگی۔ بعض لوگ اسلامی لشکر سے جدا ہو کر طلحہ سے جا ملے۔

ادھر دیگر اہل باغیوں کی شکست کھانے کے بعد حبش میں اور ذبیحی کے قبائل بھی طلحہ سے مل گئے تو اس کی قوت و طاقت اور تعداد میں بے حد اضافہ ہو گیا اور غلام ہرین آئیکہ کو نظر آنے لگا کہ طلحہ کو مغلوب کرنا آسان کام نہیں۔

### حُثَیْنِہ اور مسلمہ کا الحاق

طلحہ کی قوت و طاقت میں مزید اضافہ اس وقت ہوا جب حبش میں اور ذبیحی کے علاوہ بعض دیگر قبائل بھی اس کے ساتھ مل گئے۔ واقعہ یہ ہوا کہ خواہ اسد و خلفان اور طہنی رسول اللہ کی بعثت سے پہلے ایک دوسرے کے حلیف تھے لیکن بعض رنجشوں کی بنا پر اسد و خلفان قبیلہ طہنی کے خلاف ہو گئے اور انہوں نے طہنی کے لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا۔ اس واقعہ کا اثر اتنا ہی نہ ہوا کہ اسد و خلفان اور طہنی کے درمیان دشمنی پیدا ہو گئی بلکہ بنی اسد و خلفان میں دوستی کا جو سابقہ مضامہ بہ لکھٹ گیا۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد حبش میں جو حسن خرازی نے خلفان کو جمع کر کے کہا کہ جب سے ہمارے اور بنی اسد کے درمیان اختلاف برپا ہو رہا ہے ہمیں ہمارے نقصان ہی پہنچ رہا ہے میں اب دوستی کے پرانے عہد سے کسی تہدید و طلحہ کی فضا برداری کا اقرار کرتا ہوں۔ واللہ! اپنے حلیف قبیلہ کے نبی کی اطاعت کرنا ہمارے لیے قریش کے نبی کی اطاعت کرنے سے بہتر ہے۔ پھر مکہ و نہات پا چکے ہیں اور طلحہ زندہ ہے۔

حبش کی قوم نے اس کی بات تسلیم کر لی اور طلحہ کی اطاعت کا اعلان کر دیا۔ اس طرح مرتدین کی شان و شوکت بہت بڑھ گئی اور ان قبائل میں جو مسلمان آباد تھے وہ بھاگ کر مدینہ پہنچ گئے۔

## مرتدین کو ابو بکرؓ کی جھکی

مذکورہ بالا قبائل نے براہِ میں جمع ہو کر ارتداد کا اعلان کیا اور مدینہ کی حکومت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ابو بکرؓ نے دو سکے قبائل کی طرح اُن سے بھی جنگ کرنے کا ارادہ کیا اور انھیں ایک خط بھیج کر یہ جھکی دی کہ اگر وہ دوبارہ دائرۂ اسلام میں داخل دہمے تو اُن سے جنگ کر کے انھیں تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ خالد کو طلحہ اور انس کے بعد مالک بن نویر سے جنگ کرنے کا حکم ملا تھا چنانچہ وہ ان بستیوں کی جانب روانہ ہو گئے۔ اسی اثنا میں قبیلہ طئی کے ایک سردار عدی بن ساقم زکواتہؓ کے مدد میں آئے۔ ابو بکرؓ نے انھیں بلا بالور ہدایت کی کہ وہ اپنے قبیلے میں جائیں اور مرتدین کو ڈرائیں کہ اگر وہ حالتِ ارتداد پر قائم رہے تو ان کا انجام اچھا نہ ہو گا۔ ادھر خالد نے فی الفور براہِ داخلہ کا قصد کیا بلکہ اُن کی طرف مڑ گئے اور یہ ظاہر کیا کہ وہ خیبر کی جانب جا رہے ہیں اور وہاں سے مزید ملک لے کر پھر براہِ داخلہ کی طرف کوچ کریں گے۔

## عدیؓ کی سعی و جہد

ابو بکرؓ کی ہدایت کے مطابق عدی نے اپنے قبیلے میں پہنچ کر لوگوں کو سمجھایا بھجایا اور انھیں دوبارہ اسلام لانے کی تلقین کی لیکن لوگوں نے ان کی بات سننے سے انکار کر دیا اور کہا: ”ہم ابو الفضل کی اطاعت کبھی نہ کریں گے۔“

اس پر عدی نے اُن سے کہا،

”تمھاری جانب ایک ایسا لشکر بڑھا چلا آ رہا ہے جو تم پر ہرگز دھم نہ کرے اور قتل و غارت کا بازدار اس طرح گرم کرے گا کہ کسی بھی شخص کو امان نہ مل سکے گی۔ میں نے تمھیں بھجا دیا ہے آگے تم جاؤ تمھارا کام۔“

عدی نے مسلمانوں کی قوت و طاقت اور بہادری کا ذکر تفصیل سے کیا اور انھیں بھجایا کہ ابو بکرؓ نے اپنے تمام مخالفین کو عربِ فسطح کی طرح مٹا دینے کا تہیہ کر لیا ہے اس لیے تم ملے ہو کر دے کے مخالفوں نے ان کی کسرت مذاقاً ابو الفضل کو چھوڑی تھی۔

امرو سے باز آجاؤ اور اسلام قبول کر لو ورنہ تمہارا انجام بہت برا ہوگا۔  
 عدی کی باتوں پر شک کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ وہ لوگ مشاہدہ کر چکے تھے کہ ابوبکرؓ  
 نے اسلامی لشکر کے مدینہ سے سیکڑوں میل دور سرحد روم پر ہونے کے باوجود ویس قربان اور  
 ان کے مددگار قتال کو بری طرح شکست دی تھی۔ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ خالد بن ولیدؓ باری  
 اور تندی و سختی میں ضرب المثل ہیں اور وہ ان کا مقابلہ کسی صورت بھی نہ کر سکیں گے۔

### بنی طئی کا دوبارہ قبول اسلام

عدی کی یہ باتیں سن کر بنی طئی نے باہم مشورہ کیا اور بالآخر طے پایا کہ عدی جو کچھ کہہ رہے ہیں  
 وہ بالکل سچ ہے اور انھیں دوبارہ اسلام لانے کی دعوت دینے سے ان کا مقصد ذاتی فائدہ  
 حاصل کرنا نہیں بلکہ محض اپنی قوم کی خیر خواہی ہے۔ چنانچہ انھوں نے عدی سے کہا:  
 ”ہم آپ کا مشورہ قبول کرتے ہیں۔ آپ خالد بن ولیدؓ کے پاس جائیں اور  
 انھیں ہم پر حملہ کرنے سے روک دیں۔ اس عرض میں ہم اپنے اہل بیاتوں کو  
 بلائے کی کوشش کریں گے جو بڑا اڑ میں غلیہ کے لشکر میں موجود ہیں کیونکہ وہیں  
 ڈبے، اگر ہم نے حکم کھلا غلیہ کی مخالفت کی تو وہ ہمارے ان بھائیوں کو قتل  
 کرادے گا۔“

عدی اپنی قوم کی یہ باتیں سن کر بہت خوش ہوئے۔ وہ فی الفور رخ پھینچے اور خالدؓ  
 سے جا کر کہا:

”آپ تین روز تک ٹھہرائیں۔ اس عرض میں آپ کے پاس پانچ سو سوار  
 جمع ہو جائیں گے جو دشمن کے مقابلے میں آپ کے لیے بے حد مفید ثابت ہوں گے۔  
 تین روز کا یہ انتظار اس واسطے بہتر ہے کہ آپ انھیں آگ میں پھنک دیں اور پھر  
 ان کے جھنڈے کا نشانہ بنیں۔“

خالد بن ولیدؓ کو کئی بات غنی دہی۔ وہ جنگی حالات سے پوری طرح باخبر تھے اور جاننے  
 تھے کہ اگر طئی کے آدمی غلیہ کا ساتھ چھوڑ گئے تو اس کی قوت و طاقت میں مستحکم کی واقعہ پہنچے گی

اور یہ بات مسلمانوں کے لیے بے حوصلہ نہ ہوگی۔ چنانچہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کوچ کرنے کا ارادہ  
تین دن کے لیے عسری کر دیا۔ عدی دوبارہ اپنے قبیلے میں پہنچے تو انھیں معلوم ہوا کہ قبیلے کے لوگوں نے  
طلحہ کے لشکر میں اپنے آدمیوں کو یہ پیغام بھیجا ہے کہ وہ فوراً واپس آجائیں کیونکہ مسلمانوں نے طلحہ  
کے لشکر پر حملہ کرنے سے پہلے ان پر چڑھائی کہ ان کے ارادہ کیا ہے اس لیے وہ آئیں اور اس  
حملے کو روکیں۔

یہ پیغام پہنچنے پر طلحہ کو مطلق شہر نہ ہوا اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگوں کو ٹہری خوشی سے اپنے  
قبیلے کی طرف واپس جانے کی اجازت دے دی۔ قبیلے میں پہنچ کر ان کی بات حیت اپنے آدمیوں  
سے ہر بی اور بہت کچھ بحث و تمحیص کے بعد انھوں نے بھی عدی کی رائے سے اتفاق کر لیا چنانچہ  
تمام لوگ دوبارہ اسلام قبول کر کے عدی کے ہزارہ خاندان کے پاس پہنچ گئے۔

اب خالدؓ نے انہیں کا قصداً کیا کہ ان کا ارادہ وہاں جا کر قبیلہ جدید سے جنگ کرنے کا تھا۔  
عدی نے پھر ہوا سخت کی اور کہا:

”قبیلہ صلی ایک پر تو ہے کے مانند ہے اور جدید قبیلہ صلی کا ایک پار ہے۔ آپ  
مجھے کچھ روز کی صلت دیں۔ شاید اللہ جدید کو بھی اسی طرح بچائے جس طرح عوث  
کو بچایا ہے۔“

خالدؓ نے بڑی خوشی سے عدی کی درخواست منظور کر لی اور انھیں جدید کی طرف جانے  
کی اجازت دے دی۔ وہ وہاں گئے اور کچھ بجھا کچھ انھیں بھی دوبارہ قبول اسلام پر آمادہ کر لیا۔ وہیں  
کے بعد وہ جدید کے ایک ہزار سوار لے کر خالدؓ کے پاس پہنچ گئے۔ انھیں عدی کے اس کاٹے  
کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قبیلہ صلی نے عدی جیسا حدیہ مقل مندہ بابرکت انسان آج تک  
پیدا نہیں کیا۔ وہ اس قبیلے کے بہترین فرد تھے۔

### مطلبے کے لیے طلحہ کا اصرار

صلی اور جدید کے دوبارہ قبول اسلام کی خبریں طلحہ کو براہ میں ملیں۔ یہ جہاں کہنے کی ضرورت نہیں  
کہ یہ سن کر اُسے کس قدر کھربھٹ ہوئی اور کس طرح اس کے سب عزائم پر اس پر لگی۔ لیکن اس کے

باوجود اس نے محنت و زہاری اور سیکڑوں سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ طلحہ کو شاید اس ارادے سے باز بھی آجاتا لیکن عیینہ بن حصین کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکا۔ عیینہ کو جو سات سو فزازیوں کے ساتھ طلحہ کے لشکر میں موجود تھا ۱۰۰ بزرگ اسے سخت دشمنی تھی اور وہ مدینہ کی حکومت پر کلمہ ی ضرب لگانا چاہتا تھا۔

عیینہ وہی شخص ہے جو خزوہ احزاب کے موقع پر بنی خزوہ کا سردار تھا۔ اس غزوے کے دوران میں جب کفار کے تعین لشکروں نے ہز قرینہ سے مل کر مدینہ پر زبردست حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا تو ان میں سے ایک لشکر کا سپہ سالار عیینہ تھا۔ خزوہ احزاب میں کفار کی شکست کے بعد بھی اس نے مدینہ پر حملے کا ارادہ کیا لیکن رسول اللہ نے خبر سے نکل کر اس حملے کو روکا اور اسے پیسا بونے پر مجبور کر دیا۔ یہ غزوہ ذی قرد کھلتا ہے۔ مگر لہذا اس کے حالات سے مجبور ہو کر اسے اسلام قبول کرنا پڑا لیکن اس کا دل بدستور اسلام کے خلاف نفس و عداوت سے بھرا ہوا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ کی وفات کے بعد اس نے اعلان کر دیا کہ وہ اب کربہ کی حکومت کبھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے طلحہ بنی اور جدیلہ کی جماعت اور ایک کثیر فرج سے محروم ہونے کے باوجود اپنی نبوت سے نہ ہٹ سکتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے یہ کیا تو عیینہ اس کا دشمن بن جائے گا اور اس کے خلاف بغاوت کا اس کی زندگی خطرے میں ڈال دے گا۔ اس لیے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ بدستور مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی تیاریاں کرتا رہے اور منتظر رہے کہ آئندہ کیا وقوع میں آتا ہے۔

### طلحہ کے خلاف پیش قدمی

قبیلہ بنی قریظہ کی دونوں شاخوں کو ساتھ ملانے کے بعد عائشہؓ نے طلحہ کے خلاف پیش قدمی شروع کر لی اور کاشف بن حصین اور ثابت بن اقرم انصاری کو دشمن کے حالات معلوم کرنے کے لیے لشکر سے الگ بھیجا۔ یہ دونوں عرب کے صغیر ترین فرخوار رہاوی میں ضرب اٹھ گئے۔ راستے میں ان دونوں کو طلحہ کا جہانی حیل مل گیا۔ انھوں نے اسے قتل کر ڈالا۔ جب طلحہ کو

یہ حال پہنچا تو اس کی روایت ہے کہ بنی قریظہ کے رہاویوں نے اسے قتل کر دیا تھا جسے طلحہ کا جہانی حیل تھا۔

بھائی کے قتل کی غیر پختہ تہود اپنے دوسرے بھائی سکر کو ساتھ لے کر ان دونوں کی تلاش میں نکلا۔ اور بالآخر انھیں پکڑ لیا۔ سکر نے ثابت کو تو مقابلے کی مہلت ہی نہ دی اور فوراً شہید کر ڈالا لیکن عکاشہ نے نہایت جرات مندی سے ظہیر کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ ظہیر کو مجبوراً اپنے بھائی سکر سے مدد لینا پڑی۔ ان دونوں نے مل کر عکاشہ کو بھی شہید کر دیا اور اپنے گھیب کو لوٹ گئے۔

## مسلمانوں میں اضطراب

خالد بن ولید لشکر لے آگئے بڑھے چلے آ رہے تھے کہ لوگوں نے ان دونوں پشیموں کی لاشیں میدان میں پڑی ہوئی دیکھیں۔ اس سے ان میں سخت یہ جان برپا ہو گیا۔ خالد نے یہی مناسب سمجھا کہ سرپرست دشمن کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ غمخیزی کر دیا جائے تاکہ لوگوں کے یہ جان میں کمی ہو جائے اور وہ اپنی فوج کو بیش از بیش منظم کر کے زیادہ کامیابی سے دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔ چنانچہ وہ لشکر لے کر بنی ملکی کی جانب لوٹ آئے اور مدی کی مدد سے لشکر کی تعداد میں مزید اضافے کی تدبیر شروع کر دیں۔ جب مسلمانوں نے دیکھ لیا کہ ان کی تعداد اور قوت و طاقت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے تو دو دو پارہ جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ چنانچہ خالد انھیں لے کر بنی ملکی پہنچے۔

## بنی ملکی کا اظہارِ معذرت

تیس اور جز اسد ظہیر کے ہوا۔ مسلمانوں سے لڑائی کے لیے جمع تھے بنی ملکی کے کچھ لوگوں نے خالد سے درخواست کی کہ بنی اسد کے مقابلے سے باز رکھا جائے کیونکہ وہ ہمارے حلیوت میں ایستہ تھیں کے مقابلے میں ہم آپ کی ہر طرح اداوار کر سکتے ہیں۔ خالد نے فرمایا۔

”تیس بھی شان و شوکت اور قوت و طاقت میں ہوا اسد سے کم نہیں لیکن میں

انھیں اختیار دیتا ہوں کہ تم کسی قبیلے سے چاہو لڑو چاہو نہ لڑو۔“

مگر مدی نے ہر شان و شوکت کا اظہار کرتے ہوئے کہا،

”واللہ! حلیوت ہونے کے باوجود مجھے کوئی چیز بنی اسد کا مقابلہ کرنے سے

باز نہ رکھ سکے گی۔ جب انھوں نے دشمنانِ اسلام کا ساتھ دیا تو وہ ہمارے

حلیف بھی نہ رہے۔ وائسڈ اگر میرا پناہ خاندان بھی اسلام کی مخالفت کرے گا تو  
میں اس سے بھی جدا کر دوں گا۔

یہ سُن کر خاندان نے کہا:

”اے ایک فریق سے لڑنا بھی جاوے ہی ہے تم اپنے اہل قبیلہ کی دالے کی مخالفت  
ذکر و بکر دی کرو جس میں تمہارے قبیلے والوں کی خوشی بہاؤ کسی قبیلے سے لڑائی  
کو جس سے تمہارے قبیلے والے لڑنا چاہیں؟  
چنانچہ ہر مٹی قبیلہ قبیس سے لڑے اور باقی مسلمان بڑا ہوا۔“

### آغاز جنگ اور فرارِ طلحہ

طلحہ کے لشکر کی کمان حمیزہ بن جحش کر رہا تھا۔ غزوہ طلحہ غمیہ میں مکمل ہو گئی اور اسے لوگوں کو دھوکا دینے  
کے لیے وہی کے اختتام میں بیٹھا تھا۔ جب لڑائی کا بار بار غر بگم ہو گیا اور حمیزہ کو خالد بن ولید کی  
قوت کا پتا چلا تو وہ طلحہ کے پاس آیا اور اس سے پوچھا:

”کیا جبریل آپ کے پاس کوئی دعوئی لائے؟“

”اُس نے کہا۔ ابھی نہیں؟“

یہ سُن کر وہ واپس چلا گیا اور لڑنے میں مشغول ہو گیا۔ جب لڑائی نے مزید شدت اختیار کی  
اور مسلمانوں کا دباؤ مزید بین پر بار پڑتا چلا گیا تو وہ پھر طلحہ کے پاس آیا اور پوچھا:

”اب بھی جبریل کوئی دعوئی لائے یا نہیں؟“

طلحہ نے وہی جواب دیا کہ ابھی نہیں۔ حمیزہ نے سمجھنا کر پوچھا:

”آخر کب تک لائے گی؟“

طلحہ نے کہا:

”میری عرض تو یہ کہ اعلیٰ ملک پہنچ چکی ہے۔ اب دیکھو کیا جواب ملتا ہے؟“

اس پر وہ پھر میدانِ جنگ میں گیا اور لڑنا شروع کر دیا۔ جب اُس نے دیکھا کہ خالد نے اس  
کو لشکر کا سامرو کر لیا ہے اور اب شکست کوئی دم کی بات ہے تو وہ گھبراہٹ کی حالت میں پھر طلحہ کے

پاس آیا اور پڑھ چھا۔

”اب بھی کوئی وحی نازل ہوئی ہے یا نہیں؟“

طلحہ نے جواب دیا: ”ہاں۔“

اس نے پوچھا: ”کیا؟“

طلحہ نے حرب بن ابی سفیان سے نقل کرتے ہوئے کہا: ”ان ایک رخصت کے بعد انا وحی دینا لانا لیا۔“ (تیرے پاس بھی وہی یہی پہلی ہے جیسی مسلمانوں کے پاس ہے اور تیرا ذکر بھی ایسا ہے جسے تو کبھی نہ بھولے گا۔) یہ سن کر عیینہ اپنے آپ کو قابض نہ رہا اور صراحتاً فرمایا:

قد علم الله ان مسیكون حدیث الانسواء (بے شک اللہ کو معلوم ہے کہ عتربہ ایسے واقعات پیش آئیں گے جنہیں تو کبھی نہ بھولے گا۔)

اس کے بعد وہ اپنی قوم کی طرف آیا اور پکار کر کہا:

”اے بنو خزاعہ! طلحہ کہہ رہا ہے کہ ۱۰ سے چھوڑ دو اور بھاگ کر جانیں بچاؤ۔“

یہ سن کر بنو خزاعہ اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ باقی لشکر طلحہ کے گرد جمع ہو گیا اور پوچھا کہ کیا سب ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ طلحہ نے پہلے سے اپنے لیے ایک گھوڑے اور اپنی بیوی لڑاکے کے لیے ایک اونٹ کا انتظام کر رکھا تھا۔ جب اس نے لوگوں کو اس پریشانی کی حالت میں دیکھا تو وہ گود کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اپنی بیوی کو بھی سوار کر کے کہتے ہوئے بھاگ کھڑا ہوا:

”جو شخص میری طرح اپنے اہل و عیال کو لے کر بھاگ سکے وہ بھاگ جائے۔“

## طلحہ کا دوبارہ قبول اسلام

اس طرح طلحہ کی طاقت و وقت پر اس نے ابو بکرؓ کے مقابلے میں جمع کی غلطی طیار میٹھ رہی تھی اور اس کی ضرورت کا خاتمہ ہو گیا۔ وہ بھاگ کر شام پہنچا اور وہاں بنو کلب میں سکونت اختیار کر لی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ ان تمام قبائل نے جو اس سے پہلے اس کے حلقہٴ اطاعت میں شامل تھے اسلام لے لیا، اہل عرب جنگ و کرب کی سبقت لے گئے۔ طلحہ کا مطلب یہ تھا کہ جس بھی ایسی ہی محنت جنگ و مشق ہے جیسی مسلمانوں کو اور اس جنگ کے، اوقات میں بھی نہ بھولیں گے۔

قبول کر لیا ہے تو وہ بھی اسلام لے آیا۔ کچھ عرصے کے بعد وہ عمرو کرنے کے ارادے سے مکہ آیا۔ جب وہ مدینہ کے قریب سے گزرنا تو بعض لوگوں نے ابوبکرؓ کو اطلاع دی۔ انھوں نے فرمایا: ”اب میں اس کے خلاف کیا کر سکتا ہوں۔ اس سے تو عرض ذکر و کبر کو اللہ نے اسے ہدایت دے دی ہے۔“

جب عمرؓ خلیفہ ہوئے تو طلحہؓ ان کی بیعت کرنے کے لیے آیا۔ اسے دیکھ کر عمرؓ نے فرمایا: ”تو حاکم اور ثابت کا قاتل ہے۔ میرا دل تیری طرف سے کبھی صاف نہیں ہو سکتا۔“

اس نے جواب دیا:

”امیر المؤمنین! آپ کو ان دو زل کی طرف سے کیا ٹکر ہے؟ اللہ نے انھیں میرے ہاتھ سے عزت کے جند مقام تک پہنچا دیا (شہادت دی) لیکن مجھے بھی ان کے انھوں سے ذلیل نہ کرایا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اس کی بیعت لے لی۔ پھر فرمایا: ”اے وہ غایب! تیری کمالت کا کیا بنا؟“

اس نے جواب دیا:

”امیر المؤمنین! وہ ختم ہو گئی۔ ہاں کبھی کبھی ایک دو عید نکلیں مار لیتا ہوں۔“ عمرؓ سے بھست ہو کر وہ اپنی قوم میں چلا آیا اور وہیں مقیم ہو گیا۔ عراق کی جنگوں میں اس نے ایمانوں کے مقابلے میں کاروائی نہ کیا بلکہ انجام دے۔

عمینہؓ بن حصین میدان جنگ سے فرار ہو کر اپنی قوم بنو نزارہ میں پہنچ گیا اور اعلان کر دیا کہ طلحہؓ کذاب اور بزدل ہے اور اپنے لوگوں کو مسلمانوں کے دھم و کرم پر چھوڑ کر خود اپنی بیوی کے ہمراہ فرار ہو گیا ہے۔

## دوسرے مرتد قبائل کا استیصال

خالدؓ بن ولیدؓ نے ایک مہینہ تمام فرمایا۔ اس دوران میں وہ ان قبیلہ قبائل کی سرکوبی میں

مصر و رے جہاں بھی تک ارتداد اور کفر کی پر قائم تھے اور اہم دلی سے مل کر مسلمانوں کے مقابلے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ انھوں نے ایسے لوگوں کو جن میں کفر قتل کا دیا جن کے ہاتھ بے گناہ مسلمانوں کے خون سے اکودہ تھے اور مرتدین کے متعدد سربراہ اور وہ اشخاص کو جو اسلامی فوجوں کے مقابلے کو بچلے تھے اگر فساد کے طریقہ پر مجبور کیا۔ ان لوگوں میں سے مشہور شخص یہ تھے: قرہ بن سبیر، فہاد قاسمی، ابو شہرہ بن عبد اللہ بن مسعود وغیرہ۔ یہ لوگ اس وقت تک حالت ایسی میں رہے جب تک ابو بکرؓ نے ان کے متعلق فیصلہ نہ سنایا۔

### بقیہ مرتد قبائل

اہم زہل اور غلیہ کے لشکر کے مغربیوں کا حال بیان کرنے سے قبل اس سوال کا جواب دینا ضروری ہے کہ ان لوگوں کا کیا بنا جو غلیہ کی قوم نئی آمد کی طرح دوبارہ اسلام میں داخل ہوئے؟ کیا ان کی عقل یہ تھا خدا کی جتنی کجی کہ جب غلیہ کا کذب ان پر بھرا ہوا گیا تھا قرہ و محمد رسول اللہ کی رسالت پر ایمان لے گئے؛ بات یہ ہے کہ اگرچہ سارے عرب کو رسول اللہ کے سامنے مجبوراً تسلیم ختم کرنا پڑا لیکن حقیقت وہ لوگ صدق دل سے آپ پر ایمان نہ لائے تھے۔ ان میں بہت سے لوگوں کو تہوں کی عبادت مندرجہ صوم ہوئی قرہ ان کی پرستش چھوڑ کر اللہ کی عبادت کرنے لگے۔ لیکن اس عبادت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ نے ان پر جو دوسرے فرائض عاید کر دیے وہ ان کے لیے بڑے تکلیف دہ تھے اور ان کی آرزو طبائع ان فرائض کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔ اسی لیے انھوں نے ان سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہا۔ جب الہکچہ کا نوا کیا تو ان لوگوں نے اولے نکوۃ سے اٹھا کر دیا کیونکہ مال کی محبت ان کے دلوں میں ہر چیز سے زیادہ رچی ہوئی تھی۔ اسی طرح وہ فساد اور دوسرے فرائض اسلام سے بھی نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ غلیہ، اسمیہ اور دوسرے مدعیان نبوت کی پیروی انھوں نے اسی لیے اختیار کی تھی کہ اپنی گردنوں سے وہ طرق آزار کو بچ سکیں جو فرائض اور ارکان اسلام کی شکل میں ان کی گردنوں میں ڈال دیا گیا تھا۔ چنانچہ غلیہ کے فارہو نے کے بعد بھی وہ اپنے آپ کو اسلامی حکومت کی اطاعت کرنے پر آمادہ نہ کر سکے اور دوسری جنگ جاکر خالد سے دوبارہ جنگ کرنے کی تیاری شروع کر دی

کیونکہ ان کا خیال تھا وہ بالآخر ضرور فتح یاب ہوں گے اور اب کبھی نہ کبھی جو کر سکیں گے کہ فرائض اسلام کی بجا آوری میں ان پر اتنی سختی ذکر یہ مخفی وہ آپ کر رہے ہیں۔

لڑائی کے چلے دو بار تیار ہو جائے گا ایک سبب اور بھی تھا اور اس کا تعلق بدوؤں کی نفسیات سے ہے: ان قبائلی اور ماہاجرین کا تصور کے درمیان پرانے جھگڑے چلے آئے تھے جب رسول اللہ نے ان پر غلبہ پایا تو انھوں نے تسلیم خم کر دیا اور آپ کے احکام کی بجا آوری پر بظاہر رضا مند ہو گئے۔ لیکن یہ سب کچھ انھوں نے برصاوت مجبوری اپنی مرضی کی خلاف ورزی اس لیے کیا کہ وہ مسلمانوں کے اعتقادات غلبہ ہو چکے تھے جو نئی انھیں کچھ سمجھتا تھا اور آزادی مئی وہ مسلمانوں کے حکومات اٹھ کر پڑے ہوئے اور ایک لمحہ بھی سوچ بچار میں ضائع نہ کیا۔ انھیں جبک خندق کا واقعہ یاد تھا جب قریب تھا کہ مدینہ اپنے دروازے کفار کے لیے کھول دیتا اگر ایک سخت آندھی کا فوں کے قیام منسور ہے تو بالآخر کے زندہ رہتی۔

برصاوت مسلمان ہونے کے بعد یہ لوگ چپکے ہو رہے اور دیکھنے دیکھنے کے لیے کہیا ہونے والا ہے یہاں تک کہ رسول اللہ کی وفات ہو گئی۔ پھر کیا تھا، یہ لوگ مدت ہو گئے اور انھوں نے سارے ملک میں فساد برپا کر دیا جب تک اسلامی فوجیں ان کی سرکوبی کے لیے نہیں انھوں نے اس وقت سے ناکہ اٹھا کر اپنی جمعیت کو مضبوط کر دیا، ان کا خیال تھا کہ قسمت ضرور ان کا ساتھ دے گی اور وہ دوبارہ اس آزادی و خود مختاری سے بہرہ ور ہو سکیں گے جس سے رسول اللہ کے عہد میں محروم ہو چکے تھے۔ اگر قیام قبائل اپنے اس توقع پر مضبوطی سے قائم رہتے تو یقیناً عداوت کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا اور وہ آسانی سے مرتدین پر فتح دے پاسکتے لیکن عدی بن حاتم کی کوششوں سے قبیلہ مدنی کی دونوں شاخیں طلحہ سے الگ ہو کر مسلمانوں سے مل گئیں۔ یہ دیکھ کر طلحہ کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، یہی گھبراہٹ اور پریشانی اس کی شکست اور سزا کا موجب بنی۔

طلحہ کے فرار ہونے کے بعد مدینہ بھی اپنے قبیلے میں جا کر بیٹھ رہا۔ اس دوران میں بنو حاتم جو طلحہ کے طوطوں کے دروں میں سے تھے اور بنو خزاعہ سے کچھ فاصلے پر آباد تھے اس تنازعہ میں رہے کہ کبھی کس غزنی کو غلبہ نصیب ہوتا ہے؟ جب حالہ نے بنو اسد اور قیس کو شکست فاش سے دی

تو نذر عامر نے باہم مشورہ کر کے طے کیا کہ اب ان کے لیے مسلمان جو جاننا ہی بہتر رہے گا، چنانچہ وہ بھی اسد مخطفان اور طینی کی طرح خالدؓ کے ہاتھ پر حیت کر کے اسلام میں داخل ہو گئے۔

## قاتلوں پر خالدؓ کی سختی

خالدؓ نے مخطفان، ہمازن، سلیم اور طینی کے لوگوں کی جان بخشی اس شرط پر کہ انھی کو وہ ان کو ان کے حوالے کر دیں۔ جنھوں نے ان غریب مسلمانوں کو قتل کیا تھا جو بڑا زمانہ ارتداد ان کے جھگل میں بچس گئے تھے۔ چنانچہ حبیب یہ لوگ ان کے سامنے پیش کئے گئے تو انھوں نے دوشوں کو عبرت دلانے کے لیے ان شراروں کے سوا باقی سب کو قتل کر دیا اور ان کی لاشیں آگ میں جلا دیں۔ ان کے بعد قزو بن ہبیرہ، عیینہ بن جھنم اور دوسرے شراروں کو بیڑیاں پہنا کر ابوبکرؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا اور ساتھ ہی حسب ذیل مضمون کا ایک خط بھی ارسال کیا:

”نذر عامر ارتداد کے بعد اسلام لے آئے لیکن میں نے ان کی جان بخشی اس وقت تک نہ کی جب تک انھوں نے ان لوگوں کو میرے حوالے نہ کر دیا جنھوں نے غریب و بکس مسلمانوں پر سخت ظلم ڈھائے تھے۔ میں نے اسے تمام لوگوں کو قتل کر دیا ہے۔ اس خط کے ساتھ قزو بن ہبیرہ اور اس کے ساتھیوں کو روانہ کر رہا ہوں۔“

## خالدؓ کی روش پر ابوبکرؓ کی خورشندی

خالدؓ نے جن لوگوں کو قتل مسلمانوں کی پاداش میں تلوار کے گھاٹ اتار دیا تھا ان کی طرف سے ابوبکرؓ کے دل میں قطعاً رنج پیدا نہ ہوا بلکہ انھوں نے ان دشمنان اسلام اور دشمنان رسولؐ کو اس سزا کا نذر واقعی مستحق سمجھا اور خالدؓ کو جواب میں لکھا:

”اللہ تعالیٰ اپنے انکسارات سے بہرہ ور کرتا رہے۔ میری نصیحت ہے کہ تم اپنے معاملات میں ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہو اور ہمیشہ تقویٰ کی راہ چلو کیونکہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے اور اس کے بندوں پر احسان

کرتے ہیں۔ اللہ کے راستے میں بڑھ چڑھ کر کام کرو اور کبھی سستی نہ برقرار رکھو اس شخص کو جس نے مسلمانوں کو قتل کیا ہو تاہم ہمارے لئے قتل کر دو۔ دوسرے لوگوں کے متعلق بھی جنہوں نے اللہ سے دشمنی اور کفر اختیار کر کے اس کے احکام کی خلاف ورزی کی اگر قصداً یہ خیال ہو کہ ان کا قتل کرو تاہم مناسب ہے کہ تمہیں ایسا کرنے کا اختیار ہے۔

ابوبکرؓ کا یہ خط خالدؓ کے پاس پہنچا تو انہوں نے مرتدین کو مرحوب کرنے کی پالیسی پر اوپر درشتوں سے عمل شروع کر دیا۔ چنانچہ ایک مہینے تک وہ بڑا خونخوار جنگیں کرتے رہے۔

### مرتد قیدیوں کو ابوبکرؓ کی معافی

لیکن خالدؓ کے برعکس ابوبکرؓ نے ان قیدیوں پر سختی نہ کی جو میدان جنگ سے یا بھلاؤ مدینہ پہنچے تھے عیسائی جن مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا اور عیسائی کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں سے جنگ کر چکا تھا۔ وہ قزوین ہجر کے ساتھ قید ہو کر مدینہ آیا۔ اس کے ہاتھ دھبوں سے بدھ ہوئے تھے۔ مدینہ کے لوگ اسے کھجور کی شاخوں سے مار رہے تھے اور کہتے تھے:

”اے اللہ کے دشمن! تیری ایمان لانے کے بعد کافر ہو گیا تھا؟“

عیسائی جواب دیا:

”میں تو کبھی اللہ پر ایمان نہیں لایا۔“

لیکن اس کے باوجود ابوبکرؓ نے اس کی جان بخشی کر دی اور اسے کچھ نہ کیا۔

### قرہ بن ہبیرہ

قرہ بن ہبیرہ بنو عامر سے تعلق رکھتا تھا رسول اللہؐ کی وفات کے بعد عمرو بن عامر عمان سے مدینہ آئے ہوئے راستے میں اس کے پاس ٹھہرے تھے اس وقت بنو عامر و قحط کے لیے پر قتل ہوئے تھے جب عمرو بن عامر نے وہاں سے کوچ کرنے کا ارادہ کیا تو قرہ نے عیسائیگی میں ان سے مل لیا۔

”عرب تھیں تاہاں (ذکوۃ) دینے پر ہرگز راضی نہ ہوں گے، اگر تم ان کے اموال انھیں کے پاس رکھتے دو اور ان پر ذکوۃ عاید نہ کرو تو وہ تمھاری باتیں ماننے اور اطاعت قبول کرنے پر رضامند ہو جائیں گے، لیکن اگر تم نے انکار کیا تو پھر وہ ضرور تمھارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔“

یہ سن کر عمرو بن حاص نے جواب دیا:

”مے قرہ؟ کیا قرہ کافر ہو گیا ہے اور ہمیں عربوں کا خوف دلاتا ہے؟“

جب قرہ امیر ہو کر مدینہ آیا اور ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر کیا گیا تو اس نے کہا:

”اے خلیفہ رسول اللہ! میں تو مسلمان ہوں اور میرے اسلام پر عمرو بن حاص گواہ ہیں۔ وہ مدینہ آتے ہوئے ہمارے قبیلے میں سے گزرے تھے میں نے انھیں اپنے پاس ٹھہرایا تھا اور بڑی خاطر ارض کی بھٹی:

ابوبکرؓ نے عمرو بن حاص کو بلایا اور ان سے قرہ کی باتوں کی تصدیق چاہی عمرو بن حاص نے سارا واقعہ بیان کرنا شروع کیا جب وہ ذکوۃ کی بات پر پہنچے تو قرہ کہنے لگا:

”عمرو بن حاص! اس بات کو جانے دو:

عمرو بن حاص نے کہا:

”کیوں؟ واللہ! میں تو سارا حال بیان کر دیں گا۔“

جب وہ بات ختم کر چکے تو ابوبکرؓ مسکرائے اور قرہ کی جان بخشی کر دی۔

### علقہ بن علاشہ

عضو وہ گزیر کی یہ پالیسی ابوبکرؓ کی جانب سے کمزوری کی آئینہ دار نہ تھی بلکہ اس سے صرف وہ جوش و خروش اس افغان سے سرور کرتا مقصود تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کا نادمہ ہو۔ لیکن جہاں مساند رسول اللہ کی رسالت تک پہنچتا تھا وہاں ابوبکرؓ کسی قسم کی نرمی ہرگز گوارا نہ کر سکتے تھے۔ اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے چند مثالیں کافی ہوں گی۔

بنی کلب کے ایک شخص علقہ بن علاشہ نے رسول اللہ کے زمانے میں اسلام قبول کیا

تھا لیکن آپ کی زندگی ہی میں مرتد ہو گیا اور شام چلا گیا۔ آپ کی وفات کے بعد وہ اپنے قبیلے میں واپس آیا اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری کرنے لگا۔ ابو بکرؓ نے خبر پا کر قتلعاب بن عمرو کو اس کے مقابلے کے لیے بھیجا لیکن مقابلے کی ذہت آنے سے پیشتر ہی غلط فہم ہو گیا۔ اس کی بیوی، بیٹیاں اور دوسرے ساتھی اسلام لے گئے اور اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ بعد میں غلط فہمی تائب ہو کر ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے اس کی توبہ قبول کر لی اور جہان بخشنی کر دی کیونکہ اس نے مسلمانوں سے جنگ کی تھی اور دوسری مسلمان کو قتل کیا تھا۔

## فجاءہ ایاس

لیکن اس کے مقابل انھوں نے فجاءہ ایاس بن محمد یا ایل کے مدد رات قبول نہ کیے اور اس کی جہان بخشنی ہی کی۔ یہ شخص ابو بکرؓ کے پاس آیا اور ان سے عرض کی کہ آپ مجھے کچھ ہتھیار دیجیے، میں جس مرتد قبیلے سے آپ چاہیں گے لڑنے کے لیے تیار ہوں۔ انھوں نے اسے ہتھیار دے کر ایک قبیلے سے لڑنے کا حکم دیا، لیکن فجاءہ نے وہ ہتھیار قبیلہ سلیم، عامر اور براءؓ کے مسلمانوں اور مدینہ و دہلوں کے مخالفات استعمال کیے اور کئی مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ اس پر ابو بکرؓ نے طریقہ بن صاحب کو ایک دستے کے ہمراہ فجاءہ کی جانب بھیجا۔ لڑائی میں فجاءہ گرفتار ہوا اور طریقہ اسے اپنے ہمراہ دے کر لے گئے۔ ابو بکرؓ نے اسے جلاوینے کا حکم دیا۔ ایاس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر فجاءہ مسلمانوں کو قتل نہ کرتا تو اسے اتنی ہولناک سزا دی جاتی جس پر بعد میں ابو بکرؓ کو انفس بھی ہزا۔

## ابو شجرہ

اسی شخص میں ابو شجرہ بن عبد العزیٰ کا واقعہ بیان کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ واقعہ صحیحہ قرۃ اور حلفہ کے واقعات سے ڈھکی چھپی مذہب مشابہت دکھاتا ہے۔ ابو شجرہ، مشر شاعر، خسار کا بیٹا تھا جس نے اپنے بھائی صخر کی یاد میں بڑے دل دوزخیشے کے ہیں۔ ابو شجرہ

بھی اپنی والدہ کی طرح شاعر تھا۔ وہ مرتدین سے مل گیا اور ایسے شرکے لگا جن میں اپنے ساتھیوں کو مسلمانوں کے خلاف جھڑکایا جاتا تھا اور ان سے لڑنے کی ترغیب دی جاتی تھی۔ چنانچہ منجھلا اور اشعار کے اس کا ایک شعر یہ بھی تھا:

فرویت رمحی من کتیبۃ خالد      دانی لا وجو بعد ہات اعسرا  
دیں لے اپنا نیزہ خالد کے لشکر کے خون سے سیراب کر دیاتے اور مجھے امید ہے  
کہ آئندہ بھی میں ایسی طرح کرتا رہوں گا۔

لیکن جب اس نے دیکھا کہ خالد کے غلات اس کی ترغیب و تحریص بار آور ثابت نہیں ہوئی اور لوگ بارہا اسلام قبول کر رہے ہیں تو وہ بھی اسلام لے آیا۔ ابو بکر نے اس کی بھی بانی بخشی کر دی اور اسے صاف کر دیا۔

عمر کے عہد خلافت میں ایک وفد ابو بکرؓ کو پاس آیا۔ وہ اس وقت زکاء کا مال  
غزہ میں تقسیم کر رہے تھے۔ ابو بکرؓ نے کہا:

”امیر المؤمنین! مجھے بھی کچھ دیکھیے کیونکہ میں حاجت مند ہوں۔“  
عمرؓ نے پوچھا، ”تو کون ہے؟“

جب انھیں معلوم ہوا کہ وہ ابو بکرؓ سے قرض آیا،  
”اے اللہ کے دشمن! کیا تو وہی نہیں جس نے کہا تھا:

فرویت رمحی من کتیبۃ خالد      دانی لا وجو بعد ہات اعسرا  
اس کے بعد انھوں نے اسے دسے مارنے کا حکم دیا مگر وہ بھاگ کر اونٹنی پر سوار  
ہو اپنی قوم بنو سلیم میں آگیا۔

## اہم نزل کا خرچ

جب لوگوں میں یہ خبریں مشہور ہوئیں کہ ابو بکرؓ ہاتھوں سے مسلمانوں کے متعلق غم و درگزر سے کام  
لے رہے ہیں جو مدتوں ہونے کے بعد اسلام لے آتے ہیں انہیں قبائل کا جوش و خروش ٹھنڈا ہو گیا  
جنہوں نے ظالم کی مدد کی تھی اور وہ بھی رفتہ رفتہ اسلام میں داخل ہو گئے لیکن غلط فہمی میں مسلمانوں

یہاں ان کے بعض لوگ جنہوں نے ہزاروں میں خاندان کے ہاتھوں شکست کھائی تھی، بھاگ کر ہم زل سلطی بنت، مالک کے پاس پہنچے اور وعدہ کیا کہ اس کے ساتھ مسلمانوں سے جنگ کریں گے اور جانیں قربان کر دیں گے لیکن پہنچے تو نہیں گئے۔ لارپ یہ مغربیوں استے تاش پڑا تھے کہ مسلمانوں کے خلاف ان کا جوش و خروش نہ ان کی عبرت ناک شکست ٹھنڈا کر سکی اور نہ ابو بکرؓ کا عہد و درگزر ان پر کچھ اثر کر سکا اور وہ ایک بار پھر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے سامع ہو گئے۔ مگر مسلمانوں سے ان کی نفرت اور ان کے خلاف سخت غیظ و غضب کا جذبہ ان کے دہل میں موج زن نہ ہوتا تو ظہیر کے بڑے دلدادہ فرار اور اس کے کذب و افتراء کا حال ظاہر ہو جاتے۔ لے بعد وہ ضرور مخالف کی اطاعت قبول کر لیتے۔ ہم دہل بھی مسلمانوں سے خارج کھائے بیٹھی تھی اور اس کے دل پر ایک ایسا چرکا لگا ہوا تھا جو مرد زمانہ کے باوجود منہ دل نہ ہو سکا تھا۔ اس لیے طبی امر تھا کہ براہ کاش شکست خوردہ لشکر ہم زل کے پاس جمع ہوتا اور اپنے مقتولین کا انتقام لینے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرتا۔

ہم زل ہم قزو کی بیٹی تھی جو رسول اللہ کے دہانے میں قتل کر دی گئی تھی۔ یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ زید بن حارثہ بنی خزاعہ کی جانب گئے۔ وادی القرنی میں ان کا سامنا بنی خزاعہ کے چند لوگوں سے ہوا۔ انھوں نے زید کے ساتھیوں کو قتل کر دیا اور خود انھیں گراختم پہنچایا۔ وہ اسی حالت میں مدینہ پہنچے۔ ان کے زخم منہل ہوئے پر رسول اللہ نے انھیں ایک لشکر کے ہمراہ دوبارہ بنی خزاعہ کی جانب روانہ فرمایا۔ اس مرتبہ زید کے لشکر کو کامیابی ہوئی بنی خزاعہ کے اکثر آدمی قتل یا مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ ان قیدیوں میں ہم قزو کا مہر بنت بدر بھی تھی۔ چونکہ اس نے اپنی قوم کے لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر انھیں مقابلے کے لیے تیار کیا تھا اس لیے اس جرم کی پاداش میں اسے قتل کر دیا گیا اور اس کی بیٹی ہم زل کو لونڈی بنایا گیا۔ یہ عائشہ صدیقہؓ کے جیسے ہی آئی لیکن انھوں نے اسے آزاد کر دیا۔ کچھ عرصے تک قریہ عائشہؓ ہی کے پاس رہی پھر اپنے قبیلے میں واپس چلی آئی۔ والدہ کے قتل نے اس کے دل میں انتقام کی آگ بھڑکادی تھی چنانچہ وہ اس انتقام دیں رہی کہ موقع ملنے پر مسلمانوں سے اس قتل کا بدلہ لے فتنہ اُرتا تو اس کے لیے یہ موقع جلد ہی ہم پہنچا دیا اور وہ براہ کاش کے ہریت

خودہ لشکر کو ساتھ لے کر مسلمانوں کے بالمقابل میدان میں نکل آئی۔

اس کی والدہ ام قریظ اپنی قوم میں بڑی عزت اور شان کی مالک تھی۔ وہ یسینہ بن جحش کی بیوی اور مالک بن حذافہ کی بیوی تھی۔ اس کے بیٹوں کا شمار بھی نبی خزارہ کے معزز ترین افراد میں ہوتا تھا۔ اس کے پاس ایک جنگی اونٹ تھا جس پر سوار ہو کر وہ دوسرے قبائل سے لڑنے کے لیے اپنی قوم کے آگے چلا کرتی تھی۔ اس کے مرنے کے بعد یہ اونٹ ام زحل کے چھتے میں آیا۔

عزت و اقتدار میں نام نہاد زحل بھی اپنی والدہ کی ہم پلہ تھی اور اس کا مرتبہ بھی اپنی قوم میں وہی تھا جو اس کی والدہ کا تھا۔ جب ابو بکرؓ اور خالدؓ کے مقابلے میں شکست کھانے والے معز و بن امیہ زحل کے گرد جمع ہوئے تو اس نے ان کی بہت بندھا کر انہیں ایک بار پھر خالدؓ کی فوج سے ٹکر لینے کے لیے تیار کرنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ اور لوگ بھی اس کے گرد جمع ہوتے گئے اور اس کی قوت و طاقت میں بے حد اضافہ ہو گیا۔ جب خالدؓ کو اس کا پتا چلا تو وہ براخو سے اس لشکر کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔

## ام زحل کی شکست

دو دنوں میں میدان جنگ میں آمنے سامنے ہوئیں اور لڑائی شروع ہو گئی۔ ام زحل اونٹ پر سوار اشتعال انگیز تقریروں سے بار بار فوج کو جوش دلادی لیتی۔ مرتدین بھی بڑی ہباوری سے جان فوکر لڑ رہے تھے۔ ام زحل کے اونٹ کے گرد سوار اونٹ اور تھے۔ جن پر پڑے پڑے ہلو سوار تھے اور وہ بڑی ہاموڑی سے ام زحل کی حفاظت کر رہے تھے۔

مسلمان شہسازوں نے ام زحل کے پاس پہنچنے کی سرگزشت کو کشش کی بلکہ اس کے مخالفوں نے ہر بار انہیں نیچے شاہو پلہ پر سے سواروں کو قتل کرنے کے بعد مسلمان ام زحل کے اونٹ کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو سکے۔ وہاں پہنچتے ہی انہوں نے اونٹ کی کونٹیں کاٹ ڈالیں اور ام زحل کو نیچے لگا کر قتل کر ڈالا۔ اس کے ساتھیوں نے جب اس کے اونٹ کو گرے اور اسے قتل ہوتے دیکھا تو ان کی بہت سے جواب دے دیا اور بدحواس ہو کر بے حاشا میدان جنگ سے بھاگنے لگے۔ اس طرح اس فتنے کی آگ شہادی ہو گئی اور جزیرہ خائف عرب کے شمال مشرقی حصے

میں ارتداد کا غائر ہو گیا۔

## جنوبی جھٹے کے مرتدین

ابو بکرؓ نے جس اولہ الفزی سے شمال مشرق عرب کی فضا و قوں کو فرو کیا تھا اس کا اتفاق سنایا تھا کہ باقی جھٹے اس سے عبرت حاصل کرتے اور اسلامی حکومت کی مخالفت سے باز آجاتے۔ انھوں نے دیکھ لیا تھا کہ ابو بکرؓ کے پیچھے ہوئے لشکر انتہائی نامساعد حالات میں بھی دارالافتخار سے سیکڑوں میل دور رہانے اور دشمن کو زیر کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔ انھیں خالد بن ولید کی فتح یابی اور طلحہ کے انجام کی بھی تمام خبریں معلوم ہو چکی تھیں۔ لیکن ان سب امور کے باوجود انھوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اصل میں ان کا خیال تھا کہ اگر قریش کا ایک شخص نبوت کا دعویٰ کر کے کامیابی حاصل کر سکتا ہے تو وہ مسیح قبائل کے لوگ کیوں نہیں کر سکتے۔ لیکن ان قبائل اور مدعیان نبوت نے حقیقت فراموش کر دی تھی کہ رسول اللہ کا مقصد ابلیس اپنی قوم کو توحید کی طرف بلانا تھا، اپنے لیے اقتدار حاصل کرنا اور کسی صلے یا انعام کا مطالبہ کرنا نہ تھا۔ توحید کی تبلیغ کے نتیجے میں تیس سال تک آپ کو سخت تکلیفیں پہنچانی گئیں۔ مکہ والوں نے آپ سے دشمنی کا برتاؤ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آپ کا بایکاٹ کیا گیا۔ آپ کو قتل کرنے کے مشورے کیے گئے اور بالآخر آپ کو مکہ سے نکل کر مدینہ کی جانب ہجرت کرنی پڑی۔ وہاں بھی مکہ والوں نے آپ کو چھین سے نہ بیٹھنے دیا اور بار بار مدینہ پر فوج کشی کی۔ انتہائی جدوجہد کے بعد آخر کار رسول اللہ کی مساعی باد آور ہو گئی اور عرب کثرت سے آپ کے صلہ اطاعت میں داخل ہونے لگے۔ لیکن مدعیان نبوت کی نفروں سے یہ تمام حقائق اور محمل ہو گئے۔ انھوں نے خیال کیا کہ اگر عہدِ سابقہ اپنی قوم کی سخت مخالفت کے باوجود کامیاب ہو سکتے ہیں تو وہ کیوں نہیں ہو سکتے۔ جب ان کی قوم پر یہی طرح ان کے ساتھ ہے۔ سو انھیں یہ یاد دہا کہ محمدؐ لوگوں کو دین حق کی تبلیغ کرتے تھے۔ وہ ان مدعیان نبوت کا سارا کاروبار ہی کذب و افتراء کی بنیادوں پر قائم تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ اس حالت میں کیونکر کامیاب ہو سکتے تھے؟

شمالی جھٹے سے فراطت حاصل کرنے کے بعد ابو بکرؓ نے جنوبی جھٹے پر تو بڑے سہول

کی جہاں کے لوگ بہ نسبت و حالات ارتداد پر قائم تھے اور کسی طرح بھی اسلام قبول کرنے کو  
تیار نہ تھے۔ ان لوگوں سے ہمدرد برکھونے اور انہیں راجہ داست پر لانے کے لیے الہیکو نے  
خالد کو پراخ سے بطاح اور وہاں سے پیامر جانے کا حکم دیا۔

بیٹو عامرا اور ان کے مسکن

عرب کے جنابی تھے میں بنی تمیم کے قبائل بنی عامر کے قریب ہی آباد تھے یہ قبائل مدینہ سے جانب شرق طلحہ نادر تک پھیلے چلے گئے تھے اور شمال شرق میں ان کی حدود مدینہ کے فرات کے دریا تک تھیں۔ بنو تمیم کو حمد یا ملت اور زمانہ اسلام دونوں میں قبائل عرب کے درمیان خاص مقام حاصل تھا۔ یہاں کے لوگ شجاعت اور سخاوت میں مشہور تھے اور شاعری اور فصاحت و بلاغت میں بھی یہ دوسرے قبائل سے کسی طرح کم نہ تھے۔ چنانچہ اب تک تاریخ اور ادب کی کتابوں میں اس قبیلے کی شاعرانہ، فنی، فطرت اور ادبی تاریخ کے کلاموں کا ذکر محفوظ چلا آتا ہے۔

اوائے زکوٰۃ سے انکار

چونکہ یہ تمام دریا کے فوار اور خلیج فارس تک آ جاتے تھے۔ اس لیے ایرانیوں کے بھی ان کا تعلق تھا۔ یہ لوگ زیادہ تر پرست تھے اگرچہ ان میں سے بہت سے یو سانی بھی ہو گئے تھے۔ دوسرے قبائل کی طرح یہ بھی مسلمانوں کی بالادستی قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ اسی لیے جب رسول اللہ نے اپنے مصلحتوں کو ان قبائل سے جزیہ وصول کرنے کی غرض سے بھیجا تو سب سے پہلے بنو تمیم نے جزیہ دینے سے انکار کیا اور بنو العنبر، بنو قریظہ اور بنو زید نے اس کا استقبال کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ رسول اللہ نے عینہ بن حجن کو ان کی طرف بھیجا جنہوں نے ان قبائل کو یہ فرمان طبع کیا اور ان کو لوگوں کو گرفتار کر کے اپنے ہمارے آئے۔ اس پر ان کا ایک وفد مدینہ آیا اور مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ اس وقت رسول اللہ اپنے حجرے میں تشریف فرما تھے۔ ان لوگوں نے یہ آواز

ہندو اپنی شرارت، عزت اور حسب و نسب کا واسطہ دے کر اور جنگ جین کے واقعات کا ذکر کر کے اپنے قیدیوں کی حامی کا مطالبہ کیا۔ رسول اللہ ان کی آغازیں سن کر باہر قشر لپٹے آئے۔ انھوں نے کہا: ”ہم آپ سے غور و بات میں متاثر کرنے کے لیے آئے ہیں۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا خطیب ان کے خطیب سے زیادہ فصیح و بلیغ، مسلمانوں کا شاعر ان کے شاعر سے زیادہ سحر بیان اور مسلمانوں کی گفتگو ان کی گفتگو سے زیادہ شیریں ہے تو یہ لوگ اسلام لے آئے۔ رسول اللہ نے ان کے قیدی رہا کر دیے اور انھیں اپنے ہمراہ لے کر غرضی خوشی واپس چلے گئے۔

رسول اللہ نے بنی قریظہ کی مختلف شاخوں کے لیے مختلف امیر مقرر فرمائے تھے۔ ان میں مالک بن نویرہ بھی تھا جو بنی ربیع کا سردار تھا۔ جب ان محال نے رسول اللہ کی خبر و وفات سنی تو ان میں اختلاف پیدا ہوا کہ آیا ابو بکرؓ کی خدمت میں زکوٰۃ بھی جائے یا حارثؓ کی اختیار کی جائے۔ اس اختلاف نے یہاں تک شدت اختیار کی کہ آپس ہی میں سخت لڑائی چر لے گئی۔ ایک فرقہ مدینہ کا تسلط قبول کرنے کو تیار تھا لیکن دوسرے فرقہ کو اس سے فکڑ تھا اور وہ ابو بکرؓ کو زکوٰۃ بھیجنے پر آمادہ نہ تھا۔ مالک بن نویرہ مؤثر الذکر فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔

### مقیمین میں سہاج کا ورود

ابھی ان محال میں یہ اختلاف برپا ہی تھا کہ سہاج بنت حارث عراق کے علاقے الجوزہ سے اپنے قبیلے تغلب کے ہمراہ وہاں پہنچے۔ تغلب کے علاوہ اس کے ساتھ دوسرے قبائل اور شہزادان کے لوگوں پر مشتمل ایک لشکر بھی تھا۔ سہاج اصل میں بنی قریظہ کی شاخ بنو ربیع سے تعلق رکھتی تھی لیکن اس کی خضیاں عراق کے قبیلہ تغلب میں تھیں۔ اس کی شادی بھی بنو تغلب ہی میں ہوئی تھی اور یہ وہی رہتی تھی۔ یہ بڑی ذکی اور فہم عورت تھی اور اسے کمالت کا دعویٰ بھی تھا۔ لوگوں کی قیادت اور دہبری کا فن اسے خوب آتا تھا۔ جب اسے رسول اللہ کی خبر و وفات ملی تو اس نے فوری تباہی کا ورود کیا اور انھیں مدینہ پر بل بوتے سے لے آنا دیکھنے لگی۔

## سبحان کے آنے کی غرض

بعض مروجین کہتے ہیں اور اپنے خیال میں وہ درست کہتے ہیں کہ سبحان کسی ذاتی لفظ اور کلمات کا کاروبار و وسیع کرنے کے لیے شمالی عراق سے سرزمین عرب میں دامون پہنچی تھی بلکہ اصل میں وہ عراق کے ایرانی عمال کی تکلیف پر پہلی آئی تھی تاکہ فتنہ و فساد پھیل سکے اور اس شورش سے فائدہ اٹھا کر اہل ایران اپنے دوہرا غلط اقتدار کو سنبھالوئے سکیں جو زمین میں دربار ایران کے مقرر کردہ ایک عامل بد بان کے اسلام لانے کے بعد سے گونا گونا شروع ہو گیا تھا۔

مذکورہ بالا مروجین اپنی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ سبحان واحد و عورت تھی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اس جیسی ہوشیار اور ذکی و فہیم عورتیں ہی اکثر اوقات جاسوسی اور لوگوں کو درغلانے اور پھیلانے کے کام پر مامور کی جاتی ہیں۔ چنانچہ اس کے ساتھ جیسی ہی ہزار عرب میں اس وقت تک ٹھہری رہی جب تک اس کی کوششوں سے فتنہ و فساد اور بغاوت کی آگ بڑھے اور اسے ذبح کر لیا گئی۔ جب اس کا مقصد پورا ہو گیا تو یہ عراق واپس چلی آئی اور بقیہ عمر سکون و اطمینان سے بسر کی۔

ایرانیوں کی مرثیت کو دیکھتے ہوئے کوئی تعجب نہیں کہ انھوں نے اسے بلا عیب و عیب میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کے لیے آلہ کار بنا یا ہوا اور پھیلا کیا ہوا بھلے اس کے کہ عرب پر چڑھائی کرنے کے لیے ایرانی فرج روانہ کی جائے اس ہوشیار عورت کے ذہنیے سے خود عربوں کو ایک دوسرے سے بھڑکانے کی طاقت غم کر دی جائے تاکہ کسی محنت و مشقت کے بغیر چیز دنیا پر دوبارہ تسلط ہوا سکے۔

## بنی تسمیم کا طرز عمل

سبحان ان عمال سے متاثرہ کہ جب یہ عرب میں داخل ہوئی۔ یہ طبعی امر تھا کہ وہ سب سے پہلے بنی قوم بن تسمیم میں پہنچی۔ بنی تسمیم کا اس وقت جو حال تھا۔ وہ ہم جیسے بیان کر چکے ہیں۔ ایک گنے و گناہ اور ادا کرنے اور غلطیہ رسول اللہ کی اطلاع کرنے پر آمادہ تھا لیکن دوسرا فریق اس کی محنت و

کر ہا تھا۔ ایک تیسرا فرق تھا جس کی کہمیں ڈانٹا تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔

اس اختلاف نے اتنی شدت اختیار کی کہ جو تقسیم نے آپس میں لڑنا اور جدال و قتال کرنا شروع کر دیا۔ اسی اثنا میں ان قبائل نے سہاج کے آنے کی خبر سنی اور انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ سہاج مدینہ پہنچ کر ابو بکرؓ کی فوجوں سے جنگ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ پھر تو اس اختلاف نے مزید وسعت اختیار کر لی۔

سہاج اس ارادے سے بڑھی چلی آ رہی تھی کہ وہ اپنے عظیم الشان لشکر کے ہمراہ اپنا ملک جو تقسیم میں پہنچ جائے گی اور اپنی نبوت کا اعلان کر کے انہیں اپنے آپ پر ایمان لانے کی دعوت دے گی۔ سارا قبیلہ بالاتفاق اس کے ساتھ ہو جائے گا اور عین کی طرح جو تقسیم بھی اس کے مستقل یہ کہنا شروع کر دیں گے کہ جو یہ بروج کی نبیہ قریش کے نبی سے بستر ہے کیونکہ محمدؐ وفات پا گئے اور سہاج زندہ ہے۔ اس کے بعد وہ جو تقسیم کو ہمراہ لے کر مدینہ کی طرف کوچ کرے گی اور ابو بکرؓ کے لشکر سے مقابلے کے بعد فتح یا ہجرت پر تاحض ہو جائے گی۔

### سہاج اور مالک بن نویرہ

سہاج اپنے لشکر کے ہمراہ جو یہ بروج کی حدود پر پہنچ کر ٹھہر گئی اور قبیلے کے سردار مالک بن نویرہ کو بلا کر مصالحت کر لے اور مدینہ پر حملہ کرنے کی غرض سے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ مالک نے صلح کی دعوت کو قبول کر لی لیکن اسے مدینہ پر چڑھائی کے ارادے سے باز رہنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ مدینہ پہنچ کر ابو بکرؓ کی فوجوں کا مقابلہ کر لے۔ بستر ہے کہ اپنے قبیلے کے مخالفت حضورؐ کا صفایا کر دیا جائے۔ سہاج کو بھی یہ بات پسند آئی اور اس نے کہا:

”جو حضاری مرضی میں تو رہی یہ بروج کی ایک عورت ہوں جو تم کو گے دی  
کہوں گی۔“

### مالک بن نویرہ کے اوصاف

سہاج اپنے ارادے سے فوراً کس طرح باز آ گئی اور مالک کی رائے کو بے بس دیکھ کر قبول

کر لیا۔ تاج محل کے مقابلے سے یہیں کوئی ایسی بات نہیں ملتی جو سماج کی دانے کی اس فحش تبدیلی کے باز سے پردہ اٹھا سکے۔ البتہ روایات سے یہ ضرور مسلم جتنا ہے کہ مالک اپنے قبیلے کا نہایت معزز اور صاحبِ اثر شخص تھا، اعلیٰ درجے کا شہسوار اور بلند پایہ شاعر تھا۔ مگر اس میں کوٹ کرٹ کر بھلا ہوا تھا۔ اس کی زلفیں لمبی لمبی اور غرضبودت تھیں۔ شیریں مقلان نہایت غرض مند اور آداب محاسن سے پروری طرح واقف تھا۔ اس کا بھائی ستم بن زورہ اگرچہ شہر گوئی میں اس کے ہم پل تھا لیکن صورت کے لحاظ سے دو ذل بھائیوں میں بعد الشقیق تھا۔ جہاں مالک انتائی خوش شکل اور وجہ تھا وہاں ستم بن زورہ انتائی بد صورت اور کاٹا تھا۔ ایک مرتبہ عرب کے ایک قبیلے نے چھا پامار کر ستم بن زورہ کو گرفتار کر لیا اور اپنے قبیلے میں لے جا کر اسے پسوں سے جکڑ لیا۔ جب مالک کو یہ خبر ملی تو وہ دشمنی پر سدا ہو کر اس قبیلے میں جا پہنچا اور لوگوں میں کھل کر باتیں کرنے لگا۔ اس نے اس خرابی سے ان کے دل بھلنے لگا انھوں نے ستم کو ذریعے بغیر ہار کر دیا۔ زمانہ جاہلیت میں بڑے غلبہ نے بھی ستم کو قید کر لیا تھا۔ مالک اس کا مذہب ادا کرنے کے لیے وہاں پہنچا وہ لوگ اس کے حسن و جمال کے بے حد متحیر ہوئے۔ وہاں بھی مالک اپنی خوش گفتاری اور شیریں زبانی سے ان کے دل بھانے میں کامیاب ہو گیا۔ انھوں نے ستم کا مذہب اپنے سے انکار کر دیا اور اسے قورا بھڑو دیا جتنا بچہ وہ رہا ہو کر اپنے قبیلے میں آ گیا۔ اسی طرح بہت لیکن ہے کہ سماج بھی مالک کی خوش گفتاری اور مردانہ خوبصورتی سے متاثر ہو گئی ہو اور اس کے کھنکھ سے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ فریغ کر دیا ہو۔

سماج نے مالک کے علاوہ دوسرے شہزادوں کو بھی مصالحت کی دعوت دی۔ لیکن دیکھ کے سما کسی نے یہ دعوت قبول نہ کی۔ اس پر سماج نے مالک کو کیج اور اپنے لشکر کے ہمراہ دوسرے شہزادوں پر دھاوا بول دیا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں جان نہیں کے کثیر تعداد آدمی قتل ہوئے اور ایک ہی قبیلے کے لوگوں نے ایک دوسرے کو گرفتار کر لیا لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد مالک دیکھنے نے یہ محسوس کیا کہ انھوں نے اس دعوت کی اتباع کر کے سخت غلطی کی ہے۔ اس پر انھوں نے دوسرے شہزادوں سے مصالحت کر لی اور ایک دوسرے کے قیدی نہیں کر دیے۔ اس طرح تجدیدِ قریم میں امن قائم ہو گیا۔

## سبحاح کی شکست

اب یہاں سبحاح کی حال گنتی مشکل تھی۔ اس نے بنو قحیم سے ہور یا بسترا ڈھایا اور مدینہ کی جانب کوچ کر دیا۔ بنی نضال کی ہستی پر پہنچ کر اوس بن خزیمہ سے اس کی مٹ بیٹھ رہی جس میں سبحاح نے شکست کھائی اور اوس بن خزیمہ نے اس شرط پر اسے واپس جانے دیا کہ اس امر کا پختہ اقرار کرے کہ کبھی مدینہ کی جانب پیش قدمی نہ کرے گی۔

اس واقعے کے بعد اہل جزیرہ کی فرح کے سزاوار ایک جگہ جمع ہوئے اور انھوں نے کہا:

”اب آپ ہمیں کیا حکم دیتی ہیں؟ مالک اور وحیح نے اپنی قوم سے صلح کر لی ہے۔ وہ ہمیں مدد دینے کے لیے تیار ہیں اور اس بات پر رضامند کہ ہم ان کی سر زمین سے گزر سکیں۔ ان لوگوں سے بھی ہم نے یہ معاہدہ کیا ہے اور مدینہ جانے کے لیے ہماری راہ مسدود ہو گئی جسے اب بتائیے ہم کیا کریں؟“

سبحاح نے جواب دیا:

”اگر مدینہ جانے کی راہ مسدود ہو گئی ہے تو بھی غور کی کوئی بات نہیں، تم یامر چلو۔“

انھوں نے کہا:

”اہل یامر شان و شوکت میں ہم سے بڑھے ہوئے ہیں اور سبیل کی طاقت و قوت بہت زیادہ پہنچی ہے۔“

ایک روایت یہ بھی آتی ہے کہ جب اس کے لشکر کے سرداروں نے سبحاح سے ”اُئدہ“ اقامت کے مستحق دریافت کیا تو اس نے جواب دیا:

عَلَيْكُمْ بِالْيَاهِرَةِ، وَذَوَاتِهَا حَيْفُ الْحَمَامَةِ، مَا تَهَاجِرُونَ وَفَّ حَرَامُهُ  
لَا يُلَاقِيَكُمْ بَعْدَ هَٰذَا نَدَامُهُ۔

(یامر چلو۔ کبوتر کی طرح تیزی سے ان پر چھوڑو۔ وہاں ایک زبردست جنگ پیش

آئے گی جس کے بعد تقصیر پھر کبھی نہ امانت ڈالنا ہی پڑے گی۔  
 یہ سب معنی اعتبار سے سننے کے بعد جسے اس کے لشکر والے وحی خیال کرتے تھے انہیں  
 اس کا حکم ماننے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نے کس مقصد کے لیے پیام کا قصد کیا جب خود اسے  
 اپنی قوم پر ترجیح میں دوائی کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اس کے بعد مدینہ کی جانب کوچ کرتے ہوئے  
 اس میں خیر کے اعتقاد سے شکست اٹھانی پڑی تھی۔ کیا اس کے لشکر میں کوئی شخص ایسا نہ  
 تھا جو ان کا کام لینے کے بعد اسے دیار نہ جانے کا مشورہ دیتا یا یہ خیال کیا جلتے اس  
 کی ضمانت پران لوگوں کو اس درجہ یقین تھا کہ وہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اس کی باتوں کو وحی  
 خیال کرتے اور نہایت فرماں برداری سے اس کی اطاعت اور اس کے احکام کی تعمیل میں کوئی  
 ترقیہ سعی و فکر گزاشت نہ کرتے تھے؟

## سہاج اور سلیمہ کی نشاوی

بچہ قریب ہے کہ سہاج کا سارا قصد ہی مجانب و غراب کا جو رہے۔ مومنین ذکر کرتے ہیں کہ  
 جب وہ اپنے لشکر کے ہمراہ میامہ پہنچی تو سلیمہ کو لیا فکر پیدا ہوا۔ اس نے سہاج کو وہ سہاج کی دیکھو  
 سے جنگ میں مشغول ہو گیا تو اس کی طاقت کمزور ہو جانے لگی، اسلامی لشکر اس پر حاد ہوا  
 دے گا اور اگر دے کے قبائل بھی اس کی اطاعت کا دم پھرنے سے انکار کر دیں گے۔ یہ سوچ کر  
 اس نے سہاج سے صدا دلت کرنے کی ٹھانی۔ پہلے اسے مختلف تمناؤں بھیجے پھر کہلا بھیجا کہ وہ  
 خدا سے ملنا چاہتا ہے۔ سہاج اپنا لشکر لیے پانی کے ایک چشمے پر مقیم تھی، اس نے سلیمہ  
 کو ہدایت کی اہانت دے دی۔ سلیمہ بنی حنیفہ کے چالیس آدمیوں کے ہمراہ اس کے پاس آیا۔  
 کیس میں پہنچ کر ضلوت میں اس سے تعلق آمیز گفتگو کی اور کہا کہ عرب کی آدمی زمین کے مالک  
 قریش میں اور مادی زمین کی مالک ہم۔ اس کے بعد سلیمہ نے کچھ مسیح و یحییٰ عبادتیں سہاج کو  
 سنائیں جن سے وہ بہت متاثر ہوئی۔ سہاج نے بھی جواب میں اسے اسی قسم کی بعض عبادتیں سنائیں  
 و ملاقات عامی و رنگ جاری رہی۔ سلیمہ نے اپنی خوش کلامی اور چال بازی سے سہاج کا دل

مرد لیا اور سراج کو اقرار کرتے ہی پڑی کہ سیلہ اس سے ہر طرح نائق ہے۔

سکھ کو پوری طرح اپنے قبضے میں لینے اور دم فرمانے کے لیے سیلہ نے یہ بخور پیش کی کہ ہم دونوں اپنی خبروں کو یکساں کر لیں اور باہم رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جائیں۔ سکھ نے جو پہلے ہی اس کی خوش گھائی اور محبت آمیز باتوں سے مسرور ہو چکی تھی، نہایت خوشی سے مشورہ قبول کر لیا اور سیلہ کے ساتھ اس کے گھسپ میں چلی گئی۔ تین روز تک وہاں رہی اس کے بعد اپنے وطن میں واپس آئی اور ساتھیوں سے ذکر کیا کہ اس نے سیلہ کو حق پر پایا ہے اس لیے اس سے شادی کر لی ہے۔

## سراج کا مہر

لوگوں نے اس سے پوچھا آپ نے کچھ مہر بھی منقر کیا؟ اس نے کہا: ”مہر تو منقر نہیں کیا، انھوں نے مشورہ دیا: آپ واپس جا بیٹھے اور مہر منقر کر کے آئیے کیونکہ آپ جیسی شخصیت کے لیے مہر لینے بے شادی کرنا زربا نہیں۔“ سچا سچ وہ سیلہ کے پاس واپس گئی اور اسے اپنی آمد کے مقصد سے آگاہ کیا۔ سیلہ نے اس کی خاطر مشا اور فخر کی فائدوں میں تخفیف کر دی، مہر کے بارے میں قیصریہ بڑا کہ سیلہ یا مہر کی ذمینگی کے لنگان کی نصف آمدنی سکھ کو بھجوا کرے گا۔ سراج نے یہ مطالبہ کیا کہ وہ آئندہ سال کی نصف آمدنی میں سے اس کا حصہ پہلے ہی ادا کرے۔ اس پر سیلہ نے نصف سال کی آمدنی کا حصہ اسے دے دیا جسے لے کر وہ جزیرہ واپس چلی گئی۔ بقیہ نصف سال کی آمدنی کے حصول کے لیے اس نے اپنے کچھ آدمیوں کو نو حنیفہ میں بھیج ڈیا اور وہاں وہیں مقیم تھے کہ اسلامی لشکر آ پہنچا اور سیلہ سے جنگ کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ سراج پرتوڑ جو قلعہ میں مقیم رہی یہاں تک کہ امیر حناویر سنے قلعہ دارے سال (عام النہام) اسے اس کی قوم کے ساتھ خیر عیم میں بھیج دیا جہاں دو وفات تک مسلمان ہونے کی حالت میں مقیم رہی۔

یہ سراج کا قصہ اور — جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں — بہت ہی عجیبہ و غریب ہے۔ وہ جزیرہ سے ابر کڑے پہنچنے کے دوران ہوتی ہے لیکن ملک بن فریرہ سے بات چیت کے بعد اس کی رائے بدل جاتی ہے اور وہ ویرن پر تدریجاً غلبے کے بجائے پیار کا رخ کرتی ہے۔

مسئلہ سے اس کی ملاقات ہوتی ہے اور ان دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔ شادی کے فوراً بعد وہ اپنے قبیلے میں لوٹ آتی ہے اور بقیہ ساری عمر اس طرح بسر کرتی ہے جیسے کبھی وہ اپنے قبیلے سے باہر نکل ہی نہ تھی اور اپنے پہلے غاویہ کے سوا کبھی سے شادی کی ہی نہ تھی۔

مسئلہ کا مسئلہ بھی سہاج کے مساٹے سے کم تر نہیں۔ اگر سہاج سے اس کی شادی کا قصہ درست ہے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسئلہ اول درجے کا سیاست دان اور لوگوں کے دل جذبات بھانپ بیٹھ والا شخص تھا۔ اس نے چاہا کہ وہ اس طرح سہاج سے چٹکارا حاصل کر لے تاکہ ابو بکرؓ کی بھیجی ہوئی افواج کا مقابلہ دل جمعی سے کیا جاسکے۔ اس نے سہاج کو میٹھی میٹھی اور مکیٹی چیرٹری باتوں سے مام کر لیا اور چال بازی سے کام لے کر اسے اس کے قبیلے میں واپس بھیج دیا۔ مالک بن نویرہ اور مسئلہ کے ساتھ سہاج کے تعلقات جس قسم کے رہے ہیں پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ سہاج ایک ہوشیار کامنڈر اسحٰب معنی مہارتیں جاننے میں ماہر بہت نرم طبیعت اور انسانی خصوصیات کی پوری طرح حامل تھی۔ اور مسئلہ بھی ایک ہوشیار سیاست من تھا۔ وہ غریب صورت ذہن لیکن میٹھی میٹھی باتوں سے لوگوں کے دل مرہ لیتا تھا۔ عورتوں سے اسے بہت کم رغبت تھی اور عورت کا حسن و جمال اس پر مطلق اثر نہ کرتا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے اپنی شریعت میں یہ بات رکھ دی تھی کہ جس شخص کے بیٹا پیدا ہو اس کے لیے اس وقت تک اپنی بہن بچہ بکے پاس جانا ناجائز ہے جب تک وہ بیٹا زندہ ہے۔ اگر بیٹا مر جائے تو دوسرے بیٹے کے حصول کے لیے پوری کے پاس جاسکتا ہے لیکن جس کا بیٹا مر جو دوسرا اس کے لئے غریب حرام ہیں۔

## مالک کی پریشانی

جس زمانے میں مسئلہ اور سہاج کے درمیان مندرجہ بالا واقعات ظہور پذیر ہو رہے تھے خالد بن اذہن میں مرتدین کو شکست دے کر اسلامی حکومت کی بنیادیں مضبوط کرنے میں مصروف تھے۔ ام نضل سے جنگ اور اس کے قتل کا واقعہ پیش آچکا تھا۔ سہاج میں مالک بن نویرہ تک یہ تمام خبریں پہنچ چکی تھیں۔ جنھیں سس کر اس کا دل کا چین اور رات کی غنیمت حرام ہو چکی تھی۔ اس نے دکر اتہ

کی اور آگے بند کر رکھی تھی اور سہارے سے مل کر جو مقیم کے مسلمانوں پر جو سختیاں تلگ کرنے کے باعث خالد کی نظروں میں مجرم قرار پا چکا تھا۔ اس کے لشکر کی حالت یہ تھی کہ سہارے کے لشکر کی مدد کے باوجود مقابل قبائل کے ہاتھوں اسے شکست ہو چکی تھی۔ دیکھ سہارے کا دستِ رحمت ٹھک رہتا تھا اس کا ساتھ چھوڑ کر مسلمانوں سے مل گیا تھا اور ذکاوت اور کردی تھی۔ ان حالات کی موجودگی میں مالک سخت پریشان تھا کہ کیا کرے کیا نہ کرے۔ آیا مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال دے اور پچھلے کی طرح اب کمر باندھ کر ذکاوت دینے کا اقرار کرے یا اپنے دادے پر قائم رہے کہ انتظار کرے کہ آئندہ واقعات کیا رخ اختیار کرتے ہیں؟

### خالد کا کوچ

خالد اسد مغلطان اور اس علاقے میں بسنے والے دیگر قبائل کی سرکوبی سے خالد جو پچھلے تھے۔ اور ان تمام قبائل نے اسلام قبول کرنا اور مدینہ کی حکومت کو تسلیم کرنا منظور کر لیا تھا چنانچہ کتاب ان قبائل کی طرف سے کوئی خطرہ باقی نہ رہا تھا اس لیے انھوں نے بطرح جا کر مالک بن زبیر اور دوسرے قبائل سے جو اجماعی نام کر دو تہذیب کی حالت میں تھے لڑنے کا ارادہ کیا جب انصار کو آپ کے اس ارادے کا علم ہوا تو انھوں نے کچھ تردد کا اظہار کرتے ہوئے کہا،

”عقیدۃ المسلمین نے ہمیں اپنی تہم کی طرف جاننے کا حکم دیا تھا۔ انھوں نے ہمیں یہ نیت کی تھی کہ جب ہم غلبہ کی سرکوبی سے خالد جو ہر جا میں اور اس علاقے کے لوگوں کو اپنا مطیع کر لیں تو وہ ہمارے حکم آنے تک ہمیں مقیم رہیں۔“

لیکن خالد نے ان کی بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا،

”میں سے ابو بکر نے خواہ کچھ ہی عہد لیا ہو لیکن مجھے پیش قدمی جاری رکھنے کا حکم دیا ہے۔ میں تمھارا امیر ہوں اور تمام خبریں مجھے تک پہنچتی ہیں۔ اگر یہ باطلت سے میرے پاس کوئی حکم نہ بھی پہنچے لیکن میں دیکھوں کہ دشمن پر قابو پانے کے بعض مواقع مجھے فراہم ہیں تو میں ان سے مزید فائدہ اٹھاؤں گا۔ اسی طرح اگر میں دیکھوں کہ میں مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے تو ان سے بچنے کے لیے

خلیفۃ المسلمین کی جانب سے کوئی ہدایت میرے پاس نہ بھی ہو پھر بھی میں جو قدم مناسب سمجھوں گا اٹھاؤں گا۔ مالک بن نویرہ کی شرارتیں روز بروز زیادہ ہوتی جا رہی ہیں اس لیے میں اس کے مقابلے کو ضرور جاؤں گا۔ میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔ اگر تم جانا نہیں چاہتے تو نہ جاؤ، میں عاجز ہوں اور کالہن کرنا سے جاؤں گا۔

چنانچہ انھوں نے انصار کو باغی میں چھیڑا اور خود بطاح کی جانب روانہ ہو گئے۔ بعد میں انصار کے باہم مشورہ کیا اور طے پایا کہ ان کے لیے کچھ رہنما مناسب نہیں۔ انھیں بھی اپنے ساتھیوں سے مل جانا چاہیے کیونکہ اگر خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ پر قابو پا لیا تو وہ اس فتح کے فائدے سے محروم رہ جائیں گے اور اگر خدا تعالیٰ نے خالد کے لشکر پر کوئی مصیبت پڑی تو لوگ یہ کہہ سکیں گے کہ خالد نے اپنے نازک موقع پر اپنے بھائیوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔ چنانچہ انھوں نے ایک قاصد کے ذریعہ خالد کو بلا بھیجا کہ وہ بھی آ رہے ہیں اس لیے اپنا کچھ ملوثی کرویں چنانچہ خالد انصار کے انتظار میں تھوڑی دیر بٹھر گئے۔

## مالک کا اپنی قوم کو مشورہ

جب خالدؓ لشکر کے براہ بطاح پہنچے تو انھوں نے میدان خالی پایا کیونکہ مالک بن نویرہ نے اپنی قوم کو گرد و زار میں منتشر کر دیا اور کہا تھا:

میں نے جو بیرون جہاں ہم نے اپنے امرا کا کامانا سمجھنا نہیں ابھی کی اٹھا  
کا مشورہ دیا تھا لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ہمدی حالت ایسی ہیں کہ ہم مسلمانوں کے مقابلے  
کر سکیں اس لیے میں تمہیں صلاح دیتا ہوں کہ تم دوبارہ اسلام قبول کر لو اور منتشر  
ہو جاؤ تاکہ کسی کو یہ شبہ بھی پیدا نہ ہو سکے کہ تم مسلمانوں سے لڑنا چاہتے ہو۔  
اپنی قوم کو منتشر کرنے کے بعد وہ خود بھی دوپیش ہو گیا۔

بطاح پہنچ کر جب خالدؓ نے میدان خالی پایا تو انھوں نے اپنے لشکر کو مختلف سمتوں میں  
منتشر کر کے ارد گرد کے علاقے میں روانہ کر دیا اور حکم دے دیا کہ اگر مالک کے قبیلے کا کوئی

شخص کہیں مل جائے تو پہلے اس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے، اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکاری ہو تو اسے ان کے سامنے حاضر کیا جائے، اور جو شخص اپنے سے انکار کرے ہے فی الغر قتل کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں ابو بکرؓ کی ہدایت اپنے امراء کو پہنچی کہ جب سلاطین کسی جگہ پڑاؤ ڈالیں تو انہیں دیں۔ اگر اس کے جواب میں قریشی یستویوں سے اذان کی آواز آئے تو انہیں چھوڑ دیں مگر اگر آئے تو ان کا مقابلہ کریں۔ بعد میں بھی اگر وہ اسلام کا اقرار کریں تو انہیں چھوڑ دیں اور ان سے ذکوہ کے متعلق دریافت کریں۔ اگر وہ ذکوہ دینے کا اقرار کریں، فیماورد انہیں قتل کر دیں۔

### مالک بن نویرہ کی گرفتاری

خالد بن ولیدؓ نے جو دستے فوجی علاقوں میں بھیجے تھے ان میں سے ایک دست مالک بن نویرہ کو بنو نضیرہ کے چند آدمیوں کے ساتھ گرفتار کر کے لے آیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ابو بکرؓ کی ہدایت کے مطابق اگر مالک اور اس کے ساتھی اسلام کا اقرار کر لیتے تو خالد انہیں چھوڑ دیتے مگر بنو نضیرہ یہ کہ انہوں نے مالک کو قتل کرنے کا حکم دے دیا اور وہ قتل کر دیا گیا۔

مالک کے قتل نے مدینہ میں سخت بیہان برپا کر دیا بعد جو عیش و خروش اس موقع پر برپا ہوا وہ عرصے تک ٹھنڈا نہ ہو سکا۔ عمرؓ کی خلافت کے دوران میں عمرؓ اور خالدؓ کے درمیان جو معاملات پیش آئے ان میں مالک بن نویرہ کے قتل کو بھی بہت دخل تھا۔

### قتل مالک پر مختلف روایتیں

مالک بن نویرہ کے قتل کے متعلق روایات میں بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ واقعہ اس طرح ہوا کہ خود ان لوگوں میں جو مالک اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے لائے تھے، باہم اختلاف تھا کہ آیا مالک اور اس کے ساتھیوں نے اسلام کا اقرار کر لیا تھا اور ان کی کھاد کا جواب دیا تھا یا نہیں؟ طبریؒ میں ابو تمادہ انصاریؒ (جو خود بھی مالک کو گرفتار کرنے والوں میں شامل تھے) کی روایت آتی ہے: ”ہم نے اس وقت ان لوگوں پر چھاپا مارا تو انہوں نے ہتھیار

اٹھایے۔ ہم نے کہا، ہم مسلمان ہیں نہ انھوں نے جواب دیا، ہم بھی مسلمان ہیں، ہم نے پوچھا، اگر تم مسلمان ہو تو ہتھیار کیوں اٹھائے ہوئے ہو؟ انھوں نے کہا، یہ ہتھیار ہمارے مقابلے کے لیے نہیں، ہم نے کہا، اگر تم واقعی مسلمان ہو تو ہتھیار رکھ دو، چنانچہ انھوں نے ہتھیار رکھ دیے۔ اس کے بعد ہم نے نماز پڑھی اور انھوں نے بھی ہمارے ساتھ نماز ادا کی؟

یہاں تک کہ سب لوگ متفق تھے، اختلافات آگے چل کر شروع ہوئے۔ اب وہاں کہتے تھے کہ ان لوگوں نے اوائے زکوٰۃ کا اقرار بھی کر لیا تھا لیکن دوسرے لوگ کہتے تھے ہمیں انھوں نے زکوٰۃ دینے کا اقرار نہیں کیا اور زکوٰۃ نہ دینے پر اصرار کیا، گواہوں کے درمیان اختلافات کی موجودگی میں خاندان کے لیے کوئی قطعی فیصلہ کرنا مشکل تھا، چنانچہ ایک روایت کے مطابق انھوں نے فی الحال مالک اور اس کے ساتھیوں کو قید کرنے کا حکم دے دیا۔ رات نکت ٹھنڈی تھی اور جوں جوں دھند گزرتا جاتا تھا خشکی بڑھتی جاتی تھی، خاندان نے قیدیوں پر نرمی کھاتے ہوئے یہ اعلان کر دیا، ”اذخروا اسلامکم“ چارپے قیدیوں کو گرہ پیچھاؤں، لیکن کن ذل زبان میں عداوت کا لفظ قتل کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ اتفاق یہ ہوا کہ جن لوگوں کی تحریل میں یہ قیدی تھے وہ کن ذل سے قتل رکھتے تھے جب انھوں نے عداوت کرنے والوں کی آمادہ سنی تو خیال کیا کہ خاندان نے ان قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے تلواروں سے ان کا کام تمام کر دیا۔ جب خاندان نے سچے دیکھا سنی تو وہ اپنے خیمے سے باہر آئے لیکن اس وقت تک تمام قیدیوں کا کام تمام ہو چکا تھا۔ انھوں نے فاتحہ سن کر فرمایا،

”حب الله کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ ہوا کرتا ہے“

لیکن اس کے بالمقابل ایک دوسری روایت میں یہ آتا ہے کہ خاندان نے مالک کو اپنے پاس بلا کر باتیں کرنی شروع کیں تاکہ معلوم کریں کہ وہیں گواہیوں میں سے کوئی سی درست ہے، اس کے اسلام لانے کی یا انکار اور اسے زکوٰۃ سے انکار کرنے کی، جب اوائے زکوٰۃ کے متعلق بات چیت ہو رہی تھی تو مالک نے کہا،

”میرا تو خیال نہیں کہ ہمارے صاحب نے تمہیں ایسا حکم دیا ہو گا؟“

خاندان کے یقین ہو گیا کہ وہ اوائے زکوٰۃ سے انکار ہی ہے۔ انھوں نے سمجھ کر کہا:

”کیا تو انھیں اپنا صاحب خیال نہیں کرتا؟“

یہ لوگ انھوں نے اس کی اور اس کے ساتھیوں کی گردنیں مارنے کا حکم دے دیا۔

ابو الفرج اپنی کتاب ’الافغانی‘ میں اس گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”ابن سلام کی روایت ہے خالد کو غلطی پر سمجھنے والے کہتے ہیں کہ گفتگو کے دوران میں مالک نے خالدؓ سے کہا :

”کیا تمہارے صاحب (رسول اللہ) نے تمہیں اسی بات کا حکم دیا ہے؟“  
اسل میں اس کی مراد یہ نہ تھی کہ وہ اوروں کے زکوٰۃ کا منکر ہے بلکہ یہ تھی، کیا رسول اللہؐ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ ہر لوگ اٹائے زکوٰۃ کے منکر ہوں ان پر چڑھائی کرو؟ لیکن ہر لوگ اس معاملے میں خالدؓ کو بے تصور سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کس نے واقعی اسلام سے انکار کیا تھا اور دلیل میں مالک کے کیا شمار پیش کرتے ہیں؟

وَقُلْتُ خَلَدًا وَامْرَأَتَهُ خَبِيرًا نَافِعًا وَلِإِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ

فَإِنْ خَلَدًا وَامْرَأَتَهُ خَبِيرًا نَافِعًا وَابْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ

(میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اپنے اموال کیسے دھڑک قبضے میں رکھو

اور خود بھجور کہ کل کیا وقوع میں آتا ہے۔ پھر اگر خوفناک امر (اسلامی حکومت) کو کوئی

قائم کرے تو ہم اس کی مخالفت کریں گے اور کہہ دیں گے کہ وہ دین دہی ہے جو عسک

لائے تھے)

یعنی اس نے اپنی قوم کو بدایت کی غلطی کہ وہ کسی صورت بھی زکوٰۃ ادا نہ کیے اور اٹائے زکوٰۃ

پر امر کیا جائے تو یہ کہہ دیا جائے کہ ہم تو محمدؐ پر ایمان لائے ہیں، ابو کو دھوکے دین پر نہیں۔“

ابن خلکان یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ جب خالدؓ نے مالک کو گفتگو کے لیے بلایا تو اس

نے کہا :

”میں خازن چھنے کا اور کمزور ہوں لیکن زکوٰۃ دینے سے انکار ہی ہوں۔“

خالدؓ نے فرمایا :

”کیا تجھے معلوم نہیں کہ خازن اور زکوٰۃ ایک ساتھ قبول ہوتی ہیں۔ نماز کے

غیر زکوٰۃ اور زکوٰۃ کے بغیر فرائض قبول نہیں ہوتی؟  
مالک نے کہا:

”کیا آپ کے صاحب بھی یہی کہتے تھے؟“

خالدؓ نے جواب دیا:

”کیا تو انہیں اپنا صاحب خیال نہیں کرتا؟ اللہ کی قسم! میں نے شری گروں  
کھانے کا سهم لادہ کر لیا ہے؟“

اس کے بعد بحث طویل ہو گئی اور گفتگو میں تیزی آتی گئی۔ آخر خالدؓ نے کہا،  
”میں تو تجھے قتل کر کے رہوں گا۔“

اس نے کہا

”کیا تمہارے صاحب نے تمہیں یہی حکم دیا تھا؟“

خالدؓ نے کہا،

”اب تو میں تجھے غزوہ قتل کر دوں گا۔“

یہ کہہ کر آپ نے اپنے آدمیوں کو اس کی گردن مارنے کا حکم دے دیا۔

بعض لوگ غزوہ الذکر روایت کو پہلی روایت پر ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے  
ہیں کہ یہ روایت اوجھڑی معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ قصہ قرہ بن ہبیرہؓ، فہارۃ اسلمیؓ، ابو ثعلبہؓ اور  
دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی پیش آچکا تھا لیکن خالدؓ بن ولیدؓ نے مالک بن نویرہؓ کی طرح انہیں  
قتل نہ کیا بلکہ ابو کبیرہؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا کہ وہ ان سے جو سلوک مناسب سمجھیں کریں۔ مالک  
بن نویرہؓ کا جرم ان لوگوں کے کسی طرح بھی بڑھ کر نہ تھا پھر انھوں نے اسے کیوں قتل کر دیا۔  
اور غلیظۃ المسلمین کے پاس نہ بھیجا؟ حالانکہ جزئیہ میں اسے جودہ ہوا اور سرخ حاصل تھا وہ  
ان لوگوں سے کسی طرح بھی کم نہ تھا اور خالدؓ اس سے خوب واقف تھے۔

ان لوگوں کی رائے میں اس روایت کی تحمیل اس طرح ہوتی ہے کہ خالدؓ نے مالک کی  
بیوی سے عین اس وقت شادی کر لی تھی جب مالک کا خون بھی زمین میں جذب نہ ہوا تھا۔  
ان لوگوں کے خیال میں یہ شادی ہی مالک کے قتل کا اصل سبب تھی۔

شیر موزخ یعقوب اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :

”مالک بن نويرة خالد بن ولید سے ہاتھ پرست کرنے ان کے بیٹے میں آیا تو اس کی بیٹی بھی ساتھ ہی آئی۔ اس کی خوبصورتی نے خالد کو بہت متاثر کیا اور انھوں نے اس سے کہا ”میں تو تجھے ضرور قتل کروں گا۔“ چنانچہ انھوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کی بیوی سے شادی کر لی ؟

ابو الفرج اصبہانی کتاب الامانی میں لکھتے ہیں :

”جب سہاج نے نبوت کا دعویٰ کیا تو مالک نے اس کی بیوی اختیار کر لی لیکن پھر پرہیزگار کیا کہ وہ اسلام لے آیا ہے۔ خالد نے جب اسے قتل کیا تو سہاج کی ایک جماعت نے اس پر سخت اعتراض کیا کیونکہ انھوں نے مالک کے قتل کے بعد اس کی بیوہ سے شادی کر لی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خالد اس سے جاہلیت کے زمانے ہی سے پسند کرتے تھے۔ اس لیے ان پر یہ قسمت لگائی گئی، انھوں نے ایک سلطان کو اس لیے قتل کر دیا کہ اس کے بعد اس کی بیوی سے شادی کر سکیں۔“

ہمارے خیال میں اس قسم کی روایات تاریخی واقعات کے بجائے افسانوی روایات کے دوسرے میں شامل کیے جانے کے قابل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب مالک بن نويرة خالد سے باتیں کر رہا تھا تو اس کی بیوی ملیں اس کے ساتھ تھیں۔ جب اس نے خالد کو یہ کہنے سنا کہ میں تجھے قتل کرنے والا ہوں اور ضرور قتل کر کے یہاں گا تو وہ ان کے قدموں میں گر پڑی اور ان سے اپنے خاوند کے لیے عفو و رزق کی طلب گار ہوئی۔ اس کے بال کنڈھوں پر پھیلے ہوئے تھے اور آنسوؤں کی لڑی آنکھوں سے جاری تھی۔ اس حال میں اس کی خوبصورتی دوبالا ہو گئی جس نے خالد کو مسحور کر لیا۔ جب مالک نے یہ دیکھا تو اس نے کہا :

”افسوس میری بیوی ہی میرے قتل کا باعث بنی ؟

خالد نے کہا : تیری بیوی تیرے قتل کا باعث نہیں بنی بلکہ تیرے اعمال اس کا

باعث بنے ہیں۔“

یہ کہہ کر اس کی گردن اٹھانے کا حکم دے دیا۔

## خالدؓ سے ابو قتادہ کی ناراضی

ابو قتادہ انصاریؓ خالدؓ کے اس فعل سے اتنے ناراض ہوئے کہ وہ یہ قسم کھا کر کہ آئندہ کبھی خالدؓ کے جھنڈے تلے نہ لڑیں گے انھیں چھوڑ کر مدینہ چلے گئے۔

اس واقعے کے متعلق روایات میں یہ مذکور ہے کہ خالدؓ کے واقعہ ۱۱ سرزمین کا حکم دینے کے بعد جب لوگوں نے مالک احد اس کے ساتھی قیدیوں کو قتل کر دیا تو خالدؓ بہت ناراض ہوئے پھر یہ فرمایا:

”جب اللہ کسی بات کے کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ ہو کر رہتی ہے۔“

تو ابو قتادہ نے یہ سمجھا کہ یہ خالدؓ کا غضب ایک بہانہ ہے ورنہ اصل میں ان کا منشا بھی یہی تھا کہ ان قیدیوں کو قتل کر دیا جائے سچا بچہ وہ خالدؓ کے پاس گئے اور کہا کہ یہ سب کچھ آپ کا کیا دھڑ ہے۔ اس پر خالدؓ نے انھیں ٹانٹا اور وہ ناراض ہو کر مدینہ چلے گئے۔

اس کے باقی قابل دوسری روایات میں یہ مذکور ہے کہ ابو قتادہؓ خالدؓ کے ام تمیم سے نکاح کرنے کے بعد مدینہ گئے اور ان کے ساتھ مالک کا بھائی مہتمم بن قزیرہ بھی تھا جب مدینہ پہنچے تو ابو قتادہؓ مدینہ سے ابرکڑ کے پاس گئے اور انھیں مالک کے قتل اور یابی سے نکاح کا واقعہ سنایا اور یہ بھی کہا انھوں نے قسم کھائی ہے کہ آئندہ کبھی خالدؓ کے ساتھ ہو کر نہ لڑیں گے لیکن ابرکڑؓ خالدؓ کے کاناموں اور فتوحات سے بہت متاثر تھے۔ انھوں نے ابو قتادہ کی بات پر کوئی توجہ نہ کی اور کہا کہ انھیں ایسے شخص کے متعلق ایسی بات نہ کہنی چاہئے جسے رسول اللہؐ نے سعیت اللہ کا خطاب مرحمت فرمایا ہو۔

اس پر بھی ابو قتادہؓ کا مختصر ٹھنڈا نہ ہوا۔ وہ عمرؓ بن خطاب کے پاس گئے اور ان سے سارا قصہ بیان کیا۔ انھوں نے خالدؓ کو ایسے شخص کی شکل میں پیش کیا جس کی نفسانی خواہشات اس کے فرائض پر غالب آجاتی ہیں اور وہ تسکین نفس کی خاطر اللہ کے احکام نہ ماننا کر دیتا ہے۔ عمرؓ ان کی باتوں سے بہت متاثر ہوئے جہاں بچہ ابو قتادہؓ کو لے کر ابرکڑؓ کے پاس پہنچے اور ان سے سے خطاب کیا کہ وہ اس جرم کی پاداش میں خالدؓ کو معزول کر دیں۔ انھوں نے کہا خالدؓ کی تلوار

ابن ظلم کرنے پر اترائی ہے اس لیے آپ انھیں معزول کرنے ہی پر اکتفا نہ کریں بلکہ قید بھی کر لیں لیکن ابو بکرؓ کو اپنے عمال سے ایسا برتاؤ سخت نا پسند تھا۔ جب عمرؓ نے ان کی معزول پر ہزار کیا تو انھوں نے فرمایا:

”عمرؓ! میں کرو خالذؓ نے تاویل کی۔ یہ بات اور ہے کہ تاویل کرنے میں ان سے غلطی ہوئی۔“

لیکن عمرؓ اس جواب سے مطمئن نہ ہو سکے اور برابر اپنے مطالبے پر قائم رہے۔ جب ابو بکرؓ بہت تنگ ہوئے تو انھوں نے فرمایا:

”عمرؓ! ایسا نہیں ہو سکتا میں اس تلوار کو نایام میں نہیں ڈال سکتا جسے اللہ نے کافروں پر مستط کیا ہو۔“

### مدینہ میں خالذؓ کی طلبی

پھر بھی عمرؓ، خالذؓ کے اس فعل کو ناراضی ہی کی نظر سے دیکھتے رہے اور ان کا دل ان سے صفا نہ ہو سکا۔ خالذؓ سے جواب طلبی کرنے کے متعلق ان کا، صراحتاً ہر جہاں رہا، خواہ ابو بکرؓ بھی مجبور ہو گئے اور انھوں نے خالذؓ کو جواب دہی کے لیے مدینہ طلب فرمایا۔ خالذؓ میدان جنگ سے مدینہ پہنچے اور سیدھے مسجد نبویؐ میں آ گئے۔ وہ ایک زنگاری قبا پہنے ہوئے تھے۔ اور اپنے تمام میں حیرانگارہ تھے۔ جب عمرؓ نے انھیں مسجد میں داخل ہوتے دیکھا تو ان کے علم سے تیر جھپٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور کہا:

”تم نے ایک مسلمان کو قتل کیا اور اس کی بیوہ سے نکاح کر لیا۔ واشر! میں تمہیں سنگسار کروں گا۔“

خالذؓ بالکل خاموش رہے اور ایک منظر تک منہ سے نہ نکالا کہ یہ نیک شخص خیال تھا کہ ان کے متعلق ابو بکرؓ کی بھی رائے وہی ہوگی جو عمرؓ کی ہے۔ آخر وہ ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انک کا سارا واقعات انھیں سنایا کہ کس طرح اس نے سہار کی حد کی اور جب انھوں نے اس پر قابو پایا تو کس طرح اس نے ذکاوت ادا کی تھی۔ تو دیکھا۔ انھوں نے

اس کے نقل کے متعلق معذرت پیش کی جا رہی کہ نے قبول فرمائی اور جنگ میں ان سے ہر روز گفتگو ہوتی تھیں ان سے روزگار کی لیکن مالک کی بیوی سے شادی کر لینے پر تیار تھی کا انتظار فرمایا۔ کیونکہ عرب ایک زور و قوت کو میدان جنگ میں لانے ہی کو تاپسند کرتے تھے دوسرے مین لڑائی کے وقت ان سے صحبت کرنے کو عار خیال کرتے تھے۔

مالک بن نویرہ کے معاملے میں ابو بکرؓ اور عمرؓ کے درمیان جو اختلاف رونما ہوا اس کی تفصیل یہ بچے گزری ہے۔ حقیقت دونوں اپنے اپنے خیال میں سچے تھے اور دونوں کے مد نظر اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی ہی تھی۔ اس موقع پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ اختلاف انفرادی نوعیت کا سمجھا جائے جس کا عذر صرف خاندانی فائدہ اور ان کا نقل تھا یا ہر گیر سیاسی نوعیت کا؟

### خالدؓ کے بارے میں عمرؓ کا موقف

میرے نزدیک اس اختلاف کی نوعیت سیاسی تھی۔ ابو بکرؓ اور عمرؓ دونوں کے پیش نظر مالکؓ کی سیاسی راہ تھی جسے وہ ٹھیک سمجھتے تھے اور جس پر انھیں عمل کرنا چاہیے تھا۔

عمرؓ جو عدل و انصاف کی مجسم تصویر تھے یہ چاہتے تھے کہ خالدؓ نے چونکہ ایک مسلمان پر زیادتی کی ہے اور اس کی چوری کے ایام عدت گزرنے سے پہلے اس سے نکاح کر لیا ہے۔ اس لیے انھیں لشکر کی قیادت پر قائم رکھنا ٹھیک نہیں کیونکہ اس طرح مسلمانوں کی نیک شہرت کو دھبا لگے گا اور عرب میں انھیں اس وقت جو قدر و منزلت حاصل ہے وہ باقی نہ رہے گی۔ ان کے خیال میں صرف خالدؓ کی معزولی ہی کافی نہ تھی بلکہ اپنی سے نکاح کرنے کے جرم میں انھیں قتل و سزا بھی ملنی چاہیے تھی۔ عمرؓ کہتے تھے اگر یہ مان لیا جائے کہ خالدؓ سے مالکؓ کے معاملے میں اجتہادی عقلی صادر ہوئی تھی (اگر اس کا امکان نہیں) تو بھی اس کی بیوی سے نکاح کا معاملہ ایسا ہے جس کے باعث خالدؓ نے حد قائم کرنی معزوری ہو جاتی ہے۔ ان کی صفائی میں یہ معذرت پیش نہیں کیا جاسکتا کہ رسول اللہؐ نے انھیں سیف اللہ کا خطاب مرحمت فرمایا تھا اور وہ ایسے سپہ سالار ہیں کہ فتح و نصرت ہر دم ان کے قدم چومتی ہے۔ اگر خالدؓ جیسی حیثیت رکھنے والے دشنام سے اس قسم کی چشم پوشی برتی گئی تو یہ امر دین میں خلل اندازی کا دوازدہ کھولنے کے مترادف ہو گا۔ مسلمان

کتاب اللہ کے احکام کو پس پشت ڈالنے میں دلیر ہو جائیں گے اور احکام الہی کا احترام ان کے دلوں میں باقی نہ رہے گا۔

انہیں خیالات کے باعث عمر برابر ابو بکرؓ پر نعرہ دیتے رہے کہ خالدؓ کو ضرور سزا دینی چاہیے جس پر آخر ابو بکرؓ نے انہیں میدان جنگ سے واپس بلایا اور ان کے فضل پر انہیں سزا بخش کی۔

## خالدؓ کے بارے میں ابو بکرؓ کا موقف

عمرؓ کے بالمقابل ابو بکرؓ کا خیال یہ تھا کہ ایسے وقت میں جب مسلمانوں پر چاروں طرف سے خطرات کے مصیبت بادل مبتلا رہے ہیں اور سارے عرب میں فتنہ و فساد اور بغاوت کی آگ زور و شور سے بھڑک رہی ہے، کوئی سپہ سالار کسی فرد واحد یا جماعت کو غلطی سے قتل کر دیتا ہے تو اس کا نیا وہ خیال ذکر نہ آتا ہے کہ ایسے نازک وقت میں کسی سپہ سالار کو سخت سزا دینا اور اس کے الزام کی تشہیر کرنا مسلمانوں کے لیے سخت نقصان دہ ثابت ہو گا۔ ان کا خیال یہ بھی تھا کہ کسی معذور قسم کی کسی صورت سے شادی کر لینا اور وہ بھی اس حالت میں کہ ابھی اس کی عدت کے دن پر جسے دہمٹے ہوئے عہدوں کے دھوم و دراز کے خطرات نہیں کیونکہ اس صورت میں معذور قسم کی عورتیں فریادیں اٹھا رہی ہیں جن پر ان کے مالکوں کو خرم کا اختیار ہوتا ہے۔

ابو بکرؓ کہتے تھے کہ اس وقت مسلمانوں کو خالدؓ کی عوار کھبے سے معذرت ہے کہ یہ نہ سبیل بنی خیفہ کے چالیس ہزار طاقت ور دشمنوں کے ساتھ بطرح کے خربہ دیا میں عظیم تھا اور مسلمانوں کے خلاف اس کی جدوجہد نے انتہائی خطرناک صورت اختیار کر لی تھی۔ مگر عربین ابو جہل جنہیں فوج دے کر اس طرف بھیجا گیا تھا، اس کے مقابلے میں شکست کھا چکے تھے۔ مسلمانوں کی فکریں خالدؓ کی طرف اٹھتی تھیں۔ مالک بن زیدؓ کے قتل اور اس کی بیوی بنتی سے نکاح کر کے باوجود خالدؓ کو معذور نہ کیا جاسکتا تھا کیونکہ اس صورت میں سبیل کو اسلامی فوجوں پر بے پناہ غلبہ حاصل ہو جاتا اور وہ بین اسلام کو شہ پر صاحب کسان کا ناپاک تھا۔ خالدؓ کی تلمذ اور اس کی نشانیں میں سے ایک نشانی تھی کہ اس لیے ابو بکرؓ نے انہیں طلب فرما کر موت دہانی سرزنش پر اکتفا کیا اور انہیں بیمار ہاکر سبیل کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔

## یامرہ پر خالدؓ کی چڑھائی

یہ ہے میرے خیال میں ابو بکرؓ اور عمرؓ کے اخلاک کی صحیح تصویر، ابو بکرؓ نے انہیں بلکہ مسیلرہ پر چڑھائی کرنے کا حکم بھی اس لیے دیا کہ اہل مدینہ خصوصاً عمرؓ جیسی راستے رکھنے والے اشخاص کو دکھا سکیں کہ اس نازک وقت میں خالدؓ ہی کی شخصیت ایسی ہے جو میدان جنگ میں مسلمانوں کو تباہی کے خطرات سے بچا سکتی ہے۔ خالدؓ کو میدان جنگ سے بلا کر سزائش کرنا اور مسیلرہ کی طلاق دینے کا حکم ہی ان کے لیے کافی سزا بھی گئی۔

خالدؓ نے یامرہ میں بھی اسی طرح ایک عورت سے شادی کی تھی جس طرح بنو قریظہ میں یمن سے کی تھی۔ ابو بکرؓ نے اس پر سختی سے خالدؓ کو سزائش کی۔

مؤرخین نے ان واقعات پر عجیب و غریب گہر افشائیاں کی ہیں اور انہیں پیش کر کے خالدؓ کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ان مؤرخین اور مصنفین کی حالت جو ان واقعات کو پیش کر کے خالدؓ کے چہرے کو سیاہ و داغوں سے چھانا چاہتے ہیں ان لوگوں سے زیادہ قہر بخیز ہے جو خالدؓ کو اپنی الزامات سے بالکل بری قرار دیتے اور ان کے لیے خدمات کا شکر کرتے ہیں۔ مالک کا قتل اور یمنی اور بنت مجاہد سے نکاح کے واقعات ان کا زمانہ کے مقابلے میں قطعاً کوئی حقیقت نہیں رکھتے جو مرتدین کی جنگوں میں خالدؓ کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوئے اور جنہوں نے انہیں سیف و شمشیر کے خطاب کا قرار واقعی مستحق ٹھہرایا۔

مسیلرہ کے مقابلے میں روادہ ہونے کا حکم لینے کے بعد خالدؓ مدینہ سے بطرح واپس آگئے اور وہاں اس ملک کا استخارہ کرنے لگے جسے ابو بکرؓ نے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس امداد کے پہنچنے کے بعد وہ لشکر کے سرسبز کے مقابلے کے لیے روانہ ہو گئے جو صحابہؓ نے مدینہ میں سب سے زیادہ طاقتور تھا جس کی جہاد جزیرہ فلسطین کے مرتدین کی تمام بنا و تلوں سے زیادہ مصیبت تھی اور جس کی طرف سے مسلمانوں کو سب سے زیادہ خطرہ لاحق تھا۔

## (۹) جنگِ یمامہ

### مسئلہ کے خلافتِ خالدؓ کی چڑھائی

بطرح سے خالد بن ولیدؓ اپنے لشکر اور ابو بکرؓ کی بھیجی ہوئی کمک سے کرنی حنیفہ کے متنبی مسیر بن حبیب سے جنگ کرنے کے لیے یمامہ بہ دانہ ہوئے۔ جو کمک ابو بکرؓ نے بھیجی تھی وہ قعدا وادہ قوت میں خالدؓ کے اصل لشکر سے کم نہ تھی۔ اس میں ان صاحبزادے اور انصار کے علاوہ جنہوں نے رسول اللہؐ کے زمانے میں کفار سے لڑائیاں کی تھیں ان قبائل کے لوگ بھی شامل تھے جن کا شمار عرب کے طاقتور اور جنگجو قبیلوں میں ہوتا تھا۔ انصار نہایت بن نفیس اور یار بن ماکہ کے زیر سرکردگی تھے اور صاحبزادے ابو جریج بن عبد اللہ بن خطاب کے ماتحت دوسرے قبائل میں سے ہر قبیلے کا سردار علاوہ علاوہ تھا جسے ابو بکرؓ نے اس کی حسن کارکردگی کے باعث اس حملہ سے بہ مقرر فرمایا تھا۔ وہ پہنچتے تھے کہ جنگ کے وقت پالیس ہزار ہونہ حنیفہ مسیر کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہوں گے اور مسلمانوں کو نصیحت و ناپہلو کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے اس لیے اس وقت مدینہ کی جانب سے بھی بہترین آدمیوں کو، جو قیادت اور جنگ کا کامل تجربہ رکھتے ہوں، محاذِ جنگ پر نہ بھیجا گیا تو ان مرتدین کا مقابلہ ہی عس و شہار ہو جائے گا۔

ان لوگوں میں جنہیں ابو بکرؓ نے خالدؓ کی اعادہ کے لیے ارادہ کیا تھا، قرآن مجید کے حافضوں اور علماء یوں کی بھی مبارہی تھا و شامل تھی۔ اسی طرح ایک خاص دستہ ان صحابہ کا تھا جنہوں نے جنگ بدر میں حصہ لیا تھا۔ ایسا کرنا ابو بکرؓ کی اس پالیسی کے خلاف تھا جو انہوں نے اہل بدر کے منتقل و منع کی تھی۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں جنگوں میں اہل بدر کو استعمال نہ کروں گا یہاں تک کہ وہ اپنے نیک اعمال کے ساتھ اللہ کے دیار میں حاضر ہو جائیں۔ لیکن

اس موقع پر تازہ کی صورت حال کے پیش نظر انھوں نے اپنی پالیسی تبدیل کرتے ہوئے اہل ہند اور دوسرے صحابہ کو جنھوں نے رسول اللہ کے زمانے کی جنگوں میں حصہ لیا تھا، سالانہ کی مدد کے لیے روانہ فرمایا کیونکہ یہاں میں سیلبر کو خوب فروغ ہو چلا تھا اور وہ آسانی سے زیر ہونے والا نہ تھا۔

## مسلمانوں کی غیر معمولی کامیابی

حقیقت یہ ہے کہ یہاں میں مسلمانوں کی کامیابی سالانہ کی معمولی کارنامہ نہیں۔ یہاں کی حالت دوسرے قبائل سے بالکل مختلف تھی۔ مدینہ کے قریبی قبائل میں سے جنھوں نے ابو بکر کے خلیفہ بننے کے بعد مدینہ کا محاصرہ کرنا چاہا تھا، کوئی شخص نبوت کا مدعی نہ تھا اور ذکاوت کی صفائی کے سوا انھیں اور کوئی خواہش نہ تھی۔ مزید برآں مدعی بن حاتم اپنے قبیلے کو طلحہ اموی کی امداد سے باز رکھنے میں کامیاب ہو گئے تھے جس سے اس کے لشکر میں ابتری پھیل گئی اور وہ جم کر مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اس کے لشکر کے مفرد بن ام ذل کے پاس جا کر اکٹھے ہوئے لیکن ایک ہزیمت خوردہ فوج سے مقابلے کی توقع بحث تھی اس لیے ام ذل کو بھی شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

رہ گئے بڑے تہمید قرآن میں خود تفرقہ پڑا ہوا تھا مسلمانوں سے کیا مقابلہ کر سکتے تھے !  
سہاج کے عوام اور محبت کو مالک بن زبیر نے متزلزل کر دیا اور اس نے مدینہ چڑھ چلی کہنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا تھا مالک بن زبیر مسلمانوں سے اس قدر خوف زدہ تھا کہ وہ خالد کے مقابلے میں آنے کی ہمت ہی نہ کر سکا۔

ان لوگوں کے بالمتقابل سیلبر ادیبانہ میں اس کے پیروؤں کو اسلام اس بات ہی سے اٹھا رہا کہ محمد رسول اللہ ان کی طرف بھی رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ قریش کی طرح نبوت و رسالت پران کا بھی حق ہے۔ انھیں بھی عرب میں دی و دہر حاصل ہے جو قریش کو ہے۔ ان کا لشکر قریش کے لشکر سے کئی گنا بڑا ہے۔ اس کے علاوہ ان میں کامل اتحاد پایا جاتا ہے۔ آپس کی مخالفت اور شکر بھی بالکل مفقود ہے۔ جمعیہ سے اور قبیلے کا اختلاف ان میں

بالکل نہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر وہ اپنے آپ کو بہت طاقت ور سمجھتے تھے اور انھیں یقین تھا کہ وہ ابو بکرؓ کی فوجوں سے بڑی کامیاب ٹکرائے سکتے ہیں۔

## عکرمہ کی ہزیمت

ابو بکرؓ کی نظر میں یہ تمام باتیں پہلے ہی سے موجود تھیں اس لیے انھوں نے پوری کوشش کی کہ ایامہ کی جانب جو لشکر بھیجے جائیں وہ طاقت ور ہوں، مرتدین سے لڑنے کے لیے لکھنوں نے گیارہ لشکر تیار کیے تھے اور ہر لشکر کو علاحدہ علاحدہ قبیلے کی طرف بھیجا تھا۔ لیکن مسیلہ کے بارے میں ایسا نہ ہوا بلکہ اس کی جانب انھوں نے عکرمہ بن ابوجہل کو بھیجا اور ان کے پیچھے پیچھے شریلی بن حسہ کو ایک لشکر دے کر ان کی مدد کے لیے روانہ فرمایا۔ عکرمہ ایامہ کی جانب بڑھتے چلے گئے اور شریلی کے پہنچنے کا انتظار نہ کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ مسیلہ پر فتح یاب ہونے کا فخر تنہا انھیں کے حصے میں آئے۔ عکرمہ ایک جگہ پر جا کر رہ گیا اور دشمن کو مناظر میں نہ لانے والے شہسوار تھے۔ ان کی فوج میں بڑے بڑے ہمارو شامل تھے جو کچھل جھگول میں لوگوں پر اپنے کارناموں کی دھماک بٹھا چکے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ مسیلہ کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکے اور ہزیمت نے انھیں شکست دے کر پیچھے ہٹا دیا۔ عکرمہ نے اپنی ہزیمت کا سارا حال ابو بکرؓ کو لکھ بھیجا جسے پڑھ کر ان کے غصے کی انتہا نہ رہی۔ انھوں نے عکرمہ کو لکھا،

تو ایہ ابن ام عکرمہ! (عکرمہ کی زبان کے بیٹے) میں تمہاری صحت دیکھنے کا حلقہ روانہ کر رہا ہوں۔ تم واپس آ کر لوگوں میں بدولت پھیلانے کا باعث نہ بنو بلکہ نہ لیر اور عفرہ کے پاس جا کر اہل عمان اور نمرہ سے لڑو۔ اس کے بعد یمن اور حضرموت جا کر مہاجر بن ابی امیر سے مل جاؤ اور ان کے دوش بدوش مرتدین سے جنگ میں حصہ لؤ۔

اس خط میں جو غیظ و غضب نہال ہے اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ ابن ام عکرمہ کا خطاب ہی اس غیظ و غضب کی صحیح کیفیت ظاہر کر رہا ہے۔

## مسئلہ کی قوت کا سبب

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مسئلہ نے اتنی قوت کس طرح حاصل کر لی؟ مسئلہ رسول اللہ کے آخری ایام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک وفد کے ہمراہ مدینہ آیا۔ وفد کے باقی ارکان قرآن رسول اللہ کے پاس چلے گئے اور قرآن اسلام کا اعلان کر دیا لیکن مسئلہ نہ ہمارا کہہ سکا کیونکہ وہ لوگ اسے مسلمان کی حفاظت کے لیے ڈیرے کی پرچھوڑ گئے تھے۔ رسول اللہ نے حسب عادت انہیں کچھ مال و مثال عطا فرمایا جس پر انہوں نے مسئلہ کا حقد مانگا۔ آپ نے اس کے جتنے کا مال بھی ان لوگوں کو دیا اور فرمایا: ”وہ مرتبے میں تم سے کم تر نہیں۔“

مطلب یہ تھا کہ اس کی حیثیت اتنی کم تر نہیں کہ تم اسے مال کی حفاظت کے لیے ڈیرے پر چھوڑ آئے ہو۔

مسئلہ بعض یہ بات پیش کر کے نبوت کا دعویٰ کر سکتا تھا اس لیے شروع میں بہت ہی تھوڑے لوگوں نے اس کی باتوں پر کلن دیا۔ نہ دو سال میں ہزاروں آدمیوں کو اپنے گرد جمع کر لیا یہی کوئی معجزہ قرار پا سکتا ہے۔ یہ تو محض ایک مشہور بازاری تھی۔

حقیقی امر جس نے مسئلہ کی طاقت بڑھائی وہ تھا ”ہمارا لڑیہاں“ کا اس سے مل جانا۔ یہ شخص جس کا نام ”ہمارا لڑیہاں“ یا ”ہمارا لڑیہاں بن“ تھا، اسی علاقے کا رہنے والا تھا اور ہجرت کر کے رسول اللہ کے پاس مدینہ آ گیا تھا۔ یہاں اس نے قرآن کریم پڑھا اور نبی تعظیم حاصل کی۔ چونکہ وہ بہت ذہین شخص تھا اس لیے رسول اللہ نے اسے اہل یامکر کو دین اسلام کی تبلیغ سے آگاہ کرنے اور لوگوں کو مسئلہ کی مباحث سے روکنے کے لیے بھیجا۔ لیکن خدا مسئلہ سے بھی زیادہ فتنہ پرور ثابت ہوا۔ جب اس نے دیکھا کہ لوگ مسئلہ کی مباحث قبول کرتے ہوئے ہیں تو وہ ان لوگوں کی نظر میں اپنے آپ کو سرخرو کرنے کے لیے ان سے مل گیا اور مسئلہ کی نبوت کا اقرار کرنے کے ساتھ رسول اللہ کی جانب پر چھوٹا قرآن بھی منسوب کیا کہ مسئلہ ان کے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ہے۔ اہل یامکر اس سے زیادہ اور کیا چاہے تھا کہ محمد کے ساتھیوں میں سے ایک شخص مسئلہ کی نبوت کی گواہی دے رہا ہے اور وہ شخص معمول آدمی نہیں بلکہ عالم فاضل اور

فقیر بھی ہے۔ ان کے سامنے قرآن پڑھتا اور اس کی تعلیمات سے انھیں انگاد کرتا ہے۔ انھیں دین کا علم سکھاتا ہے۔ اب کہ وہ خود نبوتِ سید کی گواہی دے رہا تھا قرسید کی خبرت سے انکار کی گنجائش ہی کہاں رہی تھی چنانچہ بے وقوف لوگ جو حق و جوقِ سید کے پاس آنے اور سیدِ عظیم کے رسول کی حیثیت سے اس کی سمیت کرنے لگے۔ اس طرح چند ہی دنوں میں اس کی طاقت مکیں سے مکیں چا پھی۔

مسئلہ اس کے مسئلہ میں ہمارا جوابی کہ اپنا خاص مسئلہ علیہ بنایا اور اس کے مسئلہ سے نہایت لاکار و بارانہ نام دینے لگا۔ اس کے بدلے ہمارا جوابی کہ دنیا بھر کی شخصیں میرا شخصیں۔ اور وہ ان سے بھی بھر کر لطف اندوز ہونے لگا۔ جب علماء و مفتیوں ہی دنیا کی شخصوں کے حصول پر قیام نہیں لوانا چاہی غرض کے لیے ذیل فرما دیا اور جھوٹی گواہی سے بھی دریغ نہ کریں تو حواہم جو بھی کریں مختصر ہے۔

جہاں تک سید کے معجزات و کمالات کا تعلق ہے تو تاریخ سے ان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔  
 مذکورہ لوگوں نے اس کا کوئی معجزہ دیکھ کر اسے قبول کیا اور نہ اس کی خود ساختہ وحی سے متاثر ہو کر  
 اس پر ایمان لانے میں سید کا کاروبار بچکنے کے مرتضیٰ موجب تھے جن کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔

مسئلہ کی اطاعت کیوں قبول کی گئی؟

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ عوام ترغیر قابلِ حقیقت نہیں تھے، باطل کی نذر نہیں ہوتی لیکن دانشورانِ قوم کی عقلوں پر کیا پتھر پڑ گئے تھے کہ انھوں نے آنکھیں بند کر کے سیر کی طاقت قبل کی قربات یہ ہے کہ اس کی تہ میں عربوں کی قومی مصیبت اور قبائلی خود مختاری کا جذبہ کاغذ فرما تھا۔ اس کے ثمرات میں مندرجہ ذیل واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔

مذہبین ذکر کرتے ہیں کہ طلحہ نری یا سہ آیا اور لوگوں سے پوچھا،

میں نے کہا کہ:



”تم اس کا نام اس قدر بے ادبی سے تجھے ہر حال اکوہ اللہ کا رکھل ہے۔“

اس نے کہا:

”میں تو اس وقت تک اسے رول ماننے کے لیے تیار نہیں جب تک

اس سے ملی نزلوں تم مجھے اس کے پاس سے چلو۔“

مسیلہ کے پاس پہنچ کر طلحہ نے اس سے پوچھا:

”تمہارے پاس کوئی آنا ہے؟“

”روحان“ مسیلہ نے جواب دیا۔

”روحانی میں یا اندھیرے میں؟“

”اندھیرے میں۔“

اس پر طلحہ بولا:

”میں گراہی دیتا ہوں کہ تم کذاب ہو اور محمد پتے ہیں لیکن اپنا کذاب نہیں

دوسروں کے پتے سے زیادہ محبوب ہے؟“

جنا پچھ اس نے مسیلہ کی اطاعت قبول کر لی اور اس کے ہمراہ لڑا ہوا مارا گیا۔

مسیلہ کی قوت و طاقت بڑھ جانے اور اس کے مقابلے میں مکرر کے شکست کھانے

کے باعث اب بکڑ کے لیے ضروری ہو گیا کہ وہ خالد بن ولید کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ

کرے۔ جنانچہ انھوں نے شرجیل بن حسنہ کو لکھا کہ وہ جہاں میں وہیں رہیں جب تک خالد بن

کے پاس نہ پہنچ جائیں۔ مسیلہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ (شرجیل) عمرو بن ماس کے

پاس پہنچے جہاں اور شمالی حصے میں قضاہ کے خلاف جنگ میں ان کی مدد کریں۔

## شرجیل کی شکست

ابھی خالد بن عامر کے دستے ہی پر تھے کہ مسیلہ کی فوجوں نے شرجیل کی فوج سے ٹکرائی اور اسے

بیسے ہٹا دیا۔ بعض موزنین لکھتے ہیں کہ شرجیل نے بھی دی کیا جو اس سے پہلے مکرر کر چکے تھے

یعنی وہ مسیلہ پر فتح پائی کا فخر و ماحصل کرنے کے شوق میں آگے بڑھے لیکن انھیں بھی شکست

کھا کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ پھر بھی میرے خیال میں ناقص اس طرح نہیں بلکہ خود بیمار کے منکر نے اس

خیال سے کہ کہیں شریعت خاتمہ سے مل کر انھیں نقصان نہ پہنچائیں، آگے بڑھ کر لشکر پر حملہ کر دیا اور شکست دے کر اسے پیچھے ہٹا دیا۔ دوزخ میں سے کوئی بات ہوئی ہو مگر ناقہ سی ہوا کہ شریعت اپنا لشکر لے کر پیچھے ہٹ گئے جب خالد ان کے پاس پہنچے اور انھیں تمام واقعات کا علم ہوا تو انھوں نے شریعت کو بہت برا بھلا کہا۔ آپ کا خیال تھا کہ اگر دشمن سے ٹکر لینے کی طاقت دہر قریبے شک اس وقت تک اس کے مقابلے سے گریز کیا جائے جب تک مطلوب طاقت حاصل نہ ہو جائے نسبت اس امر کے کہ طاقت نہ ہونے کے باوجود دشمن سے لڑائی چھیڑ دی جائے جس کے نتیجے میں شکست کھانی پڑے۔

### خالد سے مجاہد کی مٹ بھیر

اب خالد نے اپنے لشکر وں کے ہزاروں کی جانب بڑھنا شروع کیا۔ میدان کی بھی ان کی نقل و حرکت کی تمام خبریں پہنچ رہی تھیں۔ اسی دوران میں یہ واقعہ ہوا کہ نبی حنیفہ کا ایک شخص مجاہد بن مراد، نبی مامر اور نبی قحیم کے چند دشمنوں سے اپنے کسی دشمن دار کے قتل کا انتقام لینے کے لیے چند لوگوں کے ہمراہ نکلا۔ اسے نہ دشت تھا کہ اگر مسلمانوں سے جنگ شروع ہو گئی تو انتقام لینے کا موقع مل سکے گا۔ چنانچہ اس نے ان قبائل میں پہنچ کر اپنا قصاص لیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس چل پڑا۔ جب یہ لوگ شہید الیاس پہنچے تو قتل کا واقعہ کی وجہ سے بے خبر ہو کر سو گئے۔ وہیں اثنائے قتل کا لشکر وہاں پہنچ گیا۔ اس وقت یہ بڑا کر آٹھ۔ خالد کو معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ حنیفہ سے لقمہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے اس خیال سے کہ ان سے لڑنے کے لیے ملے ہیں۔ انھیں قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ انھوں نے کہا ہم آپ سے لڑنے کے لیے نہیں بلکہ جز قحیم سے انتقام لینے کے لیے نکلے تھے۔ اس پر خالد نے پوچھا۔ اسلام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

انھوں نے کہا،

ایک نبی ہم میں ہے اور ایک نبی تم میں؟

اس پر خالد نے انھیں قتل کر دیا۔

اس موقع پر ایک آدمی (ساریہ بن عامر) نے میں اس وقت جب تم اس کا گلا گالٹے

کے لیے تیار تھی، مجاہد کی طرہ اشارہ کر کے کہا،

”اگر تم اپنی بھلائی چاہتے ہو تو اس آدمی کو چھوڑ دو۔“

خالد نے بھی مجاہد کو قتل کر دیا بلکہ بطور ضمانت اپنے پاس رکھ لیا کیونکہ وہ بنی حنیفہ کے مشرعوں میں سے تھا اور وہ لوگ اس کی بے حد عزت کرتے تھے۔ خالد کا خیال یہ بھی تھا کہ ممکن ہے آگے چل کر اس کے ذریعے سے کوئی کام نکل سکے۔ انھوں نے اسے لوہے کی بیڑیوں میں جکڑ کر اپنے خیمے میں ڈال دیا اور اپنی نئی بیوی یحییٰ بن اہم حتم کو اس کی نگرانی کا کام سونپ دیا۔

## خالد اور سیدہ میں جنگ

سیدہ نے اپنا لشکر بیمار کی ایک جانب حقر بار میں جمع کیا تھا اور سارا مال اسباب لشکر کے نیچے رکھا تھا۔ اس کا لشکر بعض روایات کے مطابق چالیس ہزار اور بعض دوسری روایتوں کے رو سے ستر ہزار تھا۔ ایسے عظیم الشان لشکر کا ذکر عربوں نے اس سے پہلے بہت ہی کم سنا تھا۔

خالد اسی روز صبح انھوں نے مجاہد کو قید کیا تھا، سیدہ کی فوج کے متنازعے میں آگئے۔ دونوں لشکر میدانِ جنگ میں کھڑے آخری اعلان کے منتظر تھے۔ ہر ایک کو یقین تھا کہ فتح مندی و کامرانی اسی کے حصے میں آئے گی اور وہ دوسرے لشکر کو تباہ و برباد کرنے میں کامیاب ہو جائیگا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جنگ بیمار کا دن اپنی ذہنیت کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں کبھی

منفردوں سے کہیں نہ اس روز اسلام اور نبوت کا زہر کا اٹری مقابلہ ہونے والا تھا۔

سیدہ کی طرہ یمن، عمان، سراف، بحرین، حضرموت اور عرب کی جنوبی جانب مکہ اور طائف سے طے حدی تک کے تمام علاقوں کے لوگوں کی نظریں جمی ہوئی تھیں۔ ایرانی بھی بڑی بے ہمتی سے اس جنگ کے نتیجے کے منتظر تھے سیدہ کا لشکر اس پر کامل ایمان رکھتا تھا اور اس کی آہ میں کٹ مرنے کے لیے تیار تھا۔ علاؤ الدین حجاز اور عرب کے جنوبی علاقوں کی دیرینہ دشمنی بھی مسلمانوں کے خلاف بنی حنیفہ کے اس جوش و خروش میں مزید اضافے کا موجب ہوئی تھی۔ مسلمانوں کا لشکر بھی اپنی جرئت کے لحاظ سے کچھ کم طاقت ور نہ تھا۔ اس کے سپہ سالار خالد بن ولید تھے جو بوجہ اپنے زمانے کے سلاطین اعظم تھے لشکر میں کلام اللہ کے حائفوں اور قادیوں کی بھی کمی

دہتی۔ یہ تمام لوگ اس جذبہ سے میدان جنگ میں آئے تھے کہ اللہ کے راستے میں جہاد اور اس کے دین کی مدافعت اور من کا فرض آؤں گے اور علم و بصیرت رکھنے والے کے لیے تو یہ فرض میں ہے۔ اس جذبے نے ان کے دلوں اور منگوں کو بہت بڑھا دیا تھا اور وہ قہار میں مرتدین سے بہت کم ہونے کے باوجود عوام و بہت میں ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے۔

## ابن سلیہ کی آتش بیانی

رشادنی شروع ہونے سے پہلے سلیہ کا اردو کا بنی ضیفہ کی صفوں میں پھر کر اپنے آتشیں الفاظ سے ان کی غیرت و محبت کی آگ بھڑکاتے ہوئے ٹھوکتا پھر داتا تھا:

”اے بنو ضیفہ! آج تمہاری غیرت کا امتحان ہے۔ اگر تم شکست کھا گئے تو

تمہارے پیچھے تمہاری عورتیں زڈیاں بنال جائیں گی اور ان کے نکاح ذہری ہو

دوسرے لوگوں سے کرئیے جائیں گے۔ اس لیے اپنے حسب و نسب کی خاطر

مسلمانوں سے جنگ کرو اور اپنی عورتوں کی عزت بچاؤ۔“

ادھر جمعہ سے مہاجرین اور انصار دونوں میں یہ بحث چھڑ گئی کہ دونوں فریقوں میں

کون بہادر ہے۔ مہاجرین اور انصار کہتے تھے:

”ہم لوگ تم بدویوں سے زیادہ جنگ کے ماہر ہیں۔“

اس کے مقابلے میں اہل یثرب کہتے تھے:

”مکہ و مدینہ کے لوگ ہرگز اچھی طرح جنگ نہیں کر سکتے بلکہ انھیں تو یہ معلوم

نہیں کہ جنگ کسے کیسے ہے۔“

## مسلمانوں پر بنی ضیفہ کا دباؤ

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ شروع ہونے پر سلطان بنی ضیفہ کے مقابلے میں ثابت قدم نہ رہ سکے اور

پیچھے ہٹنے لگے یہاں تک کہ بنو ضیفہ غار کے نیچے تک پہنچ گئے۔ وہاں انھوں نے بھار کو

بیریل میں جکڑا اور رام قہیم کو اس کی نگرانی کرتے ہوئے دیکھا۔ ایک آدمی نے یہی کہہ کر قتل

کونے کے پتے تلوار اٹھائی لیکن مجھ سے چھٹا اٹھا،  
”ٹھٹھ جانا، میں اسے امان دیتا ہوں۔ تم اسے چھوڑ دو اور مردوں سے ہٹ جاؤ۔“

لشکر کے سپاہیوں نے نیچے کی رسیاں کاٹ ڈالیں اور غصے کو تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ لیکن انھوں نے مجھ کو آزاد نہ کیا بلکہ اس امید میں کہ وہ اچھی مسلمانوں پر فتح یاب ہو کر واپس آجائیں گے اسے بیڑیوں میں بکڑا بڑا چھوڑ کر چلے گئے۔

## نہار الرجال کا قتل

مسلمانوں نے پیچھے ہٹنے کے باوجود چلے ہی سبتے میں بنی حنیفہ کے سینکڑوں آدمیوں کو قتل کر ڈالا تھا۔ ان قتل ہوئے والوں میں سے پہلا شخص نہار الرجال تھا جو بنی حنیفہ کے مقدمہ پر مقرر تھا۔ اسے حضرت عمرؓ کے بھائی زید بن خطابؓ نے قتل کیا تھا۔ اس کے قتل سے فتنہ مسیلہ کے سب سے بڑے سر ہٹنے کا خاتمہ ہو گیا۔

## خالہ کی حکمت عملی

لشکر اسلام کے پیچھے ہٹنے کے باوجود خالہؓ کے عزم و ثبات میں سطلن مکہ نہ آئی اور انھیں ان لوگوں کے لیے بھی اپنی شکست کا خیال پیدا نہ ہوا۔ انھوں نے یہ بات بھانپ لی تھی کہ لشکر کے پیچھے ہٹنے کا سبب فخر و دیباہات کا وہ مذہب تھا جو مسلمانوں کے مختلف گروہوں میں پیدا ہو گیا تھا اور جس کے باعث ان میں کمزوری راہ پا گئی تھی۔ یہ خیال کرتے ہی انھوں نے پکار کر اپنے لشکر کے ”مے درگ“، علوہ، علوہ، ہر جاؤ اور اسی حالت میں دشمن سے لڑو تاکہ ہم بھی سبکین، کس قبیلے نے لڑائی میں بہادری کا سب سے اچھا مظاہرہ کیا۔“

## مجاہدین اسلام کا عزم و ثبات

خالہؓ کے اس حکم کا خاطر خواہ اثر نہ ہوا۔ ہر قبیلے نے اپنے آپ کو مردوں سے برتر ثابت کرنے

کے لیے پہلے سے بھی زیادہ جوش و خروش سے دشمن کا مقابلہ کرنا شروع کر دیا۔ آخر مسلمانوں کو بھی یہ احساس ہو گیا کہ انھوں نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے غزوہ بات اور قیامت کا جو مظاہرہ کیا تھا وہ نامناسب تھا۔ چنانچہ انصار کے ایک سردار ثابت بن قیس نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

”اے مسلمانو! تم نے بہت بری مثال قائم کی ہے۔“

پھر اہل یاسر کی طرف اشارہ کر کے کہا:

”اے انصار! جس کی یہ عبادت کرتے ہیں میں اس سے برات کا انکار

کرتا ہوں۔“

اور مسلمانوں کی طرف اشارہ کر کے کہا:

”اور جو کچھ انھوں نے کیا ہے میں اس سے بھی بیزاری کا انکار کرتا ہوں۔“

اس کے بعد وہ تلووار سوٹ کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور بڑی بہادری سے لڑنے لگے۔ وہ لڑتے جاتے جاتے اور کتے جاتے جاتے۔

”میری تلوار کا مزہ مکھڑ میں نہیں مہرہ واستقلال کا حقیقی مزہ دکھانوں گا۔“

وہ اسی طرح بے مگرری سے لڑتے رہے۔ ان کے حجم کا کوئی حصہ اسیانہ تھا جہاں زخم نہ لگے ہوں۔ آخر اسی طرح لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

برابر بن مالک ان صنادید عرب میں سے تھے جو میٹھے دکھانا جانتے ہی نہ تھے جب انھوں نے مسلمانوں کو بھاگتے دیکھا تو وہ حیرتی سے کہہ کر ان کے سامنے آ گئے اور کہا:

”اے مسلمانو! میں برابر بن مالک ہوں۔ میری ہیر دی کر دو۔“

مسلمان ان کی بہادری اور شجاعت سے خوب واقف تھے۔ ان کی ایک جہالت برابر کے ساتھ ہوں۔ وہ اس سے کہ دشمن کے مقابلے میں آ گئے اور اس بہادری سے لڑے کہ دشمن کو پیچھے ہٹتے ہی ہن پڑی۔

عین لڑائی کے دوران میں یہ اتفاق ہوا کہ سنت اُموی آگج اور ریت اثر اور مسلمانوں کے جہروں پر پڑے گی۔ چند لوگوں نے اس پریشانی کا ذکر دیگر بن خطاب سے کیا اور پوچھا کہ کیا

کریں۔ انھوں نے جواب میں کہا:

”واشتر! میں آج کے دن اس وقت تک کسی سے بات نہ کروں گا جب تک دشمن کو شکست نہ دے لیں یا اللہ مجھے شہادت عطا نہ فرمائے۔ اے لوگو! آندھی سے بچاؤ کی خاطر اپنی نظریں نیچی کر لو ورنہ ثابت قدم رہ کر لڑو۔“

یہ کر کر تھکا دسوت لی اور دشمن کی صفوں میں گھس کر بے جگری سے لڑنے لگے۔ ان کا دوش بھی ان کے پیچھے ثابت قدمی سے لڑ رہا تھا آخر ان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ پڑے ہر گئے اور انھوں نے اسی طرح لڑتے لڑتے جاں شہادت نوش کیا۔  
ابو حذافہ بچا کر بچا کر گھر پہنچے:

”اے اہل قرآن! اپنے افعال کے ذریعے سے قرآن کو عزت بخشو۔“

پھر خود بھی دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد محمدؐ ان کے غلام سالم نے اٹھایا اور کہا:  
”اگر آج ثابت قدم نہ رہیں تو میں بدترین حال قرآن ہوں گا۔“  
چنانچہ وہ بھی لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

ان آزادوں نے ہمایاوی یقین سے بحرِ عرب سے نکل رہی تھیں مسلمانوں کے لشکر میں ہمدردی کی ایک نئی روح پھونک دی۔ زندگی ان کی نظروں میں حقیر نہ کر رہ گئی اور شہادت کی تسناہر دل میں چٹکیاں بیٹھنے لگی چنانچہ وہ بے جگری سے لڑے اور حقوڑی دیر میں سید کے لشکر کو اس کی پہلی جگہ پر لاکھڑا کیا۔

جہاں مسلمان دین حق کی حفاظت اور حصولِ جنت کی خاطر لڑ رہے تھے وہاں مسیحیوں کا لشکر اپنے وطن حسبِ نسب و ممالک کے نزدیک عقیدے کی خاطر لڑ رہا تھا جہاں کے نزدیک دین اور حسبِ نسب سے بھی بہت کم وجہ کا تھا۔ اسی لیے مسلمانوں نے یہ صغیر سے زیادہ ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور انتہائی بے جگری سے لڑے۔

خالد بن ولیدؓ کے ورپے

خالدؓ نے جب مسلمانوں کی جوش دہنے والی آوازیں سنیں تو انھیں بھی یقین ہو گیا کہ یہ صغیر

کی سنت ورافت کے باوجود انعام کا رنج انہیں کے جھپٹے میں نہ لے گی لیکن وہ چاہتے تھے کہ رنج کا حصول حتی الامکان عجلہ ہو جائے اس لیے بہت عجز سے ایک بار میدان کا جائزہ لیا، انہوں نے دیکھا کہ ہر صنف مسلحہ کے گرد کٹ کٹ کر گر رہے ہیں اور سلیہ کی حفاظت میں موت کی بھی پروا نہیں کرتے۔ یہ دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ رنج کے عجلہ از عجلہ حصول کا طریق یہ ہے کہ کسی طرح سلیہ کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ اپنے آدمی سے کہا گئے ہٹھے اور سلیہ کے آدمیوں کے گرد گھبراواں لیا۔ اس کے بعد کوشش کی کہ کسی طرح سلیہ ان کے سامنے آجائے تاکہ اس کا کام تمام کیا جائے لیکن قبل اس کے کہ میدان کے سامنے آتا، اس کے کمر میں نے بڑے چڑھ کر نالہ پر چھلنے شروع کیے۔ حالانکہ ان کے پس میں کیا آتے البتہ جو شخص ان کے مقابلے میں آتا زندہ واپس نہ جاتا۔ اس طرح بے شمار آدمی قتل ہو گئے۔

### مسلحہ کا ترود و اضطراب

جب مسلحہ نے دیکھا کہ اس کے حامیوں کی تعداد بہت کم ہوتی جا رہی ہے تو اس نے خود خالہ کے مقابلے پر آئے۔ کلامادہ کیا لیکن اس خیال سے کہ گویا کہ اگر وہ بھی خالہ کے مقابلے کے لیے نکلا تو خالہ مارا جائے گا۔ اب اس کے ترود اور اضطراب کی انتہا نہ رہی۔ اس کے جاں نثار کٹ کٹ کر گر رہے تھے اور اُسے خود بھی اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ وہ اس اضطراب کی حالت میں کھڑا یہ سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ کیا ایک خالہ نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے اس کے محافظین پر ایک بھر پور حملہ کر کے تھار کے جوہر دکھائے شروع کیے۔

یہ دیکھ کر مسلحہ کے ساتھیوں نے اس سے پکارا کہ پوچھا،

”آپ کے وہ دو بڑے بھائی رنج کے متعلق آپ نے ہم سے کیے تھے“

کہاں گئے؟

### مسلحہ کا فرار

اس وقت مسلحہ کے سامنے ختم ہو چکے تھے اور اس نے میدان جنگ سے بھاگنے کا حکم لیا۔

کر لیا تھا۔ چنانچہ اس نے میٹھ پھیرتے ہوئے جواب دیا:

”اپنے حسب و نسب کی خاطر لڑتے رہو۔“

لیکن اب وہ کیا لڑتے جب ان کا شہزادہ خلیفہ مسلمانوں کی تعدادوں کے سپرد کر کے استانی  
برہمن کا مظاہر کرتے ہوئے راہ فرار اختیار کر چکا تھا۔

بنی حنیفہ کے ایک سردار حکم بن طفیل نے جب لوگوں کو بھاگتے اور مسلمانوں کو ان کا بھاپا  
کرتے دیکھا تو پکار پکار کر کہنے لگا،

”اے بنو حنیفہ! باغ میں داخل ہو جاؤ۔“

یہ باغ جسے حدیقہ الرحمن کہا جاتا تھا میدان جنگ سے قریب ہی تھا اور مسلمہ کی ملکیت  
میں تھا۔ یہ بہت طویل و وسیع تھا اور کھجور کی طرح اس کے چاروں طرف بلند دیواریں کھڑی  
تھیں۔ حکم بن طفیل کی آواز سن کر لوگوں نے اس باغ کی طرف بھاگنا شروع کیا جس میں سید  
پہلے ہی داخل ہو چکا تھا۔ لیکن حکم اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ مسلمانوں کو بنی حنیفہ کے قاتل  
سے روکنے کے لیے میدان جنگ ہی میں رہ گیا تھا۔ اس نے بہت بھاری سے مسلمانوں کا  
مقابلہ کیا اور آخر عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کے ایک تیرے سے جو اس کے سینے میں لگا، اس کا کام  
تمام ہو گیا۔

## باغ کا محاصرہ

سید اور اس کی قوم باغ میں پناہ گزین ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کے لیے باغ کا محاصرہ کر لینے اور  
کامل فتح کے حصول تک وہاں سے نہ ہٹنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے  
ایسا ہی کیا۔ باغ کے چاروں طرف مسلمانوں نے پڑاؤ ڈال دیا اور کسی ایسی کمزور جگہ کی تلاش  
کرنے لگے جہاں سے باغ میں گھس کر اس کا دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو سکیں لیکن استانی  
توڑ کے باوجود انھیں ایسی کوئی جگہ نہ ملی۔

آخر ہمارے مالک نے کہا:

”مسلمانو! اب صبر نہ رہا۔ تم مجھے اٹھا کر باغ میں پھینک دو۔ میں

اندھ ہمارے دروازہ کھول دیں گا۔

لیکن مسلمان یہ کس طرح گواہ کر سکتے تھے کہ ان کا ایک بلند مرتبہ ساتھی ہزاروں دشمنوں میں گھبر کر اپنی جان گنوا دے۔ انھوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا لیکن ہمارے اصرار کو نا شروع کیا اور کہا:

”میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم مجھے باغ کے اندھ بھینک دو۔“

آخر مجبور ہو کر مسلمانوں نے انھیں باغ کی دیوار پر چڑھا دیا۔ دیوار پر چڑھ کر جب ہمارے دشمن کی زبردست جمعیت کی جانب نظر دوڑائی تو ایک لمحے کے لیے ٹھٹھکیے لیکن پھر اللہ کا نام لے کر باغ کے دروازے کے سامنے کود پڑے اور دشمنوں سے دو دو ہاتھ کوستے دایمیں بائیں دو گوں کو قتل کرتے دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ آخر بیسیوں آدمیوں کے قتل کے بعد وہ دروازے تک پہنچے میں کامیاب ہو گئے اور آگے بڑھ کر بڑی پھرتی سے اسے کھول دیا۔

## بنی حنیفہ کا قتل

مسلمان باہر و واردہ کھانے کے منتظر تھے ہی۔ جو نئی دروازہ کھلا وہ باغ میں داخل ہو گئے اور نکواریں سونت کر دشمنوں کو بے دریغ قتل کرنے لگے۔ بنو حنیفہ مسلمانوں کے سامنے سے بھاگنے لگے لیکن باغ سے باہر وہ کس طرح نکل سکتے تھے۔ قیہ یہ ہوا کہ ہزاروں آدمی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ اس وقت باغ اس مذبح کی صورت پیش کردہ اٹھا جہاں بھڑا اور کیریاں قصاب کو چھری ہاتھ میں لیے انھیں ذبح کرنے کے لیے اپنی طرف آتا دیکھتی ہوں لیکن بیٹے کی حالت میں کچھ نہ کر سکتی ہوں۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ موت ہمارے نہیں بلکہ ابھی کہی مسلمانوں نے دیواریں پھاڑ کر دروازے کا رخ کیا تھا۔ چونکہ ہمارے دروازے کے باطل قریب دیوار پھاڑی تھی۔ اس لیے دروازے پر سب سے پہلے وہی پہنچے اور لڑتے بھڑتے دروازہ کھول دیا۔ بنو حنیفہ نے ان کو ملٹی بھر مسلمانوں کو روکنے کی کوشش کی لیکن دیوار پر مسلمان متعین تھے انھوں نے تیر سارے مار کر انھیں مسلمانوں سے دور رکھا۔

## مسئلہ کا قتل

مسلمانوں نے اگرچہ باغ میں گھس کر بزخیفہ کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا تھا مگر بزخیفہ نے بھی بڑی بہادری سے ان کا مقابلہ کیا۔ لیکن مسلمانوں کے سامنے ان کی پیش نہ گئی۔ طرہین کے کثیر آدمی اس صحرے میں قتل ہوئے لیکن بنی صفیہ کے مقتولوں کی تعداد مسلمانوں سے کم نہ گئی تھی۔ حبشی غلام جوشی جس نے جنگ احمد بن حمزہ بن عبد المطلب کو شہید کیا تھا اور جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہو گیا تھا، اس موقع پر موجود تھا۔ اس نے مسیہ کو باغ میں دیکھا اور اپنا چھوٹا سا نیزہ تاک کر مسیہ کے مارا جو سیدھا اسے مار کر لگا۔ اسی وقت ایک انصاری نے بھی مسیہ پر تلوار کا وار کیا۔ جوشی کا کرتا تھا ”اللہ ہی جانتا ہے کہ ہم میں سے کس نے اُسے قتل کیا لیکن مسیہ اگر مرنے کے بعد زندہ ہوتا تو کبھی ہی یہ کہتا کہ اسے اس سیاہ غلام نے قتل کیا ہے۔“

حب بزخیفہ نے مسیہ کی خبر مرثیٰ قرآن کے جو مصیبت ہو گئے مسلمانوں نے انہیں بے تحاش قتل کرنا شروع کیا۔ عرب میں اس وقت تک جتنی جنگیں ہوئی تھیں یا مر سے بڑھ کر کسی بھی جنگ میں اتنی طرزِ بازی دہرائی تھی۔ اس لیے حدیثۃ الرحمن کا نام صدیقۃ الموت پر گیا اور آج تک تارِ سنج کی کتابوں میں یہی نام چلا آتا ہے۔

حب باغ کا صحرے ختم ہو چکا تو خالدؓ اپنے نیچے سے ہمارے کو لے کر آئے اور اس سے کہا کہ دو مقتولین کو کچھ کرنا ہے ان میں مسیہ کوئی سب سے مسلمان خود بھی مقتولین کی شناخت کے لیے باغ میں پھرنے لگے۔ جب وہ حکم ایسا کہ پاس سے گزرتے تو خالدؓ نے پوچھا: کیا یہ ہے تمھارا صاحب؟

ہمارے صاحب دیا جنہیں یہ حکم ایسا رہے جو مسیہ سے بہت ہنسوار دیک انسان تھا۔ آخر پھرتے پھرتے وہ ایک زوردار ٹھٹھکنے قدم کے لاشے پر پہنچے ہمارے کہہ کر مسیہ بے جسے تم نے قتل کر دیا ہے۔ خالدؓ نے کہا:

”یہ وہی شخص ہے جس نے تمہیں گمراہ کر کے ایک منعم فتنہ برپا کر دیا تھا؟“

## مغزورین کا تعاقب اور محاصرہ

اگرچہ مسلمہ کا فتنہ ختم ہو چکا تھا اور وہ خدا میدانی جنگ میں اپنے ہنر مندوں اور میوں کے ہمراہ مارا جا چکا تھا لیکن خالدؓ ابھی مسلمان نہ تھے۔ جنگوں میں آپ کا طریق کار یہ تھا کہ اس وقت تک دشمن کا پیچھا نہ چھوڑتے تھے جب تک اس کی مخالفت سرگرمیاں دوبارہ شروع ہونے لگھری ساندہ نہ بھی باقی رہتا تھا۔ چنانچہ انھوں نے طلحہ کے مغزور ہونے کے باوجود اس وقت تک ہزاروں سے جنگ بند نہ کی جب تک ام ذیل اور اس کے لشکر کا خاتمہ نہ کر دیا۔ بغیر نئی تہم کا پیچھا اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک فتنہ و فساد کی آگ بجڑ کانے والے ایک ایک شخص کا تیا یا تیا نہ کر دیا۔ یہی کام آپ نے اس موقع پر بھی کیا۔

جب خالدؓ حدیقۃ الموت کے صحرے سے قاصح ہو چکے تو عبداللہ بن عمرؓ اور عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے ان سے کہا کہ اب لشکر کو کوچ کا حکم دیجئے اور چل کر بنی حنیفہ کے قلعوں کا محاصرہ کر لیجئے کیونکہ بقیہ لوگ غزوہ ہجران قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے ہیں۔ خالدؓ نے جواب دیا میں انھیں تو میں دستوں کران لوگوں کی تلاش میں رہاؤں گا۔ رہاؤں جو قلعوں میں نہیں گئے بلکہ ارد گرد کے علاقوں میں پھر رہے ہیں اس کے بعد جو ہر گاہ سو دیکھا جانے لگا۔ چنانچہ انھوں نے چاروں طرف دستے روانہ کیے جو ارد گرد سے مال شمیت اور حوررقی، پھول کوئے آئے۔ خالدؓ نے انھیں قید کرنے کا حکم دیا اور فروج کو ہدایت کی کہ اب وہ چل کر بنی حنیفہ کے قلعوں کا محاصرہ کرے تاکہ ان لوگوں میں جرم ختم باقی ہے وہ بھی ختم ہو جائے۔

## صلح کی بات چیت

یعنی ام تمیمؓ کو بنی حنیفہ کے ہاتھوں سے بچانے اور مسلمہ کے واسطے میں بھی باتیں کرنے کے باعث خالدؓ کو تمام پروردگار ہر دو ہوا گیا تھا۔ جب مسلمان بنی حنیفہ کے قلعوں کا محاصرہ کر چکے تو وہ خالدؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ نے بنی حنیفہ پر فتح حاصل کر لی ہے۔ یہاں کے قلعوں میں ہمارے جنگجوؤں کی ایک بھاری تعداد اسلحہ سے لیس ابھی تک موجود ہے۔ وہ

لوگ بہت سختی سے آپ کا مقابلہ کریں گے۔ اگر آپ لڑائی سے بچنا چاہتے ہیں تو مجھے کچھ دیر کے لیے شہر میں جانے کی اجازت دیجیے۔ میں انھیں صلح پر آمادہ کرنے کی کوشش کروں گا۔  
خالدؓ کو معلوم تھا کہ لشکر کے لوگ لڑائی سے تنگ آچکے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بنو حنیفہ پر جو فتح انھوں نے حاصل کی تھی اسی پر اکتفا کریں اور مزید جنگ و مہل سے پرہیز کریں۔ انھوں نے سرچاک کہ عامر کی بات مان لی تھی چاہیے۔ چنانچہ اسے جانے کی اجازت تو مرحمت فرمادی لیکن یہ بھی کر دیا کہ صلح میں بنو حنیفہ کو غلام و بنائے کی شرط شامل نہ ہوگی۔

## مجاہد کی چال بازی

مجاہد نے شہر میں جا کر دیکھا کہ وہاں عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے سوا اور کئی نہیں۔ اس نے انھیں درہ کبتر پہناتے اور کھجوا دیا کہ وہ سب تلے کی فسیل پر جمع ہو جائیں تاکہ مسلمان انھیں دیکھ کر ان کی کثرت قہر سے دھوکا کھا جائیں اور ہماری پیش کردہ شرائط پر صلح کر لیں۔ چنانچہ سب نے ایسا ہی کیا اور درہ کبتر پہن کر اور تلواریں اور نیزے اٹھائے۔ انھوں نے کہ فسیل پر پہنچ گئے۔ جب باہر سے خالدؓ اور مسلمانوں نے یہ نظارہ دیکھا تو انھیں یقین ہو گیا کہ مجاہد نے جو کچھ کہا تھا سچ کہا تھا۔ واقعی ابھی بنو حنیفہ میں دم خم باقی ہے اور وہ ابھی مزید لڑنے کی تاب رکھتے ہیں۔

## خالدؓ اور بنو حنیفہ میں صلح

غزوہ ژی در میں مجاہد بھی پہنچ گیا اور کہا، میری قوم آپ کی شرائط پر صلح کرنا نہیں چاہتی اور میں نے آپ سے جو عہد و پیمان کیے تھے وہ انھیں قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ خالدؓ دوبارہ لڑائی چھیڑنا نہ چاہتے تھے۔ انھوں نے مجاہد سے کہا، ہم نصف مال اسباب نصف مزد و باغات اور نصف قیدیوں کو بنی حنیفہ کے لیے چھوڑ دیں گے، تم انھیں جا کر کھجوا دے کہ وہ اپنے آپ کو تباہی میں ڈرو انھیں اور صلح کر لیں۔ مجاہد دوبارہ شہر میں گیا اور وہاں اسے آکر کہا، وہ لوگ ان شرائط پر بھی صلح کرنے کے لیے تیار نہیں۔ آپ جو اتفاقی مال اسباب لینے پر رضامند ہو جائیں خالدؓ راضی ہو گئے اور صلح نامہ لکھا گیا۔ صلح کے بعد جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں کسی

جوان مرد کا نام و نشان بھی نہیں۔ انھوں نے کہا اسے پوچھا کہ تم نے مجھ سے دھوکا کیوں کیا ہے؟ اُس نے کہا: ”میری قوم تباہ ہو جاتی۔ میرا فرض تھا کہ ان کی جانیں بچاؤں۔ اُس لیے میں نے یہ تدبیر اختیار کی۔“ خالد نے اس کا عند قبول کر لیا اور صلح نامہ پر قہر رکھا۔ یہ روایت بھی آئی ہے کہ صلح نامہ لکھے جانے سے پہلے جب ہمارے دشمنوں گیا اور لوگوں سے صلح کی بات چیت کی تو ایک شخص سلمہ بن عمر الحنفی نے کہا: ”واللہ! ہم تمہاری بات کبھی نہ مانیں گے کیونکہ ہمارے تجھے مضبوط ہیں، سامانِ خرداک وافر مقدار میں ہمارے پاس موجود ہے، سرودی کاموں میں بھی شریعہ پر چلے ہے، بھلاں سخت سرودی کی تاب نہ لا کر محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو جائیں گے۔“

ہمارے جواب دیا:

”یہ شخص تمہاری خوش فہمی ہے۔ تمہارا خیال ہے کہ میں تجھیں صلح پر آمادہ کر کے تم لوگوں سے دھوکا کرنے لگا ہوں، حالانکہ یہ بات نہیں تجھیں معلوم ہے کہ ابنِ سید نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے کہا تھا: اے لوگو! قبل اس کے کہ تمہاری عورتیں قیدی بنالی جائیں اور غیر ملکہ ان کے نکاح کر دیے جائیں، تم مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دو، میں بھی تجھیں اسی خطرے سے بچانے کے لیے آیا ہوں، تم صلح کر لو اور اپنی جان کے دشمن نہ بنو۔“

جب لوگوں نے ہمارے باتیں سنیں تو وہ صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے اور سلمہ بن عمر کی بات کو ناقابلِ عمل سمجھ کر ترک کر دیا۔

### بنی حنیفہ ابو بکرؓ کی خدمت میں

دو بی اثنا راہ ابو بکرؓ کا قاصد خالدؓ کے پاس یہ حکم لے کر آیا کہ اس شخص کو جو لڑائی کے قابل ہو قتل کر دیا جائے۔ لیکن خالدؓ ان سے صلح کر چکے تھے۔ انھوں نے صلح توڑنا اور بدھمدی کرنا نہ چاہا۔ اس کے بعد بنو حنیفہ سمیت کونے اور سید کی نبوت سے برادرت لکھا، خدا رکھے کے لیے جمع ہوئے۔ یہ تمام لوگ خالدؓ کے پاس گئے، جہاں انھوں نے سمیت کی اور اپنے دو بارہ اسلام لانے کا اعلان کیا۔ خالدؓ نے ان کا ایک وفد ابو بکرؓ کی خدمت میں مدینہ روانہ فرمایا۔ جب وہ لوگ

ابو بکرؓ کے پاس پہنچے تو انھوں نے قحط کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:  
 ”آخر تم لوگ سیلہ کے پھندے میں پھنس کر کس طرح گمراہ ہو گئے؟“

انھوں نے جواب دیا:

”ہمے علیہ رسول اللہ! ہمارا سارا حال آپ کو اچھی طرح معلوم ہے۔ سیلہ نہ  
 اپنے آپ کو خاندہ چنچا سکا اور نہ اس کے دشتہ دادول اور قوم کو اس سے کوئی فائدہ  
 حاصل ہو سکا۔“

### مجاہد کا فریب اور خالدؓ کی مصالحت

اس موقع پر شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ آخر خالدؓ مجاہد کی فریب دہی کے باوجود کس طرح  
 مصالحت پر تیار ہوئے؟ حالانکہ ان کی سختی مزبائل بن چکی تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کو فتح نہیں  
 حاصل ہونے کے علاوہ بنی حنیفہ کی جنگوں میں اس قدر غور و تریزی ہو چکی تھی کہ خالدؓ نے آخر ان  
 سے دیکھ کر رکن اور روایات سے بہرہ ور کرنا بھی مناسب خیال کیا۔

### بنی حنیفہ کے مقتولین کی تعداد

روایات سے چاہتا ہے کہ حدیث الموت کی لڑائی میں سات ہزار بنی حنیفہ قتل ہوئے تھے یہ لڑائی  
 میں بھی ان کے مقتولین کی تعداد سات ہزار تھی۔ اس کے بعد حبیب خالدؓ نے اپنے دوستوں کو غزوہ بنی  
 حنیفہ میں مدد دے کر ان کی سات ہزار آدمی قتل ہوئے جو صلح حماہ کے دیر سے پانچویں  
 کو پہنچی اس کی رو سے سارا مال غنیمت پر سونے چاندی اور ہتھیاروں پر مشتمل تھا۔ مسلمانوں کی ملکیت  
 نظر آئے اس کے علاوہ چھ ہفتائی قیدی بھی ان کے حصے میں آئے۔ بنی حنیفہ کی بستیوں اور علاقے  
 میں جو باغات اور غزوہ زمینیں تھیں ان پر بھی خالدؓ کا قبضہ تسلیم کیا گیا۔

یہ درست ہے کہ مجاہد نے اپنی قوم کے بغیر ہسین و گن کو قتل ہونے سے بچا دیا تھا  
 لیکن یہ تمام لوگ دوبارہ اسلام قبول کر کے ابو بکرؓ کی حکومت تسلیم کر چکے تھے۔ اس لیے اب  
 خالدؓ کے واسطے کوئی دہر ایسی بات نہ رہی تھی جس سے وہ مجاہد پر ناراض ہوئے یا اس سے

انتقام لیتے۔

## مسلمان شہدار کی تعداد

اس جنگ میں جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متقلدین کی تعداد پچھلی تمام جنگوں سے زیادہ تھی وہاں مسلمان شہدار کی تعداد بھی پچھلی تمام جنگوں کو مات کر گئی تھی۔ اس جنگ میں مسلمان شہدار کی تعداد بارہ سو تھی تین سو ستر مہاجرین تین سو اٹھارہ انور باقی دیگر قبائلی کے لوگ ان شہدار میں تین سو ستر صحابہ کبار اور قرآن کے حافظ بھی تھے جن کا مقام اور درجہ مسلمانوں میں جسے حدِ بلند تھا۔ اگرچہ ان حافظوں کی شہادت سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا لیکن بعض اوقات ایک نقصان دہ چیز بھی آخر فائدے کا موجب بن جاتی ہے جیسا کہ اس کا ایک بڑا نمونہ یہ ہوا کہ ابو بکرؓ نے اس ٹھ سے کہیں آئندہ جنگوں میں ایسی ہی حافظوں سے بھی مسلمانوں کو ہاتھ دھو کر لے کر آ کر قرآنِ حسیع کرنے کا حکم دے دیا اور اس طرح پہلی مرتبہ قرآنِ کریم ایک جلد میں مدون ہو گیا۔

## مسلمانوں کا حزن و الم

مسلمانوں کی بھاری تعداد کے شہید ہو جانے سے ان کے رشتہ داروں کو جس حد سے سخت و چار ہونا پڑا تھا اس کی کوئی صورت یہ چیز کہہ سکتی تھی کہ مسلمانوں کو کتنی قیمتی جانوں کا نقصان اٹھانا پڑا پھر بھی فتح کا شرف انھیں کے حصے میں آیا۔ عمرؓ بن خطاب کے صاحبزادے عبداللہؓ شہید جنگِ یمام میں بہادری کے عظیم کارنامے انجام دینے کے بعد مدینہ واپس آئے قرآن کے والد نے کہا: ”جب تمھارے چچا زید شہید ہو گئے تھے تو تم واپس کیوں آ گئے اور کیوں نہ

اپنا چہرہ مجھ سے چھپایا؟“

مرت عمرؓ ہی کا یہ حال نہ تھا بلکہ مکہ اور مدینہ کے سیکڑوں گھرانے اپنے بہادر اول اور سپہ قوت کی شہادت پر خوں کے آنسو بہا رہے تھے۔

## بہشتِ مجاہد سے خالدؓ کی شادی

کیا خالدؓ بھی غم اور حزن سے اسی طرح بے تاب تھے جس طرح دوسرے مسلمان؟ اور کیا افسانی

خون کے صیب و دھشت ناک سیلاب اور لاشوں کی کثرت نے ان کے دل میں گھبراہٹ کا کرنی  
جذیر پیدا کیا تھا؟ ہرگز نہیں اگر خالدؓ کی بھی یہ حالت ہوتی تو وہ آئندہ کبھی سپہ سالاری کے  
قابل نہ رہتے اور انھیں حراق و شام کے خارج بننے کا فکر کبھی حاصل نہ ہوتا۔ اسی لیے خالدؓ  
کو اس دوران میں کسی قسم کا خوف لاحق ہوا اور نہ انھوں نے کبھی گھبراہٹ اور بے چینی کا اظہار  
کیا۔

جو بھی وہ صلح نامے کی تعمیل سے خارج ہوئے انھوں نے مجاہد کو بلا بھیجا اور کہا اپنی بیٹی  
کی شادی مجھ سے کرو۔ مجاہد نے اپنی ام تمیم کا واقعہ دارالکومت میں خالدؓ کی طلبی اور ابو بکرؓ کی  
ناراضی کا حال سنا ہوا تھا اس لیے اُس نے حرات کو کہہ کر کہا مجھے اس سے صمان کیجیے اگر  
اُس نے ایسا کیا تو آپ میری کمر توڑ دینے کا موجب بنیں گے اور خود بھی ابو بکرؓ کے حساب سے نہ  
بچ سکیں گے؟

لیکن خالدؓ نے اُس کی ایک ذہنی اور کہا،

”تمہیں اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کرنی چاہیے گی؟“

اس پر مجبوراً مجاہد کو اپنی بیٹی کی شادی خالدؓ سے کرنی پڑی۔

## اس شادی پر ابو بکرؓ کی ناراضی

جب خالدؓ کے اس فعل کی اطلاع ابو بکرؓ کو ہوئی تو انھیں شدید غصہ آیا۔ ام تمیم کے واقعہ پر تو  
انھوں نے یہ کہہ کر خالدؓ کی مداخلت کی تھی کہ انھوں نے مالک کی بیوی سے شادی کرنے  
کے لیے اسے قتل نہ کیا تھا بلکہ محض غلط فہمی کی بنا پر ہوا تھا۔ پھر اس موقع پر کسی ایک بھی  
مسلمان کی جان منافع دہری تھی لیکن مجاہد کی بیٹی سے شادی تو اس حال میں ہوتی کہ بارہ سو  
مسلمانوں کی لاشیں خاک و خون میں غلط میدان جنگ میں پڑی تھیں اور تمام قبائل عرب میں ایک  
نام برپا تھا۔ وہ بے حد عظیم طبع ہونے کے باوجود اپنے خستہ پر قابو نہ پاسکے اور خالدؓ کو ایک سخت  
خط لکھا جس کے لفظ لفظ سے طبری کے قول کے مطابق خوں ٹپکتا تھا۔ انھوں نے تحریر فرمایا:  
”اے خالدؓ! میں ولیدؓ انھیں کیا ہوا؟ تم عورتوں سے نکاح کرتے پھر تم پر چلاؤ گے“

فخار سے ٹھیکے کے سامنے بارہ مسلمانوں کا خون زمین پر پھیلا ہوا ہے جس کے خشک ہونے کی بھی تربت نہیں آئی۔

خالد کو ابو بکرؓ کے خط سے بہت مسخ ہوا۔ انھوں نے سر ہلا کر کہا "جو نہ ہو یہ سب کچھ عمر بن خطاب کی کارستانی ہے؟ لیکن یہ معاملہ ابو بکرؓ کے خط اور اس پر خالدؓ کے انکار اور اس سے آگے نہ بڑھا۔

یہ امر کی جنگ میں خالدؓ نے مرتدین کی کڑواؤ ڈالی تھی اور اب ان کے لیے خاموشی سے ابو بکرؓ کی اطاعت اور دوبارہ اسلام قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہا تھا۔ مہر و عمار اور یمن کی جنگیں جو جنگ یمامہ کے بعد وقوع پذیر ہوئیں 'جنگ یمامہ سے زیادہ خطرناک نہ تھیں اس لیے ابو بکرؓ کو قدرے اطمینان کا سانس ملنے اور خالدؓ کو تھوڑا آرام کرنے کا موقع مل گیا۔ خالدؓ نے یمامہ کی بیٹی اور ام قیس کو لے کر یمامہ کی ایک وادی 'ویر' میں مقیم ہو گئے تا آنکہ انھیں ابو بکرؓ کی جانب سے عراقی حاکم ابراہیم سے ملنے کا حکم ملا۔

(۱۰)

## بقیہ محارباتِ ارتداد

بحرین، عمان، نمرہ، یمن، کندہ اور حضرموت

شمالی عرب کے منکرینِ رکعت اور مرتد قبائل خاند بن ولید کی فوج کشی کے نتیجے میں خلیفہ رسول اللہ کی اطاعت قبول کر کے دوبارہ دائرۃ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ ان قبائل کی حدود عرب کے شمال مشرقی حصے سے شروع ہو کر انتہائی مشرق میں عیلام تک اور وہاں سے نیچے آنکر مکہ کے جنوب مشرق تک پھیلی ہوئی تھیں حالانکہ جب ابو بکرؓ نے تمام خلافت سنبھالی تھی تو ان کا دائرۃ اقتدار مدینہ، مکہ اور طائف کے درمیان ایک چھوٹے سے ٹکٹ بنا خطے تک محدود تھا۔ عرب کے شمالی علاقے کے قبائل کی بغاوت نے بنی امیہ اور بنی حنیفہ کی طرح خطرناک رنگ اختیار کیا اور دوسرے الجندل کے سوا باقی تمام علاقوں کے کسی خاص قسم کی جدوجہد کے بغیر آسانی سے ابو بکرؓ کی اطاعت قبول کر لی۔

دوسرے الجندل کا ساکم اس زمانے میں اکید رکندی تھا۔ وہ بہ دستور اسلامی حکومت کے مقابلے میں ڈنڈا، آغوشِ حق کی خواہشات کے دوران میں خاند بن ولید نے اسے ذرا کیا۔

### جنوبی قبائل کا اصرارِ بغاوت

جہاں تک جنوبی علاقے کا تعلق ہے وہاں کے قبائل نے شمالی علاقے کے واقعات سے مطمئن نصیحت حاصل نہ کی اور بہ دستور ابو بکرؓ کے خلاف بغاوت برپا کر دی اور ارتداد پر جیسے جیسے اسباب سے جنوبی قبائل اور مسلمانوں کے درمیان عدت و سازش مبادل و قتال کا سلسلہ جاری رہا۔

جنوبی علاقہ جو نصف عرب پر مشتمل ہے عیلام فارس سے یمن کے شمال میں بحرِ احمر تک

پھیلا ہوا ہے اور اس میں بحیرین، عمان، ہندو، حضرموت، کندہ اور یمن کے صوبے واقع ہیں۔ مشرقی علاقوں کے مغربی علاقوں تک اور مغربی علاقوں کے مشرقی علاقوں تک آنے جانے کے لیے مذکورہ بالا تمام صوبوں سے گزرنا پڑتا ہے کیونکہ یہ تمام صوبے خلیج فارس، خلیج عدن اور بحر احمر کے ساحلی علاقوں پر واقع ہیں اور یمن کے ساحلی تمام کی چڑھائی بیت لحم ہے۔ اتنی قم کو ان کی حدود اور ساحل بحر کا فاصلہ چند میل کا ہے۔ عرب کا سارا جزیری علاقہ، جہاں صوبوں کو گھیرے ہوئے ہے، ایک فرد نکاحی ووق محمدا پر مشتمل ہے جسے بحر مدینہ، کبھی صورت ممکن نہیں۔ اس صحرا کو دیکھ کر آج بھی اسی طرح وحشت طاری ہو جاتی ہے جس طرح پہلے دہائیوں میں جاتی تھی۔ اسے ربیع النہالی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

### جنوبی عرب میں ایرانی اثر و نفوذ

ان صوبوں کے محل وقوع پر ایک نظر ڈالنے سے صاف پتا چل جاتا ہے کہ ان میں ایرانی اثر و نفوذ بہت آسانی سے راہ پا سکتا تھا۔ شمالی اور جنوبی علاقوں کے مابین آمد و رفت کا سلسلہ بے حد دشوار تھا کیونکہ درمیان کے بیرونیاں اور وہاں صحرا کو قطع کرنا مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ جہاز سے عمان و بحرین تک پہنچنے اور عمان و بحرین سے جہاز تک جانے کے لیے طویل طویل ساحلی علاقہ اختیار کرنا پڑتا تھا۔ اس لحاظ سے بحرین، عمان، حضرموت اور یمن کے مشرقی و جنوبی صوبے جہاز کے شمالی علاقے سے تقریباً کٹ کر رہ گئے تھے۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر ایرانی شہنشاہی نے ان علاقوں پر قریب مذہول کی اور یہاں اپنا اقتدار قائم کر لیا۔

ہم پہلے ذکر کرتے ہیں کہ یمن، جہاں کے اسلام قبول کرنے تک ایرانی حملہ آوری میں شامل رہا، جہاں اقتدار میں کسریٰ کی جانب سے اس علاقے کا عامل تھا۔ اسلام لانے کے بعد رسول اللہ نے اسے بدستور یہاں کا مالک مقرر کیے رکھا۔ بحرین اور عمان بھی ایرانی حملہ آوری میں شامل تھے اور کثیر اقتدار ایرانیوں نے بحرین اور عمان میں سکونت اختیار کر کے انھیں اپنا وطن بنالیا تھا۔ اس وجہ سے ایرانی اقتدار میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ جب کبھی سلطنت ایران کو عربوں کی جانب سے ہزیمت کا خطرہ ہوتا اور عرب ان کے اثر و اقتدار کو روکنے کی کوشش کرتے

تو وہ اسی ایرانی نژاد لوگوں سے کام لے کر اس بنادت کو فرو کر دیتی اور آناؤں کی جدوجہد کو ناکام بنا دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ کے عہد میں عرب کے جن علاقوں کو سب سے آخر میں اسلام لانے کی قریض ملی وہ عراق اور بحرین کے علاقے تھے۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد انھیں نے سب سے اول ارتداد اختیار کیا مگر جب سخت جنگوں کے بعد فتنہ ارتداد پاش پاش ہو گیا اور اہل عرب وہ بارہ ایک دینی اور سیاسی وحدت پر جمع ہو گئے تو یہی لوگ تھے جو سخت مجبور ہو کر سب سے آخر میں اسلام لائے۔

ان علاقوں میں جنگوں نے ارتداد کے زمانہ وقوع کے متعلق مزید زمین میں خاصا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں جنگیں سلسلے میں وقوع پزیر ہوئیں اور بعض کہتے ہیں سلسلے میں۔ پھر بھی یہ اختلاف کوئی اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ بحرین یا مصر سلم ہے کہ یہ جنگیں ابو بکرؓ کی خلافت کے ادائل سے شروع ہوئیں اور اس وقت تک ختم نہ ہوئیں جب تک سارے عرب نے کاملوں کی اطاعت قبول نہ کر لی۔ ابتداً شمال عرب سے ہوئی اور وہاں کے مرتدین کا قلع قمع ہونے کے بعد جنگوں کا رخ جنوبی علاقے کی طرف پھر گیا۔

عجرا نیائی محل وقوع کے پیش نظر مسلمانوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ جنوبی علاقوں میں سرگرمیوں کی ابتدا وہ یا تو بحرین سے کرتے اور عمان، مصر، حضرموت کے علاقوں کو زیر کرنے پر نئے یمن تک پہنچے ہاتھ یا اپنی کامدائیاں یمن سے شروع کرتے اور حضرموت، مصر اور عمان کے لوگوں کی سرکوبی کرتے ہوتے ان کا وسطیوں کا اختتام بحرین پر کرتے۔

## جنگی کارروائی کا آغاز

تمام حالات کے پیش نظر مسلمانوں نے بحرین سے جنگی کارروائی کا آغاز کرنا مناسب خیال کیا۔ کیونکہ قتل تو بحرین یا مصر سے بالکل نزدیک تھا اور دیا میں مغربار کے مقام پر وہ ابھی ابھی بنی حنیفہ کے مقابلے میں عظیم انتظامی فتح حاصل کر چکے تھے جس کی وجہ سے ان کی دھماک تمام قبائل عرب پر چھوٹ چکی تھی۔ دوسرے یمن کے مقابلے میں وہاں سے کامدوائی کا آغاز کرنا نسبتاً سہل بھی تھا۔ مگر یہاں کامیابی حاصل ہر سہائی قواس کا اثر دوسرے قبائل پر ڈرنا لازم تھا۔

پھر بھی اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ بحرین پر مسلمانوں کا تسلط کسی خاص کوشش کے بغیر ہو گیا تھا۔ بحرین اصل میں بحر سے ملحق ایک ساحلی ٹپ ہے جو خلیج فارس کے کنارے قطیف سے عمان تک پھیلی ہوئی ہے۔ بعض جگہوں پر تو صحرا اس ٹپ کو قطع کرتا تھا خلیج تک پہنچ گیا ہے شمال مغربی جانب وہ یامامہ سے ملحق ہے۔ یامامہ اور بحرین کے درمیان دو پٹے نیچے ٹیلوں کا ایک سلسلہ ہے جسے عبور کرنا چند دن دشوار نہیں۔ رمیہ کے تباکل: بنی بکرا اور بنی عبد القیس کا قیام بحرین اور بحر کے علاقوں میں تھلکان علاقوں میں تاجروں کی ایک جماعت بھی مقیم تھی جو ہندوستان اور ایران سے آنے والے تھلکان اور دریا سے قزاق کے دھانے سے مدین کے ساحلی علاقے تک کے درمیانی خطے میں باہر ہو گئے تھے۔ ملان تاجروں نے یہاں کے مقامی باشندوں سے سلسلہ بندی بھی قائم کر لیا تھا اور ان سے جو تسلط پیدا ہوئی تھی اسے 'الانبار' کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ بحرین کے علاقے کا بادشاہ ایک عیسائی، مندر بن سادی العبدی تھا۔ سلسلہ میں جب رسول اللہ نے اپنے تلامذہ علاء بن حضرمی کو اس کے پاس بھیجا تو یہ اسلام لے آیا جس پر رسول اللہ نے اسے برہمستور بحرین کا حاکم مقرر کیے رکھا۔ اسلام لانے کے بعد اس نے اپنی قوم کو بھی دین حق کی دعوت دینی شریعت کی اور چار دین علی کو دینی تربیت حاصل کرنے کے لیے رسول اللہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ چار دین نے مدینہ پہنچ کر اسلامی تعلیمات اور احکام سے واقفیت حاصل کی اور اپنی قوم میں اسے جا کر لوگوں کو دین کی تبلیغ کرنے اور اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے کا کام شروع کر دیا۔

### بحرین میں ارتداد کا آغاز

جس مینے رسول اللہ نے وفات پائی اسی مینے مندر بن سادی کا بھی استعمال ہوا اور عرب کے دوسرے علاقوں کی طرح بحرین والے بھی سب کے سب مرتد ہو گئے۔ رسول اللہ کے ولی علاء حضرمی کو بحرین سے نکلنا پڑا لیکن چار دین علی عہدی برہمستور اسلام پر قائم رہے۔ انھوں نے اپنی قوم جو عبد القیس سے ارتداد کا سبب بن چھا انھوں نے کہا،  
 - اگر تمھاری ہوتے تو کبھی وفات نہ پاتے !

چار دین نے یہ بھیجا،

”تم جانتے ہو محمدؐ سے پہلے بھی اللہ اپنے انبیاء کو سبوتا فرماتا رہا وہ سب کے سب کہاں گئے؟“  
 انھوں نے جواب دیا:  
 ”فوت ہو گئے۔“

ہارو نے کہا:

”جس طرح دیگر انبیاء فوت ہو گئے اسی طرح محمدؐ رسول اللہؐ بھی فوت ہو گئے۔ اگر دوسرے انبیاء کے فوت ہونے سے ان کی نبوت میں کوئی فرق نہیں پڑا تو رسول اللہؐ کے فوت ہونے سے آپؐ کی نبوت کس طرح زائل ہو سکتی ہے؟ میں گواہ دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔“  
 ہارو کی باتوں کا ان کی قوم پر بہت اثر ہوا اور وہ لوگ دوبارہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔  
 بڑے عہد القیس گرام اسلام سے آئے لیکن بحران کے دوسرے تباہی حکم بن ضیبہ کے زیر نگرانی ہر دستور حالت ارتداد پر قائم رہے اور انھوں نے بادشاہی کو دوبارہ آہل مندر میں منتقل کر کے مندر بن نعمان کو چنا بادشاہ بنالیا۔ سب سے پہلے انھوں نے ہارو داد و تبدیلہ بنی عہد القیس کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی لیکن انھیں اس کوشش میں یکسر ناکامی ہوئی۔ اس چحلم بن ضیبہ نے طاقت کے زور سے انھیں زیر کرنا چاہا۔ اس نے قطیف اور ہجر میں مقیم غیر ملکی تاجروں اور ان لوگوں کو جنھوں نے اس سے قبل اسلام قبول کیا تھا، اپنے ساتھ ملا لیا اور قصبہ جاشی کے قریب ہارو وادان کے ساتھ قبول کا معاہدہ کر لیا۔ یہ معاہدہ نہایت سخت تھا۔ لہجہ کہ اس پر اس کی وجہ سے بڑے عہد القیس جاں برب ہو چکے تھے، لیکن انھوں نے انتہائی ثابت قدمی دکھائی اور دوبارہ ارتداد اختیار کرنا قبول نہ کیا۔

### علامہ ابن حزمی کی روانگی

بحرین سے ارتداد کی خبریں وصول ہونے پر ابو بکرؓ نے ملازمین حزمی کو عربین کے مقابلے کے لیے روانہ فرمایا۔ وہیں اسحاق بن ولید، اسید اور اس کے پیروں کو عفرہ میں حیرت ناک شکست

چکے تھے۔ اس لیے جب علامہ یامہ سے گزے قریبی حنیفہ کی ایک کثیر جمعیت قناریہ اٹال اور قیس بن عاصم سقری کے زیر سرکشی ان کے ساتھ ہوں۔ اہل یمن اور بعض دیگر قبائل کے لوگ بھی کثیر تعداد میں ان کے لشکر میں شامل تھے جن میں یمنی تھا کہ مسلمان آخر سامے عرب پر قابض ہو جائیں گے اور ان کی مخالفت طاقتوں کو لا محالہ زیر ہونا پڑے گا۔

ہر زمانے میں یہی ہوتا رہا ہے کہ لوگ قوت و طاقت ہی کے آگے سر جھکاتے ہیں چنانچہ قیس بن عاصم جو اپنے قبیلے بنو قیسیم کو لے کر علاء کی فوج میں شامل ہو گئے تھے اس سے پہلے مکین زکوة کی صفِ اول میں شامل تھے قبیلے کی زکوة انھوں نے مدینہ یمنی بالکل بند کر دی تھی اور زکوة کا جمع شدہ مال لنگل کو واپس کر دیا تھا لیکن جب خالد بن ولید نے بنو حنیفہ کو زیر کر لیا اور ان کے سب کس بل نکال دیے تو قیس کو کافیت اسی میں نظر آئی کہ وہ خاموشی سے مسلمانوں کے آگے سر برطاعت خم کر دیں۔ چنانچہ جب علامہ بنو حنیفہ یامہ سے گزے تو وہ قیسیہ تھے جو اپنے قبیلے نے زکوة دوبارہ اکٹھی کی اور اسے لے کر علاء سے مل گئے اور ان کے ساتھ قیسی اہل بحرین سے جنگ کرنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

## مرتدین بحرین کی شکست

علامہ بنو حنیفہ لشکر لے کر بحرین پہنچے اور عجم کے قریب حمیران ہوئے۔ وہاں سے انھوں نے معانزہ کو اجڑا کر قیس کے ساتھ متحدہ بند تھے پیغام بھیجا کہ اسلامی لشکر آپہنچا اس لیے گھبراہٹ کی کوئی وجہ نہیں۔ خود انھوں نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ معانزہ جنگ اور دشمنوں کا جائزہ لینے سے انھیں معلوم ہوا کہ مرتدین اس تعداد میں ان کے مقابلے کے لیے موجود ہیں کہ بے سوچے سمجھے ان پر حملہ کرنا مناسب نہ ہوگا۔ انھوں نے اپنے لشکر کے دو گروہ خندق کھدوائی اور اس کے پیچھے لشکر لے کر پڑاؤ ڈال دیا۔ کبھی کبھی وہ خندق عبور کر کے مرتدین پر حملہ کرتے مگر قناریہ ویرانہ کی کھدوائی کے بعد پھر خندق کے پیچھے ہٹ آتے۔ اسی طرح ایک سینا گزر گیا کسی فریق کو معلوم نہ تھا کہ لڑائی کا انجام کیا ہوگا۔ آخر ایک رات مسلمانوں کو مرتدین پر پھر پورے حملہ کرنے کا موقع مل ہی گیا جس سے غامدہ اٹھا کر انھوں نے دشمن کو قتل و غارتگری کر ڈالا۔

واقعہ اس طرح ہوا کہ ایک رات لشکر گاہ مشرکین کی طرف سے سخت شر و غل کی آمادہ بن آئے لگیں۔ ملار بن حضرمی نے اپنے جاسوسوں کو خبر لانے کے لیے دشمنوں کے کیمپ میں روانہ کیا۔ انہوں نے اگر خبر دی کہ مشرکین کا لشکر شراب میں دھت ہے اور وہابی تباہی بک رہا ہے۔ علاوہ موقع تفصیلت جان کر فرخ کو ہوا دیا اور خندق جوڑ کر کے دشمن کے لشکر میں داخل ہوتے ہی اُسے گاجر سولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔

دشمن نے کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر بے تحاشا بھاگن شروع کر دیا۔ سیکڑوں لوگ بھاگنے کی کوشش کرتے ہوئے خندق میں گر پڑے۔ بیسیوں لوگوں کو گھبراہٹ اور دہشت کی وجہ سے کہیں جاتے فورا نہ ملتی تھی اور وہ اسی حالت میں قتل کر دیے گئے۔ ہزاروں لوگوں کو قیدی بنایا گیا۔ اسی جنگ میں اس کا کام تمام کر دیا۔ ضعیف بن منذر الغزوہ کو مسلمانوں نے زندہ گرفتار کر لیا جب وہ ملار کے سامنے پیش کیا گیا تو ملار نے کہا:

”تھیں تھے جنھوں نے ابن لوگوں کو دھوکا دیا تھا؟“

خود نے کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر اسلام قبول کر لیا اور کہا:

”میں دھوکا دینے والا نہیں، اللہ اپنی طاقت پر ناز ضرور تھا۔“

یہ سن کر علاوہ نے اُسے معاف کر دیا۔

## دارین میں مغزورین کی پناہ

جو لوگ قتل اور قیدی ہونے سے بچ گئے تھے انہوں نے کشتیوں میں سوار ہو کر جزیرہ مدین میں پناہ لی۔ علاوہ نے فی الحال ان سے تعرض نہ کیا بلکہ اپنی قوجہ بھرن کے دوسرے علاقوں میں اپنی تمام قائم رکھنے پر مہذول کی جب سارے علاقے میں امن قائم ہو گیا، قبائلی نے اسلامی حکومت کی اطاعت قبول کر لی اور ملار کے لشکر میں بھی معتد بہ اضافہ ہو گیا تو انھوں نے لشکر کو دارین پر حملہ کرنے کا حکم دیا تاکہ کسی مرتد کے لیے کوئی جگہ نہ رہے اور جاتے پناہ باقی نہ رہے۔

## دارین کی فتح

دارین خلیج فارس کا ایک جزیرہ ہے جو بحرین کے بالمقابل چند میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ وہاں بعض عیسائی خاندان آباد تھے۔ روایات سے پتا چلتا ہے کہ ملار نے جب سمائل کو اس جزیرے پر حملہ کرنے کا حکم دیا تو ان کے پاس کشتیاں نہ تھیں جن پر سوار ہو کر وہ جزیرے تک پہنچتے۔ یہ دیکھ کر ملار کھڑے ہوئے اور کہا،

”اے لوگ! تجھیں اللہ نے خشکی میں اپنے نشانات دکھائے ہیں۔ کیا وہ سمندر میں اپنے نشانات نہیں دکھا سکتا؟ اُس نے خشکی میں نشانات ایسی ہیے دکھائے ہیں کہ سمندر کی مچھلی میں بھی تمہارے حوصلے قائم رہیں۔ اس لیے دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ اور بے دھڑک سمندر میں کود پڑو! اللہ تمہارا سا فخر و نامہ ہو گا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے تمام مردین کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور تم آسمانی سے اُن پر غلبہ حاصل کر سکتے ہو۔ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دو اور کمر محنت کس کر سمندر کی مچھلی سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔“

لشکر نے یک زبان ہو کر جواب دیا،

”اے ہمارے سردار! ہم ہر وقت آپ کا حکم بجالانے کے لیے تیار ہیں۔ جب ہونا ک سمجھا میں مروجہ نہ کر سکے تو سمندر ہمارے آگے کیا چیز ہے؟“

چنانچہ لشکر نے تیاریاں شروع کر دیں۔ ساحل بھر کر پہنچ کر وہ گھوڑوں، گدھوں، خیموں، اونٹوں پر سوار ہوئے اور اللہ کا نام لے کر انھیں سمندر میں ڈال دیا لیکن اللہ کی قدرت سے انھیں مطلق نقصان نہ پہنچا۔ ان کی ساریاں سمندر میں اس طرح جا رہی تھیں جیسے خشکی پر سفر کر رہی ہوں۔ سمندر کا پانی اونٹوں کے سروں پاؤں تک تھا۔

لیکن جب کہ اس وقت خلیج فارس میں جزر آیا ہوا تھا روایات میں مبالغہ ہوا اور حقیقت مسلمانوں کو مقامی بائبل شدوں کے ذریعے سے کشتیاں دستیاب ہو گئی ہوں جن پر سوار ہو کر انھوں نے سمندر عبور کیا جو (اگرچہ کسی روایت میں اس کا ذکر نہیں) پھر بھی اس میں شبہ نہیں کہ مسلمان دریائے

پہنچ ہی گئے اور مرقور دین کا سخت مقابلہ کر کے سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور ان کی جھڑوں اور بچوں کو قیدی بنالیا۔ اس جنگ میں انھیں کثیر مال نصیب ہوا تھا آیا۔ اس کی کثرت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ سوار کے چھتے میں چھ ہزار درہم اور ہریل کے چھتے میں دو ہزار درہم آئے تھے۔

## بحرین کو علاء کی واپسی

دارین سے فراغت حاصل کر کے علاء بن محمزی بحرین واپس پہنچے لشکر کے چند لوگوں نے دارین ہی میں رہنا پسند کیا، باقی علاء کے ساتھ آ گئے۔ بحرین پہنچ کر انھوں نے ابو بکرؓ کی خدمت میں فتح کی خوش خبری بھیجی اور خود مزید احکام ملنے تک بحرین میں مقیم رہے۔ اب اگر انھیں خطرہ تھا تو بعض ان بدوی قبائل کی طرف سے جن کا پیشہ ہی لوٹ مار اور غارتگری تھا، یا ایرانیوں کی فریادیں کا جن کے اثر و نفوذ کو مسلمانوں کی پیش قدمی کے نتیجے میں سخت دھچکا لگا تھا۔ پھر بھی وہ اس طرف سے بڑی حد تک مطمئن تھے کہ چونکہ دارین پہلے ہی بحرین کے متعدد قبائل و رہنماؤں نے پختہ دل سے ان کی اطاعت قبول کر کے اپنے آپ کو مسلمانوں کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا ان لوگوں میں پیش پیش حبیب بن غنم اور شعی بن مدحہ شیبانی تھے۔ ان لوگوں کی کوششوں سے شکست خوردہ قبائل اور فساد پر مبنی دوبارہ سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔

## عراق کی جانب پیش قدمی

شعی بن مدحہ نے قریانی قریب کاروں کا مقابلہ کرنے کے لیے باقاعدہ جدوجہد شروع کر دی اور اس غرض کے لیے خلیج فارس کے ساحل کے ساتھ ساتھ پیش قدمی کر کے دریائے فرات کے دہانے تک پہنچ گئے۔ شعی کا عراق کی سرحد پر پہنچ کر دشمنان اسلام کی سرگرمیوں کی روک تھام کرنا اور اس علاقے میں تبلیغ اسلام کی جدوجہد کرنا عراق کی فتح کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

اب ایک حکایت میں مذکور ہے کہ علاء نے اس موقع پر یہ جنگ نہیں کی اور یہ جریدہ دستوراً اسلامی سلطنت سے الگ تھا کہ دارالخبرہ میں خطاب کے واسطے ہیں اس کی فتح عمل میں آئی۔

## عمان میں جنگ و جدل

بحرین کے واقعات کے بعد اب ہم عمان کی طرف توجہ دیتے ہیں جہاں ارتداد کا فتنہ دو سہے علاقوں کے فتنوں سے کسی طرح کم نہ تھا۔

عمان رسول اللہ کے عہد میں ایرانیوں کی ٹٹل مداری میں شامل تھا ایرانیوں کی جانب سے یہاں جعفر نامی ایک شخص عامل مقرر تھا۔ رسول اللہ نے اسلام کا پیغام اس تک پہنچانے کے لیے عمرو بن عاص کو اس کے پاس بھیجا جعفر نے کلمہ اسلام کہنے میں تو کوئی مذہب نہیں لیکن یہ ڈنڈہ دوسے کہ اگر تم نے یہاں سے زکوٰۃ اکٹھی کر کے مدینہ بھیجی تو میری قوم مجھ سے بگڑ جائے گی۔ اس پر عمرو بن عاص نے اسے پیش کش کی کہ اس علاقے سے زکوٰۃ کا جو مال وصول ہوگا وہ اسی علاقے کے عزباء پر خرچ کر دیا جائے گا۔ چنانچہ جعفر اسلام لے آیا۔ عمرو بن عاص نے بھی یہیں سکونت اختیار کر لی۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد جب اہل عمان نے بھی ارتداد اختیار کیا تو عمرو بن عاص تو مدینہ چلے آئے اور جعفر پہاڑوں میں بھاگ گیا۔

## عمان میں فتنہ ارتداد کا بانی

عمان میں فتنہ ارتداد کا بانی ذوالقاج قطیب بن مالک اذہبی تھا جس نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ ابو بکرؓ نے حمیر کے ایک شخص حذیفہ بن محسن غلفانی کو عمان اور تنجیدہ اذہ کے ایک شخص حسنہ بن برقرہ ایبارتی کو مہرہ بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ وہ دونوں ساتھ ساتھ سفر کریں اور جنگوں کا آغاز عمان سے کریں۔ جب عمان میں جنگ ہو تو حذیفہ قائد ہوں گے اور جب مہرہ میں جنگ پیش آئے تو حذیفہ سپہ سالاری کے فرائض انجام دیں گے۔

اس سے پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ ابو بکرؓ نے حکمران بن ابی جہل کو یہاں میں فتنہ ارتداد کا آغاز کرنے کے لیے بھیجا تھا اور شریعتی بن حسنہ کو ان کی مدد کے لیے روانہ کیا تھا۔ لیکن حکمران نے شریعتی کا انتظار کچھ بغیر سیر کی فوجوں پر عمل کر دیا مگر فتح کا فخر تنہا ان ہی کے حصے میں آئے۔ لیکن سیر نے انھیں شکست دے کر پیچھے ہٹا دیا۔ ابو بکرؓ نے ان کی جلد بازی پر طعنت کرتے

ہوئے انھیں مدینہ آنے سے منع کر دیا اور حکم دیا کہ عمان، ہاکر باغیوں کے مقابلے میں حذیفہ اور عوف کی مدد کریں۔ ابوبکرؓ نے ان دونوں سرداروں کو بھی اس کی اطلاع دے دی اور حکم دیا کہ وہ کوئی کام کر کے مشورہ کئے بغیر نہ کریں۔ حکمران دونوں سرداروں کے پہنچنے سے پہلے ہی عمان پہنچ گئے۔ جب یہ یمنوں کا مذاکھے ہوئے تو یا ہم صلاح مشورے کے بعد طے پایا کہ خیر اور اس کے بھائی عباد کو جو پہاڑوں میں چھپے ہوئے ہیں نکھاجائے کہ وہ آکر اسلامی لشکر سے مل جائیں۔

## مسلمانوں کی کامیابی

جب عقیقہ کو مسلمانوں کے آنے کا پتا چلا تو وہ لشکر لے کر وہاں خمیرہ ذی ہر گیا۔ اور حضرت عباد اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پہاڑوں سے نکل کر پہلے صحرا پہنچے اور وہاں سے پہلے کہ اسلامی فوج سے اکٹرا گئے۔ وہاں کے میدان کا رونا میں دونوں فوجوں کے درمیانی گھسان کا دل پڑا ابتدا میں عقیقہ کا پہلہ بھاری تھا۔ مسلمان شہیدانہ طور پر کی حالت میں تھے اور ان کی صفوں میں انشاء کے آثار و نوادہ جو نے شروع ہو گئے تھے۔ قریب تھا کہ انھیں شکست ہو جاتی کہ اللہ کی نصرت بنو عبد القیس اور بحرین کے دوسرے قبائل کی جانب سے بھاری کمک کی صورت میں نہ ہوتی جس سے جنگ کا پانسہ بالکل ملٹ گیا۔ مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ ان کی قوت و طاقت میں مستحضر اضافہ ہو گیا اور وہ ٹھہر چڑھ کر عقیقہ کی فوج پر حملے کرنے لگے۔ اس جنگ میں انھوں نے دشمن کے دس ہزار آدمی قتل کیے ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا اور کثیر مال غنیمت پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح عمان میں بھی اتحاد کے فتنے کا خاتمہ ہو گیا اور مسلمانوں کی حکومت پائیدار بنیادوں پر قائم ہو گئی۔

جنگ کے بعد حذیفہ نے عمان ہی میں حکومت اختیار کر لی اور یہاں کے حالات کی مدد سے اور امن و امان قائم کرنے میں مصروف ہو گئے۔ عرفہ ابوبکرؓ کی خدمت میں شخص پیش کرنے کے لیے مدینہ چلے گئے اور حکمران اپنا لشکر لے کر مدینہ کی قیادت فرما کر نے اور اسلام کا علم دوبارہ بلند ملے کامل ابن خیر میں جویر کے بھائی کا نام عباد کے بھائی عباد لکھا ہے۔

کرنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

## مہرہ میں جنگ

عکرمہ نے مدینہ کو جنوبی عرب کے انتہائی مشرقی علاقے عمان میں چھوڑا تھا اور خود مہرہ کی بنیاد پر وکرنے اور ارتداد کا فتنہ مٹانے کی غرض سے ہر جانب غلبہ روانہ ہو گئے تھے۔ ان کے ہمراہ مسلمانوں کی بھاری جمیعت تھی جو زیادہ تر ان قبائل کے لوگوں پر مشتمل تھی جو ارتداد سے تائب ہو کر دوبارہ اسلام کی آغوش میں آچکے تھے۔ مہرہ پہنچ کر انھیں دو جماعتوں کا سامنا کرنا پڑا یہ دونوں جماعتیں ایک دوسرے کی حریف تھیں۔ ہر جماعت چاہتی تھی کہ ملک کا اقتدار اسی کے ہاتھ میں رہے اور دوسری جماعت اس کے ماتحت رہ کر زندگی بسر کرے۔ یہ صورت حال دیکھ کر عکرمہ نے مناسب سمجھا کہ وہ کمزور جماعت کو ساتھ لے کر اس کی مدد سے طاقتور جماعت پر غلبہ حاصل کریں۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور کمزور جماعت کے ساتھ گفت و شنید کا سلسلہ شروع کر کے اسے اسلام لانے کی دعوت دی جو اس نے قبول کر لی۔

عکرمہ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر کے اپنی فوج کو واپس مہرہ کے نو مسلم لوگوں کو ملنے طاقتور جماعت کے مقابلے کے لیے روانہ ہوئے۔ اس موقع پر وہاں بھی زیادہ گھسان کا دن پڑا جس میں انھام کا مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور انھیں کثیر مال ضمیمہ ہوا تھا۔

عکرمہ نے فتح کی خوش خبری اور جس ارسال کرنے کے علاوہ حلیف جماعت کے سردار کو بھی ایک بکری کی خدمت میں مدینہ روانہ کیا اور خود امن و امان بحال کرنے کی غرض سے کچھ عرصے کے لیے مہرہ ہی میں ٹھہر گئے۔ جب یہاں کے حالات کے متعلق انھیں کامل اطمینان ہو گیا تو ضمیمہ مسلمانوں کے احکام کے مطابق جاری فوج کے ہمراہ جس میں دیگر قبائل کے علاوہ اہل مہرہ بھی شامل ہو گئے تھے۔ صاحبزبان ابی ایسر کی مدد کے لیے یمن کی جانب روانہ ہو گئے۔

## یمن میں قیام امن کی مساعی

عکرمہ ساحل کے ساتھ ساتھ مہرہ سے حضرموت اور کندہ کی جانب بڑھے۔ اس سفر میں انھیں کسی

خاص دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑا کیونکہ حضرت عمرو سے محنت ہے۔ اہلۃ ماجرین اہلۃ ایسے کردہاں  
 ہمک پہنچنے میں سخت مشکلات پیش آئیں کیونکہ انھیں شمالی جانب سے بھی پہنچنا تھا۔ مگر رہا جہ سے  
 بھنے کی خاطر تیزی سے سفر کرتے ہیں پیچھے یمن کی بنات کو عدت دراز گزر چکی تھی اور قحط کے  
 جراثیم نے سارا علاقہ سخت مسموم کر رکھا تھا۔ اس لیے اب کہ دوسرے علاقوں سے بنات  
 اور فتنہ و فساد کے شعلے سر دو کیے جا چکے تھے منوروی تھا کہ یمن میں بھی امن وامان قائم نہیں کی جاسکتا  
 کی جاتی تاکہ روضہ اس علاقے کی جانب سے سلطنت اسلامیہ کو الیمان نصیب ہو تاکہ ایک گنہگار  
 حضرت کے بغیر مرتدین کے ہتھیال میں بھی آسانی پیدا کی جاسکتی۔

## یمن میں بغاوت کے اسباب

صلوات ماقبل میں مسعودی کی بغاوت کا حال بالتفصیل بیان کیا گیا تھا کہ کس طرح اس نے  
 نہایت کا دھڑی کر کے صفا کی طون کو چ کیا کس طرح انتہائی سرعت سے کتا اور طاقت تک اس کا اثر  
 جا پہنچا اور کس طرح اس کی بیوی آزاد کی سازش سے جو قبل ازیں صفا کے بادشاہ شہرین بازنطیہ  
 کی زوجیت میں تھی اسی کی طرح آزاد کو پہنچا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صفا کے قتل کی خبر  
 مدینہ میں صین اس روز پہنچی جس روز رسول اللہ کا وصال ہوا تھا۔ ابو بکر نے فیروز کو یمن کا حاکم مقرر  
 فرمایا لیکن رسول اللہ کی خبر وفات میں کہ بغاوت کے شعلے ایک بار پھر درود شور سے بجھ کر اٹھے۔  
 مزید برآں کئی عوامل اس قسم کے پیدا ہو گئے جنہوں نے یمن آگ کو بجھ کر کھٹنے میں اور زیا دہ  
 مدد دی۔

## شہر شہر یمن کا پہلا سبب

بنات کی آگ کو زیادہ بڑھ کر کھٹنے کا پہلا سبب یہ تھا کہ اس علاقے میں ایک متحدہ حکومت قائم کرنے  
 کے بجائے اسے مختلف عمال کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔ چنانچہ بازنطی کی وفات کے بعد یمن کی حکومت  
 میں اس کے بیٹے شہر کے علاوہ دیگر عمال کو بھی شریک کر دیا گیا۔ شہر کو صفا کی ولایت سپرد کی گئی۔  
 اور دیگر عمال کو نجران اور ہمدان وغیرہ کی۔ اس صورت حال نے مسعودی کی بغاوت کرنے پر مزید حثیت

دلائل، موت یمن ہی کا یہ حال نہ تھا بلکہ یمن کے شمالی علاقے میں بھی جو حکمران طاقت تک پہنچا چکا گیا تھا، مملکت کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے اسے مختلف عمال کے زیر حکومت دے دیا گیا، چنانچہ ہمارے ساتھ علاقہ جو ساحل بحر کے نزدیک واقع تھا ایک حاکم کے ماتحت تھا اور اندرونی علاقہ دوسرے عمال کے ماتحت۔ اسود غنی کا مقصد فروہر جانے کے بعد ان عمال میں سے ہر ایک کے یہی چاہا کہ وہ اپنی جگہ واپس جا کر عمان حکومت اپنے ہاتھ میں سنبھالے اور اگر اس مقصد کے لیے لڑنا بھی پڑے تو اس سے دریغ نہ کرے۔

دوسری طرف اسود غنی کے دو گادروں کو یہ صورت حال گوارہ نہ تھی کہ جو علاقہ غنی نے سخت کوشش اور جدوجہد کے بعد قبضے میں کیا تھا وہ دوبارہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں چلا جائے۔ اس لیے انھوں نے بھی مسلمان حکام کو دوبارہ اپنے اپنے علاقوں پر تسلط ہونے سے روکنے اور اسود غنی کی جگہ لینے کے لیے کارروائی شروع کر دی۔

قیسری جانب رسول اللہ کی وفات کے بعد عرب میں ارتداد کا فتنہ وبا کی طرح پھیلنے لگا تھا اور ہر قبیلہ کی یہ کوشش تھی کہ وہ مسلمانوں کی اطاعت سے آزاد ہو کر اور اسلامی حکومت کا جزا گردن سے اتار کر خود مختاری حاصل کر لے۔

ان تمام اسباب نے مل کر یمن اور اس کے ملحقہ علاقے میں جو اسود غنی اور اس کے دو گادروں کی سرگرمیوں کا مرکز تھا، شدید بیابان و اضطراب پیدا کر دیا۔

## اسود کے بعد مدوگاؤں کی سرگرمیاں

اسود غنی کی موت کے بعد بھی اس کے دو گادروں کا جوش و خروش ٹھنڈا نہ ہو سکا تھا اور انھوں نے نجران اور صنعاء کے علاقے میں سرگرمیاں دوبارہ شروع کر دی تھیں۔ عمرو بن سعدی کرب نے جو شاعر ہونے کے علاوہ اعلیٰ درجے کا بہادر بھی تھا جس کی شجاعت اور جرات مزے کی دھماکے سا رہے عرب پر مچھلی ہوئی تھی اور جس نے غنی سے مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا تھا یہ جو قیامت جان کر مسلمانوں کے خلاف غمگین شورش بلند کر دیا اور قیس بن عبدغنیث کو ساتھ ملا کر قریہ و زکوین کے نکال دیا، ساتھ ہی داؤد یہ کو بھی ملک بدر کر دیا۔ اس طرح یمن میں دوبارہ فتنہ برپا ہو گیا اور اس

ملاقاتے ہیں اس کی راہیں مسدود ہو گئیں۔

اس صورت حال سے محمد وبراہو نے کچھ عرصے سے منوروی امر پہ تھا کہ مدینہ اویچین کے درمیانی راستے میں امن وامان قائم کیا جائے۔ اس راستے پر جو ساحل بحر کے ساتھ تھا چلا گیا تھا، ملک اور خضر بن کے بعض قبائل آباد تھے۔ انھوں نے خورش پسندوں سے مل کر سلاطین کے لیے یہ راستہ مسدود کر دیا، طاقت اس راستے کے بالکل قریب واقع تھا، وہاں کے حاکم طاہر بن ابی ہار نے تمام واقعات سے ابھر کر کہ اطلاع دی اور خود ایک لشکر حجاز کے کراچی کے مقابلے کے لیے روانہ ہو گیا۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی جس میں مصدقین کو شکست فاش ٹھکانی پڑی۔ ان کے بے شمار آدمی قتل ہوئے۔ مؤرخین نے یہاں تک لکھا ہے کہ ان کی لاشوں سے سدا راستہ پٹ گیا اور آمد و رفت معطل ہو کر رہ گئی۔ اب بکڑا فوج کی خوش خبری پہنچنے سے پہلے ہی طاہر کو خط لکھ چکے تھے جس میں اسے ڈھارس دیتے ہوئے ثابت قدمی سے مقابلہ کرنے کی تلقین اور ہدایت کی گئی تھی کہ جب تک اس راستے میں جس پر غصیت لوگ قابض ہیں امن وامان قائم نہ ہو جائے اس وقت تک وہ اعلاٹ میں مقیم رہے۔ اس روز سے قبیلہ ملک کی فوجوں کا نام مجموعہ الاغابٹ اور اس راستے کا نام طریق الاغابٹ پڑ گیا۔ بعد میں لیے عرصے تک یہ نام عربوں میں رائج رہا۔

## شورش و اضطراب کا دوسرا سبب

یہاں میں فتنے کے بھڑکنے اور اس میں شدت پیدا ہونے کا دوسرا بڑا سبب قریش کا اختلاف تھا۔ شمر کے قتل ہونے کے بعد ابوبکر بنی نصر میں فیروز کو حاکم مقرر فرمایا تھا۔ اس وقت کے قتل کی سازش میں فیروز کے ساتھ شمر کے دو وزیر داؤد بن اور جیش اور سپہ سالار قیس بن عبد بنی شریک تھے۔ فیروز داؤد بن اور جیش فارسی الاصل تھے لیکن قیس عربی نسل اور یمن کے قبیلہ حمیر سے تھا۔ اس لیے جب ابوبکر بنی نصر کو حاکم مقرر کیا تو قیس کو یہ بات بری لگی اور اس نے فیروز کے قتل کا حکم دلا دیا۔

اعلاٹ: ملک و ساحل بحر کے درمیان ایک مقام ہے جہاں بڑا ملک بن صغیر آباد تھے۔

## قیس کی فتنہ انگیزی

لیکن جب قیس نے گری نظر سے حالات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ غیر روز کا قتل آسان کام نہیں کیونکہ اس صورت میں تمام اہل انبار اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے، انبار اہل ایرانی النسل لوگوں کو کہا جاتا تھا جنہوں نے سلطنت ایران کے دور اقتدار میں یمن کو چلن بنایا تھا یہاں انہوں نے بہت زیادہ اثر و رسوخ حاصل کر لیا حتیٰ کہ حکومت میں بھی ان کا عمل دخل بہرگاہ انبار کی طاقت و قوت کے پیش نظر قیس کے لیے ضروری تھا کہ وہ یمن کے قدم چلی قبائل کو ساتھ ہٹا کر وہاں کے ایرانی النسل باشندوں کو پوری طرح قلع قمع کرنے کی کوشش کرتا رہے اسے بھی ایسے ہی انجام سے دوچار ہونا پڑتا جس سے اس کو مرہنا پڑا اور اسے بھی اپنی جان اسی طرح کھٹنی پڑتی جس طرح اس کو ملکی جان گئی۔

چنانچہ اس نے فوراً انکلاخ خمیری اور یمن کے دوسرے عربی النسل سربراہوں اور دو اشخاص اور سربراہوں کو ملکہ انبار نے زیرِ بستی تھا کہ اسے علاقے پر تسلط جمایا ہے اور ناماً بابت طور پر ایران سے آکر یہاں آباد ہو گئے ہیں۔ مگر تم نے ان کی طرف سے بے پروائی برتی تو مختصر یہ کہ تم پر پورے طور سے غالب آجائیں گے میری رائے ہے کہ ان کے سرداروں کو قتل کر کے انھیں ملک سے نکال دیا جائے تم اس کام میں میری مدد کرو۔

قیس کے جواب میں فوراً انکلاخ اور اس کے ساتھیوں نے غیر جانب داری کی پالیسی اختیار کیے رکھی نہ قیس سے مل کر انبار کے خلاف کارروائی کی اور نہ انبار کی مدد کر کے قیس کو تنگ پہنچانی چاہی قیس کو انہوں نے کہلا بھیجا کہ ہم اس مسئلے میں دخل دینے سے معذور ہیں۔ تم اپنے ساتھیوں سے مل کر جو مناسب سمجھو کرو، انھیں انبار کے خلاف قیس کی مدد کو ملے میں غالب آگئی ضرور دھبی ہوتا لیکن انھیں معلوم تھا کہ اس صورت میں اب کوئی تقیہ انبار کی مدد کیسے کیونکہ انبار بہ دستور اسلام پر قائم اور مدینہ کی حکومت کے کامل فرمانبردار تھے۔ اس صورت میں ان کے خلاف مداخلت کرنا اپنے آپ کو ایسی مصیبت میں پھنسا لینے کے مترادف تھا جس کے متعلق کوئی نہ جانتا تھا کہ اس کا نتیجہ کیا ہو گا، خصوصاً اس صورت میں کہ ارتداد کی دبا بھیل جانے کے باعث یمن

اسلامی فوجوں کی آماجگاہ بننے والا تھا اور اس سے پہلے مسلمان ہرمیدان میں فتح یاب ہر جگہ  
نہتے۔

## مساوین غنسی سے قیس کی استداد

نور المکلاخ اور اس کے ساتھیوں کے انکار کے باوجود قیس شکستہ خاطر زہنا بلکہ اب اس نے  
خفیہ طور پر ان گروہوں سے خط و کتابت کرنی شروع کی جنہوں نے اسود غنسی کے خروج کے  
زمانے میں اُس کی (غنسی کی) مدد کی تھی اور انہیں اس غیر ملکی عنصر سے نکالنے میں ان کی مدد کا طالب  
ہوا۔ وہ لوگ پہلے ہی سے چاہتے تھے کہ انہیں اس غیر ملکی عنصر سے نجات ملے۔ انہوں نے  
بڑی خوشی سے قیس کا ساتھ دینا منظور کر لیا اور اسے لکھو دیا کہ ہم تمہاری مدد کے لیے جلد  
از جلد پہنچ رہے ہیں اطمینان رہو۔

چونکہ یہ خط و کتابت انتہائی خفیہ تھی اور فوجوں کی نقل و حرکت میں بھی نہایت رازداری  
برتنی گئی تھی اس لیے اہل مسند کو ان فوجوں کی اطلاع اس وقت تک مدخل ملے جب تک وہ  
حشر کے بالکل قریب پہنچ گئیں۔

جب ان فوجوں کے آنے کی خبر شریش صلیبی قریس فوراً فیروز کے پاس پہنچا اور اس پر یہ  
خبر کیا کہ اُسے بھی یہ خبر اچھی مل چکی ہے۔ پہرے پر بھی اُس نے گنبد ہٹا دیا اور سب کی کی علامات  
پیدا کر لیں اور انتہائی مکاری سے کام لیتے ہوئے اُس نے فیروز کو رازداری سے موجود صورت  
حال کا مقابلہ کرنے کے مشورے کیے۔ مزید صلاح مشورے کے لیے اس نے فیروز کو رازداری  
اور حشیش کو اگلے روز صبح اپنے اُن کھانے پر بلایا۔

## واذویہ کا قتل

واذویہ حسب قیودہ دار گئے روز قیس کے گھوڑے چلے گئے۔ اس کے دونوں ساتھی فیروز اور حشیش بھی تک  
نہ آئے تھے۔ جوں ہی واذویہ نے گھر میں قدم رکھا قیس نے تھمار کا ہاتھ مار کر اس کا کام تمام کر دیا  
تھوڑی دیر بعد فیروز بھی پہنچا مگر وہاں سے جس داخل ہوئے ہی اُس نے سنا کہ اس کے ساتھیوں

کے قتل کے متعلق باتیں جو رہی ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ گھوڑے پر سوار ہو کر سڑ پٹ بھاگا۔ راستے میں اسے جنس ملا یہ ماجرا معلوم ہونے پر وہ بھی اس کے ساتھ ہولیا اور انھوں نے کسی ایسی جگہ کی تلاش شروع کی جہاں وہ دو ذول پناہ لے سکیں۔ قیس کے آدمیوں نے گھوڑوں پر سوار ہو کر ان کا پیچھا کیا لیکن وہ انھیں نہ پاسکے اور ناکام واپس آ گئے۔ فیروز اور جنس جبلی خزان پہنچے جہاں فیروز کی خیاں تھی لیکن انھیں اب تک یقین نہ تھا کہ وہ ہلاکت سے بچ گئے ہیں۔

### صنعا پر قیس کا تسلط

قیس صنعا پر قابض ہو گیا اور اسے امینان سے وہاں حکومت کرنی شروع کر دی۔ اس سے یہ خیال بھی نہ آ سکتا تھا کہ اب کوئی شخص اس کے اقتدار کو چیلنج اور اسے حکومت سے محروم کر سکتا ہے اسے معلوم ہوا کہ فیروز اب بکڑ سے مدد طلب کرنے اور بنو خزان کو ساتھ ملا کر اس پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ سن کر اس نے ارادہ منہ خر کھا:

”خزان کو دکھو اور فیروز کو دیکھو۔ اس اہمیت کی کچھ میں یہ بات نہ آئی کہ خزان کی قوت و طاقت کتنی ہے جس کے بل بوتے پر وہ مجھ سے مقابلہ کرنے کا خواہش مند ہے۔“

قبیلہ حمیر کے محام بھی قیس کے ساتھ مل گئے اور قبیلہ کے سرداروں نے اس کی اہمیت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور گوشہء عزلت میں مقیم ہو گئے۔

### انبار سے قیس کا سلوک

جب قیس کو اپنی قوت و طاقت کا پوری طرح اندازہ ہو گیا تو اس نے انبار پر توجہ مبذول کی اور انھیں تین گروہوں میں تقسیم کر کے ہر ایک سے علاحدہ علاحدہ سلوک دکھایا۔ جن لوگوں نے قیس کی اطاعت قبول کر لی اور فیروز کی طرف میلان ظاہر کیا انھیں اس نے کچھ دیکھا اور ان کے اہل و عیال پر دست درآہی اپنی جگہ تقسیم ہے۔ لیکن جو لوگ بھاگ کر فیروز کے پاس چلے گئے ان کے اہل و عیال کو اس نے دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک گروہ کو مدین بھیج دیا تاکہ وہ ہمدون

میں سوار ہو کر اپنے وطن چلے جائیں اور دوسرے گروہ کو خشکی کے راستے خلیج فارس کی جانب روانہ کر دیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے شہروں کو چلے جائیں اور ان میں سے کوئی میں نہیں رہے۔

## قیس کی شکست

فیروز کے اہل وطن پر جو کچھ ہوتی اسے اس کا سارا حال معلوم ہو گیا۔ اس نے اپنی ہود کے یہاں قبائل کو بھارتا شروع کیا جو بہ دستور اسلام پر قائم تھے اور اس طرح غریبی مصیبت کے ذریعے سے وطنی مصیبت کا سد باب کرنا چاہا۔ بنو قریظ بن ربیعہ اور بنو ملک نے اس کا ساتھ دیا اور وہ ایک فوج ترب کے قیس کے مقابلے کے لیے روانہ ہوا۔ منہار سے کچھ دور قیس کی فوجوں سے اس کا مقابلہ ہوا جس میں قیس کو شکست ہوئی۔ فیروز نے دوبارہ منہار پر قبضہ کر لیا اور غزینہ، اسیلین کی طرف سے دوبارہ وہاں کی امارت سنبھال لی۔

قیس اپنے عزیزیت خورہ لشکر کے ساتھ بھاگ کر اسی جگہ جا پہنچا جہاں وہ اسود غسی کے وقت موجود تھا۔ اس کی شکست سے اس ترقی مصیبت کا آثار ہو گیا جس کے بل بوتے پر اس نے اپنی دولت کی بنیاد رکھی تھی۔

فیروز کی فتح اور تخت امارت پر اس کے دوبارہ ٹھکس ہونے سے بھی یمن میں متوقع امن قائم نہ ہو سکا۔ منہار میں تبے شک فیروز کی حکومت قائم ہو گئی لیکن باقی یمن پر دستور امانت کی آگ میں جل رہا تھا اور وہاں کے بہترین مسلمانوں کے مقابلے میں جیسے ہوئے تھے۔

## یمن اور حجاز کی ویرانہ دشمنی

اس جگہ ایک تیسرے سبب کا ذکر کر دینا بھی مناسب ہے جس نے اس علاقے میں بندوبست کے خصلے بظاہر کاغذ میں مدد دی اور وہ تھا یمن اور حجاز کا درمیانہ عہدہ پر عہدہ و محاسنیت۔ رسول اللہ کے عہد میں حجاز میں کے انصار یمن کے غریبی کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا تھا۔ ابو بکر کے عہد میں اگرچہ خلافت اور مکرر کی فتوحات نے اہل یمن کے دلوں پر اثر ضرور کیا تھا اور وہ مسلمانوں سے درجست زدہ ہو گئے تھے مگر بھی ان میں ابھی ایک بہادر شخص ایسا موجود تھا جس کی سعادت سے بڑے بڑے ہمار

کا بچتے تھے اور وہ تھا عرب کا مشہور شہسوار اور بطل جلیل عمرو بن سعدی کرب۔ یہ شخص قبیلہ بنو زبید سے تعلق رکھتا تھا اور اس پر اہل یمن کو بجا طور پر فخر تھا۔ بعد میں یہ شخص مسلمان ہو گیا۔ عمرؓ کے عہد کی فتوحات کے دوران میں اس نے مسلمانوں کی جانب سے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیے جن کا ذکر آج تک کتب تاریخ میں محفوظ ملا آتا ہے۔ باوجود یہ کہ اس کی بہادری میں مطلق کمی نہ آئی۔ جنگ قادسیہ کے وقت اس کی عمر سو سال سے بھی متجاوز تھی لیکن اس نے اس عمر کے میں جراتوں سے بڑھ کر شجاعت کا مظاہرہ کیا۔

## عمرو بن سعدی کرب کی بناوت

عمرو بن سعدی کرب نے اپنی بہادری کے زعم میں اسلامی حکومت کے خلاف بناوت کر دی تھیں۔ بنو عبدمنوف کو بھی ساتھ ملا دیا۔ یہ دونوں ہر قبیلے میں جاتے اور انھیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکاکر علم بغاوت بلند کرنے پر اکاؤد کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے عیسائی باشندوں کے، جنہوں نے رسول اللہ سے عہدِ مروت یادھا تھا اور ابو بکرؓ کے عہد میں بھی اپنے اسی معاہدے پر پابستور قائم رہے، باقی تمام قبائل نے عمرو بن سعدی کرب کا ساتھ دیا اور مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

## عکرمہ اور مہاجرین میں

مسلمان اس صورت حال سے مطلقاً دلچسپ نہ تھے۔ ایک طرف عکرمہ بن ابوجہل مرو سے یمن پہنچے اور اپنے لشکر کے براہِ مقام اپین میں فروکش ہوئے۔ دوسری جانب سے مہاجرین ابی امیہ ابوجہل کے عطا کردہ علم کے ہمراہ مکہ اور طائف سے گزرتے ہوئے جنوب کی طرف روانہ ہوئے۔ بیادری کے باعث ان کی روانگی یمن میں چند ماہ کی تاخیر ہو گئی تھی۔ مکہ، طائف اور یمن کے کئی کئی گروہوں کا اور جنگی طاقت رکھنے والے اشخاص آپ کے ساتھ ہو گئے۔ جب ابی یمن کو ان سپہ سالاروں کے آنے کی اطلاع ہوئی اور انھیں یہ بھی معلوم ہوا کہ مہاجرین ابی امیہ نے راستے میں اپنے ایک ہر مقابل قبیلے کو کلیتہً ترس دیا ہے تو انھیں یقین ہو گیا کہ ان کی یہ بناوت خود انھیں کے لیے

و بال جان بن جائے گی۔ اگر انھوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا تو ہرگز کتاب مقاومت دلا سکیں گے سیکڑوں لوگ قتل ہو جائیں گے اور بقیۃ السیف کو مسلمان غلام بنکر ساتھ سے جائیں گے۔

## قیس اور عمرو میں پھوٹ

ابھی اہل یمن اسکی شش و پنج میں مبتلا تھے کہ ان کے مشاورد قیس اور عمرو بن معدی کرب میں پھوٹ پڑ گئی اور اس امر کے باوجود کہ دونوں نے مباحر سے مقابلہ کرنے کا عہد کیا تھا مگر وہ درپردہ ایک دوسرے کو زک پہنچانے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔

## قیس اور عمرو کی گرفتاری

آخر عمرو بن معدی کرب نے مسلمانوں سے مل جانے کا فیصلہ کیا۔ ایک رات اُس نے اپنے اور میں کے ساتھ قیس کی فرود گاہ پر حملہ کیا اور اسے گرفتار کر کے مباحر کے سامنے بے جا کوشش کر دینا نے قیس ہی کو گرفتار کرنے پر اتفاق کیا بلکہ ساتھ ہی عمرو بن معدی کرب کو بھی گرفتار کر کے ابو بکرؓ کی خدمت میں مدینہ واد کر دیا کہ وہ ان کے متعلق جرحیا ہیں فیصلہ صادر فرمائیں۔

## ابو بکرؓ کی جانب سے معافی

ابو بکرؓ نے واندیہ کے قصاص میں قیس کو قتل کرنا چاہا اور اس سے کہا: ”مے قیس! اللہ کے بندوں اور بے گناہ لوگوں کو قتل کرنا حق نہیں اور مجھ کو چھوڑ کر مرتدین و مشرکین کی پناہ واداد کا سہارا دھو نہ تا ہے قیس نے واندیہ کے قتل سے انکار کیا۔ چونکہ اس کے خلاف واضح شہادت مہیا نہ ہو سکی۔ (کیونکہ قتل انتقامی و ازدار سے اور لوگوں کی نفروں سے چھپا کر کیا گیا تھا) اس لئے ابو بکرؓ نے اسے معاف کر دیا اور قصاص میں قتل نہ کیا۔

اس کے بعد ابو بکرؓ نے عمرو بن معدی کرب کی طرہ ترمیم فرمائی اور کہا، ”مجھے شرم نہیں آتی۔ تجھے روزانہ فلتیں دے دیتی ہوں لیکن اس کے باوجود اسے

کمزورت سے باز نہیں آتا، اگر تو دین اسلام کی سرطندی کے لیے اپنی مساعی سرت کن تو اللہ بھی تجھے سرطند کر دیتا اور عزت نجات۔

عمر بن سعدی کرب نے جواب دیا،

تھے شک مجھ سے قصور و جرم میں آپ سے اقرار کرتا ہوں کہ آئندہ مجھ سے اس قسم کی حرکات سرزد نہ ہوں گی اور میں مملکت اسلامیہ کا ایک شہری بن کر زندگی بسر کروں گا۔

اس پر ابو بکرؓ نے اسے بھی معاف کر دیا اور ان دونوں کو ان کے قبیلوں میں واپس بھجوا دیا۔

## یمن میں امن و امان کا قیام

ادھر ماجراجوزان سے چل کر منہا پہنچے اور اپنے لشکر کو ان کمرش گردوں کی سرکوبی کا حکم دیا جو اس وقت یمن کے زمانے سے اس خطہ ملک میں فتنہ و فساد برپا کر کے ملک کے امن و امان کو غارت کر رہے تھے۔ انھوں نے اپنے لوگوں کو یہ ہدایت بھی دی کہ ان لوگوں میں سے وہ جس پر بھی قابو پائیں اسے بے دریغ قتل کر لیں تاکہ فتنے کی جڑ کاٹ سکے اور لوگوں میں دوبارہ فساد کے جوائیم نہ پھیل سکیں۔

حکمر نے اپنا قیام جنوبی یمن ہی میں رکھا اور وہاں قبائل فتح اور حمیر کی سرکوبی میں مصروف رہے۔ شمالی یمن کی طرف بڑھنے کی تربت ہی نہ آئی۔

ان دونوں مشرعوں کی پیروی مساعی سے سارے یمن میں کاٹا امن و امان قائم ہو گیا اور یہاں کے باشندوں نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ اب سارے جزیرہ عرب میں خضریت اور کندہ کے سوا کسی جگہ مرتدین کا نام و نشان نہ رہا۔

## ایرانیوں کی حمایت کا سبب

یہاں ہم بعض ان لوگوں کے لشکر و خدمات کا ازالہ کر دینا مناسب سمجھتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ان

ابو بکرؓ نے یمن کے عربوں کے مقابلے میں ایرانیوں کی حمایت کیوں کی اور فیروز اور اس کے ساتھیوں نے کنسلیت کے پیش نظر ان تیس کے مقابلے میں ابو بکرؓ کی مدد کی؟ اس شبہ کا جواب بہت آسانی سے ہے۔

ساری دنیا کو معلوم ہے کہ اسلام عربی اور عجمی میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ اس کے نزدیک بڑائی کا معیار صرف ایک ہے اور وہ ہے لغوی زمین میں ایرانی اہل گنہگاروں سے پہلے ایمان لائے تھے اور اسلام میں ہیبت حاصل کرنے کی وجہ سے ابو بکرؓ کی نظر میں ان کی قدر و منزلت تھی۔ لیکن ان کے بالمقابل اس علاقے کے عرب باشندوں نے حکومت کے خلاف بغاوت کی آگ دو درختوں سے بھڑکا رکھی تھی۔ رسول اللہؐ کے عہد میں یہاں اسود بنی نے نبوت کا دھوکا دیا۔ اسودؓ کے بعد اس کے دو گادول اور حامیوں نے بھی فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے میں اسودؓ سے کچھ کم حصہ نہ لیا۔ عمرو بن معدی کرب اور نفیس بن عبد الغوث اس آگ کو مہا دینے میں پیش پیش تھے۔ لیکن باقری اشترؓ فیروز اور دوسرے ایرانی اہل باشندے صورت بہ دستور اسلام پر قائم رہے جبکہ اس خطہ زمین میں صرف وہی لوگ ایسے تھے کہ جب سارا عرب بغاوت اور استیلاؤ کی آگ سے جل رہا تھا اور مدین اور باغیوں کی جوار زمینیں اسلامی فوجوں کے مقابلے میں آگ ہی تھیں تو انھوں نے کامل و فاعادائی کا ثبوت دیتے ہوئے ہر طرح ابو بکرؓ کی مدد کی اور اس فتنے کو فرو کرنے میں اسلامی فوجوں کے دوش بہ دوش حصہ لیا۔ اس صورت میں اگر ابو بکرؓ نے اپنی فوجوں اور سپہ سالاروں کے ذریعے سے فیروز کی مدد کی اور حامیوں پر فتح یاب ہونے کے بعد اسے دوبارہ صفا کا امیر مقرر فرمادیا تو اس پر کسی اعتراض کی گنجائش کیونکر رہ سکتی ہے؟ غرض رسول اللہؐ اس سے قبل شہرین باقری کو سامنے میں کا حاکم مقرر فرمایا چکے تھے۔

## کنده اور حضرت میں جدال و قتال

ان حوادث و واقعات کے ذکر کے بعد اب ہمیں کنده اور حضرت مروت کے حالات کا جائزہ لینا ہے جہاں کے باشندے بھی تعداد و اختیار رکھتے تھے اور جہاں ہمارے جرنی اہل امیہ اور مدبر کے

زیر قیادت مرتدین سے آخری جنگیں جیتیں۔

رسول اللہ نے اپنی وفات سے قبل دیا بن لبید کو حضرت عمرؓ کی بیعت میں حصہ لے کر مکہ کی طرف  
سکون اور مہاجرین الی امیہ کو کندہ کا حاکم مقرر فرمایا تھا۔ مہاجر بیماری کے باعث زمانہ کار سنبھالنے  
کے لیے کندہ روانہ نہ ہو سکے۔ ان کی غیر موجودگی میں دیا بن لبید وہاں کے امور کی دیکھ بھال کرتے  
رہے۔

## مہاجر کی امارت کندہ کا واقعہ

مہاجر کی امارت کندہ کا واقعہ بھی اک گونہ دل چسپی سے خالی نہیں۔ مہاجر ام المومنین ام سلمہ کے  
بھائی تھے اور جنگ تبوک کے موقع پر پیچھے رہ گئے تھے۔ اس پر رسول اللہ ان سے ناراض ہو گئے  
ام سلمہ کو بیت رسد ہوا۔ ایک دن وہ آب کا سہو رو رہی تھیں کہ باقر بن ابی وقاص نے آپ  
سے رکت آمیز لمبے میں اپنے بھائی کی سفارش کرتے ہوئے ناراضی دور کرنے کی درخواست کی۔  
رسول اللہ نے مہاجر کا قصور دعوت کر کے انہیں کندہ کا امیر مقرر فرمایا۔ ان کے وہاں پہنچنے تک دیا  
بن لبید ان کی قائم مقامی کرتے رہے۔

## اہل کندہ کا ارتداد

کندہ یمن کے متصل واقع تھا۔ اسی لیے جرہنی مسودہ فلسی نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا اہل کندہ نے  
بھی اہل یمن کی طرح اس کی دعوت پر لبیک کہنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ نے حکم دیا کہ  
کندہ کے بعض صدقات اموال ذکوات حضرت موت میں اور حضرت موت کے بعض صدقات اور مال ذکوات  
کندہ میں تقسیم کیے جائیں۔

دیا بن لبید نے ذکوات کے وصول میں کچھ سختی برتی جس کی وجہ سے وہاں کے لوگوں میں ان کے خلاف  
جوش و خروش پیدا ہو گیا دیا بن لبید نے اس کے ان لوگوں کے مذہب سے جو یہ دستور اسلام  
پر قائم تھے کندہ کے شدیدہ سرخام کو منسوب کرنا چاہا لیکن سکون کے کسی بھی شخص نے ان کا  
ساتھ دیا اور کوئی بھی شخص اہل کندہ کے مقابلے کے لیے نہ اٹھا۔

## مسلمانوں سے اشعث کی جنگ

رسول اللہ کی وفات کے بعد جب عرب میں ارتداد کا فتنہ بھیلنا اور اس کے شعلے حضرموت اور کندھک بھی پہنچنے لگے تو زیاد نے اس فتنے کے چرک پڑنے سے پہلے ہی اس کی بیخ کنی ضروری سمجھی۔ چنانچہ انھوں نے ان قبائل کو اپنے ساتھ ملایا جو یہ دستور اسلام پر قائم تھے اور غفلت کی حالت میں بنو عمر بن مہاجر پر حملہ کر کے ان کے مردوں کو قتل کر دیا اور عورتوں کو غلام بنالیا۔ قیدی عورتیں اور مال غنیمت لے کر وہ اس راستے سے واپس ہوئے جہاں اشعث بن قیس رئیس کندھ کے قبیلے کے قریب سے ہو کر گزرتا تھا۔ ان عورتوں میں بعض نہایت مسر زنگراؤں سے قطع دکھتی تھیں۔ جب یہ نالہ اشعث کے قبیلے کے پاس سے گزرا تو انھوں نے بلند آواز سے کہنا شروع کیا،

”اے اشعث! تیری خالوں کی عورتیں خطے میں ہیں۔ میرا فرض ہے کہ انھیں

ذلت و رسوائی سے بچائے۔“

یہ فریاد سن کر اشعث کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور اس نے قسم کھالی کہ یا تو وہ ان عورتوں کو مسلمانوں کے پنجے سے چھڑائے گا یا خود لڑکر جان دے دے گا۔

اشعث بن قیس اپنی قوم کا محبوب اور بلند مرتبہ سردار تھا۔ رسول کی زندگی کے آخری زمانے میں وہ آپ کی خدمت میں بنی کندھ کے ۱۰۰ آدمیوں کے ہمراہ مدینہ آیا جو سب کے سب قبیلہ یثربیہ کے تھے۔ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اشعث نے اسلام قبول کیا اور ابو بکرؓ کی بیٹی ام فروہ کے لیے شادی کا پیغام دیا۔ ابو بکرؓ نے یہ پیغام قبول کر لیا اور اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دی۔

عورتوں کی فریاد سن کر اشعث نے بددست اثر و رسوخ سے خود آزاری قوم کو اکٹھا کر لیا۔ وہ سب مسلمانوں سے مقابلے کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور اپنی عورتوں کو مسلمانوں کی قید سے چھڑا کر ہی دم لیا۔

## کندہ کو عکرمہ و مہاجر کی روانگی

اس دن سے اشعث نے کندہ اور حضرموت میں بغاوت کی آگ بھڑکانی شروع کی اور بیشتر قبائل کو ساتھ ملایا۔ یہ حال دیکھ کر زیادہ بہت گھبرائے اور انھوں نے مہاجر بن ابی امیہ کو قہراً کندہ پہنچنے کے لیے لکھا۔ مہاجر اور عکرمہ اس وقت یمن کی بغاوت فرو کر چکے تھے اس لیے وہ دونوں قہراً زیادہ کی حدود کو روانہ ہو گئے۔ مہاجر مصنعا سے روانہ ہوئے اور عکرمہ عدنان سے۔ مارب میں دونوں قائل مل گئے اور صہید کا لڑکھٹان قلعہ کرتے ہوئے کندہ کی جانب بڑھنا شروع کیا۔ مہاجر کو زیادہ کی حالت کا بہ خوبی علم تھا۔ انھوں نے عکرمہ کو آؤ لشکر کے ساتھ چھوڑا اور خود ایک مختصر دست لے کر تیزی سے سفر کرتے ہوئے بیت قلیل عرصے میں زیادہ کے پاس پہنچ گئے۔ جاتے ہی اشعث کی فوجوں پر حملہ کر کے اسے شکست فاش دی۔ اشعث بھاگ گیا اور اس نے اپنے لشکر کے دیگر مسعودین کے ہمراہ قلعہ بنخیر میں پناہ لی۔

## قلعہ بنخیر کا محاصرہ

بنخیر ایک مضبوط قلعہ تھا اور اس پر حملہ کرنا آسان نہ تھا۔ وہاں تک پہنچنے کے عین راستے تھے۔ ایک راستے پر تو زیادہ نے قبضہ کر لیا۔ دوسرے راستے کی ناکابندی مہاجر نے کی۔ تیسرا راستہ کھلا تھا۔ اس کے ذریعے سے قلعے والوں کو سامان رسد اور فوجی مدد برابر پہنچتی رہتی تھی۔ آخر عکرمہ بھی اپنی فوج کے ہمراہ آ پہنچے اور انھوں نے اس تیسرے راستے پر قبضہ کر لیا جس سے قلعے والوں تک مدد پہنچتی نہ ہو سکتی اور وہ مکمل طور پر محصور ہو کر رہ گئے۔ عکرمہ نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے شمشیروں کو کندہ سے ساحل بحر تک پھیلایا اور حکم دے دیا کہ انھیں جو بھی دشمنی ہے اسے بے دریغ قتل کر ڈالیں۔ بنخیر میں محصور لوگوں نے اپنی قوم کی تباہی انھوں سے دیکھ لی تھی۔ اب خدا ان کے سامنے بھی موت گردش کر رہی تھی ماحصل نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے بعض لوگوں نے کہا:

”تمھاری موجودہ حالت سے موت بہر حال بہتر ہے۔ تم اپنی پیشانیوں کے بال کاٹ

لوہاں اور اس طرح یہ ظاہر کر دیا کہ تم نے اپنی مہانوں کو اللہ کے حضور پیش کر دیا ہے۔  
 شاید اس طرح اللہ تعالیٰ مدد کرے اور تمہیں اس مصیبت سے نجات دے۔  
 چنانچہ تمام لوگوں نے اپنی پیشانیوں کے بال کاٹ ڈالے اور عہد کیا کہ کوئی بھی شخص اپنے  
 بھائیوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کے مقابلے میں راہ فرار اختیار نہ کرے گا۔

## اپنے قبیلے سے اشعث کی بد عہدی

صبح ہونے پر وہ لوگ تینوں راستوں سے باہر نکلے اور مسلمانوں سے جنگ شروع کر دی۔ ان لوگوں  
 کی تعداد صرف چھ سو تھی۔ اس کے بالمقابل مہاجر اور مکرہ کے لشکر کا شمار ہی نہ تھا۔ جب اہل خبیہ  
 نے دیکھا کہ مسلمان بھاری تعداد میں ان کے مقابلے کے لیے موجود ہیں تو انھیں یقین ہو گیا کہ وہ  
 کسی صورت فتح حاصل نہیں کر سکتے۔ نابھوسی نے ان پر غلبہ پایا اور وہ زندگی سے ہائل ناامید  
 ہو گئے۔ اس وقت ان کے سرداروں کو اپنی جانیں بچانے کی سوجھی۔ اشعث مکرہ کے پاس آیا  
 اور ان سے درخواست کی کہ وہ مہاجر سے کہہ کر اس کی اور اس کے فرسان بھائیوں کی جان بخشی کر  
 دیں۔ اس کے بدلے وہ قتلے کے دروازے مسلمانوں کے لیے کھول دے گا۔

مہاجر نے اشعث کی درخواست منظور کر لی اور اسے ہدایت کی کہ وہ ان لوگوں کے ہاتھ  
 جن کی وہ جان بخشی کرنا چاہتا ہے، ایک کاغذ پر لکھ کر ان کے حوالے کرے۔ اشعث نے اپنے  
 اہل و عیال اور بھائیوں کے نام تو لکھ دیے لیکن اپنا نام لکھنا بھول گیا اور اسی صبح وہ کاغذ ہر  
 لگا کر مہاجر کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد اس نے ان فراد میں کو قتلے سے نکال دیا اور اس کے  
 دروازے مسلمانوں کے لیے کھول دیے۔ مسلمانوں نے قتلے میں داخل ہو کر ہر شخص کو قتل کر دیا  
 جس نے لڑائی میں حصہ لیا تھا۔ اور ان کی عورتوں کو، جن کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی،  
 قیدی بنا لیا۔ پھر اشعث کو ان پر نگاہ متروکہ کے املاک میں اس شخص کے ساتھ ابو بکرؓ کی خدمت میں روانہ  
 کر دیا۔

زمانہ کے تعریفات بھی کس قدر عجیب ہوتے ہیں۔ اشعث جو محض اپنی جان بچانے کی خاطر  
 بدترین بد عہدی اور خیانت کا مرتکب ہوا تھا اور جس نے اپنی قوم کو تلواروں کی دھامیں اڑ

ایک ہزار ہر توں کو لوٹ لیاں بیٹھنے کے لیے مسلمانوں کے حوالے کر دیا تھا، وہی آشوت تھا جو بنی ٹو بن معاویہ کی عورتوں کی اس شرط کی تاب نہ لا سکا تھا کہ اسے آشوت! تیری عیالوں کی عین خطرے میں ہیں۔ یہ آواز سننے ہی اس کا خون کھول اٹھا اور اس نے اس وقت تک دم نہ لیا جب تک ان میں سے ایک ایک عورت کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھڑا نہ لیا۔ پھر یہی آشوت تھا کہ جب وہ رسول اللہ کی خدمت میں پہنچا تو اس کی وجہ بہت اور اپنی قوم میں ہر دلعزیزی کی وجہ سے مسلمانوں نے اس کی عزت و تکریم میں کوئی دقیقہ سہی فروگذاشت نہ کیا تھا۔ لیکن جب اس سے یہ شرط کا نفل صادر ہوا تو مسلمانوں نے اسے خود اس کی قیدی عورتوں نے اس پر منت بھیجی اور اس کا نام جنت اناار رکھ دیا جس کے معنی مہنی زبان میں عداوت کے ہیں۔ لیکن جب مدت کا خون کسی شخص کو لاحق ہو جاتا ہے تو وہ اپنے بچاؤ کی غرض سے ہر قسم کی ذلت برداشت کر لے کر تیار ہو جاتا ہے اور محض اپنی جان کی سلامتی کی خاطر ذلیل سے ذلیل جھکٹے سے اختیار کرنے سے بھی ہرگز قس نہیں کرتا۔

## آشوت کی وراثتی مدینہ

مہاجر نے ان لوگوں کو جن کے نام آشوت نے کاغذ پر لکھے تھے بلایا، اور انھیں راہ کر دیا، لیکن آشوت کا اپنا نام چونکہ اس خدمت میں نہ تھا جو خود اس نے ہر لگا کر عداوت کے حوالے کی تھی اس لیے مہاجر نے اسے قتل کرنا چاہا اور کہا:

”اللہ کا شکر ہے جس نے تیرے دل پر پڑے ٹھال دیے اور تیرا اپنا نام نہرت میں لکھوانا بھول گیا۔ میری بڑی خواہش تھی کہ اللہ تجھے ذلیل کرے۔ اب مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔“

لیکن مکر منہ بچ میں دخل دیتے ہوئے کہا:

”آپ اسے قتل نہ کریں بلکہ اب کر کے پاس بھیج دیں۔ وہ اس کے منتقل جو فیصلہ چاہیں گے صادر فرمائیں گے۔ اگر یہ شخص اپنا نام لکھنا بھول گیا ہے تو اسے اپنا عذر خلیفہ کے سامنے پیش کرنے دیں۔“

صاحبزادہ کی بات ناگوار تو بہت گزری پھر بھی انھوں نے حکمران کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اسے دوسرے قیدیوں کے ہمراہ ابو بکرؓ کی خدمت میں مدینہ روانہ کر دیا۔ لیکن اشعث کا یہیں مرنے سے بدتر تھا کیونکہ راستہ بھر اس کی قوم کے قیدی اور مسلمان محافظ اس پر پھینکار ڈالتے رہے۔

## ابو بکرؓ کی جانب سے اشعث کو معافی

مدینہ پہنچنے پر اشعث کو ابو بکرؓ کے حضور پیش کیا گیا۔ ابو بکرؓ نے اشعث سے پوچھا: ”تیرا کیا خیال ہے میں تجھ سے کیا جتاؤ کروں گا؟“

اشعث نے جواب دیا:

”مجھے آپ کے ارادے کا علم کیا ہو سکتا ہے پھر بھی میں معافی کا خواستگار اور رحم کا امیدوار ہوں۔“

ابو بکرؓ نے فرمایا:

”میرا ارادہ تو تجھے قتل کرنے کا ہے۔“

اشعث نے کہا:

”میں یہی ہوں جس نے قبیلے کے دروازے کے مسلمانوں کے لیے کھولے تھے۔“

کیا اس کے باوجود مجھے قتل کر دیا جائے گا؟

بات طویل ہو گئی۔ آخر اشعث نے غصے سے کہا کہ واقعی ابو بکرؓ لکھا ارادہ اسے قتل کرنے کا ہے۔

اس پر اس نے ان سے کہا:

”میں آپ سے عاجز و ناتواں ہوں کہ مجھ پر رحم فرمائیں۔ میری قوم کی

قیدی ہر تہی کو چھوڑ دیں۔ میری انفرادیت سے درگزر فرمائیں۔ یہی اسلام قبول فرمائیں

اور مجھ سے وہی سلوک کریں جو محمدؐ میری حیثیت رکھنے والے اختتام سے آپ کرتے

ہیں۔ میری برائی بھی جو آپ کی صاحبزادی ہیں مجھے واپس دے دیں۔“

ابو بکرؓ نے درخواست کو منظور کرنے میں کچھ تردد کیا۔ اس پر اشعث نے پھر عاجزانہ

کرتے ہوئے کہا

”آپ مجھے چھوڑ دیکھتے ہیں آئندہ سچے دل سے اسلام پر قائم رہوں گا اور  
آپ مجھے بہترین مسلمان پائیں گے۔“  
بہت کچھ غور و فکر کے بعد ابو بکرؓ نے اس کی جان بخشی کرنے کا فیصلہ کیا، اپنی بیٹی کو دوبارہ  
اس کے عقد میں کر دیا اور فرمایا:

”اپنے قبیلے میں واپس چلے جاؤ۔ امید ہے کہ آئندہ مجھے تمہارے متعلق کوئی  
شکایت موصول نہ ہوگی۔“

لیکن اپنی قوم سے چھوڑ دی کرنے کے باعث آشوب اپنے قبیلے میں واپس جانے کی  
حجرات ذکر رکھا اور قبیہ سے چھوٹنے کے بعد ام فروہ کے ساتھ مدینہ ہی میں قیام پذیر رہا۔ عمرؓ کے  
عہد میں جب عراق اور شام کی جنگیں پیش آئیں تو وہ بھی اسلامی فوجوں کے ساتھ ایران میں اور  
رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے باہر نکلا اور کاروائی نمایاں انجام دیے جس کی وجہ سے لوگوں  
کی نظروں میں اس کا وقار بھر بلند ہو گیا اور اس کی گم گشتہ عزت اسے پھر واپس مل گئی۔

### حضر موت اور کندہ میں امن

مہاجر اور مکرہ اس وقت تک حضرموت اور کندہ میں مقیم رہے جب تک وہاں پوری طرح امن قائم  
نہ ہو گیا اور اسلامی حکومت کی بنیادیں مستحکم نہ ہو گئیں۔

مرتدین کے ساتھ یہ آخری جنگیں تھیں۔ ان کے بعد عرب سے بنو نضیر کا خاتمہ ہو گیا اور تمام  
قبائل کا مل طور پر اسلامی حکومت کے زیر نگیں آ گئے۔

مہاجر نے اس علاقے میں امن و سلامتی قائم رکھنے اور بہبود و سرکشی کے اسباب کو پوری طرح سامنے رکھتے  
اسی بنی بنی سے کام لیا جس سختی سے وہیں میں کام لے چکے تھے۔ اس سلسلے میں صرف ایک واقعہ کا ذکر کرنا  
کافی ہے۔ اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ مہاجر نے کتنا جوش و خروش اسلام لانے کے لئے محنت کی تھی۔  
کندہ میں دو گانے والیاں تھیں۔ ایک سفید اپنے اشعار میں رسولؐ کو گایاں دیا کرتی  
تھی اور دوسری سفید مسلمانوں کی بھارتی تھی۔ مہاجر نے دونوں گانے والیوں کے ہاتھ کاٹ دیے

اور دنگے جانت نکلوا دیے۔ جب ابوبکرؓ کو اس واقعے کا علم ہوا تو انھوں نے مہاجر کو خط لکھا جس میں ان کی غلطیاں واضح کیں۔ انھوں نے لکھا کہ جو منصف رسول اللہؐ کو گایاں دیا کرتی تھی اسے قتل کرنا مناسب تھا کیونکہ شتم انبیاء کی سزا دوسری سزائوں سے مشابہ نہیں ہوتی۔ دوسری منصف جو مسلمانوں کی ہجو کیا کرتی تھی، اگر وہ زحمتی تھی تو اس سے وہ گزر کر نامناسب تھا۔ ابویہل کا شکر کرنے سے پہلے کہ وہ کسی بڑے سخت گناہ سے اور قصاص کے سوا کسی صورت میں باز نہیں۔ ان دو گناہوں والوں سے مہاجر نے جو بڑاؤ کیا اسی سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ دوسرے سرکش اور باغی لوگوں سے انھوں نے کس قسم کا سلوک کیا ہو گا اور کس سختی سے ان کے ساتھ پیش کرتے ہوں گے۔

## مہاجر کی امارت میں

ابوبکرؓ نے مہاجر کو اختیار دے دیا تھا کہ حضرت ادریسؓ کی امارت میں سے جسے چاہیں اختیار کر لیں۔ انھوں نے یمن کی امارت پسند کی اور منصف اپنے گئے جہاں غزوہ سے علیؓ کو کاروبار حکومت چلانا شروع کر دیا۔ زیاد بن ابیہرؓ کو ستر حضرت کے حاکم رہے۔

## بنی نضیر سے عکرمہ کی شادی

عکرمہ نے مدینہ منورہ کی تیاریاں شروع کر دیں لیکن ان کے بہنوئی نعمان بن النضرؓ کی بیٹی بھی تھی جس سے انھوں نے میدان جنگ میں شادی کر لی تھی۔ انھیں معلوم تھا کہ ام سلمہؓ اور عباسؓ کی بیٹی سے شادی کر لینے کے باعث ابوبکرؓ اور عائشہؓ بن ولید پر سخت ناراض ہو گئے لیکن انھوں نے مطلق پروا نہ کی اور بنی نضیر سے شادی کر لی۔ اس واقعے سے ناراض ہو کر عکرمہؓ نے بعض لوگوں نے ان سے عذر مانگا۔

یہ معاملہ مہاجر کے سامنے پیش کیا گیا لیکن وہ بھی کوئی فیصلہ نہ کر سکے اور تمام حالات ابوبکرؓ کی خدمت میں لکھ کر ان کی رائے دریافت کی۔ ابوبکرؓ نے کچھ بھیجا کہ ان کی رائے میں عکرمہؓ شادی کر کے کوئی نامناسب کام نہیں کیا۔

اہل میں واقعہ یہ تھا کہ نعمان بن العبدی نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی تھی کہ آپ اس کی بیٹی کو اپنے عقد و زوجیت میں لے لیں لیکن آپ نے انکار فرمایا اور اس کی بیٹی کو اس کے والد کے ساتھ عدنان واپس روانہ کر دیا۔ چونکہ رسول اللہ اس لڑکی کو رد فرما چکے تھے۔ اس لیے عکرمہ کی فرج کے ایک چھتے کا خیال تھا کہ آپ کے اسوۂ مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے عکرمہ کو بھی اس سے شادی نہ کرنی چاہیے تھی لیکن ابو بکرؓ نے یہ استدلال تسلیم نہ کیا اور عکرمہ کی شادی کو جائز قرار دیا۔ عکرمہ اپنی بیوی کے ہمراہ مدینہ آ گئے اور لشکر کا وہ حصہ بھی جو اس شادی کی وجہ سے ناراض ہو کر ان سے علیحدہ ہو گیا تھا، دوبارہ ان سے آملا۔

## عرب کی بنیادوں کا اختتام

اب عرب کی تمام بنیادیں فرو ہو چکی تھیں۔ مرتدین کا قلع قمع کیا جا چکا تھا۔ اللہ نے اپنے دین کو عزت دے کر اسے غلبہ عطا فرمایا تھا اور اسلامی حکومت کی بنیادیں اقصائے عرب میں مضبوطی سے قائم ہو چکی تھیں۔ ابو بکرؓ کو اسلام کے غلبے سے بے حد مسرت تھی لیکن اس مسرت میں غرور اور خود مبالغہ کا شائبہ تک نہ تھا کیونکہ وہ مہانتے تھے کہ یہ جو کچھ بڑا محض اللہ کے فضل اور اس کی مہربانی سے ہوا۔ ان کی یہ طاقت نہ تھی کہ وہ گئے چنے مسلمانوں کے ذریعے سے سارے عرب کے مرتدین کی جہاد فوجوں کا مقابلہ کر سکتے اور انھیں شکست دے کر اسلام کا تسلیم نہایت شان سے دوبارہ بلند کر سکتے۔

## آئندہ اقدام

اب ابو بکرؓ کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ دین کی وحدت کو تقویت دینے اور اسلام کو ہر فرخ ملک پہنچانے کے لیے کیا اقدامات کیے جائیں۔ ابو بکرؓ کی سیاست کا محور موت اعلا رکھتے تھے۔ یہی خرابی پیش تھی جو ہر ایک ان کے دماغ میں گردش کرتی رہتی تھی۔ اسی جذبے کے تحت انھوں نے امتیازی بے سرو سامانی کے باوجود مرتدین کے عظیم الشان لشکروں سے جنگیں لڑیں اور یہی جذبہ بھڑا جہاد اور شام کی لڑائیوں میں کار فرما رہا۔

(۱۱)

## اسلامی فتوحات کی ابتداء

### عرب کی شمالی حدود

جزیرہ عرب کا وہ حصہ لجزایک طرف خلیج عقبہ اور دوسری طرف خلیج فارس سے شروع ہو کر بحال شمال چلیا چلا جاتا ہے اہل عرب کے لیے ہمیشہ ہی سے پرکشش بنارہا ہے خلیج عقبہ کا شمال مشرقی حصہ شام سے اور خلیج فارس کا شمال مغربی حصہ عراق سے موسوم کیا جاتا ہے دونوں خطیروں کے درمیانی علاقے میں پہاڑوں کا ایک سلسلہ واقع ہے جو صحرائے نجد اور وشت شام کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے جوت کے علاقے میں وادئ النہدل وہ مقام ہے جہاں قدیم زمانے میں شام عراق اور عرب کی سرحدیں ملتی تھیں۔

اہل شام نسلاً فیثیقی تھے اور عراق کے قدیم باشندے اشوری نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ شام اور عراق کے درمیان وشت شام واقع تھا جس نے دونوں ملکوں کو ایک دوسرے سے جدا کر رکھا تھا۔ غرقاں مہلوؤں کو عبور کر کے دوسرے علاقوں میں ہانا شمیری باشندوں کے نزدیک جوئے شیلانے سے کم نہ تھا۔ وہ ان گونا گوں خطرات میں پڑنا دیکھتے تھے جو صحراؤں میں بالعموم پیش آتے رہتے ہیں۔ علاوہ بریں مہلوؤں میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جو ان کے لیے کسی قسم کی کشش کا باعث ہو۔ آج بھی جب ذرائع ریل و رسائل میں بے حد ترقی ہو چکی ہے وہاں کے لوگ سڑ میں بیٹھ کر بھی اس صحرا کو عبور کرنے سے گھبراتے ہیں اور عراق و شام کے درمیان کوئی جہا سے سفر کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

## صحرائے شام کی جانب نقل مکان

اس صحرائے جس کی طوت قدیم زمانے میں در شام کے فضیلتی باشندے سے مستحب ہو چکے اور عراق کے اشوری عرب کے بادشاہین لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیا کیونکہ صحرائوں اور میداںوں میں عربی گزائے کے باعث ان کی سرشت ہی اسی قسم کی ہو گئی تھی کہ دنیا بھر کی خوب صورتی اور دل کشی انھیں صحرا میں نظر آتی تھی۔ شہری زندگی کو اس کے تمام لوازم کے باوصف وہ قید تصور کرتے تھے۔ عربین ذکر کرتے ہیں کہ شمالی جانب عربیوں کی نقل و حرکت سب سے پہلے اس وقت شروع ہوئی جب یمن میں واقع مشہور سد مأرب کے ٹوٹنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ بعد میں جب اس خدشے نے یقین کی صورت اختیار کر لی تو ادوی قبائل نے یمن سے نقل و وطن شروع کر دیا اور یہ جانب شمال حجاز اور شام میں جا کر آباد ہو گئے۔

عربوں کی شمالی جانب منتقلی ہو جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ رومیوں نے تجارت کے لیے خشکی کا راستہ ترک کر کے سمندری راستہ اختیار کر لیا تھا جس کے باعث جنوبی عرب میں رہنے والے لوگوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور وہ بھی بہتر طریق پر زندگی گزارنے کے لیے یمن سے حجاز اور شام چلے گئے۔ عربین کے نزدیک ترک وطن کا یہ سلسلہ دوسری صدی عیسوی میں شروع ہوا۔ اگر یہ خیال درست سمجھ لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ عرب قبائل نے مدت دراز سے صحرائے شام میں آباد ہونا شروع کر دیا تھا اور وہ نہ صرف باقاعدہ قریوں کی صورت میں وہاں سکونت پذیر ہونے لگے تھے بلکہ لوٹ مار اور تجارت کی غرض سے عربوں کے برعکس شام اور عراق جاتے تھے ان میں سے بھی اکثر لوگ وطن واپس جانے کے بجائے وہیں آباد ہو جاتے تھے۔

شام اور عراق میں جا کر رہنے والے عربوں کا قیام گو مشرعوں کے بجائے صحرائی علاقوں میں تھا پھر بھی انھوں نے سکونت کے لیے جن خطوں کو پسند کیا تھا وہ شہری آبادی کے قریب واقع تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں کی حالت انھیں ایسا کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ کیونکہ ایک طرف تو وہ بدوی ہونے کے باعث خطرناک صحرائی زندگی کے دلدادہ تھے اور اسے کسی طرح چھوڑ نہ سکتے تھے۔ دوسری طرف مزوریات زندگی انھیں مجبور کرتی تھیں کہ وہ شہری آبادی

کے قریب رہیں تاکہ آسانی سے انھیں حاصل کر سکیں۔ ہر زمانے میں بدوی لوگوں کا یہی حال رہا ہے۔ آج بھی سفر شام اور عراق میں بسنے والے بدو شہروں اور محرواؤں کے درمیان ایسی جگہوں پر آباد ہیں جہاں وہ صحرا کے قدرتی اور انسانی نشاناتوں سے بھی لطف اندوز ہو سکیں اور روزی کے مسائل تلاش کرنے کے لیے شہر تک پہنچنے میں بھی انھیں کوئی دقت پیش نہ آئے۔

قبائل عرب کی شمالی حدود میں جوق در جوق جا کر آباد ہونے سے شام بھی گویا سرکایک حصہ بن گیا۔ ان قبائل میں سب سے طاقت ور قبیلہ غسانیوں کا تھا۔ اس قبیلے نے اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر شام کی سرحد پر ایک سلطنت قائم کر لی۔ بنی حسان کی طرح غسانیوں نے بھی دریا کے فرات کے ساحل پر مملکت حیرہ کے نام سے حکومت قائم کر رکھی تھی۔

صحرائے عرب میں بسنے والے ان کے ہم وطنوں کے بتدار سے جو عادات و اطوار چلے آ رہے تھے شام اور عراق میں بسنے والے عربوں نے ان میں مطلق کوئی تبدیلی نہ کی تھی۔ عربوں کا یہ خاصہ تھا کہ جس ملک میں اقامت پذیر ہوتے تھے، ان کے باشندوں سے تمام معاملات میں گہرے اشتراک سے کام لیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے شام میں، رومی حکومت اور عراق میں ایرانی سلطنت کے آگے تسلیم خم کر دیا تھا۔ چونکہ اطاعت و فرمانبرداری کا یہ جو شخص تعداد کی پامیسی کے تحت تھا اس میں کسی ماکم کے تسلط کا سوال نہ تھا اس لیے جہاں تک ملکی ہر نامور ایک غیر قوم کی بالادستی تسلیم کرتے ہوئے بھی شخصی آزادی اور خود مختاری چھوڑ نہ آتے دیتے تھے اور اگر کسی جگہ ان کی شخصی آزادی کو ذرا سا بھی خنجر و لاشق ہوتا تھا تو وہ بڑی شدت سے اس کی مخالفت کرتے تھے۔

یہ القویہ نیز ہے کہ بدوی لوگ صحرائی زندگی کے عادی ہوئے اور رشتہ نوردی میں مشغول ہونے کے باوجود شہری زندگی کے بھی بے حدود و ادواء تھے۔ چنانچہ جب وہ صحرا سے دور ہوتے تھے تو دن رات اس کی ترمیم و توصیف کے گیت گایا کرتے تھے۔ لیکن شہری زندگی میں جو سہولتیں اور راحت و آرام کے جوہر فراہم ہوتے تھے انھیں بھی وہ ہمیشہ شک کی نظر سے دیکھتے تھے۔ شام کے دلی کش سرخز اردوں اور پرفضا باغات، تاکستانوں اور وادیوں کی حسین و جمیل عمدتوں کے تنگ کسے مکہ و مدینہ اور سارے حجاز میں بکثرت لوگوں کی دہانوں پر رہتے تھے جب کبھی

کوئی قافلہ شام کے تہارتی سفر سے واپس آیا تو قابل سفر اپنے ہم جلیسوں دوستوں اور رافت کاروں سے وہاں کے حالات بالتفصیل بیان کرتے بعد میں مختلف دایروں کے ذریعے سے بیاتیں دودھانہ کے قبائل تک پہنچ جاتیں۔ جب کبھی وہاں کے سرزمینوں اور حسین علیہ السلام کا ذکر آتا تو غلبہ کے مارے سامعین کے منہ کھلنے کے کھلے رہ جاتے اور وہ بھٹی بھٹی نظروں اس شخص کی طروت دیکھنے لگتے جو ان سے یہ حالات بیان کر رہا ہوتا تھا اور بے اختیار ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی کہ کاش انہیں بھی اپنے ملک میں یہ آسائشیں اور نعمتیں میسر ہوتیں اور وہ بھی ان دل کش مناظر سے لطف اندوز ہو سکتے۔

## عربی طرز معیشت سے ملائی

حراق اور شام میں آباد ہر حصے والے عربی قبائل کا بھی یہی حال تھا۔ اگرچہ انہیں صرف اسمانی اور شری آسمانوں سے حصہ دافر ملا ہوا تھا پھر بھی وہ سب کے سب عربی بود و باش کے دلدادہ تھے۔ کیونکہ عربی اہل ہرنے کے علاوہ جزیرہ عرب سے ان کے صدیوں کے تعلقات قائم تھے۔ ان حالات کے بیان کرنے سے میری طرز حراق اور شام کے عربوں کے متعلق کوئی تفصیلی مقالہ لکھنا نہیں بلکہ بعض ان اسرار و رموز کو آشکارا کرنا ہے جو یوں اور غسانوں کے ذریعے سے عربی فتوحات اور دیگران کے عہد میں اسلامی سلطنت کی تشکیل کا باعث بنے۔

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جب سے شمال کی جانب عربوں کا نقل مکان سد مأرب کے اندام اور رومی تہارتی راستوں کا رخ خشکی کے بجائے مندر کی طروت تبدیل ہونے سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ اگرچہ ان ہر دو واقعات کو عربوں کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے پھر بھی نقل مکان کا یہ سلسلہ ان واقعات سے بہت پہلے شروع ہو چکا تھا۔ عربوں کے اپنے ہمسایہ ملکوں کے ساتھ قدیم زمانے سے گہرے تعلقات قائم تھے کیونکہ مشرق اقصیٰ کی تہارت ساری انہیں کے ہاتھوں میں تھی اور تہارت کے سلسلے میں اکثر شام مصر اور روم وغیرہ ملک میں جاتے رہتے تھے جسزوت سے تہارتی قافلے دوماستوں سے شام جایا کرتے تھے۔ ایک راستہ بحرین اور علیحدگی نکس سے ہوتے ہوئے شام جاتا تھا۔ دوسرا راستہ یمن اور حجاز سے ہوتا ہوا جاتا تھا۔

کہ مؤخر الذکر راستے کے وسط میں پڑا تھا۔

اس تجارتی سلسلے کا آغاز سب سے پہلے عرب کے جنوبی علاقوں یعنی حضرموت، یمن، عمان اور بحرین کے لوگوں نے کیا کیونکہ وہ سرسبز و شاداب علاقوں کے مالک ہونے اور دیار نیوں سے گہرے تعلقات رکھنے کی وجہ سے شمالی علاقوں کی نسبت زیادہ مہذب تھے یہی وجہ تھی کہ عراق اور شام کی طرف جن لوگوں نے نقل مکان کیا اور وہاں جا کر آباد ہوئے ان میں زیادہ تر جنوبی قبائل کے لوگ تھے جنہاں جنہوں نے مشرقی شام میں اپنی مملکت قائم کر رکھی تھی، عمان کے ایک قبیلہ ازو سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی طرح قضاہ، تنوخ اور کلب کے قبائل بھوشام کی مدد پر آباد تھے یمن کے مشہور قبیلہ حمیر سے تعلق رکھتے تھے۔ یہی حال عراق میں بھی تھا۔ عراق کی سرحد پر جو عربی قبائل آباد تھے وہ زیادہ تر حضرموت سے آئے ہوئے تھے۔

ان قبائل نے ابتدائی دہائیوں میں صحرائے شام کی طرف نقل وطن کیا تھا اور عراق و شام کی سرحدوں پر اپنی نیم غنائی سلطنتیں قائم کر لی تھیں۔ سد، مارب کے ٹٹنے اور تجارت کے صحرائی اور سندری راستوں میں منقطع ہونے کے باعث جنوبی علاقوں کے بعض قبائل حجاز میں جا کر آباد ہو گئے۔ پھر ان قبائل میں سے کچھ بعض ندرہ زئی کے بہتر وسیلے تلاش کرنے اور صحرائی زندگی سے انکار و شہری زندگی کا لطف اٹھانے کی خاطر شام کا رخ کیا۔

### ایرانیوں اور رومیوں سے تعلقات کی نوعیت

عراق اور شام اس زمانے میں ایرانی اور رومی سلطنتوں کے درمیان پس رہے تھے کبھی ایرانی شام پر چڑھائی کر کے اسے رومیوں سے چھین لیتے اور عراق سے علی کر کے اسے اپنے ماتحت کر لیتے اور کبھی رومی عراق کو ایرانیوں سے چھین کر شام میں ملا لیتے۔ اور وہاں اپنی حکومت قائم کر دیتے۔

صحرائے شام میں آباد ہونے والے عربوں کا بھی یہی حال تھا۔ وہ طبیعتوں کی نشاۃ کے عشا کبھی ایرانی لشکر سے مل جاتے کبھی رومیوں کی افواج سے مل جاتے اور لوٹ مار میں خوب بھرتے لیتے۔

امتحان دونوں سلطنتوں نے ادا ہو گیا کہ اپنی حفاظت کے لیے صحرائین لوگوں کو بطور  
 نواح کے استعمال کیا جائے تاکہ کوئی سلطنت دوسری سلطنت پر حملہ نہ کر سکے اور شام کلی طور  
 پر رومیوں کے لیے اور عراق خاص طور پر ایرانیوں کے لیے وقف ہو جائے۔

رومی اور ایرانی سلطنتوں کی پالیسی کے تحت شامی حدود کے قریب جیسے وائے عرب  
 قبائل کو رومیوں نے اپنے ساتھ اور عراق کی سرحدوں کے ساتھ ساتھ جیسے وائے قبائل کو ایرانیوں  
 نے اپنے ساتھ لایا اور ان قبائل نے بھی اندرونی خود مختاری، بدوی معیشت اور عربی معاشرت  
 برقرار رکھنے ہوئے اپنی مہمیں سلطنتوں کی بالادستی تسلیم کر لی۔

شام میں مقیم عربی قبائل اپنے قریبی حقائق برقرار رکھنے کے باوجود رومی تہذیب و  
 اور سیاسی اثرات قبول کرنے سے باز نہ رہ سکے۔ مگر انھوں نے جہاں ایک طرف رومی تہذیب  
 تمدن کو اپنا یا وہاں دوسری طرف رومیوں پر بھی اثر ڈالنے اور مملکت میں لغوی حاصل کرنے کی  
 کوشش کی۔ چنانچہ مؤرخین ذکر کرتے ہیں کہ مشہور رومی شہنشاہ فلپ در اہل عربی نسل اور قبیلہ  
 صیداء سے تعلق رکھتا تھا۔ اس قبیلہ کے متعلق تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ سب سے پہلے ہی  
 نے عرب سے شام کی طرف نقل مکان کیا۔ تحت شامی پر ممکن ہونے سے پہلے فلپ اپنی قوم  
 کا سردار تھا اس کی وجہ سے شام میں مقیم عربوں کو بے حد عزت و وقوت حاصل ہو گئی لیکن اس  
 کے باوجود انھوں نے صحرا کو چھوڑنا اور رومیوں میں مدغم ہو جانا پسند نہ کیا۔

شامی عربوں کے برخلاف عراق کی سرحدوں پر آباد ہونے والے عربوں نے صحرا کو چھوڑنے  
 اور عراقی حدود میں داخل ہونے سے پرہیز کیا۔ کیونکہ اس طرح انھیں کلیجہ ایرانیوں کا وسیع و  
 فراخ رو ہو کر رہنا پڑتا تھا جسے ان کی آقا و خدش طبیعت کسی طرح گوارا نہ کر سکتی تھی لیکن بعد میں  
 جب ایرانی سلطنت میں طوائف الملک کی اور خانہ جنگی پھیل گئی اور مختلف قبائل کے سردار اپنے  
 اپنے علاقے میں خود مختار حاکم بن گئے تو ان عربوں نے عراقی حدود میں داخل ہونے اور وہاں  
 آباد ہونے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھا کیونکہ اب ان کے دلوں سے ایرانی سلطنت کی غلامی کا اثر  
 کا اثر ہو چکا تھا۔ انھوں نے عراق کی حدود میں داخل ہو کر دریائے فرات کے کنارے آباد کا  
 شہر اور اس سے کچھ بٹ کر میر و کا شہر آباد کیا اور یہیں سکونت پذیر ہو گئے۔

ہم روایت کے پکس بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دریا کے فرات کے ساحل پر بسنے والے عرب قبائل اہل میں وہ قیدی تھے جنہیں ایرانیوں نے عرب کے جنوزی علاقوں سے تاخت و تاراج کے دوران میں پکڑا تھا بعض عربی کہتے ہیں کہ شمشاد بہت نصر و دم نے عرب پر حملے کے دوران میں جن لوگوں کو قیدی بنایا تھا انہیں وہ ساتھ لے گیا اور عراق پہنچ کر انہیں دریائے فرات کے کنارے مقام انبار میں آباد کیا، لیکن کچھ عربوں کے بعد انہیں انبار سے جاب جنوب منتقل کر دیا۔ وہاں ان عربوں نے شہر حیرہ کی بنیاد رکھی اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔

عربوں نے عراق میں اپنا اثر و رسوخ اسی وقت سے بڑھانا شروع کر دیا تھا۔ یہ علاقہ اور علاقہ کے درمیانی عربوں سے جب عراقی عربوں کی قیادت حذیرہ الارض یا حذیرہ الارض کے ہاتھ میں آئی تو اس نے کمال ہرشیاری سے عراق کی حدود میں بسنے والے عربوں کو ساتھ ملا کر حیرہ سے انبار اور عین الفرسک کا علاقہ قبضے میں کر لیا اور فرات کے مغرب میں صحرائے شام تک خود مختار حکومت قائم کر لی۔ اس نے اسی پر بسنے کی عہد صحرائے شام میں بسنے والے ایک عرب قبیلہ مغربہ کے کہ وہاں کے عرب باشندہ دل پر بھی تسلط چھایا، مغربہ کا ایک شخص عدی بن ربیعہ حذیرہ سے مل گیا تھا جس کی حذیرہ نے بڑی خاطر داری کی اور اسے اعزاز و اکرام سے نوازا۔

عدی نے حذیرہ کی بہن نقاش سے شادی کر لی تھی۔ عربی کتب ادبیات میں عربوں کے متعلق بڑے پر عظمت قوتے درج ہیں۔ نقاش کے اہلین سے عمرو بن عدی پیدا ہوا جس کا ذکر آگے آئے گا۔ جس زمانے میں حذیرہ الارض نے عراق میں عربوں کے بادشاہ کی یہ حیثیت حاصل کر رکھی تھی اسی زمانے میں اوزین بن سمیعہ شام میں عربوں کی قیادت کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ ایران کی شہنشاہی ساہور کے ہاتھ میں تھی اور روم کی بادشاہی فہل کے قبضے میں غلبہ بہت سنگدل بادشاہ تھا اور رعایا پر بے حد ظلم و ستم کرتا رہتا تھا۔ ان مظالم سے تنگ آکر اہل شام نے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ ساہور نے موقع کو غنیمت جانا و شام پر چڑھائی کر کے رومی فوج کو شکست دے دی۔ اوزین بھی رومی سلطنت سے دوستی کا سہارا

کراہیا تیروں سے جا ملا۔ اصل میں اس کی خواہش یہ تھی کہ سالار کے زیر سایہ وہ بھی عراق میں رہی تہہ  
 حاصل کرے جو جذبہ کو حاصل تھا لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی کیونکہ اسی زمانے میں قلعہ ایران  
 نے غلبہ کو تخت شاہی سے اتار کر اس کی جگہ بادشاہی سنبھال لی۔ بادشاہ بننے کے بعد اس نے  
 سب سے پہلا کام یہ کیا کہ فرج سے کرخ و شام کی طرف روانہ ہوا اور سالار کو شکست دے کر اسے  
 ایران کی جانب بھگا دیا۔ اذینہ نے بھی حیثیت بدل لی اور دوبارہ روہریں کا حلیف بن گیا۔ یہی  
 قلعہ ایران کی بادشاہی بھی زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی اور بہت جلد اسے تخت و تاج سے ہاتھ دھو  
 پڑے۔ اس وقت اذینہ نے دوبارہ سالار سے مل جانا چاہا لیکن سالار نے اس کی اپنی وقتی کے  
 پیش نظر اسے اپنا حلیف بنانے اور اس کی حمایت کرنے سے انکار کر دیا۔ اذینہ کو اپنی قیادت کا  
 بھرم قائم رکھنے کے لیے اس کے سامنے ایک چارہ کا نظریہ کیا کہ وہ شامی عربوں کو ساتھ ملا کر ایران  
 سے اعلان جنگ کرے۔ اس پر تہہ بہت لے اس کا ساتھ دیا اور اس نے ایران میں حکومت کرنے  
 کا حق کی طرف بھگا دیا۔ اس کارنامے سے روہریں کے دلائل میں بھی اس کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔  
 اور وہ کچھ گنگے کے کراہیا تیروں کے مقابلے میں انھیں ایک طاقت و شخص کی جذبات بیتر انگلی ہیں۔  
 اذینہ کے بعد اس کی اولاد حاکم بنی۔ انھیں میں اس کی حمایت حسین و جمیل مل گئی۔  
 وہاں نے جذبہ کو حال میں پھنسا کر اسے بہشت اذو دوح میں منسلک ہو جانے کی دعوت دی جو اس نے  
 بڑی خوشی سے قبول کر لی لیکن شادی کے بعد وہاں سے موقع پا کر جذبہ کو قتل کر دیا۔ جذبہ کے لڑکے  
 عمرو بن حدی کے دل میں اس کا انتقام بڑا کڑا تھا اور اس نے قیدیوں کو ساتھ لے کر وہاں کا  
 گریبا جب وہاں لے دیکھا کہ اس کے بچے چلنے لاکوئی راستہ نہیں۔ اور اسے لاسالہ عمرو بن حدی کے  
 ہاتھ سے قتل ہو نا پڑے گا تو اس وقت سے بچنے کے لیے اس نے خود کشی کر لی۔ اس کی وفات  
 سے شام میں بنی سیدہ کی قیادت کا اندر ختم ہو گیا اور ان کی جگہ غسانوں نے لے لی۔ کچھ عرصے  
 بعد بنی نصر کی ایک جماعت نے ہر عراق میں برسرِ اقتدار تھی۔ شام کے عربوں پر تسلط ٹھکانے کی خواہش  
 کی لیکن یہ کوشش بارگاہِ ثابت نہ ہوئی۔

اسلامی فتوحات کا پیش خیمہ

ہر واقعات کا سلسلہ کرنے سے پہلے جاننا ہے کہ وہ لوگ جنہیں ابتدا میں تہدی بنا کر سرزمین

عرب سے لایا گیا تھا، انھوں نے آجستہ آجستہ اپنی طاقت حاصل کر لی کہ رومی اور ایرانی دونوں سلطنتیں ان کی حدود کی محتاج ہو گئیں اور ان کی پوری کوشش ان کی دوستی اور تائید کے حصول میں مرنے لگی۔ شہنشاہت اور فتنہ جنگ میں سادت کی بدولت دونوں سلطنتیں انھیں اندرونی اور ذاتی خود مختاری دینے پر مجبور ہو گئیں۔ پھر قریہ ہے کہ ایران اور روم کے زیر صیاد بننے والے قبائل عرب، یمن اور حضرموت کے قبائل سے زمین پر کسی طرح ٹھم نہ گئے بلکہ انھیں ان قبائل سے زیادہ آزاد و خود مختاری حاصل تھی۔ اسی لیے اگر یہ کہا جائے کہ اس زمانے میں عرب کی حدود جنوب میں خلیج فارس اور خلیج عمان سے لے کر شمال میں مرسل اور ریمینیہ تک پہنچی تھیں تو غلط نہ ہوگا۔ اسی طرح یہ دعویٰ بھی غلط نہ ہوگا کہ عراق اور شام کی حدود میں بننے والے ان عرب قبائل نے آئندہ ہونے والی اسلامی فتوحات کے لیے قدرتی الجھیش کا کام دیا اور ان ملاقاتوں میں اسلامی سلطنت کے قیام کی غرض سے زمین ہمارے پاس میں کوئی شہد نہیں کہ ان لوگوں کے دماغ میں آئندہ پیش آنے والے واقعات کا دھندلا سا نقشہ بھی نہ تھا اور کسی کو سمرقند میں پیدا ہونے والے ایک عظیم الشان نبی کی حشمت اور اس کے ذریعے سے عرب قوم کی سرحد کی کا خیال بھی پیدا نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن دیکھو کہ فزات اور شام کی حدودوں کے درمیان ان قبائل کی سکونت ان کی طرت سے عربی رسوم و رواج اور تعلقات کی شدت سے حماقت اور ایران و شام اور عرب قبائل سے مساوی بنیادوں پر ان کے تعلقات، یہ تمام عوامل اس عربی سلطنت کی بنیاد بنے جس نے کامل چار صدی بعد ایرانی اور رومی سلطنت کی جگہ لی۔

اس جملہ متغیر کو ختم کر کے ہم حقائق کو اسی جگہ سے شروع کرتے ہیں جہاں سے ہم نے انھیں پھیرا تھا۔

جذیرہ اش برش کے قتل کے بعد سادہ کی جانب سے عرب بن ہدی کو عراق کے عربوں کا سردار اور بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ اس نے حیرہ کو دار الحکومت بنالیا اور اس کے بعد حیرہ اس وقت تک حلیوں کا دار الحکومت رہا جب تک حکومت ان کے ہاتھوں سے نہ چھین گئی۔

**شاہان حیرہ**

عراق میں بسنے والے عرب ایرانی نژاد ہی کے ہونے نام محکم تھے، اقتدار حاکم حیرہ ہی کے ہاتھ میں

منا تھا۔ ان عربوں کے ناکھڑے ہوتے تھے کہ اگر عرب یا شام کی طرف سے ایرانیوں پر حملہ ہوتا تو اسے روکیں اور دانی خجندیہ کی راستوں کی حفاظت کریں جو فارس سے شام اور عرب کو جاتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود مزین ایرانیوں کے چھوٹے چھوٹے درک کے علیحدہ ناکھڑے عربی حملوں کے لیے موزوں ثابت ہوئے۔ یہ وہ نہایت جنگجو نسل تھا جس سے حملہ کرتے تھے جبکہ یہاں اذیتاں کھدائی جاتے تھے۔ یہی عوامی دہلیز تھے۔ ایرانیوں نے بار بار ان کے حملوں کو روکا، آخر ذوالکائنات کو ایرانی حدود میں ایک غصہ مند کھدائی لڑی تاکہ ان حملوں کی شدت کم ہو جائے اور ایرانیوں کو آگے دلی کے دوسرے نجات ملے۔

نبی نصر کے بادشاہ کیے بعد دیگرے تخت سیر پر چڑھیں۔ پورے آٹھ سو چالیس صدی عیسوی کے اواخر میں شہنشاہ یزدجرد کی طرف سے عثمانیوں کو تخت پر بٹھایا۔ یہ شخص تھا جس نے دو شہر میل خورق اور مدینہ تعمیر کرائے تھے۔

فارس میں بیان کرتے ہیں کہ عراق میں عیسائیت کا نفوذ عثمانیوں ہی کے عہد سے شروع ہوا اور اس کی وجہ عثمان کی اس مذہب سے گہری دلچسپی تھی۔ پادریوں نے جب اس کا میلان عیسائیت کی طرف دیکھا تو اس کی اجازت سے ملک کے ہر محلہ میں گئی گرجے تعمیر کروائے۔ بعض گرجوں میں آریہاں تک ذکر کرتے ہیں کہ یہ صراطِ ملتِ دل چسپی تک محدود نہ تھا بلکہ عثمانی عیسائیت کا پرہیزگار رکن بن گیا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ شہنشاہ یزدجرد عیسائیوں کا سخت مخالفت ہے اور عیسائیت قبول کرنے والوں کو شدید سزا دیں دیتا ہے تو وہ اپنے بیٹے منذاکیر کے حق میں بادشاہی سے دست بردار ہو گیا اور خود پادشاہیت اختیار کر لی۔

شہنشاہ یزدجرد نے اپنے لڑکے ہرام کو کہہ کچھ ہی میں حیرت بھیج دیا تھا تاکہ وہ وہاں پر مشی بائے۔ یہ وہی بودیش پاشا ہے جس کی وجہ سے ہرام کو عربی اور یونانی میں لڑی دسترس حاصل ہو گئی تھی اور عربی اور رومیوں کے سماجی اور سیاسی حالات سے وہ بچہ ہی طرح واقف ہو گیا تھا۔ یزدجرد کی وفات کے بعد ایرانی سرداروں نے کسریٰ بن ابو شیرین سامر ذوالکائنات کو تخت پر بٹھائے تاکہ وہ کہا کہ اگر اس کی پرورش ایلان میں ہوئی تھی اور وہ اس کے عادات و خصال سے اچھی طرح واقف تھے۔ لیکن ہرام ان کے نزدیک انجمن کی حیثیت رکھتا تھا۔

بہرام نے اپنا تخت و تاج حاصل کرنے کے لیے منذر سے مدد حاصل کی۔ جب وہ اپنی چھین جوتی میراث حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو منذر نے اسے نصیحت کی کہ وہ اپنے جنرل سے عذر و درگزر سے کام لے۔ بہرام نے اس نصیحت پر عمل کیا اور اس طرح ذمہ داری اپنے فرائض سرکاروں اور امراء کو اٹھا کر دیکر دیا بلکہ اقسام و اکرام دے کر اور ٹیکسوں کا بوجھ کم کر کے رہایا۔ میراکی جوتی عزیزی حاصل کر لی۔

## عیسائیت

بہرام گور اپنے باپ کی طرح عیسائیوں کا شدید دشمن تھا۔ اسی لیے اس نے تخت پر بیٹھتے ہی عیسائیت کے مسئلہ کی مساعی شروع کر دی جس کے نتیجے میں ایران اور روم کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں منذر نے بہرام کی مدد کی۔ پھر بھی یہ مسئلہ زیادہ دیر تک دھلاؤ آخر فریقین میں مسلح ہو گئی جدت ہاذا تک ہن قرار دی۔

شام میں بنی عثمان کے عرب سردار اور حاکم ایران میں سے جنگ کے دوران میں رومیوں کی مدد کیا کرتے تھے اور انکی ایرانیوں کے حلیف بن کر رومیوں کے مقابلے میں نیرو آدما ہر تے تھے۔ ان جنگوں نے جو ان عظیم سلطنتوں کے درمیان رہتا ہو نہیں تو یقین کے ذہنی جذبات کو ابھارنے میں بے حد مدد دی۔ چوتھی صدی عیسوی کے اوائل میں جب مسیحیوں نے رومی سلطنت کی باگ ڈور اٹھ لی۔ اس وقت مسیحیت نے ترقی کرنی شروع کی۔ رومی بادشاہوں نے اپنے مقصدات میں اسے ترویج دینے کی کوشش کی اور عیسائی منادوں نے قریب بہتر یہ پھر کر حضرت عیسیٰ کا پیغام دنیا کو سنانا شروع کیا۔ ان مسیحیوں نے اپنا دائرہ عمل صرف شام تک محدود نہ رکھا بلکہ عراق اور بلاد فارس میں بھی عیسائیت کی ترویج کے لیے مساعی شروع کر دی۔

اس موقع پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایرانیوں اور رومیوں کی ان فوجی جنگوں کے دوران میں عراق اور شام کے عربی قبائل کا طرز عمل کیا تھا۔ آیا انھوں نے بھی اپنے آقاؤں کے اعلان کا اثر قبول کر کے جو کسی اور کسی مذہب اختیار کر لیا تھا یا وہ بدستور اپنے آباؤی مذہب بت پرستی پر قائم رہے؟

اگلی بحث شروع کرنے سے پہلے اس سوال کا جواب دینا بے ضروری ہے کیونکہ اس سے عربوں کی ذہنی تشویش کا اچھی طرح پتہ چل جائے گا اور یہی معلوم ہو جائے گا کہ اس ذہنی تشویش نے اسلامی فتوحات کے لیے کس حد تک راستہ ہموار کیا۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ عربوں نے عراق میں ایرانیوں کی اور شام میں رومیوں کی تہذیب و تمدن کا اثر بڑی حد تک قبول کر لیا تھا۔ عراق میں رہنے والے بعض عربوں نے فارسی میں اچھی دسترس حاصل کر لی تھی اور ایرانی علوم و فنون آپ اور ادیان سے خوب واقف ہو گئے تھے اور انھوں نے ماقی و مزد و دشت اور جزوک کی تعلیمات اور عقائد سے بھی گہری واقفیت حاصل کر لی تھی۔

یہی حال شام میں مقیم عربوں کا تھا۔ انھوں نے نہ صرف رومیوں کی ثقافت و ادب اور ادیان کا مطالعہ گہری فکر سے کیا تھا بلکہ عقل و ذہنی طور پر وہ جبرو کے عربوں سے زیادہ ذوق یافتہ تھے کیونکہ یونانی ثقافت اور رومی تہذیب و تمدن سے ان کا بہت قریبی تعلق تھا۔

عراقی عربوں نے ایرانیوں سے گہرے تعلقات اور میل ملاپ کے باوجود جو سمیت کو کبھی قبول نہ کیا۔ اسی طرح شامی عربوں نے ہندی اور یونانی و رومن ماذن کی کبھی پرستش نہ کی۔ اس کے باوجود جب رومی سلطنت میں عیسائیت کو فروغ حاصل ہوا تو صرف شامی عربوں ہی نے نہیں بلکہ عراقی عربوں نے بھی اس کی آواز پر لبیک کہا اور کثرت سے اس نئے دین میں داخل ہونے لگے۔ طبیعتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ان عربوں نے اپنے آقاؤں کے پہلے ایمان کو قبول نہ کیا تو وہ عیسائیت کی طرف کس طرح مائل ہو گئے؟

مؤرخین ذکر کرتے ہیں کہ بڑھوسان میں سب سے پہلے عیسائی بادشاہ نے عیسائیت اس لیے قبول کی کہ شہنشاہ روم اپنی مملکت میں کسی جگہ بھی کسی غیر عیسائی کو حاکم مقرر کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے ان لوگوں میں عیسائیت پھیل گئی چہر بھی بہادر اموال بہرہ ور ہوتا ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ رومی شہنشاہ کے دباؤ کے ماتحت عیسائی امرا عیسائی ہو گئے تھے تو بھی محکم کے عیسائیت قبول کرنے کی وجہ کیا تھی؟ اگر یہ کہا جائے کہ الناس علی دین، ملک و حکم کی ضرب نفل کے تحت شامی تباہی، اپنے سراسر کی وجہ سے عیسائی ہو گئے تھے

یہ خبر اسلام آباد صحافتی صفحہ ۲۲ منتقلی از الامامان انٹیلیجنس لایب دست

قریبی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر عراقی قبائل میں سے جیسے لوگوں نے عیسائیت کیوں قبول کر لی تھی حالانکہ یہی لوگ ایرانیوں کی تائید میں رومیوں سے لڑا کرتے تھے۔ اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ عراق اور شام کے قبائل میں عیسائیت پھیلنے کی کچھ نہ کچھ وجوہ ایسی تھیں جن کا تعلق عربوں کی ذہنی افتاد اور میلانات سے تھا اور جو ان وجوہ سے سراسر غفلت تھیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

عربوں کی سرشت میں سادگی کٹ کٹ کر بھری ہوئی تھی۔ خود پر ہیچ باتیں کرتے اور وہی باتیں پسند کرتے تھے۔ بزرگ دار بانی نے لوگوں کے سامنے جو عجیب و غریب نظریات پیش کیے تھے، ایسی طرح یونانی غلطی کی بنیاد جن وقتیں اور پر ہیچ باتوں پر تھی عربوں کی عقلیں نہیں سمجھنے سے قطعاً نامرغبتیں۔ اس کے باوجود عیسائیت چرکہ اپنے اندر فطری مددگار سادگی ایسے بڑے تھی اس لیے عربوں نے اسے آسانی سے قبول کر لیا اور بہت ہی کم دنگ بڑہیت کی طرف مائل ہو گئے۔

چونکہ عیسائیت کا آغاز خدا کے ایک نہایت پاک باز بندے کے ذریعے سے ہوا تھا اس لیے قبول کرنے والے اہل کتاب میں شکر ہوتے تھے اور اسلام کے ظہور کے وقت مسند نیکل میں ایسا ہی نے رسول اللہ کی آواز پر لبیک کہا تھا۔ اس لیے کوئی تعجب نہیں کہ عراق اور شام میں جیسے وائے عرب باشندوں کا قبول عیسائیت عربی فطرت اور اسلامی سلطنت کے قیام کے لیے بسیار ثابت ہوا ہو۔

تبدیلی مذہب سے ان عربوں کی سرشت میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ نہ عیسائیت کے پیچھے انھوں نے اپنی نفسی اور فنی کانٹوں کو چھوڑا اور نہ وہ بدویاد طرز زندگی ترک کیا جو وہ صدیوں سے قائم رکھے ہوئے تھے۔

چوتھی صدی مسیحی کے اواخر میں ایک عورت مارہ بنت ارقم بن حارث ثقفی کو شام میں عربوں کی حکومت تعزلیض ہوئی۔ رومیوں نے اسے کڑھ جانتے ہوئے اس سے بادشاہی چھوٹی جا ہی لیکن اس نے عورت ذات ہوتے ہوئے فطری بہتری سے رومیوں کا مقابلہ کیا اور انھیں مصالحت پر مجبور کر دیا۔ لیکن بعد میں جب رومیوں کے خلاف کچھ لوگوں نے بغاوت کر دی تو

مادیہ نے کچھ واقعات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے متعدد بہترین شہسواروں کی مدد کے لیے بھیجے جنہوں نے قسطنطنیہ جا کر پامردی سے باغیوں کا مقابلہ کیا۔

پھر بھی ذکر انادی کا وہ جذبہ، جو عراق اور شامی عربوں میں کیساں جا رہی و سامی تھا، انہیں متحد کر سکا اور نہ فریقین کا عیسائیت کی طوط گرامیلان ہی ان کی باہمی عداوتوں کو مٹانے میں کامیاب ہو سکا۔ اس کے برعکس لہجی اور عسائی ایرانیوں اور رومیوں سے مل کر ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف جنگ کرتے رہتے تھے اور ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے کا کوئی دقیقہ بھی غورداشت نہ کرتے تھے۔

## لہجی اور عسائی اوج کمال پر

پچھنی صدی عیسوی کے اوائل میں عراق میں لہجی اور شام میں عسائی ترقی کی آخری منزلوں تک پہنچ گئے تھے۔ اس زمانے میں لہجیوں کی قیادت منذر ثالث کر رہا تھا اور عسائیوں کی حکومت حادث بن جبیل کے ہاتھ میں تھی۔ منذر ثالث بن مادلسار شاہ حیرہ کا وہ حکومت سنبھال رہا تھا۔ اسی زمانے میں ایرانیوں کے تخت پر قبادر کسریٰ انوشیروان بیٹے بعدوگر سے ٹکرائے ہوئے۔ حادث بن جبیل (جو ماوراء بننت اور مقامات القریٰ کا خاندان تھا) شاہ عسائی نے علاقہ سنبھال رکھا۔ یہ چھوٹے چھوٹے اور حسین ثانی شاہان روم کا تھا۔ حادث بن جبیل کو حادث الاعرج اور حادث الارباب کے ناموں سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

اسی زمانے میں ایرانیوں اور رومیوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی جس میں حسب سابق ایرانیوں کی طرف سے منذر اور رومیوں کی طرف سے حادث شریک ہوئے۔ منذر نے جنگ کے دوران میں بہادری کے بے نظیر کارنامے انجام دیے اور بالآخر رومیوں کو صلح کرنے پر مجبور کیا۔ رومیوں نے منذر کو تادان کے طور پر سالانہ خراج دینا بھی منظور کر لیا مگر صلح زیادہ عرصے تک برقرار نہ رہی۔ رومیوں نے صلح سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جنگی تہذیبوں نیز کوئی تختیں جس سے کسریٰ کو بڑی تشویش لاحق ہوئی۔ اس نے منذر کو حادث پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا جس کے نتیجے میں حادث کو ایک بار پھر شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ شہسواروں اور ایرانیوں

میں حسین بیانی پر جنگ چھڑ گئی۔

اس ساری مدت میں منذر ایرانیوں کے دوش بہ دوش جنگ میں حصہ لیتا رہا اور رومی سرس کو پامال کرتا ہوا مصر کی حدود تک پہنچ گیا۔

منذر کے اس غدر طاقت حاصل کرنے کے باوجود رومیوں کی نظروں سے حادثہ کی وقعت کم نہ ہوئی۔ وہ اب بھی یہی سمجھتے رہے کہ ایرانیوں کی بڑھتی ہوئی قوت اور عراقی عربوں کے ہمارے حملوں کے مقابلے میں شامی عرب ایک ڈھال ثابت ہوں گے ایسی شہنشاہ جیشین نے مدلت کو سترھویں شام کے تمام عرب قبائل کا بادشاہ بنا دیا اور اسے 'فیلا راک و بلوین' (Phylarque et Patrice) کا خطاب دیا۔ یہی لقب شام میں متین رومی عالم کو دیا جاتا تھا۔

حادثہ نے منذر سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدابیر سوچنی شروع کیں۔ چونکہ وہ مرومیدان نہ تھا اس لیے اس کے قریب کاری سے کام لینا چاہا۔ ایک وفد جب فریقین کے درمیان غور شور کی جنگ جاری تھی تو حادثہ نے سواد میں ان کی ایک جمعیت شاہ حیرہ کے پاس بھیجی جس نے ہمارے اس سے کہا کہ حادثہ اس کی اطاعت کرنے کا اقرار کر لے گا۔ یہ سن کر منذر بہت خوش ہوا اور اس وفد کی خوب خاطر تواضع کی۔ مگر وفد کے ایک شخص نے موقع پا کر منذر کو قتل کر ڈالا۔ اس خبر سے لشکر عراق میں اتنا فحش بھیل گئی۔ یہ دیکھ کر حادثہ نے دودھ شور سے حملہ کیا اور ارمینیا کی جمعیت منتشر کر دی۔ پہلی عرب اس دن کو یوم حمیرہ کے نام سے منسوب کرتے ہیں کہ یہ نیکان سواد میں ان حادثہ کی بیٹی حمیرہ نے سطر لگا کر منذر کے پاس بھیجا تھا۔

اس فتح سے شامی عربوں کے حوصلے بڑھ گئے اور ان کی عزت و وقور میں بہت اضافہ ہو گیا۔ جاہلی ادب نے بھی اس زمانے میں خاصی ترقی کی۔

منذر ہی نے یوم خمیمہ اور یوم فوس کی بنیاد رکھی تھی اور عرب کے مشہور شاعر عبید اللہ اس کو بھی یوم فوس کے موقع پر ہی نے قتل کرایا تھا۔ عرب کے مشہور شاعر نابذہ و سیانی اور ملکہ اعلیٰ حادثہ و ادب کے ہم عصر تھے۔

یوم خمیمہ اور یوم فوس کبھی عرب میں بڑی اہمیت حاصل رہے اور اکثر شہر اسے اٹھارہ دن کا ذکر کیا ہے۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۳ پر)

سلطنت حیرہ کے آخری دن

منہ شامٹ بن مارا سہار کے بعد اس کا شیا عمر و بن منذر عراق کا بادشاہ بنا۔ اس کی بادشاہی کے  
 نو سو سال رسول اللہ کی ولادت ہوئی۔ عمر و بن جند کے بعد حیرہ کے تخت پر یکے بعد دیگرے نو منہ  
 ممکن مہے یہاں تک کہ ابراہیم بن نعمان بن منذر راج (۸۳۴ء تا ۸۳۷ء) سربراہی سلطنت  
 شمر شاعر احمدی سیریں بن عیسٰی کے دربار سے وابستہ تھا۔ نعمان کے عہد میں عراقی عربوں کی  
 دیار نے و جد کے کاروں تک پھیل گئی تھی۔ ماس کی سلطنت کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا  
 ہے کہ اس نے کسرتی کے دار الحکومت دائن سے بائبل قریب شمر فانیہ کی بنیا و کچی بھٹی —  
 اگرچہ نعمان انتہائی بد شکل تھا لیکن ذہنی نعمتوں اور آسائش حیات سے اسے حصہ دار فرما تھا۔ اس  
 نے اپنی موت پر والدہ محبوبہ سے شادی کر لی تھی جو بے حد حسین و جمیل تھی۔ وہ منسل لشکری سے  
 محبت کرتی تھی۔ اس بنا پر نعمان نے منسل کو قتل کر دیا۔ نعمان نے اپنے دور حکومت میں کئی شاندار  
 باغات بنوائے تھے اور دنیا کے مختلف جیتوں سے قیمتی قسم کے خوبصورت پھولوں کے پودے  
 منگوا کر ان باغوں میں لگائے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کل لاکھ لاکھ نام نعمان کی موت منسوب ہو کر

حقیر عاشق صفیر اہم اہل دل کی دنیا میں طرح چڑی کو منتہی شامیں اب باہر سارے پہنے دوڑیں حال میں غفل اور غرور  
جی سو کر ایک آن خراب کے نشے میں غم و فراق کلاویا۔ دوسرے روز جب اس کا نشہ اترتا اور کسے اپنی حرکت کا علم  
ہوا نہایت کچھ پایا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا اس مدد کے کی توقع کی صورت اس نے یہ نکال کر اس نے اب کی  
قبول پر دو چھوٹے چھوٹے سفوف بنائے جس میں اس کا نام غفران لکھا اس میں دو دن و رات جاتا تھا ایک ہی کا نام  
پر غفران تھا اس مذہب میں جس کے پیچھے اس کے سامنے آئے تھا اسے سو سیاہ اونٹ انعام میں لیا تھا۔ وہ لوگ  
ایم برس کلائے تھا اس دن جو شخص اسے سب سے پہلے نظر آئے تھا اسے قتل کر لوٹا تھا کی سال تک یہ سہل نہ کہ  
نہم جاری رہی اور کی جست افغان اس کی صحبت چڑھ گئے۔ (مترجم)

میںم جہادی رہی اور کئی چھت اخصاص اس کی بحیثیت چلے گئے۔ (ترجمہ)

لے لی تھیں عربی روایات سے چنا چلتا ہے کہ نخل ثعالب کے ٹوٹے درپیش ہر گیہا تھا اور اس کا سراج ہی ذلیل  
 رکھا۔ چنانچہ عربی میں ایک ضربِ اُتھل بھی ہے (اور فعلہ حق، میوہ، التخل، (میں) اس وقت تک یہ  
 کام نہ کروں گا جب تک نخلِ ثعالب خا جائے) (مترجم)

شقائق استعنان چڑ گیا۔

کسریٰ پر دیز کو نعمان کی شان و شوکت اور اس کی مصلحت کی رحمت ایک آنکھ نہ بھاتی اس لئے اسے اپنے دربار میں طلب کر کے قتل کرادیا۔ نعمان کے قتل کے پھیلنے کی بادشاہی کا دُرُ ہمیشہ کے پیغمبر گیا۔ کسریٰ پر دیز نے نعمان کی جگہ اباس بن قبیصۃ الطائی کو حیرہ کا بادشاہ مقرر کیا اور ایک ایرانی شخص بہر جان کو مرزبان مقرر کر کے عراق بھیج دیا تاکہ شاہ حیرہ اسے شکپ کو خود مختار نہ سمجھے اور ایک ایرانی حاکم کا وجود اسے ہر وقت اس سر کی یاد دلاتی کرنا رہے کہ وہ ایرانی حکومت کے تابع ہے۔ رسول اللہ کی بعثت اباس ہی کے عہد میں ہوئی۔ اسی کے زمانے میں فو تار کی مشہور لڑائی ہوئی۔

فو تار کی لڑائی کو عربوں کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس جنگ کی ابتداء اسی طرح ہوئی کہ کسریٰ کی مداخلت کا حال معلوم ہونے کے بعد نعمان بن منذر نے اپنے مرزا اور بھتیجاہائی بن قبیصہ کے پاس بطور امانت رکھوا دیے تھے نعمان کے قتل کے بعد کسریٰ نے اپنی سے نعمان کی چیزیں طلب کیں لیکن اس نے ویسے سے انکار کر دیا۔ اس اشتداد میں جو کچھ بن وائل نے نعمان کے قتل سے طیش میں آکر مراد عراق پر حملہ کر دیا اور بہت سا علاقہ ایرانیوں سے چھین لیا کسریٰ نے اس صورت کا مداکار کرنے کے لیے عربوں کے مقابلے پر ایرانی فوج روانہ کی۔ لکڑ کے قریب فو تار کے مقام پر ایرانیوں اور عربوں کا مقابلہ ہوا جس میں ایرانیوں کو شکست ناخوش ہوئی۔ رشت ہے کہ اس دن رسول اللہ نے صحابہ سے فرمایا:

”یہ پہلا روز ہے جب عربوں کو گھیبوں پر غلبہ حاصل ہوا ہے اور انھیں یہ فتح صرف میری وجہ سے نصیب ہوئی ہے۔“

یہ امر قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ کی بعثت جنگ فو تار واسطے ہوئی تھی۔

نعمان کے بعد قنٹ حیرہ پر یمن بادشاہ اور یمن پر سنے کا آخری بادشاہ منذر مقرر ہوا۔ اس کا انتقال سلطنت میں ہوا۔ اس کے بعد عراق میں شاہان حیرہ کی حکومت کا دور ہمیشہ کے پیغمبر گیا اور کسریٰ کی طر سے داؤد یا ایرانی کو حکومت کے مکمل اختیارات دے کر عراق بھیج دیا گیا۔

## عسائی سلطنت کے آخری دن

تخمیوں کے ذکر کے بعد اب ہم عسائیوں کی طوٹ مڑتہ ہوتے ہیں تخمیں کی طرح عسائی امراء بھی یکے بعد دیگرے تختِ امارت پر شکن ہو تے رہے۔ شام کا آخری عرب حاکم خبیب بن مسیم تھا جس کی حکومت کا خاتمہ حضرت عمرؓ کے حملہ میں اسلامی افواج کے ذریعے سے ہوا۔ سترھویں عیسائی خلافت عسائی شاہی عربوں کا حاکم مقرر ہوا تھا مشہور شاعر نالندہ ذبیانی نے عسائی بن منذر حاکم حجاز کے ڈر سے عمرو الاصغری کے پاس پناہ لی تھی عمرو الاصغر کے بعد ابوبکر الصنادید سادس بن حادث الاصغر پر میراقتدار کیا۔ نالندہ نے اس کی مدد میں جو شان دار تصانیف تصنیف کیں ان میں عربی شاعری میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ عسائی سادس کے بعد عسائیوں میں طوائف الملک کی پھیل گئی اور ہر علاقے میں ملحدہ و ملحدہ حاکموں نے تسلط انجام دیا۔ آخر ابراہیم ثانی کے بیٹے حبیب بن ابراہیم پر عسائی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

عسائی امراء میں طوائف الملک حقیقت میں رومی حکومت کی ایک چال تھی۔ اسے ذریعہ کہ کہیں ایک متحدہ عرب حکومت رومی سلطنت کے لیے پریشانی اور دوسرے کا باعث نہ ہو جائے اس لیے اس نے حکمت عملی سے کام لے کر ہر علاقے میں ملحدہ و ملحدہ حاکم مقرر کر دیے تاکہ عرب متحد نہ ہو سکیں اور رومی سلطنت کو کوئی نقصان نہ پہنچ سکے۔

عراق میں تخمیں کا مرتبہ ایک دارالحکومت تھا اور یہ تھا میرا لیکن اس کے بعد شام میں عسائیوں کے حدود دارالحکومت تھے۔ جابہ بھی دارالحکومت تھا۔ تدمر بھی دارالحکومت تھا۔ جہلان بھی دارالحکومت تھا۔ دمشق کے قریب حلب بھی ایک دارالحکومت تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں عراق میں تخمیں کی خود مختاری کا دائرہ بے حد وسیع تھا وہاں عسائیوں کی یہ حالت نہ تھی۔ انھیں اندرونی خود مختاری منور حاصل تھی لیکن عراقی عربوں سے بہت کم۔

اندرونی خود مختاری اور خالص عربی طرز زندگی اختیار کرنے کا ایک اثر یہ ہوا کہ عراقی اور شامی عربوں کی زبان ہر دو عربی ہی رہی۔ عراق میں فارسی اس کی جگہ لے لی اور یہ شام میں ایرانی

اور اسی نے زبانیں عربی کی قائم مقام بن سکیں۔ اسی طرح ایک فائدہ یہ پہنچا کہ شاہان حیرہ اور امرا بنی فرس کے تعلقات اپنے ہم وطن عربوں سے بہت گہرے اور مفصلانہ رہے۔ اپنی تعلقات کی اعتباری میں عرب کے ان شعراء نے بے حدود دی جنہیں حیرہ اور غسان کے بادشاہوں کی طرف سے گراں قدر انعام عطا کرتے تھے کتب ادب اور شعراء کے دیوانی ان بادشاہوں کے ہاں انکار سے بھر پے پڑے ہیں۔ تاہم ذیاتی، معنوی قیاس اور مقرر الفضل وغیرہ کثیر شعراء نے ان بادشاہوں کی مدح سرائی میں زور بیاں صرف کیا تھا۔ اسی طرح دربار نبوی کے شاعر حسان بن ثابت کے اسلام لانے سے قبل جلد بن ابیہم سے گہرے تعلقات تھے۔

ان تمام امور نے جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے، اسلامی فتوحات کے لیے راستہ ہموار کر دیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عربوں نے ان علاقوں میں پیش قدمی شروع کی تو یہاں بسنے والے عربوں کے بسا ہونے ان کی مدد میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہو کر اپنے دینی اور ایرانی مفیروں سے جنگ کی۔

## رومیوں اور ایرانیوں کے حملے

اس زمانے میں رومی سلطنت میں بھی بڑی ہتھیاری بھلی ہوئی تھی اور باری مملکت فساد اور شورش کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ شہنشاہ روم نوکاس (لوکس) کے حکام بھرقل کی بناوٹ اور شور سے جاری تھی۔ ایرانیوں نے موقع کو نصیحت بیان کر شام پر حملہ کر دیا۔ پہلے انطاکیہ پر قبضہ کیا۔ وہاں سے بیت المقدس کا رخ کیا۔ کہاں بھرقل شہنشاہ روم کے حکام برسرِ پیکار تھا کہاں اب اسے کہاں کے لاسے پڑ گئے۔ اس نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح ایرانی بیت المقدس کی طرف بڑھنے سے روک جائیں لیکن اس کی کچھ بیش زنجی اور دو انھیں روکنے اور سبھی یہودی آتما مقدس کی بے حرمتی سے باز رکھنے میں ملحق کا سیاب نہ ہو سکا۔ بستم بالا نے تم یہ کہ یہودی بھی جو سیوں سے بل گئے اور انھوں نے عیسائیوں کے حکام ان کی مدد کی۔ جب شام پر ایرانیوں کی کامل فتح ہو گیا تو انھوں نے مصر کا رخ کیا اور رومیوں کی جگہ وہاں بھی اپنی حکومت قائم کر لی۔

ایرانوں کی ان پیہم کامیابیوں کے دوران میں رومیوں کی یہ آیت نازل ہوئی،

السر۔ فلیت المسلمون فی ارض الارض وھم من بعد قلیہم سیفلیون  
فی البضع سنین۔ اللہ الارض من قبل ومن بعد۔ وجوہ مذ فیہج الموصوف  
منصور اللہ۔

(اگرچہ رومی مرز میں شام میں مغلوب ہو گئے ہیں لیکن خضر یب چند ہی سال میں  
وہ اپنی مغلوبیت کے بعد غالب آجائیں گے۔ اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں سب  
کچھ ہے۔ اس روز اللہ کی مدد کی وجہ سے مومن خوش ہوں گے۔)

اللہ کا وعدہ حریف بخت پر ابراہیم چند ہی سال میں ہر تکرارے دوبارہ طاقت کڑائی اور اورانیوں  
سے نبرد آزما ہو کر انھیں مصر اور شام سے نکال دیا۔ صلیب اعظم ان سے واپس چھین لی۔ اور اسے  
بیت مقدس میں اس کی اہلی جگہ آویزاں کر دیا۔ ان مسلسل لڑائیوں میں جمال ایرانیوں کے غلبہ و  
اقتدار میں نمایاں فرق آگیا وہاں رومیوں کی قوت و طاقت میں بھی بہت حد تک کمی آگئی۔ دیگر امور  
کے علاوہ یہ امر بھی عربوں کی سلطنت کے قیام اور فتوحات اسلامیہ کے لیے مدد و معاون ثابت ہوا۔

### ابوبکر کا موقف

رومیوں اور ایرانیوں پر جو کچھ گز رہی تھی مگر اور مدینہ واسے اس سے بے خبر نہ تھے۔ اسی طرح عراق اور  
شام کی حدود میں بیٹے واسے عربوں کا حال بھی ان سے پوشیدہ نہ تھا۔ ان حوادث و واقعات کا  
طبعی نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کے دلوں میں ایرانیوں اور رومیوں کا جو عصب و دبدبہ قائم تھا وہ جاتا رہا  
اور ان کی فکروں سے ان سلطنتوں کی وقعت کم ہو گئی۔ رسول اللہ کی بعثت اور منثورہ طور پر سارے  
عرب کے اسلامی جھنڈے تلے جمع ہو جانے سے اس جہان کو مزید تقویت پہنچی۔ پھر بھی اس  
کا مطلب یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ عربوں کی فکروں میں ان سلطنتوں کی وقعت اس درجہ کم ہو گئی تھی کہ  
وہ ان پر حملہ کرنے اور ان کی حدود کو پامال کرنے کا خیال بھی دل میں لاسکتے تھے۔ عربوں میں ہمدردی  
ضرور پیدا ہوئی مگر اس کا دائرہ جزیرہ عرب کو ان سلطنتوں کے اثر و نفوذ سے پاک کر سنے کی  
کو شعشعہ تک محدود تھا۔ چنانچہ مین اور عرب کے تمام جنوبی علاقوں نے ایرانیوں کی اطاعت  
کا جوا سر سے اتار رکھا۔ رسول اللہ نے اپنے حمہ سہارک میں ایرانیوں کی طرقت خاص نگاہ رکھی

اور اس غرض کے لیے بعض اقدامات بھی کیے لیکن آپ کی غرض بھی یہی تھی کہ عرب کی شمالی سرحدوں کو قیصر کی فوجوں کے تاحنت و تاراج سے محفوظ رکھا جائے۔ شام پر چڑھائی نہ کرنا آپ کا مقصد تھا اور نہ مسلمانوں نے ہزقل کے نام رسول اللہ کے تبلیغی خط کو شام پر چڑھائی کرنے کا بہانہ بنایا۔ پھر بھی حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں بعض ایسے واقعات پیش آئے کہ مسلمانوں کے لیے ایران اور شام پر چڑھائی نہ ضروری ہو گیا۔

جس وقت یامر بن خالد بن ولید اور من اور اس کے فوج میں مہاجر بن ابی امیہ اور کوسر بن ہرمل مرتدین کی سرکوبی میں مصروف عمل تھے اسی وقت سب لوگوں کو یقین ہو گیا تھا کہ اب جزیرہ عرب میں صرف عقیقہ رسول اللہ کی فراخوانی ہوگی اور آئندہ کسی فتنہ پرور شخص کو شرمندہ کرنے اور بنیاد کی آگ بھڑکانے کی جرات نہ ہو سکے گی مگر عام لوگوں کے پلٹس حضرت ابو بکرؓ نے غرض فحی سے کام نہ لیا۔ یہ بات بعید از قیاس نہ تھی کہ ساد کے شعلے ایک بار وہاں پہنچنے کے بعد دوبارہ پھر بھڑک اٹھتے اور ایک بار پھر جزیرہ عرب میں انتشار پیدا کر دیتے۔ حضرت ابو بکرؓ تمام حالات کا بغور غائر جائزہ لے رہے اور سفیدگی سے اس مسئلہ پر غور کر رہے تھے کہ عرب قبائل کی خدوش انگیزی کے خطرے سے بچنے کے لیے کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ان کی ترجیحات کو اپنی اور شام کی طرف منتقل کر دیا جائے تاکہ انھیں حکومت کے خلاف سر اٹھانے اور ساد پر ہار کرنے کا کوئی موقع ہی نہ مل سکے۔ اس غرض کے لیے اللہ جلے ہی سے سامانی کر چکا تھا۔ مگر اب شام میں عرب قبائل کثرت سے آہاؤ تھے اور ان سے امید کی جاسکتی تھی کہ وہ بھی دین اسلام کو اسی غمزدہ پیشانی سے قبول کر لیں گے جس طرح ان کے ہم قوم اور ہم اصل لوگوں نے قبول کر لیا تھا اور وہ بھی اپنے ہم وطنوں کے ساتھ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی میں شریک ہو جائیں گے۔ یہ خیالات اٹھتے جھپٹتے چلتے پھرتے غرض بردہ حضرت ابو بکرؓ کے دماغ میں چکر لگاتے رہتے تھے۔ پھر بھی اس کا مطلب یہ نہ کہنا چاہیے کہ انھیں غمزدہ باشندہ و مست سلطنت کی ہوس تھی اور ایک وسیع علاقے پر اقتدار قائم کرنے کے خواباں تھے۔ ان کا مشا بہت پر تھا کہ مسلمانوں کو اعلیٰ نصیب پر وہ بے روک ٹوک احکام دین پر عمل کر سکیں اور اسلام کی تبلیغ کے راستے میں انھیں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔ لوگوں کو اعلیٰ ان اسی وقت نصیب ہو سکتا ہے جب حکومت کی بنیاد

عدل و انصاف پر ہوا اور اس میں ہوا اور جس کو بالکل دخل نہ ہو۔ عدل و انصاف کی بنیاد پر قائم ہونے والی حکومت کے لیے ضروری ہے کہ حاکم اعلیٰ ہر قسم کی نفسانی خواہشات سے کسر پاک ہو اور اس میں خود غرضی و نفس پرستی کا شائبہ تک نہ ہو۔ مزید برآں وہ رعایا پر حدود و شفیق اور مہربان ہو۔ حضرت ابو بکرؓ اس معیار پر سنی محدود سے اترتے تھے۔ وہ اپنے واسطے کسی عہدے اور مرتبے کے خواہش مند نہ تھے۔ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں انھوں نے کبھی اپنی ذات کو اجاگر کرنے کی کوشش نہ کی۔ رعایا پر وہ جس درجہ شفیق اور مہربان تھے اس کے بیان کی حاجت نہیں۔ عدل و انصاف کو وہ ہر چیز پر مقدم رکھتے اور اس کے قیام میں اپنی جان اور اہل و عیال تک کو فراوانی کر دیتے تھے۔ اس کے علاوہ مملکت کے تمام امور کی نگہداشت انتہائی مہم و احتیاط سے کرتے تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کا پہلا سال زیادہ تر تہذیب کی تشریح کا مقابلہ کرنے میں گزرا۔ مسلمان بہتر اس نکتے کو فراموش نہیں مصروف تھے اور جوق و جوق اسلامی لشکروں میں شامل ہو کر حیا و کے لیے اطراف ملک میں جا رہے تھے۔ لیکن اس نادر ترین موقع پر بھی حضرت ابو بکرؓ استقامتی اور ملکی امور میں غافل نہ رہے۔ انھوں نے حضرت عمرؓ کی خطابہ کو مدینہ کا تاحی مقرر فرمایا۔ گو انھیں اس سلسلے میں کوئی کام نہ یاد پڑا۔ وہ سال بھر تک قضا کے عہدے پر متمکن رہے لیکن کوئی مقدمہ فیصلے کے لیے ان کے سامنے پیش نہ ہوا۔ ابو عبیدہ بن جراح کے سپرد بیت المال کا انتظام تھا۔ دکانہ اور صدقات کا بحال رکھا جوتا تھا وہ اس کی تقسیم کے لیے مامور تھے حضرت عثمانؓ بن عفان اور زیدؓ بن ثابت کے سپرد کتابت تھی۔ خراج اور واسطے بھی حضرت علیؓ کرتے تھے۔ ان کے مقرر کردہ عمال اور قائدین بھی اطراف مملکت میں اپنی اپنی دھڑا بیل ادا کرنے میں مشغول تھے۔ ان تمام لوگوں کا حضرت صدیقؓ سے گہرا رابطہ قائم تھا اور اہم ملکی امور میں کوئی شخص آں سے مشورہ لیے بغیر قدم نہ اٹھا سکتا تھا۔ اسی وجہ سے جنگ بے سارنگاؤ کے دوران میں ان کے ارادوں کے عمال و قائدین کے درمیان کثرت سے خط و کتابت ہوتی جتنا تاریخ میں محفوظ ہے جنگ بے سارنگاؤ کے باعث چونکہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کا پہلا سال سخت مصروفیت کا گزرا۔ اس لیے انھوں نے حج کے موقع پر اپنی جگہ عتاب بن اسیدؓ کا میراج جاکر بھیج دیا۔

جب تک مرتد بنے سے جنگیں جاری رہیں حضرت ابو بکرؓ کے لیے کسی اور جانب قومنہیں  
کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ جب مرتدین کا مکمل قلع قمع ہو چکا اور سچے سچے پر اسلامی حکومت کی عملداری  
حکم ہو چکی تو حضرت ابو بکرؓ کی قوجہ اس ضروری مسئلے پر مبذول ہوئی کہ املاک، اہل حق اور دین حق  
کی اشاعت کے لیے مسلمانوں کو آمادہ کیا قدم اٹھانا اور اپنی جدوجہد کو کس شکل میں مرکوز کرنا چاہیے۔  
اس غرض کی انجام دہی کے لیے ایک مشکل یہ تھی کہ رومیوں پر حملہ کیا جائے اور ان جنگوں  
کو جن کا آغاز رسول اللہؐ غزوہ تبوک کے ذریعے سے فرما چکے تھے، پانچ تھیں تک پہنچا یا جائے۔  
عربوں کی قوجہ کلیئر رومیوں کی طرف پھیر دینے سے نہ صرف آئندہ کے لیے عرب سے جہاد اور  
فتنہ و فساد کا خطرہ دور رہنا بلکہ مملکت روم کے طول و عرض میں اشاعت اسلام کے لیے بھی  
راستہ صاف ہو جاتا۔

لیکن اس مسئلے کا ایک دوسرا پہلو بھی تھا جس پر نظر رکھنا بے حد ضروری تھا۔ وہ یہ کہ اگر  
مسلمان رومیوں پر فتح یاب نہ ہو سکے تو پورے جزیرہ عرب کو زبردست خطرہ لاحق ہو جاتا جو عقیدہ  
کے فتنے سے کہیں بڑھ چڑھ کر رہتا۔ وہی اپنے علاقے میں مسلمانوں کو شکست دے کر انھیں اپنے  
علاقے سے نکال دینے پر کفایت کرتے بلکہ انھیں محلے کا مژہ چکھانے کے لیے جزیرہ عرب پر  
بھی حملہ کر دیتے۔ عرب پر رومیوں کی چڑھائی معمول بات نہ تھی، اس صورت میں اسلام کا کلیئر  
قلع قمع ہو جاتا۔

مرتدین کے مقابلے میں مسلمانوں کی کامیابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اسلام نے ان کو عرب سے  
بہت پرستی کا مکمل خاتمہ کر دیا تھا اور تمام عرب عقیدہ توحید کی لڑی میں منسلک ہو چکے تھے۔ یہ  
ایک دہر دست قوت تھی جو اسلام کو حاصل تھی۔ درمیان نبوت نے قبائلی مصیبت کی بہت پر  
سادہ لوح انسانوں کو چند روز کے لیے قہر اپنے لیے چھپا لگایا لیکن محض بے بنیاد عقیدوں اور منکر خیز  
تقلیبات کی بنا پر زیادہ عرصے کے لیے انھیں اپنے ساتھ لگائے رکھنا ممکن نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ  
جو نہ بنی ان لوگوں کا کذب و افتراء ان کے پیروؤں پر ظاہر ہونے لگا وہ ان کا ساتھ چھوڑنے لگے  
لیکن رومیوں کی بات ملحدہ تھی۔ وہ عیسائی تھے اور اس دین کے پیرو جو ایک شاندار ماضی  
کا حامل تھا مسلمانوں کی طرح وہ اہل کتاب تھے، اس کے علاوہ زبردست قوت و طاقت کے

کے ملک بھی۔

یہ درست ہے کہ ان کے اور ایرانیوں کے درمیان ساٹھ سال سے جنگ و جدل کا سلسلہ جاری تھا۔ ابتدا میں ایرانی ان پر غالب آ گئے۔ لیکن بعد میں رومیوں کا پربھاری ہرگیا۔ جدل و قتال کے اس غیر ختم سلسلے نے دونوں سلطنتوں کی قوت و طاقت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا تھا۔ پھر بھی ابھی ان کا کرب و غاب ہمایہ اقوام پر یہ دستبرد قائم تھا۔ پس میں قزوہ جنگ جہل میں مصروف ہوا ایک دوسرے کو زک پہنچانے میں مشغول تھے لیکن کسی دوسری سلطنت کی مجال نہ تھی کہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکتی خصوصاً عرب صبیحہ قزوہ کی جس کی قوت و طاقت ایرانیوں اور رومیوں کے پاس تک بھی نہ تھی اور جو ان سلطنتوں سے جنگ چھیڑنا اپنی موت کو اپنے ہاتھ سے دعوت دینے کے مترادف سمجھتی تھی۔

دوسرے عربوں کی طرح حضرت ابو بکرؓ کے دل میں بھی ایرانیوں سے جنگ کرنے کا خیال نہ آ سکتا تھا۔ حجاز و فارس کے متصل نہ تھا۔ اور عرب کے جو علاقے ایران سے جڑے ہوئے تھے۔ ان میں قبل ازیں اور دو کا فتنہ دور شدہ سے بھڑک چکا تھا اور کسی جنگ کی صورت میں اس علاقے کے لوگوں پر قطعاً اعتبار نہیں کیا جاسکتا تھا اس لیے حضرت ابو بکرؓ کے واسطے یہی صورت مناسب تھی کہ وہ فتنہ کا تدارک فرما کر اس کے بعد تمام تر قزوہ سلطنت کے اندرونی استحکام اور قیام امن پر مہذول کرتے تاکہ عرب ایک وحدت میں منسلک ہو کر اقوام عالم میں ایک نمایاں مقام حاصل کر سکیں اور ان کی قوت و طاقت میں شاندار اضافہ ہو جائے۔

### مثنیٰ بن حارثہ اور عراق

حضرت ابو بکرؓ آئندہ اقدامات کے متعلق حوزہ فکر میں مشغول تھے کہ خبر ملی ایک شخص مثنیٰ بن حارثہ شیبانی ایک قلیل فرج کے ساتھ پیش قدمی کر کے بحرین کے شمال میں دہلہ و فرات کے واسطے تک پہنچ چکا ہے۔ وہ ایرانی حکام جنہوں نے بناوٹ کی آگ بھڑکانے میں بحرین کے عربوں کی مدد کی تھی اس لئے آگے بے بس ہو گئے ہیں اور اب یہ طاقت نہ لگا کر پیچھے ہٹ گئے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کو اب تک مثنیٰ کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا۔ ان خبروں کے پہنچنے کے بعد تحقیقات

کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ بحرین کے قبیلہ بکر بن مالک سے تعلق رکھتا ہے اور علاء بن حضرفی کے ساتھ مل کر مرتدین سے جنگ کر چکا ہے۔ بحرین اور اس کے فوج میں جو لوگ بد دستور اسلام پر قائم رہے تھے اور تھعل نے اسلامی فوجوں کے ساتھ مل کر مرتدین کی جنگوں میں حصہ لیا تھا مشائی عمان کا سردار تھا۔ انقاد کا نقشہ ختم ہونے کے بعد بھی وہ چین سے مدینیا اور اپنے لوگوں کو ہمدان سے کریمین فارس کے ساحل کے ساتھ ساتھ، بجانب شمال، عراق کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ آخر وہ ان عربی قبائل میں چنچا ہوا، جہاں وہ فوجوں کے ڈیپٹائی علاقے میں آباد تھے۔ اس نے گفتہ تشدید کے انھیں ایرانی سلطنت کا جزا سے انکار دینے اور اسلامی حکومت کی حمایت کرنے پر آمادہ کر لیا۔ ان امور کے علاوہ حضرت ابو بکرؓ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ مشائی معمول شمس نہیں بلکہ اپنے قبیلہ کا ایک معزز فرد اور استائی قابل اعتماد شخص ہے۔ چنانچہ ان کے دریافت کرنے پر قیس بن عاصم انقری نے کہا،

”یہ شخص گم نام، معمول الغیب اور فریب کا نہیں۔ مشائی بن عارضہ شیبانی

ہے جو اپنی حسب نسب اور شہرت و عزت کا مالک ہے۔“

اس صورت حال نے حضرت ابو بکرؓ کے لیے غور و فکر کی نئی راہیں کھول دیں۔ اب ان کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ کیا اس موقع پر مسلمانوں کو عرب کی حدود سے باہر بھیجنا مناسب ہو گا اور کیا مشائی میں اتنی طاقت ہے کہ وہ عراق میں گھس کر ایرانی سلطنت کے دروازے مسلمانوں کے لیے کھولنے میں کامیاب ہو سکے گا؟

عراق کی صورت حال یقیناً مسلمانوں کے لیے قابلِ توجہ تھی اور وہ اس طوفان سے غافل نہ ہو سکتے تھے۔ عراق میں جو لحوم قتلک اور اور نمر اور بنو شیبانی متعدد عربی قبائل آباد تھے۔ گو یہ قبائل ایرانیوں کے محکوم اور ان کے مطیع و منقاد تھے۔ پھر بھی جزیرہ عرب سے ان کا جو قدرتی رشتہ تھا، اُسے بھی وہ کسی صورت میں فراموش نہ کر سکتے تھے۔ عرب میں جو بھی تحریک اُٹھتی تھی ان کے لیے اس کا ہر لحاظ نامزد ہونا ضروری تھا۔ اور صحابہ نے بھی عراق ہی سے نکل کر نہایت کامیابی کی تصاویر اس کی تمام اسیدیں بھی ان ذکر و راہِ قبائل ہی سے وابستہ تھیں۔

اس ضمن میں حضرت ابو بکرؓ کے لیے سب سے جواہر افرو بات یہ تھی کہ عراق میں ایرانی اقتدار

ڈال ڈال کر ہوتا تھا۔ رسول اللہ کی وفات سے کچھ عرصہ قبل ہرجل شمشاد ورم نیزا اور دیگر ہرجلانی افواج کو شکست و فاش دے چکا تھا۔ اس کی فوجیں ایرانی و املا سلطنت علاقوں کے درمیان ایک پہنچ گئی تھیں۔

ہرجل کی فوج کشی کے بعد بعض اور علاقے بھی ایرانی حمل واری سے نکلنے اور آنا دھونے شروع ہوئے۔ سب سے پہلے یمن نے ایرانی اقتدار سے جھٹکا مارا حاصل کیا اور وہاں کے عامل باذان نے اسلام قبول کر کے اسلامی حکومت کی ماتحتی قبول کر لی۔ بعد ازاں بحرین اور خلیج فارس و خلیج عمان کے تمام علاقوں نے بھی ایرانیوں کی غلامی کو غیر باؤگیا اور وہاں بھی اسلامی حکومت کا دور دورہ ہو گیا۔ سلطنت ایران نے ان علاقوں کی باذیابی کے لیے کوئی کوشش نہ کی اور اس کے مفکر و حاکم اپنی اپنی جگہ بیٹھے اٹھیاں سے متوجہ علاقوں پر غیر قوم کو قابض ہونے دیکھتے رہے۔

اس موقع پر وہ کہ بھی کیا کہتے تھے، خود سلطنت اندرونی انتشار کا شکار ہو رہی تھی۔ تخت ایران پر تہجد کرنے کی خاطر ایرانی املا میں جنگ و سہل برپا تھا۔ چار سال میں نو بادشاہ تخت نشین ہو چکے تھے اور ہر بادشاہ نے بے دریغ اپنے مخالفین کا قتل عام کرایا تھا۔ کسی بادشاہ کو صبح سے حکومت کرنا نصیب نہ ملا اور تخت پر نہ گھنٹے گزرتے کہ چڑھی دوزخ سے اپنے دشمنوں کی کاوش کا نشانہ بنتا پڑتا۔

حضرت ابو بکرؓ آئندہ اقدام کے متعلق ابھی کوئی فیصلہ کرنے نہ پائے تھے کہ نشانی خود دینے میں اُمر ہو گئے اور تمام حالات خلیفہ کے گوش گزار کر دیے۔ انھیں اٹھیاں دلا کر شام کے برعکس عراق کی فتح سہل و محصل ہے اور عراق کے میدانوں میں عربوں کو ان سبب خطرات سے بالعموم دوچار ہونا دیکھ کر گھبراہٹ سے شام پر فوج کشی کی صورت میں ہونا چاہتے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ وجہ اور فرات کا درمیانی علاقہ زرخیز ہے اور حسین قدرتی مناظر کے لحاظ سے شام سے کسی طرح کم نہیں۔ اہل مجاہد کو جو عراق کی نسبت شام کا سفر اختیار کرنے میں زیادہ آسانیاں میسر ہیں اس لیے تدبیراً ان کی فوجیں شام ہی کی طرف اٹھتی ہیں۔ لیکن اگر وہ عراق کے قریب مناظر دیکھیں تو یقیناً شام کی طرح یہ علاقہ بھی ان کے لیے پرکشش ثابت ہو۔

شخص نے یہ بھی بتایا کہ جو عرب قبائل وجہ اور فرات کے ڈیلے میں آباد ہیں وہ

وہاں کے مقامی باشندوں کے باہقول سخت مصیبت میں مبتلا تھیں۔ عرب زیادہ تر کھیتی باڑی کا کاکام کرتے ہیں۔ جب فصل کچک کر تیار ہو جاتی ہے قریائی زمیندار آتے اور سارا غلہ سمیٹ کرے جاتے ہیں۔ لیکن وہ غریب ملازم، انھوں نے رات دن کنت محنت و مشقت برداشت کرتے ہوئے خورن پسینہ ایک کر کے فصل تیار کی تھی، بالکل محروم رہ جاتے ہیں اور ان کے چھتے میں ان چند ٹکڑوں کے سوا کچھ نہیں آتا جزدمنوں کے مالک اور ذاتی و ترعم بخشش کے طور پر انھیں دے جاتے ہیں۔ اس ذیل ہوتاؤ کے باعث عربوں کے دل ایرانی امراء اور زمینداروں کے خلاف نفرت سے بھرے ہوئے ہیں اور اگر جزیرہ صوبہ کو ایرانی وسیع کاریوں سازشوں اور مخالفانہ کارروائیوں سے بچانے کے لیے عراق پر فوج کشی کی جائے قریائیںوں سے ولی نفرت کے باعث وہاں کے عرب قبائل مزبور اپنے ہم وطنوں کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائیں گے اور ہر طرح اُن کی امداد کریں گے۔ اس لیے یہ نا درموقع ہتھیار نہ کھونا چاہیے اور سرزمین عراق میں اسلامی فوجیں روانہ کرنی چاہئیں۔

عراق کا اٹوٹیاں علاقہ بھی اپنی خوب صورتی اور زرخیزی کے باعث عدم اقبال نہ تھا بلکہ وجد اور فطرت کا علاقہ بھی جو تقریباً تین سو میل لمبا تھا اس کے کاسارا قدرتی نظاموں سے معمور تھا۔ زمین کی زرخیزی اور شادابی کے علاوہ یہ علاقہ تاریخی لحاظ سے بھی انتہائی اہمیت کا حامل تھا۔ اس کے چپے چپے پر آثار قدیمہ بکھرے پڑے تھے اور زبان حال سے پرہیز بادشاہوں اور پرشکوہ سلطنتوں کی داستانیں ہر آنے جاتے دے کو سنارہے تھے۔ چنانچہ شہر اور حصے کے آثار ہمارے زمانے میں دریافت ہوئے ہیں اور جس کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پندرہویں زمانے میں قیصر بڑا تھا جب فرعون مصر پر حکمران تھے، اسی منطقے میں واقع تھا۔ شمالی جانب قھڑوا سلطنت آگے بڑھنے پر قدیم شہر بابل کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ دریائے فرات کے کنارے بابل کا بڑے اب تک کھڑا اور زمین کی عظمت و شوکت کی داستان بیان کر رہا ہے۔ اسی دریائے فرات کے ساحل پر ساسانی ہمارے جلال کا مظہر اور ایرانی سلطنت کا دار الحکومت مدائن آباد تھا جس کی ثروت اور شان و شوکت کا شہر و اقتصادے عالم تک پہنچا ہوا تھا۔

باغات کی کثرت، فصلے کی فراوانی اور دلفریب قدرتی مناظر کے باعث یہ علاقہ صحت امینی

کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اسی لیے جب ثنی شیبانی نے حضرت ابو بکرؓ کے سامنے ساری صورت حال واضح کی تو وہ اس علاقے میں اسلامی فوجیں بھیجنے پر رضامند ہو گئے۔ مثنی کا مقصد یہ تھا کہ عراق کے دیشیائی علاقے میں اسلامی فوجیں بھیج کر عرب قبائل کو ظلم و ستم کے اس لامتناہی چکر سے نجات دلائی جائے جو ایرانی حکام کی طرف سے ان پر مار لکھا جا رہا تھا اور اس طرح انھیں ممنوع احسان بنا کر اسلام کی طرف دھنکایا جائے۔ اگر ایرانی حکام لوگوں کے اسلام تبدیل کرنے کی راہ میں رکاوٹ پیدا نہ کریں تو فہارہ و حکومستدیران سے باقاعدہ فوجیں بھیجیں اور مذہبی آئادوی کے لیے راستہ صاف کیا جائے اور دلائل و براہین کے ذریعے سے دین حق کی اشاعت کے مسلمان فراہم کیے جائیں۔

کوئی قطعی فیصلہ کرنے سے پہلے حضرت ابو بکرؓ نے مدینہ کے اہل اللہؓ صحابہ سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ انھیں بلایا اور عراق کے تمام حالات سن کر مثنیٰ کی یہ درخواست ان کے سامنے پیش کی کہ انھیں اسی کی قوم کا سردار بنا کر ایرانیوں سے نہرو آدما ہونے اور اس طرح ایک ایسا فرض ادا کرنے کا موقع دیا جائے جس کی بجائے آدوی و حقیقت اسلامی حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ چونکہ اہل مدینہ عراق کے حالات سے بالکل ناواقف تھے اور انھیں تو تھا کہ سلطنت ایران پر چڑھائی کر کے اسلامی افواج کو اسی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائیں اس لیے انھوں نے مشورہ دیا کہ خالد بن ولیدؓ کو بلا کر یہاں معاملہ ان کے سامنے پیش کیا جائے اور جو رائے وہ دیں اس پر عمل کیا جائے۔ خالد بن ولیدؓ اس دہشت میں غزوہ عقرہؓ سے فارغ ہو کر اپنی دو فوجیں بیرویل و ام تمیم اور بنت ہماہ کے پہلو یا سرہی میں مقیم تھے حضرت ابو بکرؓ نے انھیں فرما دینا کہ طلب فرمایا۔ اندر پہنچنے کے بعد جب حضرت ابو بکرؓ نے عراق پر فوج کشی کے مسئلہ مثنیٰ کی تجاویز ان کے سامنے رکھیں تو انھوں نے بلا پس و پیش ان پر صاف کر دیا۔

خالدؓ نے خدا اور فراست کی بنا پر بھانپ لیا تھا کہ مثنیٰ نے حدود عراق میں ایرانیوں کے حملات جو کارروائی شرم کی ہے مگر خدا و فراست وہ ناکام ہو گئی اور مثنیٰ کی فوج کو عرب کی جانب پسپا ہونا پڑا تو ایرانی حکام و لیبر ہو جائیں گے۔ دو صورت مثنیٰ کی فوج کو عراق کی حدود سے باہر نکالنے پر اتفاق کریں گے بلکہ مجبورین اور اس کے محنت ملاقا پر دوبارہ اثر و سرخ قائم کرنے

اور تسلط بٹانے کی کوشش بھی کریں گے اور اس طمع اسلامی حکومت کو سخت خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ اس خطرے سے بچنے کی صورت ایک صورت ہے وہ یہ کہ عرباً خلافت سے منشی کو قزاق اور اقامی اعداء متینا کی جائے اور ایرانیوں کو عرب کی حدود میں اثر و رسوخ جانے کے بجائے مزید سپاہی پر مجبور کیا جائے تاکہ ان کی جانب سے آئندہ کبھی عرب کو کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔

غلام شہین ولید کی یہ رائے سن کر دیگر اصحاب نے بھی منشی کی تھکا دینے قبول کر لیں اور حضرت ابو بکرؓ سے عرض کر دیا کہ انھیں منشی کی امداد پر کوئی اعتراض نہیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے منشی کو ان کی خواہش کے پیش نظر ان لوگوں کا سزا و سزا مقرر کر دیا جنھیں بہراؤ نے کراہوں نے عوامی حدود میں پیش قدمی کی تھی اور حکم دیا کہ فی الحال وہاں کے عرب قبائل کو سزا دھانسنے اور اسلام قبول کرانے پر آمادہ کریں جلد ہی مدینہ سے ایک لشکر بھی ان کی اعداء کے لیے روانہ کیا جائے گا جس کی مدد سے وہ مزید پیش قدمی جاری رکھ سکیں گے۔

یہ سب روایت جسے ہمارے خیال میں دوسری روایات پر ترجیح حاصل ہے۔ لیکن بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ منشی اعداء کی درخواست کرنے کے لیے مدینہ گئے اور حضرت ابو بکرؓ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ وہ اپنے لشکر کے بہراؤ و طوائف ملا تھیں منشی قدمی کرتے ہوئے ہیبت و دودھل گئے۔ آگے جا کر انھیں ایرانی سپہ سالار ہزکی الراج کا سامنا کرنا پڑا۔ وہی جزا و سزا منشی کے درمیان جنگ جاری تھی کہ حضرت ابو بکرؓ کو بھی ان ملاقات کی خبر ہو گئی۔ وہ اس وقت تک منشی کے نام سے ہلے بے خبر تھے۔ ان خبریں کے پہنچنے پر جب انھوں نے تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ منشی نے جگہ پر اعداء کے دھاندلی میں بگرنے کے اندر دست و کار ہائے نمایاں انجام دیے تھے۔ انھوں نے غلام بن ولید کو حکم دیا کہ وہ ایک لشکر کے بہراؤ منشی کی مدد کے لیے عراق جائیں اور بہراؤ پر فتح یاب ہو کر اپنی عربوں کے وادہ حکومت حیرہ کی جانب کوچ کریں۔ ساتھ ہی حمیان بن عثیم کو حکم دیا کہ وہ دوستا الجندل جائیں اور وہاں کے قزاق و مرتد یا خندل کو مطیع کر کے حیرہ پہنچیں۔ وہ واپس تھانہ دلی میں سے جہ پہلے حیرہ پہنچ جائے اسی گراں علاقے میں جنگ کا ردائی کرنے والی فوج کی قیادت حاصل ہوگی۔

پہلی روایت کے مطابق میں دوسری روایت ہمارے نزدیک قابل ترجیح نہیں لیکن اس کا

کا مطلب یہ نہیں کہ تم اسے سوسے صیغہ ہی نہیں سمجھتے۔ جو یہ ہے کہ اس حمد کے متعلق ہمارے پاس جو روایات پہنچی ہیں ان میں سے جو اختلافات پایا جاتا ہے۔ یہ اختلافات اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ ابتدائی مؤرخین طبری اور ابن اثیر وغیرہ بھی یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ کس روایت کو ترجیح دیں اور کسے نہ دیں۔

بعد میں آنے والے بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ خالد اپنی فرجی کے ہمراہ جب حرات کے ڈیپٹی علاقے میں پہنچے تو ان کے سامنے کوئی معین مقصد اور پیچھے سے تیار شدہ منصوبہ نہ تھا۔ وہ صرف منشی کی مدد اور انھیں ایرانیوں کے لشکر سے نجات دلانے کے لیے آئے تھے لیکن جب ابتدائی جنگوں میں انھیں کامیابی نصیب ہوئی تو انھوں نے بطور خود پیش قدمی کا ایک منصوبہ بنا کر حضرت البرکۃ کی اجازت حاصل کئے بغیر حمیرہ اور شمالی عراق کی جانب ٹرکنا شروع کر دیا اور حضرت البرکۃ کی خدمت میں صرف خمس بھیجے اور انھیں جنگی صورت حال سے آگاہ کرنے پر اکتفا کیا۔

لیکن یہ روایت ضعیف معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت البرکۃ نے اپنے معزز و قاضی کو واضح طور پر یہ احکام بھیج رکھے تھے کہ وہ کسی جنگ سے غاصغ ہونے کے بعد الگ قدم اس وقت تک نہ اٹھائیں جب تک ان سے اجازت حاصل نہ کر لیں۔ جنگ ہونے اور خلا و اور بعد میں عراق و شام کی فتوحات کے اعلان میں دیکھا جاتا ہے کہ قاضی نے حضرت البرکۃ کی اس چاریت پر پوری طرح عمل کیا۔ اس لیے ممکن نہیں کہ خالد عراق میں پیش قدمی کرنے کے وقت یہ واضح ضروری ہدایت نظر انداز کر دیتے اور بطور خود ایک منصوبہ بنا کر غلطی کی اجازت حاصل کیے بغیر اس پر عمل شروع کر دیتے۔

## (۱۲) فتح عراق

### خالد کی روانگی عراق

حضرت ابو بکرؓ نے دمشقؓ بن معاویہؓ شیبانی کی درخواست پر انھیں ایرانیوں پر حملہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی تھی چنانچہ دمشقؓ نے اپنا قبیلہ ہمراہ لے کر ایک نئے عزم و دلولہ سے عراق پہلے ہول دیا اور دیائے وجہ و فرائض کے ذریعہ فاطمہؓ میں پہلے وہیںے فتوحات حاصل کرنی شروع کیں۔ جب یہ خبریں مدینہ پہنچیں تو حضرت ابو بکرؓ نے دمشقؓ کو ملک بھیجنا مناسب خیال کیا تاکہ وہ فتوحات کا سلسلہ جاری رکھ سکیں۔ چنانچہ انھوں نے خالدؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنے لشکر کے ہمراہ عراق چلے جائیں اور لشکر کی کمان فی الحال اپنے ہاتھ میں سنبھال لیں۔ عیاض بن حمزہؓ کو حکم دیا کہ وہ پیچھے دوڑنا بند کر جائیں جاکر وہاں کے سرکش لوگوں کو تسلیم کریں اور وہاں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد بجانب شرق حیرہ پہنچیں۔ مگر وہ خالدؓ سے پہلے وہاں پہنچ جائیں تو ایرانیوں سے جنگ کرنے والے لشکر کے سپہ سالار وہ ہوں گے اور خالدؓ ان کے ماتحت افسر ہو کر کام کریں گے۔ اور اگر خالدؓ پہلے پہنچ جائیں تو سپہ سالاری کے فرائض خالدؓ انجام دیں گے اور عیاضؓ ان کے ماتحت ہوں گے۔

عرب عراق کی زمینوں میں بطور کاشت لگا کر کام کرتے تھے فیصل تیار ہونے پر انھیں ثنائی کا بہت حق دار حصہ ملتا تھا۔ اکثر حصہ ان ایرانی زمینداروں کے پاس ملتا تھا جو ان زمینوں کے مالک تھے۔ یہ زمیندار غریب عربوں پر بے حد ظلم توڑتے تھے اور ان کے ساتھ غلاموں سے بھی بدتر سلوک کرتے تھے حضرت ابو بکرؓ نے اپنے سالاروں کو حکم دے دیا تھا کہ جنگ کے دوران میں ان عرب کاشت کاروں سے نیک سلوک کیا جائے۔ انھیں قتل کیا جائے نہ قیدی بنایا جائے۔

غرض اسی کے کسی قسم کی بدسلوکی نہ کی جائے کیونکہ وہ عرب ہیں اور ایرانیوں کے ظلم و جور کی چکی میں پھنس چکے ہیں۔ انہیں اس بات کا احساس دلانا چاہیے کہ ان کی مظلومانہ زندگی کے دن ختم ہوئے اور اب وہ اپنے ہم قوم لوگوں کی بدولت حقیقی مدد و انصاف اور جان و آئادھی و مساعادت سے محروم ہو رہے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی اس حکمت عملی نے مسلمانوں کو بے حد فائدہ پہنچایا۔ ان کی فتوحات کے راستے میں آسانیوں پیدا ہو گئیں اور انہیں یہ غرض نہ رہا کہ پیش قدمی کرتے وقت کہیں پیچھے سے حملہ ہو کر ان کا راستہ مسدود نہ ہو جائے۔

حضرت خالدؓ کے لشکر کی تعداد بہت کم تھی کیونکہ ایک تو اس کا بہت سا مجاہد جنگ بیاہ میں کام آچکا تھا، دوسرے حضرت ابوبکرؓ نے انہیں حمایت کی تھی کہ اگر کوئی شخص عراق و مابین اس پر دباؤ دیتی نہ کی جائے۔ اس کے علاوہ کسی سابق مرتد کو اس وقت تک اسلامی لشکر میں شامل نہ کیا جائے جب تک شلیف سے خاص طور پر اجازت حاصل نہ کر لی جائے۔

خالدؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں مزید ایک بھیجنے کے لیے لکھا تو انہوں نے معرفت قتضاع بن عمروؓ انہیں کو ان کی مدد کے لیے روانہ فرمایا۔ لوگوں کو بڑا تعجب ہوا اور انہوں نے عرض کیا، "ابوبکرؓ کی مدد کے لیے صرف ایک شخص کو روانہ کر رہے ہیں حالانکہ لشکر بڑا فتنہ خیز حصہ ہے ان سے الگ ہر چاہیے۔"

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا:

"جس لشکر میں قتضاعؓ جیسا شخص شامل ہو وہ کبھی شکست نہیں کھا سکتا۔"

صوت قتلح سے یہ بات خاص نہ تھی۔ ایک بار عیاض بن غنم نے بھی ان سے مدد مانگی تھی تو انہوں نے عہد بن حوت الحمیری کو ان کی مدد کے لیے روانہ فرمایا تھا اور لوگوں کے انتشار پر وہی جواب دیا تھا جو قتضاعؓ کے بھیجنے پر دیا۔

پھر بھی قتضاعؓ کے ہاتھ آپؓ نے خالدؓ کو ایک خط بھیجا جس میں لکھا کہ وہ ان لوگوں کو رہنے لشکر میں شامل ہونے کی ترغیب دیں جو رسول اللہؐ کے بعد یہ دستور اسلام پر قائم رہے اور جنہوں نے مرتدین کے خلاف جنگوں میں حصہ لیا۔ یہ خط موصول ہونے پر خالدؓ نے اپنے لشکر کو ترغیب دینا شروع کر دی۔ خالدؓ کے نام حضرت ابوبکرؓ کے ایک خط کا ذکر کیا ہے جس میں انہوں نے خالدؓ (فقیر ماحیہ صفحہ ۲۸۹)



## ہرگز سے مقابلہ

ہرگز کی بستی منیج خدس اور کائنات کے سرحدی شہر کے قریب صحرا کے کنارے واقع ہے۔ ایسا جنوں کی بات سے ہرگز اس علاقے کا حاکم تھا جو حسب و نسب اور شرف و عزت میں اکثر ہوائے ایران سے بڑھا ہوا تھا۔ ایرانی مسزین کی ملکوت تھی کہ وہ معمولی ٹوپیوں کے بدلے قیمتی ٹوپیاں پہنتے تھے۔ حسب و نسب اور شرف و عزت میں جو شخص جس مرتبے کا ہوتا تھا اسی مناسبت سے قیمتی ٹوپی پہنتا تھا۔ سب سے بیش قیمت ٹوپی ایک لاکھ درہم کی ہوتی تھی جسے وہی شخص پہن سکتا تھا جس کی بزرگی مسلم الثبوت ہو اور جو شرف و عزت اور توقیر و دہاہت میں کمال درجے کو پہنچا ہوا ہو۔ ہرگز کے مرتبے کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اس کی ٹوپی کی قیمت بھی ایک لاکھ درہم تھی جسے کوئی کم درجے کا امیر یا گزندہ نہیں سکتا تھا۔ ایرانیوں کے نزدیک تو اس کی وجاہت مسلم الثبوت تھی لیکن عراق کی حدود میں بسنے والے عرب اسے انتہائی نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ کچھ نگہ داران عربوں پر تمام سرحدی امداد سے زیادہ سختی اور ظلم کرنا تھا۔ عربوں کی اس سے نفرت اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ وہ کسی شخص کی ضمانت کا ذکر کرتے ہوئے ہرگز کا نام بلا درغبت اٹھالے بغیر لگے تھے پڑا کچھ کہتے تھے:

”غلام شخص تو ہرگز سے بھی زیادہ فضیلت ہے۔“

”غلام شخص ہرگز سے بھی زیادہ بد فطرت اور چلینیت ہے۔“

”غلام شخص ہرگز سے بھی زیادہ احسان فراموش ہے۔“

یہی وجہ تھی کہ جزیرہ عرب کی حدود میں بسنے والے عرب اپنے بھائیوں پر مظالم کی دہائیں

واقعیہ حادیہ ص ۱۰۰ میں لکھتا ہے کہ اس چلے گئے ہیں ایسی بات لگنے کے وہ فرج کے کوٹنگ گاہ میں پہنچ جائیں جہاں پر ایسا ہی ہوا جیسا اب بھی ہے۔ ایرانی منکر نے غلاظت کے شکار کو واپس ہاتھ دیکھا تو خیال کیا کہ یہ اچھا موقع تھا۔ ایسا ہے سید کی فرج ہمارا مقابلہ ہمیں کر لینی اس سے پہلے ہمارے بھائیوں کے اس کی حالت ختم کر دی جائے۔ چنانچہ انھوں نے لگے۔ وہ صبح سویرے سید کی فرج پر حملہ کر دیا لیکن اس کے اندھیرے میں غلاظت کی فرج سید سے اگر ٹکرائی تھی تو نہایت زبردستی اٹھائی گئی تھی۔ ماحولی قسم کی حمایت فلاح البطلان جلدی میں بھی موجود ہے۔

مس کر صبر نہ کر سکتے تھے اور وقتاً در وقتاً ہیز کے ملاتے پر چھاپے مادر کاس کا آلام و سکون برباد کیے رکھتے تھے ہیز ایک طرت عربوں کے پے در پے چھاپوں اور غارت گری سے عاجز رہتا تھا، وہ عربی طرت ہندوستان کے بھری تفریق اسے جی میں سے نہ مٹھینے دیتے تھے۔ وہ کشمیل میں سوار ہو کر آتے اور اس کے علاقے میں غارت گری کر کے واپس چلے جاتے۔

خالد بن ولید سے دس ہزار کی جمعیت لے کر عراق روانہ ہوئے تھے عراق کی سرحد پر انھوں نے مشرقی کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ اپنا منتظر پایا انھوں نے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا اور ہر حصہ فوج کو ہدایت کی کہ وہ مختلف راستوں سے ہر تاجرانہاں حصار پہنچ جائے پہلا لشکر جس کے سرور مشرقی بنی ماریہ تھے سالانہ کے کھجور سے دور دراز پہنچے روانہ ہو گیا۔ دوسرا لشکر جس کی قیادت مدی بن حاتم کر رہے تھے اگلے روز روانہ ہوا۔ تیسرے روز خالد بھی لشکر لے کر روانہ ہو گئے ان لشکروں کی مددگی سے قبل خالد نے ہیز کو ایک خط بھی بھیجا تھا جس میں لکھا تھا،

”تم اسلام لے آؤ، امن میں رہو گے، اگر یہ بات منظور نہیں تو ذمی بن کر نہا رہی سلطنت میں شامل ہونا اور جزیرہ دنیا قبول کرو۔ اگر یہ پیش کش بھی نصیب منظور نہیں تو بعد میں پھچپانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس صورت میں تم اپنے سر اس کی طاقت نہ کرنا کیونکہ ہم اپنے ساتھ ایک ایسی قوم لا رہے ہیں جو برکت کی اتنی ہی عاشق ہے جتنے تم لوگ زندگی کے شائق ہو۔“

جب ہیز کو یہ خط ملا تو اس نے شہنشاہ اور شیر کو پیش آمدہ حالات کی اطلاع دی اور خود لشکر جمع کر کے خالد کے مقابلے کے لیے کرانم روانہ ہو گیا۔ راستے میں اسے معلوم ہوا کہ خالد نے اپنے لشکروں کو حسیزہ میں جمع ہو لے کی ہدایت کی ہے چنانچہ اس نے حسیزہ کا رخ کیا اور نینیری سے سفر کرنا چاہا خالد سے پہلے وہاں پہنچ کر پانی پر ٹلے سے ٹال دیے۔ جب خالد وہاں پہنچے تو انھیں ایسی جگہ آؤ تا تھا جہاں پانی کا نام و نشان تک نہ تھا لوگوں نے ان سے اس مشکل کا ذکر کیا تو فرمایا،

”لشکر کی کوئی بات نہیں۔ اسی جگہ پر آؤ اور دشمن کے ساتھ بے مگرری سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ پانی پر آخر اسی طریق کا قبضہ ہو گا جو لوگوں نے استعمال کیا اور صبر و استقامت کا ثبوت دے گا۔“

ہوئے عینہ اور میسر پر شاہی خاندان کے دو آدمیوں قباذ اور افرو شہان کو مستین کر رکھا تھا اور ان کی  
 خراج ہونے سے پہلے ہزارہی صفوں سے باہر نکلا اور خاک کو دھو کر مہمانت دی۔ اسے خالد کی  
 بھلہ دی شجاعت بھرا ہوا آدمی اور تعلیم مرتبے کا خوب علم تھا اور جانتا تھا کہ اگر اس نے خالد کو تاج پر پار کرنے کا  
 قتل کر دیا تو ریا نہیں کا اگر کمالی فتح انہیں تو کم از کم آدھی فتح ضرور حاصل ہو جائے گی۔ لیکن اسے  
 یہ بھی علم تھا کہ خالد کو قتل کرنا اعلان پر قباذ یا آسان نہیں اس لیے اس نے قریب ہی سے کام  
 لیا اور اپنے چند سواروں کو اس کام پر مامور کر دیا کہ جو نہی وہ خالد کو آؤ گیس فردا ان چھبٹ پڑیں  
 اور قتل کر دیں۔

اور جب خالد نے ہرزہ کی آواز سنی تو وہ گھوڑے سے اتر کر پیدل ہی اس کے مقابلے  
 کے لیے رھا ہوا۔ قریب پہنچ کر تلوار پہنچی اور ہرزہ پر حملہ آور ہوئے۔ اس اثنا میں ہرزہ کے مقرروں  
 کو وہ سواروں نے گھینے گاہوں سے نکل کر خالد کو قتل کرنا اور ہرزہ کو ان کے ہاتھ سے چھڑانا چاہا۔  
 لیکن مسلمان بھی کچھ گویاں نہ کھیلے تھے تفتاح بن عمرو نے جو بہت عرصے دشمن کی حرکات  
 و سکنات جانچ رہے تھے جو نہی ایرانی سواروں کو کہیں گاہوں سے نکلتے دیکھا، فوراً اپنے ہتھے  
 کے ہمراہ اور حکم کا رخ کیا اور خالد کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی انھیں تلواروں کی باتوں پر رکھ  
 لیا۔ اس دوران میں خالد نے ایک دو سواروں کے بعد ہرزہ کی گردن آڑا دی اور اپنی صفوں میں  
 واپس چھپے گئے۔

اب دہری زخمیوں میں دست بردست جنگ شروع ہو چکی تھی لیکن اپنے سپہ سالار کے ہار  
 جانے کی وجہ سے ان لوگوں کی کمر بست ٹوٹ چکی تھی۔ وہ زیادہ دیر تک مسلمانوں کے مقابلے میں نہ  
 ٹھہر سکے اور شکست کھا کر بھاگنے لگے۔

مسلمانوں نے رات کے اندھیرے میں ان کا تعاقب کیا اور دیہاتے فرات کے بڑے پل پر پہنچے  
 تک جہاں آج کل بعصر آباد ہے انھیں قتل کرتے چلے گئے۔ ان مغزورین میں قباذ اور افرو شہان  
 بھی شامل تھے جنھیں ہرزہ نے عینہ اور میسر کا سردار مقرر کر رکھا تھا۔

دشمنوں پر پوری طرح قابو پانے کے بعد خالد نے متصل بن مقرن المرتنی کو اہل جاکر اہل غنیمت  
 اور قیدیوں کو اکٹھا کرنے کا حکم دیا اور دشمن بن حارثہ کو شکست خوردہ مغزور لشکر کا چھپا کر لینے کی

ہدایت کی چنانچہ معتقل نے اپنے کارٹر کو لکھا۔ اور شہنشاہی ہریت غزوہ لشکر کے قنائب میں رعاہ ہوئے۔  
 اٹھائے قنائب میں شہنشاہی لاکھوں ایک تہلے کی جانب ہذا جس میں ایک ایرانی شہزادی رہتی  
 تھی۔ اسی مناسبت سے شہنشاہین عرب اسے محسن المراتب کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس تہلے  
 کے کچھ خاصے پر اس کے خاوند کا بھی ایک تھلہ تھا۔ شہنشاہی نے اپنے بھائی مسعود بن حارث کو تو شہزادی  
 کے تھلے کا حاکم روکنے کا حکم دیا اور خود اس کے خاوند کے تھلے کا حاکم روک کر اسے شکست فاش  
 دی۔ اس کے بعد ہر دستور ہریت غزوہ لشکر کا یہاں شروع کر دیا۔ جب شہزادی کو اپنے خاوند کی  
 شکست کا حال معلوم ہوا تو اس نے معنی سے مصالحت کر کے اس سے شادی کر لی۔

عراق کی اس سب سے پہلی لڑائی کو غزوہ قات السلاسل کا بھی نام دیا جاتا ہے کیونکہ اس  
 جنگ میں ایرانیوں نے اپنے آپ کو ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں میں جکڑ لیا تھا تاکہ کوئی  
 بھی شخص میدان جنگ سے فرار نہ ہو سکے لیکن بعض لوگ اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے دوسرے  
 جنگ کا نثر کے نام سے موسوم کرتے ہیں کیونکہ یہ جنگ کا نثر کے قریب لڑی گئی تھی۔

جنگ کا نثر دور میں جنگ کی حامل ثابت ہوئی۔ اس لڑائی نے مسلمانوں کی آنکھیں کھل  
 دیں اور انھوں نے دیکھ لیا کہ وہ ایرانی جن کی سطوت و صولت کا شہرہ ایک عرصے سے سننے میں  
 آ رہا تھا اپنی پوری طاقت کے باوجود ان کی معمولی فوج کے مقابلے میں بھی ہاتھ دھو کر  
 ہار خالڈ کے ہاتھ سے مانا گیا اور ہزاروں سپاہیوں کو میدان جنگ میں کٹا کر آخراختیں قرار  
 ہوتے ہی بن پڑی۔ اس جنگ میں مالی نعمت کی جو مقدار ان کے ہاتھ لگی اس کا وہ قصور بھی  
 ذکر کر سکتے تھے۔ چنانچہ ہتھیاروں کے علاوہ ہر سال کے حصے میں ایک ہزار درہم آئے تھے۔

مختلف تاریخ نویسین کے اہد ہائے کا قدر تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا خیال ہے کہ اس سے پہلے ہی ذکر کچھ ہیں۔  
 یہ کہ مسلمانوں نے اب کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ایک شخص پر زمین کا بایاں ہے کہ معتقل نے اس  
 فتح کر لیا تھا لیکن بعد ازاں اسے ایرانیوں سے واپس لے لیا حضرت عمر کے عہد میں عرب دوبارہ اس پر قابض  
 ہو گئے غزوہ لشکر روایت اور یہ بن قنائب کے معتقل اب کی توہر کی روایت میں دو سو پتے درج کر کے یہی تعبیر  
 اس میں دی جا چکی ہے کہ کوہ بن قنائب غزوہ لشکر کے بعد فتح کیا ہوا معتقل نے جنگ کا نام کے بعد غزوہ  
 کے نام کے مطابق موت مالی نعمت بھی کہنے اور قیدی اکٹھے کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

اس جنگ میں مسلمانوں کی فتح کی ایک بڑی وجہ حضرت ابو بکرؓ کی وہ پالیسی بھی تھی جو انھوں نے عراق کے کاشت کاروں کے بارے میں وضع کی تھی اور جسے خالدؓ نے سختی سے بائیں عمل پہنایا تھا۔ اس پالیسی کے تحت، انھوں نے کاشت کاروں سے ملحق نعرہ نہ کیا۔ جہاں جہل نہ آتا تھا انھیں وہیں رہنے دیا اور جزیہ کی معمولی رقم کے سوا اور کسی قسم کا ٹیکس ان سے وصول نہ کیا۔

خالدؓ نے بالی غنیمت کا پانچواں حصہ حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں ارسال کر دیا۔ اس کے ساتھ ہرمز کی بیش قیمت ٹوپی اور ایک داغی بھی جسے مسلمانوں نے طائی کے دوران میں پکڑا تھا، بھیج دیا۔ اہل مدینہ کو اس سے قبل داغی دیکھنے کا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا۔ مدینہ والوں کا تذکرہ ہی کیا عرب کے کسی اور باشندے نے بھی ابو بکرؓ کے داغی کے سوا آج تک داغی کی صورت نہ دیکھی تھی۔ اس لیے جب عراق سے آئے ہوئے داغی کے مواد نے اسے مدینہ کی گلیوں میں پھیلایا تو اس عجیب و غریب بار بار دیکھ کر اہل مدینہ کی حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ ان کی مجلس میں نہ آتا تھا کہ یہ مخلوق کس قسم کی ہے۔ بعض عورتیں حیران ہو کر پوچھتی تھیں کہ کیا یہ ہانڈ داغی اللہ کی مخلوقات میں سے ہے۔ بعض عورتوں کا خیال تھا کہ ایرانیوں کا بنایا ہوا الجو ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کو داغی کے مدنیہ میں رکھنے سے کوئی فائدہ نظر نہ آیا۔ اس لیے انھوں نے اسے اس کے مواد کے ہمراہ عراق واپس بھیج دیا۔

اس فتح یابی نے مسلمانوں کی بہتری کو دیکھ کر دیا تھا اور ان میں ایک نیا عزم اور ولولہ پیدا ہو چکا تھا۔ مشن شیبانی تیزی سے شکست خوردہ مغرب و ایرانیوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ ان کا اردو تھا کہ ان لوگوں کے مدائن پہنچنے سے پہلے ان کا مکمل طور پر صفایا کر دیا جائے۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ انھیں مدائن سے خالدؓ اور ان کے لشکر کے مقابلے کے لیے ایرانیوں کے ایک عظیم الشان لشکر کے روانہ ہونے کی اطلاع ملی۔ یہ لشکر شمشادہ شیر نے اصل میں ہرمز کا خط ملنے پر تیار کیا تھا اور اپنے ایک سالار قادی بن قریظ کو اس کا مشاعرہ پڑھایا تھا۔ قادی نے لشکر کے مدائن سے روانہ ہو چکا تھا کہ راستے میں اسے قباذ اور از شہان نے ہرمز کے شکست خوردہ لشکر کے ساتھ مل کر چلے کر رہے تھے۔ اس نے ان کی بہت مذہمائی اور اپنے بھروسے کے مدائن بنایا۔

کچھ دوا لے کر اس لشکر نے 'خداڑ' میں ٹپاؤ ڈالا جو ایک ندی کے کنارے واقع ہے جو وہاں  
اور غلات کو آہیں میں ملائی ہے۔

## جنگ خداڑ

جب مشنی کو تارکان کے لشکر کی آمد کی اطلاع ملی تو انھیں خیال پیدا ہوا کہ اتنے عظیم الشان لشکر سے  
اکیلے مقابلہ کرنا اپنی شکست کو دعوت دینے اور سخت خطرہ مول لینے کے مترادف ہو گا۔ انھوں نے  
اپنے لشکر کے ہر آدمی کے قریب ہی ایک مگہ پٹلا ڈالا اور خالد کو ایک خط لکھ کر تمام حالات سے  
مطلع کیا۔ خالدؓ نے اس اندیشے کے تحت کہ کہیں تارکان مشنی کی قلیل فوج پر حملہ کر کے اسے تباہ  
و برباد نہ کر دے اپنی فوج کو فوری تیاری کا حکم دیا اور تیزی سے سفر کرتے ہوئے خداڑ پہنچ گئے۔

خالدؓ کا اندیشہ صحیح تھا۔ تارکان اس دوران میں براہِ مشنی کے لشکر پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں  
مغروں رہا لیکن خالدؓ کے ہاتھ ایک طرار پہنچ جانے کی وجہ سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا  
اصل میں ہجر کے لشکر کی شکست نے ایرانیوں کے دل میں ایک آگ لگا دی تھی اور ہر شخص مسلمانوں  
سے انتقام لینے کے دہیے تھا۔ ان کا خیال تھا کہ مشنی کے کوزہ لشکر کو شکست دے کر جذبہ  
انتقام کو تسکین دے سکیں گے۔ خالدؓ کے خداڑ پہنچ جانے سے ایرانیوں کو قشرِ پیش منور ہوئی لیکن  
ان کے جذبہ انتقام میں کوئی کمزوری نہ آئی۔ تباہ و رازِ شہان نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے  
ہوئے وقت و مکان کا وہ داغ و دھواں چاہا جو سرکہ حفر میں شکست کھانے اور میدانِ جنگ  
میں بری طرح فراہم ہونے کی وجہ سے ان پر ٹک چکا تھا۔ انھوں نے اپنے لشکر کی بہت بڑھائی  
شروع کی اور ان کے جذبہ انتقام کو بھڑکا کر ایک بار پھر مسلمانوں سے مقابلے کے لیے تیار کر دیا۔  
ان دونوں شخصوں اور تارکان کا خیال تھا کہ اگر وہ اس وقت خالدؓ کے غیر منظم اور غیر تربیت یافتہ  
کر دیں تو یقیناً مسلمانوں کو شکست دے کر انھیں جزیرہ عرب کی جانب پسپا کر سکتے ہیں اور اس  
طرح ایرانی قوم اور کسریٰ کی نفوذ میں برعروبی حاصل کر سکتے ہیں۔

خالدؓ نے جب ایرانی لشکر کو جنگ کی تیاری کرتے دیکھا تو انھوں نے بھی لشکر کو فوری  
تیاری کا حکم دے دیا اور ایرانیوں کو موقع نہ دیا کہ وہ ان کے غیر تربیت یافتہ لشکر پر حملہ کر سکیں۔

جنگ شروع ہوئی تو خالدؓ کے اس مغرے کی عمل تصویر ایرانیوں کے سامنے آگئی کہ میں ایسے لوگوں کو لے کر تمہارے پاس آ رہا ہوں جو موت کے اتنے ہی عاشق ہیں جتنے تم زندگی کے۔ مسلمان اس بے بہکری سے لڑ رہے تھے کہ ان کے سامنے ایرانیوں کی کوئی پیش قدمی نہ جاتی تھی۔ مسلمانوں کی تعدادیں بڑی بے دردی سے ایرانیوں کے سر شمار ہی تھیں۔ قاتل، قبا، لہو، زخمیاں جن کے سپرد مقام ایرانی افواج کی کمان تھی اور جنہیں ہمدانی اور شجاعت پر ناز تھا ایک ایک کر کے مسلمان بخرواؤں کے سامنے آئے لیکن اپنے آپ کو قتل ہونے سے نہ بچا سکے اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد تینوں مشرکوں کے گھاٹ اتر گئے۔

اپنے ڈھے ڈھے ہمدانی اور سزارانی فوج کو ایسی بری طرح قتل ہونے دیکھ کر ایرانی فوج کے چلے چھوٹ گئے مسلمانوں نے ایرانیوں کی گھبراہٹ اور بے بسی کو دیکھ کر پورا پورا فائدہ اٹھایا اور انہیں گھیر کر قتل کرنا شروع کر دیا۔ ایرانیوں میں شکست کے آثار تو پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے اس نئے حملے نے ان کے ہوش و حواس بالکل معطل کر دیے اور بھڑائی ویر میں وہ لشکر جو اپنی قوت و طاقت پر نازاں تھا اور جسے فتح سامنے نظر آرہی تھی خالدؓ کے لشکر کے سامنے بری طرح بھاگ رہا تھا۔ تیس ہزار ایرانی اس دن میدان جنگ میں قتل ہوئے۔ اگر ایرانی فوج کا بیشتر حصہ کنیریوں میں سوار ہو کر جس کا انتظام انھوں نے پہلے ہی سے کر رکھا تھا، پارہ آتر جاتا یا بیچ میں نہ رہا تو اس دن مسلمانوں کے ہاتھوں ایک بھی ایرانی کا بچتا غیر ممکن تھا۔ فتح کے بعد خالدؓ کو چھ کسے بیس ہزار ہی میں مقیم ہو گئے اور نعمیت کا پانچواں حصہ فتح کی غرض خبری کے ساتھ مسیحاؑ کے اٹھ حضرت البرکۃؑ کی خدمت میں مدینہ احوال کر دیا۔

جنگ کے بعد لڑائی میں حصہ لینے والوں اور ایرانی فوج کی حمایت کرنے والوں کو معاف کر دیا اور عیال کے قید کر لیا گیا۔ ان قیدیوں میں ابو الحسن بصری بھی شامل تھے۔

جہاں لڑائی میں شامل ہونے والوں اور ان کے عہدگاروں پر اس قدر سختی کی گئی وہاں عام رعایا سے بے حد نرمی کا سلوک کیا گیا۔ کاشت کاروں اور ان تمام لوگوں کو جنھوں نے جزیرہ دینے کا اقرار کر لیا تھا کچھ نہ کہا گیا اور انھیں ان کی زمینوں اور گھروں پر ہر قدر رکھا گیا۔

ان ابتدائی امور سے فراغت حاصل کر کے خالدؓ نے مغرب ملاقے کے لشکر و دست کی طرف

توہم کی۔ علاقے کے تمام لوگ ذمی قرار پائے اور ان پر جزیہ لگایا گیا۔ جزیرہ وصول کرنے کے لیے سباجا حال مغزو کیجے گئے۔ مغزو تر علاقے کی حفاظت کے لیے انھوں نے حنیفر اور جبرائیل عظم پر فرائض متعین کر رکھی تھیں، ان کا انتظام اور بہتر بنایا گیا اور فوجوں کے تمام دستوں کو مختلف انفرسوں کے ذریعہ لگوانی سے کر انھیں دشمنوں کی تحقیر و طمانیہ سرگرمیوں سے خبردار رہنے اور موقع پڑنے پر ان کا مقابلہ کرنے کا حکم دے دیا گیا۔

خلافت کی جنگی مہارت کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا کہ سرزمین ایران میں ان کی پیش قدمی کے آغاز ہی سے کسریٰ کی طاقت و فوجیں مغلوب ہوتی شروع ہو گئیں اور ان کے دم ختم، حوصلے اور دلوں سے سب سوز پڑ گئے۔ جنگ مذا حیرہ سے کچھ ہی فاصلے پر ہوئی تھی۔ حیرہ خلیج فارس اور مدائن کے تقریباً درمیان میں واقع ہے۔

## جنگ و لہج

ایرانیوں نے کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر ان عربی قبائل کو ساتھ لانا چاہا جو دریائے واصل اور فلات کے درمیانی علاقے میں عراق کی سرحدوں کے قریب آباد تھے۔ ان میں سے اکثر قبائل عیسائی تھے جنھیں ایرانی سرکردہ کوششوں کے باوجود عجمی مذہب قبول کرنے پر آمادہ نہ کر سکے تھے۔ جب مسلمان اس سرزمین میں وارد ہوئے تو انھوں نے ان لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، بچت و بچہ جیسے کام مطالبہ کیا۔ ان کا فائدہ سراسر جزیرہ قبول کرنے میں تھا کیونکہ اس طرح وہ اپنی آزادی پر دستور بن کر رکھ کر ان مراعات سے فائدہ اٹھا سکتے تھے جو دوسرے مسلمانوں کو حاصل تھیں، لیکن مدت و مدت تک ایرانیوں کی نگرانی میں رہنے کے باعث وہ ان کے احکام سے سرکائی کی جرأت نہ کر سکے۔ عراق میں عیسائیوں کا ایک بہت بڑا قبیلہ کبرین مائل تھا۔ کسریٰ اور شیر نے انھیں طلب کیا اور ان کی ایک فوج مرتب کر کے انھیں مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے دلوں کی جانب روانہ کر دیا۔ لیکن اس خیال سے کہ مسلمانوں پر فتح پائی کا فخر کلیشہ عیسائی عربوں کے جیسے میں نہ آئے، اپنے ایک بہت بڑے سپہ سالار یمن ہانویہ کو بھی ایک بھاری لشکر کے ہمراہ ان کے پیچھے بھیجے روانہ کر دیا۔ عیسائی لشکر نے حیرہ اور و لہج کے درمیان بیٹے و لہج کے

عرب قبائل اور کاشت کاروں کو بھی ساتھ لایا اور اس طرح عربوں کو ایک عظیم اسلامی لشکر اپنے ہی اہل وطن سے لڑنے کے لیے روانہ ہو گیا جس کے پیچھے ایرانیوں کی ایک بھاری جمعیت بھی چلی آ رہی تھی۔

خلاہ کو خدا میں یہ خبریں پہنچیں۔ انھوں نے اپنے تمام فوجی افسرین کو جو حنفیہ کاظم اور عراق کے دوسرے حصوں میں موجود تھے، کھلا بھیجا کہ وہ دشمن کی کارروائیوں سے خبردار ہیں اور کہا وہ دھوکے میں نہ آئیں کہ ماضی میں چونکہ بعض عظیم فتوحات حاصل ہو چکی ہیں اس لیے اب دشمن ان کے مقابلے میں سراٹھائی نہیں سکتا۔ وہ خود لشکر لے کر کسریٰ کی کھجی پہنچی فوجوں سے مقابلہ کرنے کے لیے دلہ روز ہار گئے اور دشمن کی فوجوں کے سامنے ہار ڈال دیا۔ چونکہ دو لاکھ فوج طاقت و قوت اور عزم و ارادہ میں ایک دوسرے سے کسی طرح پیٹے نہ تھے اس لیے خاصہ قوت تک فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ خلاہ دوبارہ واپس ایک یہ صدمت حال برداشت نہ کر سکے اور لشکر کے دوسرے فاروں کو حکم دیا کہ وہ اپنا دست لے کر فرج سے علحدہ ہو جائیں اور دشمن کی فوجوں کے پیچھے جا کر چھپ جائیں جب لڑائی شروع ہو تو وہ دشمن پر اچانک چھپنے کی طرہ سے حملہ کر کے اس کا تینا پانچا کر دیں، لیکن ان دستوں کو کمین گاہوں کے اندر چھپنے میں دیر لگ گئی جس کے باعث وہ وقت مقررہ پر میدان جنگ میں پہنچ کر دشمن پر حملہ آور نہ ہو سکے۔

جنگ میں کبھی مسلمانوں کا پلہ بھاری ہو جاتا اور وہ دشمن کو پیچھے دھکیل دیتے اور کبھی دشمن کا زور بڑھ جاتا اور وہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتے۔ آخر میں اس وقت جب فریقین میں سے کسی کو بھی واضح فیصلے کا یقین نہ رہا تھا اور دونوں مایوس ہو کر اپنے اپنے کیمپوں میں رہا جانے اور اگلے روز کی لڑائی کے لیے تیاری کرنے والے تھے، اسلامی فرج کے دستے کمین گاہوں سے نکلے اور عقب سے کسریٰ کے لشکر پر حملہ آور ہوئے۔ ایرانی پہلے ہی مسلمانوں کی زبردست مقاومت سے گھبرائے ہوئے تھے۔ یہ نئی مصیبت دیکھ کر حراس باغز ہو گئے اور جو حملہ دار بیٹھے خلاہ کی فوجوں نے سامنے سے اور کمین گاہوں سے نکل کر اتنے دے دستوں نے پیچھے سے دشمن کو گھیر کر قتل کرنا شروع کر دیا۔

## جنگ اتریں

اس شکست نے جو تہذیب بکریں داخل کرنا چنے ہم قوم اور ہم وطن لوگوں کے ہاتھوں اٹھانی پڑی تھی، عوفیہ کے عربی انسل عیسائیوں کو آتش زیر پا کر دیا۔ انھوں نے طیش میں آکر مسلمانوں سے ایک بار پھر جنگ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اپنا سردار بزمحلان کے ایک شخص عبدالاسود علی کو بتایا اور حیرہ و ابلہ کے درمیان مقام اقیس پر فرجین اکٹھی کرنے لگے۔ ساتھ ہی دربار ایران سے مدد کی درخواست بھی کی۔ وہاں سے یمن ہاڈویر کو حکم ملا کہ وہ یحادی جمعیت کے ساتھ عیسائیوں کی مدد کو پہنچے۔ یہ احکام ملنے پر یمن ہاڈویر نے مناسب خیال کیا کہ وہ مسلمانوں سے فیصلہ کن مقابلہ کرنے کے لیے شمشاد اردو شیر سے پالٹنا نہ گفتگو کرے۔ اس نے فرج کی کمان ایک سردار جابان کے سپرد کر کے اسے ہدایت کی کہ وہ فرج سے کراہیں پہنچ جائے لیکن جہاں تک ممکن ہو دربار ایران سے اس کی داپھی تک جنگ کا آغاز نہ کیا جائے بخودہ شمشاد سے مشورہ کرنے کے لیے مدد مانو گیا۔ وہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ شمشاد اردو شیر بیمار ہے۔ وہ وہیں ٹھہر گیا لیکن جابان کو کوئی ہدایت نہ تھی۔ ادھر جابان نے اقیس پہنچ کر عیسائی فوجوں کے متصل چڑاؤ ڈال دیا تو انھیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کے متعلق مشورے دیئے گئے۔

خاندان کو معلوم نہ تھا کہ عیسائیوں کی مدد کے لیے ایرانیوں کا لشکر بھی جابان کے زیرِ نگرانی میدانِ جنگ میں موجود ہے۔ انھیں صرف عربی انسل عیسائیوں کے مقام اقیس میں آہنچ کی خبر ملی تھی۔ وہ اپنا لشکر کے پہلے حفر پہنچے اور یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ ان کے مقرر کردہ حائل ہاں کا نظم رست کامیابی سے چلا رہے ہیں اور پشت کی جانب سے کسی حملے کا اندیشہ نہیں، دشمن کے مقابلے کے لیے مدد مانوئے۔ اسی حفر پہنچتے ہی انھوں نے عیسائیوں کو تیاری کا موقع دے دیے حفر ان سے لڑائی چھیڑ دی۔ یہ حملہ اس قدر چانک چڑا کہ عیسائی بالکل نہ سنبھل سکے اور پیسے ہی بچے میں ان کا سالار مالک بن قیس مارا گیا۔ جب جابان نے محسوس کیا کہ عیسائیوں کی صفوں میں دخل دینا چاہئے تو وہ ایرانی فرج کا ایک دستہ لے کر آگے بڑھا اور جوش انگیز حملوں سے عیسائیوں کی تہمت بندھانے اور انھیں ہم کرم مسلمانوں کے مقابلے کی تلقین کرنے لگا۔ اس کے

مقرر کیے ہوئے آدمی عیسائیوں کی صفوں میں اعلان کرتے پھرتے تھے کہ ہمیں ہافدیہ الی کی دے کے مجھے مغربی ایک فنگو جہاز سے کر سچنے والا ہے۔ اس کے آگے تک پامردی سے مسلمانوں کا مقابلہ ہماری دیکھیں اور تمام خطرات کو نظر انداز کر کے بہادروں کی طرح میدان جنگ میں ڈٹے رہیں۔ چنانچہ عیسائی سنبھل گئے اور انھوں نے بڑی جرأت و بہادری سے مسلمانوں کے سپہ سالاروں کو روکنا اور ان کا مقابلہ کرنا شروع کیا۔ یہ عوام و شبات اور صبر و استقلال دیکھ کر مخالف صحیران رہ گئے اور انھوں نے مسلمانوں کو جوش دلا یا کہ وہ ایک بار بھر لہر طاقنت و قوت سے دشمن پر حملہ شروع کریں۔

عیسائیوں کو لڑتے ہوئے بہت دیر ہو چکی تھی۔ ان کی امیدوں کا واحد سہارا ہمیں جا فرود تھا کیونکہ اس کے آگے تک ایرانی فرج ان سے مل کر جنگ میں حصہ نہ لے سکتی تھی۔ لیکن ہمیں کاتب تپا نہ تھا۔ جاہان بھی حیران تھا کہ کیا کرے کیا نہ کرے۔ اور مسلمانوں کا دباؤ برابر بڑھتا چلا جا رہا تھا اور ان کے مقابلے میں عیسائیوں کی کوئی پیش نہ جا رہی تھی۔ آخر دشمن کی طاقتوں نے جواب دے دیا۔ ایک ایک کر کے ان کی صفیں ٹوٹنے لگیں اور وہ میدان جنگ سے فرار ہونے لگے۔ مخالف نے یہ دیکھ کر فرج میں اعلان کر دیا کہ بھاگنے والوں کا قاتل کیا جائے اور انھیں دندہ پکڑ کر ان کے سہارے حاضر کیا جائے۔ سرت اسی شخص کو قتل کیا جائے جو کسی طرح تباہ میں نہ آئے اور مزاحمت پر آمادہ ہو جائے۔ چنانچہ مسلمانوں اور ان کے مددگار عراقی عربوں نے جو اسلامی فرج میں شامل تھے ایسا ہی کیا اور عیسائی گروہ درگروہ میدان جنگ میں لائے جانے لگے۔ جاہان کی ایرانی فرجوں نے جنگ شروع ہونے سے پہلے کھانا تیار کیا تھا اور اطمینان سے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ مسلمان بلائے ناگہانی کی طرح ان پر آپڑے اور وہ کھانا اسی طرح چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ مخالف نے اپنی فرج سے کہا:

”یہ کھانا اللہ نے تمھارے لیے تیار کیا تھا اب تمھارے سے اسے کھاد“

مسلمان دسترخوانوں کے درگروہ بیٹھ گئے اور کھانا شروع کر دیا۔ عجیب عجیب کھانے تھے جنہیں مسلمانوں نے نہ کبھی دیکھا تھا نہ کبھی کھا تے تھے۔ اور اللہ کا شکر ادا کرتے کھاتے تھے۔ جس نے انھیں یہ مانگے ان نعمتوں سے فرانا تھا۔

اقیس کے قریب دیئے گئے تھیں اور دیئے گئے باوقل کے سنگم پر ایک شہر انیشیا یا انیشیا آباد تھا جو آبادی کی کثرت اور مال و دولت کی فراوانی میں حیرہ کا ہم پلہ تھا۔ اس کے باشندوں نے بھی جنگ اقیس میں عیسائیوں اور ایرانیوں کی مدد کی تھی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد خالد بن ولید نے اس قبیلے کا رخ کر کے اسے فتح کیا۔ یہاں سے بھی مسلمانوں کو کثیر مال نصیب ہوا تھا جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مال نصیبیت میں سے ہر سواد کے حصے میں علاوہ اس حصے کے جو اسے اقیس میں ملا تھا چند سو سو روپے آئے۔

اس کے بعد خالد نے مال نصیبیت کا پانچواں حصہ دوران جنگوں میں گرفتار ہونے والے قیدی حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں ہذا کر دیئے۔ انھیں کے ہمراہ نبیؐ کے ایک شخص جنہل کو بھی بھیجا جس نے اقیس کی فتح، مال نصیبیت، قیدیوں کی کثرت اور خالد کے کارناموں کا حاصل بالتفصیل حضرت ابوبکرؓ سے بیان کیا۔ یہ واقعات سن کر انھوں نے فرمایا:

”عورتیں اب خالد جیسا شخص پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔“

انھوں نے جنگ اقیس کے قیدیوں میں سے ایک لونڈی جنہل کو رحمت فرمائی اور سلطنت کے تمام حصوں میں تاحصہ دارانہ کیے جنھوں نے قریب بہ قریب پھر کر لوگوں کو خالد اور ان کے اسلام کی فتوحات اور عظیم الشان کارناموں سے آگاہ کیا۔ قدیم مخرجین کے بیان کے مطابق ان جنگوں میں دشمن کے مقتولوں کی تعداد ستر ہزار تھی۔

بعض مخرجین نے اقیس اور انیشیا کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے افسوس کا اظہار کیا ہے کہ ان جنگوں میں مسلمانوں نے انسانی قسوت، تباہی کا شہوت دیا۔ انھوں نے کھائے کہ کاش یہ واقعات جو تاریخوں میں بیان کیے گئے ہیں غلط ہوتے گونہا ہر شخص جھٹلا یا نہیں جاسکتا کیونکہ کئی دلیلوں سے ان کا انکار کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانی تہذیب ابھی تک اس بلند مقام تک نہیں پہنچی جہاں وہ اپنے آپ کو ہر قسم کی سبقت سے کلاما مطہر و مامل کر سکے۔ گزشتہ زمان سے اس کا ارتقاء نہیں کیا جاتا لیکن وہ حقیقت آج بھی وحشت و بربریت کا شمار ان اسباب میں ہوتا ہے جنہیں تہذیب و تمدن کی اشراق میں مدد و معاون خیال کیا جاتا ہے۔ آج بھی قریبی زندگی کو برت سار رکھنے کے

لیے جب کاروبار نہ کرنا پڑا تو دیا جاتا ہے۔ وہی نہیں اقوام عالم کی نظروں میں سر بلند بھی جاتی ہیں جو ہلاکت خیز تجبیروں کی تیاری میں اپنی بد مقابل فوسل سے کسی طرح کم تر نہ ہوں اور جو قوم جنگی تیاریوں میں کوتاہی کرتی ہے اس کا شمار سپت اور غیر ترقی یافتہ اقوام میں کیا جاتا ہے۔ اس صورت حال کی روشنی میں اگر کوئی سپر سالار اور اربان جنگ میں اپنے بد مقابل سے جا بجا طور سے پیش آتا ہے اور غیر بی بی کے لیے غیر معمول طریقے استعمال کرتا ہے تو انسانی سرشت کو دیکھتے ہوئے یہ کوئی اہم اور قابل اعتراض بات نہیں۔

بعض بات بات سپر سالار اس خدشے کے پیش نظر سمجھتی کرتے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ دشمنی کو یونہی چھوڑ دیا گیا تو وہ آئندہ چل کر اس کے لیے دوبارہ خطرے کا باعث بن جائے گا۔ اس لیے وہ بد عمدی اور لہذاوت کے ہر امکانی خطرے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی غرض سے میدان جنگ میں بے دروازہ دشمنوں کا قتل عام کرتا ہے اور ان کے دلوں کو سوکر کے انھیں دوبارہ سر اٹھانے کے ناقابل بنا دیتا ہے۔ مثلاً اگر بھی ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔

غدار اور جھوٹ میں ایرانیوں کو جو عبرت ناک شکست اٹھانی پڑی تھی اس کا انتقام لینے کے لیے انھوں نے عراق میں مقیم عربی اہل میسائیل کو مسلمانوں کے خلاف نروانہ مارا۔ یا اور اس طرح اقیس کا معرکہ پیش آیا۔ فتح یاب ہونے پر مخالف نے جاکر ایرانیوں اور ان کے مددگاروں کی جنگی دوزخ کو بالکل کھل دیا ہائے کوہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف سر اٹھانے کی جرأت نہ کر سکیں۔ اس غرض سے انھوں نے جو طریقے استعمال کیے ان کے باعث داعی ایرانیوں کے حوصلے بالکل سپت ہو گئے۔ کسرنی اور شیر کو اس وقت بھاڑا تھا اس قدر دھڑک رہا تھا کہ اس کے اثر سے وہ جانبر نہ ہو سکا اور نہایت حسرت کے ساتھ اس دنیا سے بھٹک گیا۔

### چیمبرہ

اور شیر کی موت سے ایرانی دو گرو مشکلات میں مبتلا ہو گئے۔ ایک طرف شہنشاہ کی موت کا صدور دوسری طرف صحرائے شام اور دریائے دجلہ و فرات کے درمیانی علاقے میں مسلمانوں کی دھڑلہ دھڑلہ پیش قدمی۔ ان پر یاس و فریدی کا غلبہ تھا اور وہ اپنے آپ میں مسلمانوں سے مستجابے کی

طاقت نہ پاتے تھے۔ اپنے علاقوں سے مسلمانوں کو نکالنا انھیں ممکن نہ لگتا تھا۔ پھر بھی خالدؓ  
ایران میں اس چہرہ روگی سے کبھی قسم کے دھمکے میں مبتلا نہ ہوئے اور ایرانیوں پر عظیم فتوحات  
موصول کرنے کے باوجود اپنی قوت و طاقت پر کبھی تاراج نہ ہوئے۔ وہ جانتے تھے کہ سیاسی قبائل  
جیسے ایرانیوں نے مسلمانوں کے خلاف بغاوت کا کرنا انھیں کے میدان میں مسلمانوں کے خلاف نہ ہوتا  
کر دیا تھا، اگرچہ اس وقت خاموش ہیں لیکن غیظ و غضب اور انتقام کی آگ ان کے دلوں میں بہ دستور  
لپٹ رہی ہے اور مناسب موقع آنے پر ظاہر ہوئے بغیر رہے گی، اس لیے اگر اسی وقت لغات  
اور سرکشی کے ان جرائم کا پوری طرح قلع قمع نہ کیا گیا اور جزیرہ عرب کو جانے والے تمام بہتر  
کی حفاظت نہ کی گئی تو آئندہ مسلمانوں کو عظیم خطرات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ان حالات کو دیکھتے  
ہوئے انھوں نے مناسب سمجھا کہ حیرہ و جلد از جلد تسلط حاصل کرنا چاہیے تاکہ دریائے فرات کے  
مغرب سے جزیرہ نمائے عرب کی حدود تک سارا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں آجائے اور انھیں  
کی جانب سے کسی حملے کا اندیشہ نہ رہے۔

اس زمانے میں حیرہ کا حاکم ایک ایرانی مرزبان، آٹھویں صدی کے پہلے سال پیشتر عراقی عربوں  
کا یہ دار الحکومت اپنی اس شان و شوکت سے محروم ہو چکا تھا جو اسے ان عربوں کی حکومت کے  
زمانے میں نصیب ہوئی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ انھوں کا (جنھوں نے دوسری صدی عیسوی میں بغداد  
حیرہ اپنی سلطنت کا نام کی تھی اور جو صدیوں تک یہاں حکمران رہے) طاغیوں سے زبردست  
اختلاف پیدا ہو گیا اور دونوں میں جنگ چھڑ گئی، کسریٰ نے جنگ و جدل کے اس سلسلے سے خائف  
اٹھنا چاہا اور کئی بادشاہ و فرمان بن مند کے خلاف طائروں کی مدد کے فرمان کو قتل کر دیا اور  
ایاص بن قیسۃ الطائی کو حیرہ اور اس کے گرد و فواح کا حاکم بنا دیا۔ ابھی ایاص کو حاکم بنے چند  
ہی سال ہوئے تھے کہ وہ قتل کے مقام پر پہنچ کر بن وائل نے ایرانیوں کے ایک لشکر کو جسے  
لااس کی پشت بنایا حاصل تھی، شکست دے دی جس کے نتیجے میں ایاص کو حکومت سے ہاتھ  
دھرنے پڑے اور کسریٰ نے اپنی ملوک سے ایک شخص کو حیرہ کا مرزبان (حاکم) بنا دیا۔ اس طرح  
حیرہ اپنی شان و شوکت سے محروم ہو گیا۔ پھر بھی عربوں کو اس سے دل نہیں تھا اور وہ اس کی  
شان و شوکت دوبارہ دیکھنا چاہتے تھے جب خالدؓ نے مسلمانوں کے خلاف ان میسائروں کا غیظ و

دیکھا تو انھیں خدشہ پیدا ہو گیا کہ مبادا جنرل کرنل وائل طاہریوں اور حیرہ میں مقیم دوسرے عربوں کو قومی عصبيت کی بنا پر ساتھ مل کر ان کے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور پیچھے سے ان کو آتے کاٹنے کی کوشش کریں۔ ویسی ہیے انھوں نے حیرہ پر حملہ کر کے اس پر قابض ہوئے اور اسے اپنا حیدر گھاڑی بنانے کا مقصد ادا کر لیا۔

اور اہل حیرہ بھی خوش فہمی میں مبتلا نہ تھے۔ انھیں انیس اور انیشیا کے سرگروہوں کا مفصل حال معلوم ہو چکا تھا اور یقین تھا کہ وہ وہاں درہ نہیں جب خالد کی فوجوں کا رخ ان کی جانب پھرے گا۔ حاکم حیرہ نے پہلے ہی سے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ خالد حیرہ پہنچنے کے لیے دریائی راستہ اختیار کریں گے اور انیشیا کے کشتیوں میں سوار ہو کر حیرہ پہنچیں گے۔ وہ اپنی فوج سے کہ حیرہ سے بائیں نکلا اور اپنے پیچھے کو مدیا کے فرات کا پانی روکنے کا حکم دیا تاکہ خالد کی کشتیاں دریا میں چلیں جاویں اور آگے نہ بڑھ سکیں۔

آندازہ کا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا۔ خالد انیشیا کے کشتیوں میں سوار ہو سکے اور یہ جانب شمال حیرہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ انھوں نے ابھی اتھوڑی ہی مسافت طے کی تھی کہ مدیا خشک ہو گیا اور تمام کشتیاں کچل کر میں چلیں گئیں۔ خالد کو جب یہ تعجب ہوا اور انھوں نے ملاحوں سے اس کا سبب پوچھا۔ انھوں نے بتایا کہ اہل تارس نے مدیا پر بند باندھ کر اس کا پانی روک دیا ہے اور سامان پانی دریا سے بچنے والی نہروں میں چھ لٹویا ہے۔ یہ معلوم کر کے خالد نے کشتیوں کو تودہ میں چھوڑا اور خود فوج کا ایک دستہ لے کر وہاں کے دہانے کی طرف بڑھے۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ آندازہ بالکل گارو دہانے پر کھڑا دیا کا رخ پھرنے کے کام کی ٹکرانی کر رہا ہے۔ انھوں نے چابک اس پر حملہ کر کے اسے اور اس کی فوج کو قتل کر ڈالا اور ہندوڑ کو مدیا میں دوبارہ پانی جاری کر دیا۔ وہ خود اپنے سرداروں کے ہمراہ کھڑے ہو کر اس کام کی ٹکرانی کرتے رہے کشتیوں نے دوبارہ سفر شروع کر دیا اور اسلامی لشکر کے رخ رفتی پہنچ گئیں جہاں خالد نے لشکر کو اتارنے کا حکم دیا اور رفتی کے مشورہ محل کے سامنے حیرہ دی ہو گئے۔

آندازہ حاکم حیرہ کو اپنے بیٹے کے قتل اور دو شیر کی وفات کی خبر ایک ساتھی نے اس نے اپنی خبر بتائی تھی کہ وہ خالد کے آنے سے پیشتر جہاں کہیں پہلے پہنچا تو اس نے اسے

ہی کیا۔ اور مخالف مکمل تیاری کے بعد فوج نے کمر حیرہ کی جانب بڑھے۔ پہلے خدائی اور نجف پر قبضہ کیا جہاں گرمیوں کے موسم میں حیرہ کے اہلکار گھسرتے تھے۔ اس کے بعد حیرہ کے سامنے پہنچ کر ٹوپے ڈال دیے۔

اگرچہ آزاد ذہن جان بچا کر حیرہ سے بھاگ گیا تھا لیکن اہل حیرہ نے بہت مذہبی۔ وہ شہر کے چار قلعوں میں محصور ہو کر بیٹھ گئے اور لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔

خالدؑ نے ان قلعوں کا سختی سے محاصرہ کر دیا اور انھیں بھتیجاؤ، سنے پر مجبور کرنا شروع کیا۔ جب یہ لوگ کسی طرح صلح کرنے پر آمادہ نہ ہوئے تو خالدؑ نے انھیں کلا بھیجا کہ اگر انھوں نے ایک دن کے اندر ہندو بھتیجاؤ نہ دے اور ان کی پیش کردہ تین باتوں میں سے ایک یعنی اسلام، جزیہ یا جنگ قبول نہ کی تو انھیں بالکل تیس ہس کر دیا جائے گا اور ان کی تباہی کی ذمہ داری انھیں پر ہوگی۔

لیکن ان لوگوں نے صلح کی بات چیت کرنے کے بجائے اسلامی فوجوں پر سنگباری شروع کر دی۔ مسلمان بھی جواب میں ایرانیوں پر تیروں کا میز بوسانے لگے جس سے ان کے بے شمار آدمی ہلاک ہو گئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر اہل حیرہ بہت گھبرائے۔ شہر میں پادریوں اور دھرموں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ انھوں نے ایرانی سرداروں سے فریاد کی کہ اس خون ریزی کی ساری ذمہ داری تم پر ہے۔ خدا کے لیے سنگباری بند کرو اور لوگوں کی کس مصیبت سے نجات دلاؤ۔

کوئی چارہ کار اور دواہ فرار نہ دیکھ کر قلعوں کے سرداروں نے صلح پر آمادگی ظاہر کی۔ انھوں نے اسلامی فوج کے سرداروں کو کلا بھیجا کہ تم آپ کی پیش کردہ تین باتوں میں سے کوئی ایک بات قبول کرنے کے لیے تیار ہیں اس لیے براہ کرم تیرا غلامی بند کر دیں اور اپنے سپہ سالار کو اس کی اطلاع دے دیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے تیرا غلامی بند کر دی اور خالدؑ کو صلح کروا کر اہل حیرہ صلح کرنے کے لیے تیار ہیں اور اس صلح میں آپ سے غنا چاہتے ہیں۔ خالدؑ نے انھیں اپنے پاس آنے کی اجازت دے دی۔

اپنے وعدے کے مطابق شرائط حیرہ اپنے پہنچنے والوں سے نکل کر معزز زمین شہر کے براہ

اسلامی لشکر کے سرداروں کے پاس پہنچے جنہوں نے انہیں خالدؓ کے پاس روانہ کر دیا۔ خالدؓ بارہا باری ہر قلعے کے لوگوں سے ملے اور انہیں ملاست کرتے ہوئے فرمایا،

”تم پر افسوس! تم نے اپنے آپ کو کیا کچھ کریم سے مقابلہ کیا۔ اگر تم عرب ہرگز کسی وجہ سے تم اپنے ہی ہم قوم لوگوں کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو گئے اور اگر اسی ہرگز کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم ایک ایسی قوم کے مقابلے میں جیت جاؤ گے جو عدل و انصاف میں تغیر نہیں دیکھتی؟“

سرداروں نے جزیہ دینے کا اقرار کر لیا۔

خالدؓ کو امید تھی کہ ہم قوم ہونے کی وجہ سے یہ عراقی عرب ہزار اسلام قبول کر لیں گے لیکن انہیں بے حد تعجب ہوا جب انہوں نے ہر دستہ میسائی رہنے پر اصرار کیا۔ خالدؓ نے فرمایا:

”مجھے تم سے اس جواب کی امید نہ تھی۔ کفر کا راستہ یقیناً ہلاکت کی طرف جاتا ہے۔ الحق ترین عرب وہ ہے جو عربی شاد راہ ترک کر کے جلی راہ اختیار کرے؟“

لیکن خالدؓ کی باتوں کا ان سرداروں پر بظلمت اثر نہ ہوا اور انہوں نے ہر دستہ میسائی رہنے پر اصرار کیا۔ اس کی وجہ غالباً ایک قریہ ہوگی کہ وہ مذہبی عقائدی کے حق سے پوری طرح غافل و غماہا چاہتے ہوں گے اور اسلامی سپہ سالار کی طرح اسلام قبول کرنے کی دعوت کو اپنے حقوق میں نامانوس نہ مانتے تھے۔ دوسرا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ انہیں خیال ہو گا کہ نہ مسلم مسلمانوں کو عراق میں ثبات و استقلال میسر آتا ہے یا نہیں اور ان کی حکومت ہرگز اور بھی چھوڑا نہیں اس لیے ان غیر یقینی حالات میں مذہب کیوں تبدیل کریں۔

خالدؓ نے سردارانِ حیرہ سے ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ جزیہ پر صلح کی تھی۔ اس صلح میں ہاتھ دہریہ صلح نامہ لکھا گیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”یہ وہ عہد نامہ ہے جو خالدؓ بن ولیدؓ نے سردارانِ حیرہ عدی بن عدی عمرو بن عدی، عمرو بن حمید المسیح، اباس بن ضبیہ الطائی اور جیری بن الکالی سے کیا ہے۔ اہل حیرہ نے یہ عہد نامہ تسلیم کر لیا ہے اور اپنے سرداروں کو اس کی تعمیل کے لیے مجاہد گودانا ہے۔ عہد نامے کے مطابق اہل حیرہ کو ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ جزیہ

اداکار ہرگز یہ جزیرہ کی پادریوں اور راہبوں سے بھی لیا جائے گا البتہ جہاں اپنا جہول اور تارک الدنیا راہبوں کو معاف ہو گا۔

اگر یہ جزیرہ باقاعدہ ادا کیا جائے گا تو اہل حیرہ کی حفاظت کی ساری فکری مسلمانوں پر ہوگی۔ اگر وہ حفاظت میں ناکام رہے تو جریرہ نہ لیا جائے گا، مگر قول بفضل کے ذریعے سے دوسری کی گئی قریہ ذمہ داری ختم بھی جائے گی۔ یہ سارے ربیع الاول مسئلہ میں لکھا گیا :-

اہل حیرہ نے جزیرہ کے علاوہ خالد کو کچھ تحفے بھی دیے جو انھوں نے مالی تقسیم کے بعد حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں پہنچ دیے۔ انھوں نے خالد کو کھانا بھیجا کہ اگر یہ تحفے جزیرہ میں شامل ہیں تو خیر ورنہ انھیں حسبے کی رقم میں شامل کر کے باقی رقم اہل حیرہ کو واپس کر دو۔ جب حیرہ کی فوج کی تکمیل ہو چکی تو خالدؓ نے اٹھ نفل پہلو شکرانہ پڑھے۔ اس کے بعد اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

”جبکہ مورتہ کے دل میرے ہاتھ میں لڑتا رہی توئی تھیں لیکن جس قدر رحمت تھا مجھے اہل نارس سے پیش آیا ہے پہلے کبھی نہیں آیا۔“ اہل نارس میں سے اقس والوں نے جس جہاں مروی سے بیر اہل نارس کیا اس کی نظیر میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔“

فوج کے بعد خالدؓ نے حیرہ کو مسلمانوں کا فوجی مستقر اور مغفرتہ علاقے کا دارالحکومت بنایا۔ یہ پہلا اسلامی دارالحکومت تھا جو جزیرہ عرب کے باہر قائم کیا گیا۔ پھر بھی یہاں کا نظم و نسق آپؐ نے مقامی مشرانوں ہی کے ہاتھوں میں رہنے دیا۔ وہ اپنی اس قدر انفرادی سے بیت خوش ہونے اور دل و جان سے ان کی اطاعت و فرماں برداری کا دم بھرنے اور حیرہ اور اس کے گرد و راج میں سکون و اطمینان کی فضا پیدا کرنے میں مدد و معاونیت برتے گئے۔ جب حیرہ کے قریبی شہروں کے باشندوں نے دیکھا کہ اہل حیرہ اسلامی عدل و انصاف سے کامل بہرہ و محروم ہیں، انھیں پہلے نہ سب پر قائم رہنے، نہ سب کو سامنے رکھنے اور عبادت بجالانے کی پوری تائید و بحال ہے اور وہ اطمینان سے اپنے کاروبار میں مصروف ہیں اور دوسری طرف ایرانی حکومت ان کی عزت

سے بالکل غافل ہے تو انھوں نے بھی خالد بن ولید سے مصالحت کر لیا اور ان کی اطاعت قبول کر کے  
کا اعلان کر دیا۔ انھوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی حکومت میں غریب کا شت کار بڑے اطمینان کے ساتھ  
ہاڑی میں مشغول ہیں مسلمان نہ مرنے ان سے مطلقاً قرض نہیں کرتے بلکہ ایرانی زمینداروں کے  
انھوں انھیں جن منظم اور مستحکم سے گزرنا پڑتا تھا۔ ان کا وجود بھی باقی نہیں مسلمان ان کے  
حقوق کی پوری نگہداشت کرتے ہیں قرآن کے دل ہے اختیار مسلمانوں کی طرف مائل ہو گئے۔  
سب سے پہلے جس شخص نے خالد بن ولید کی جانب صلح کا ہاتھ بڑھایا وہ دیر ناطف کا پادری صلیبا  
بن مسعود تھا۔ اس نے ہانپتیا اور سہا کے اہل قصبہ کی ساری اراضی کے ٹکڑوں کی ذمہ داری  
قبول کر لی جو دریائے فرات کے کنارے واقع تھی۔ کسریٰ کے موتیوں کے علاوہ اس نے اپنی  
ذات خاندان اور قوم کی طرف سے دس ہزار دینار دینے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ باقاعدہ یہ معاہدہ کیا  
گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”یہ معاہدہ خالد بن ولید کی طرف سے صلح باہن مسعود نامہ اس کی قوم کے لیے لکھا جاتا  
ہے۔ اس معاہدے کے مطابق قوم سے دس ہزار درہم سالانہ جزیہ وصول کیا جائے گا۔  
کسریٰ کے موتی اس کے علاوہ وصول گئے۔ یہ رقم مستطیع اور کمانے والے افراد سے  
ان کی آمدنی اور حیثیت کے مطابق سالانہ وصول کی جائے گی۔ اس جزیہ کے  
بڑے مسلمانوں کی طرف سے ہانپتیا اور سہا کی بیٹیوں کی حفاظت کی جائے گی۔  
انھیں اپنی قوم کا تعقیب ترک کیا جاتا ہے جسے تھامی قوم قبول کرتی ہے۔ اس  
معاہدے پر میں اور میرے ساتھ کے سب مسلمان رضامند ہیں اور اسے قبول کرتے ہیں  
اسی طرح تھامی قوم بھی اس پر رضامند ہے اور اسے قبول کرتی ہے۔“

صلح باہن کے بعد عراق کے دیگر زمینداروں نے بھی خالد بن ولید کی اطاعت قبول کر لی۔ نکلچ  
سے ہرزہ جوڑنگ کے علاقے کے لیے میں لاکھ درہم پر مصالحت ہوئی۔ اس طرح دوسرا علاقہ  
جو جنوب میں طلیج ندس سے شمال میں جیوٹنگ اور مغرب میں جزیہ و عرب سے مشرق میں دریائے  
و جیوٹنگ پھیلا ہوا تھا، خالد بن ولید کے زیر نگین آ گیا۔ انھوں نے ان علاقوں میں املا مقرر کر کے بھیجے

جن کے سپرد امن و امان اور شری نظام بحال کرنے کے علاوہ خراج کی وصولی کا کام بھی تھا۔ علاوہ بریں انھوں نے مختلف شہروں میں فوجی دستے بھی مشین کیے تاکہ اگر کوئی بغاوت یا بھڑک پڑے یا کسی جانب سے حملے کا خطرہ ہو تو اس کا تدارک کیا جائے۔ اسی دستوں کے تقرر سے مشورہ سرورگوں کے حوصلے بالکل بہت ہو گئے اور وہ اسلامی حکومت سے بغاوت کا خیال بھی دل میں نہلا سکے۔

اس زمانے میں جب مسلمان و ملک کے اُس پادشاهات پر فتوحات حاصل کرنے میں مصروف تھے اہل فدا اس اپنے اندرونی جھگڑوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ اور شیر کی وفات سے ایرانی خشتیابی کا شیرازہ منتشر ہو چکا تھا۔ تمام شہزادے جنہیں سلطنت کا وارث بننا تھا، اپنے حریفوں کے ہاتھوں قتل کیے جا چکے تھے اور ایرانیوں کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کس شخص کے سر پر بادشاہی کا تاج رکھیں گے بعد ازاں کئی لوگ تختِ شاہی پر حکم فرمائے۔

لیکن کسی کو بھی چندوں سے زیادہ بادشاہی کرنا نصیب نہ ہوئی اور اس طرح سلطنت کی کنزوی میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ ان حالات کی موجودگی میں ایرانیوں نے مناسب سمجھا کہ خالدؑ کے مندرجہ بالا پر حملہ کر کے انھیں دوبارہ فتح کرنے کی نہایت بہتر یہ ہے کہ جو علاقہ اس وقت ان کے پاس ہے اسے ایرانی افواج کے بل بوتے پر مسلمانوں کے قبضے میں آنے سے محفوظ رکھا جائے۔ چنانچہ انھوں نے دریائے ابل کی دوسری طرف حفاظتی انتظامات شروع کر دیے۔

خالدؑ ان فوجی انتظامات اور ایرانی افواج کو مطلق خاطر میں لانے والے نہ تھے اور ایرانی اپنی پوری قوت و طاقت کے باوجود اسلامی افواج کے مقابلے میں ٹھہر ہی گئے تھے لیکن جس چیز نے خالدؑ کو آگے بڑھنے سے روک دیا وہ حضرت ابو بکرؓ کا یہ حکم تھا کہ جب عیاض بن مسلمؓ دوتہ الجندل کی فتح سے فارغ ہو کر ان کے پاس نہ پہنچ جائیں اس وقت تک خالدؑ نہ حیر کو چھوڑیں اور نہ مزید فتوحات کے لیے آگے بڑھیں۔ اور عیاض دوتہ الجندل میں پھنسے ہوئے تھے اور جب سے حضرت ابو بکرؓ نے انھیں وہاں بھیجا تھا انھیں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی تھی۔ خالدؑ کا کل ایک سال تک حیر میں مقیم رہے۔ بے کاری کا یہ زمانہ خالدؑ جیسے مصروف عمل انسان کو بہت شاق گذر رہا تھا۔ انھوں نے بار بار ساتھیوں سے کہا کہ اگر خلیفہ کا حکم نہ ہوتا تو میں عیاض کا مطلق اختیار نہ

کتا اور نہ انھیں اپنی فوج میں شامل کرنا۔ اس وقت ایرانی فتح کرنے سے زیادہ ضروری اور کئی کام نہیں۔ ایک سال گزر چکا ہے لیکن محض جیسا من کی وجہ سے ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔ جب خالدؓ کا پیادہ صبر میر نہ ہو گیا تو انھوں نے تنگ آکر ایک آدمی حیرو کا اور ایک تباٹ کا بلا بھیجا۔ حیرو، باشندے کے ہاتھ ایک خط عرب فارس کے نام بھیجا اور رانباٹ کی کے ہاتھ ایک خط ایرانی مرز باقر (عمال و اطوار) کے نام ارسال کیا۔

ملوک فارس کے نام جو خط بھیجا اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”یہ خط خالد بن ولید کی طرف سے ملوک فارس کے نام ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمھارا نظام و رسوم پر ہم کو دیا، تمھارے مکر و فریب کو ناکام کر دیا اور تم میں اختلافات پیدا کر دیے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس میں تمھارا ہی نقصان تھا۔ اب تمھارے لیے یہی بہتر ہے کہ ہماری اطاعت قبول کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو ہم تمھیں اور تمھارا علاقہ چھوڑ کر وہ سری طوت چلے جائیں گے ورنہ تمھیں ایک ایسی قوم کے سامنے منسوب ہونا پڑے گا جو موت کو اس سے زیادہ پسند کرتی ہے جتنا تم زندگی کو پسند کرتے ہو؟“

ایرانی مرزباقر کے نام جو خط تھا اس میں لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”یہ خط خالد بن ولید کی طرف سے ایرانی مرزباقر کے نام ہے تم لوگ اسلام قبول کرو، مسلمان رہو گے۔ یا مجبوراً مارو، ہم تمھاری مخالفت کے ذریعہ ہوں گے۔ ورنہ یاد رکھو کہ میں نے ایسی قوم کے ساتھ تم پر چڑھائی کی ہے جو موت کی اتنی ہی فریاد ہے جتنے تم شراب نوشی کے؟“

انبار

ایرانی افواج حیرو کے بالکل قریب آباد رہیں۔ اکثر میں غیر ذی ہرچکی تھیں اور مسلمانوں کے اس

فوجی مستقر کو سخت خطرہ پیدا ہو چکا تھا۔ وہیں حالات اگر خالہ خاوشی سے حیرہ میں بیٹھے رہتے اور باہر نکل کر ایرانی فوجوں کے خلاف کارروائی نہ کرتے تو اندیشہ تھا کہ مسلمان اس علاقے سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے جو انتہائی مشقت کے بعد ان کے ہاتھ آیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے فوج کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ تعاقب بن عمرو کو حیرہ کی حفاظت کے لیے پیچھے چھوڑا۔ انور بن عابس کو مقتدرہ البیضاء پر مقرر کیا اور انبار روانہ ہو گئے۔

انبار پہنچ کر انھوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور لشکر کو حکم دیا کہ غلبے کی ضمانت فوج پر تقریر کریں لیکن مضبوطی نہ پائے اور گہری خندق کے باعث شہر کے لوگوں کو کھدی ہوئی سختی "ایا یمنل کر اس حیران حالی سے کوئی گزند پہنچا اور مسلمانوں کا ابتدائی حملہ ناکام رہا۔

خالہ زیادہ دیر تک حیرہ نہ کر سکتے تھے۔ انھوں نے شہر پر حملہ کرنے کی کوئی راہ معلوم کرنے کے لیے خندق کے ساتھ ساتھ شہر کے گرد چکر لگایا چنانچہ ایک جگہ دیکھا کہ وہاں خندق نسبتاً کم چوڑی تھی۔ انھوں نے حکم دیا کہ لشکر کے جواڑے بہت زیادہ بالکل ناکارہ ہوں وہ ذبح کر کے اس جگہ بھینک دیے جائیں۔ مسلمانوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور آؤٹ ذبح کر کے خندق کے تنگ جھتے میں پھینک دیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی لاشوں سے وہ جھت پٹ کر ایک پل سا بن گیا جس کے بعد خالہ فوج کا ایک دستہ لے کر خندق کے پار ہو گئے۔ اس دستے نے تعمیل پھانڈ کر شہر کا دروازہ کھول دیا اور اسلامی فوج شہر میں داخل ہو گئی۔

یہ حالت دیکھ کر ایرانی فوج کے سپہ سالار شیر خاوش نے صلح کے لیے سلسلہ مہنہ بانی شروع کی اور یہ پیش کش کی کہ اگر میری جہان بخشی کر دی جائے تو میں سرداروں کے ایک دستے کے ساتھ جس کے پاس مسلمان دھیرہ کچھ نہ ہو گا شہر سے نکل جاؤں گا۔ خالہ نے یہ پیش کش قبول کر لی اور شیر خاوش شہر سے نکل گیا۔ شہر کے مسلمان قافلے ہو گئے اور انبار کے قراچی علاقے کے لوگوں نے خالہ سے مصالحت کر لی۔

## عین التمر

جب خالہ کو انبار اور اس کے قراچی علاقے کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو زہر تان میں بدر کو اپنا

نائب بنکر نابا رہیں چھوڑا اور خود عین القصر کا قصد کیا جو عراق اور صومالیہ کے درمیان صحرا کے کنارے واقع ہے۔ انہار سے عین القصر تک پہنچنے میں تین دن لگے۔ یہاں انہوں نے حضرت سے وہاں کا حاکم مہران بن ہلوم سے ملین تھا۔ اس نے شہر کی حفاظت کے لیے یہاں لوگوں کی ایک بھاری فوج جمع کر رکھی تھی۔ ایرانی فوجوں کے علاوہ بنی تغلب، نزار اور دیکے پدی تباہل بھی حضرت بن ابی حفصہ اور بزیل کے زیرِ سرکردگی بھاری تعداد میں مہران کے پاس جمع تھے۔ جب عین القصر والوں نے اسلامی لشکر کو آنے دیکھا تو حضرت نے مہران سے کہا،

”عرب عربوں سے لڑنا خوب جانتے ہیں اس لیے تم ہمیں مسلمانوں سے

نبٹ لینے دو۔“

مہران نے مسکرا کر جواب دیا،

”تم ٹھیک کہتے ہو۔ عربوں سے لڑنے میں تم اتنے ہی ماہر ہو جتنے ہم بھیوں سے لڑنے میں ماہر ہیں۔ تم مسلمانوں سے لڑو۔ اگر بھاری مزدور نہ ہوگی تو ہم بھی میدانِ جنگ میں پہنچ جائیں گے۔ ایرانی مہران کی حال کو نہ سمجھ سکے اور انھوں نے اس خیال سے کہ مہران کی ان باتوں سے ان کی کم زوری اور نا طاقت عیاں ہوتی ہے اسے برا بھلا کہنا شروع کیا۔ مہران نے جواب دیا،

”تم میرے کام میں دخل دو۔ میں نے جو کچھ کیا ہے تمہاری مہتری کے لیے کیا ہے۔

اس وقت تمہارے ساتھ بے کے لیے ایک ایسا شخص آرہا ہے جس نے تمہارے بڑے شہر کو قتل اور تمہاری مملکت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا ہے۔ میں نے ان عربوں کے قیدیوں سے تمہارا بھلا دیکھا ہے۔ اگر یہ لوگ خالد کے مقابلے میں کامیاب ہو گئے تو کامیابی کا فخر تمہارے ہی جیسے میں آنے کا لیکن اگر شکست کھا گئے تو بھاری تازہ دم فوج تمہارے ہاتھوں سے مسلمانوں کو کھائی سے زیر کر سکے گی۔“

یہ سن کر ایرانی فوج مسلمان ہو گئی۔

حضرت نے کہا کہ اے خدا اور خدا کے راستے میں مائل ہو گیا۔ طوائف شروع ہوئی تو خالد نے ٹہری پھرتی سے کندھیاں کمرے کو گنا کر دیا۔ اپنے منہ کا یہ حشر دیکھ کر بدوؤں کے چپکے چھوٹ گئے۔ اور انھوں نے اپنے تمام بھائیوں کو شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور سیکڑوں لوگوں کو قید

کر لیا۔ البتہ بڑیل اور بعض دوسرے سرداران لشکر بچ کر نکل گئے۔

سمران ڈرے اطمینان سے قلعے میں فروکش تھا اور اسے یقین تھا کہ بدو متروک مسلمانوں کا حملہ روک لیں گے لیکن جب اس نے یہ ماجرا دیکھا تو بہت ہنسیا یا اور فوج لے کر قلعے سے جاگ گیا۔ قلعے میں صرف وہ فوج رہ گئی جو پہلے سے اس کی حفاظت کے لیے ستین ہفتی یا وہ بدو جو حلف کے لشکر میں شامل تھے اور شکست کھا کر قلعے میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔

خالدؓ نے آگے بڑھ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ روز تو قلعے والے دروازے بند کیے مگر اسے کامیاب نہ کرنے رہے لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ ان میں خالدؓ کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں تو انھوں نے اس شرط پر دروازے کھولنے کی پیشکش کی کہ ان کی جان بخشی کر دی جائے لیکن خالدؓ نے غیر شرعی طور پر مستحق رائے کے مطالبہ کیا۔ آخر انھیں یہ مطالبہ ماننا ہی پڑا اور قلعے کے دروازے کھول دیے۔ خالدؓ نے سب لوگوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد حلف کو کھلے میدان میں لایا گیا اور اس کی گردن اڑا دی گئی۔

انبار اور مین المتر کی فتح کے بعد خالدؓ نے ولید بن عقبہ کو فارس و سہ کر فوج کی خوش خبری کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں بھیجا۔ انھوں نے مدینہ پہنچ کر انھیں تمام حالات سے آگاہ کیا اور بتایا کہ خالدؓ نے ان کے احکام نظر انداز کرتے ہوئے حیرو اس لیے چھوڑا اور انبار و مین المتر پر اس لیے چڑھائی کی کہ انھیں حیرو میں قیام کیے ہوئے پر ایک سال ہو گیا تھا اور عیاض کا کھد پتا نہ تھا کہ وہ کب دومتہ الہند کی سے غارت ہو کر خالدؓ کی مدد کے لیے حیرو پہنچے ہیں حضرت ابو بکرؓ بھی عیاض کی سمت مدعی سے تنگ آ چلے تھے اور ان کا خیال تھا کہ وہ مسلمانوں کے حوصلے بہت کر رہے ہیں۔ اگر دشمن کو خالدؓ کے ان کارناموں کی اطلاعات ملتی رہیں جو انھوں نے عراقی میں انجام دیے تو یقیناً وہ عیاض کی کمزوری سے غارتہ آٹھ کر مسلمانوں کو سخت زدک پہنچاتے۔

## دومتہ الجندل

جب ابو بکرؓ ولید سے عراق کے متعلق قلم رویش حاصل کر چکے تو انھیں عیاض کی مدد کے لیے دومتہ الجندل جانے کا حکم دیا۔ جب ولید وہاں پہنچے تو دیکھا کہ عیاض بن حنفہ دومتہ الجندل کا محاصرہ

کیے ہوئے ہیں اور چاہا دوتا الجندل بالوں نے عیاض کا علاج کر کے ان کا راستہ مسدود کر رکھا ہے۔ عیاض سے بات چیت کرنے اور تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد ولید کے مخصوص کیا کہ عیاض اپنی فرج کی مدد سے ذودترا الجندل والوں کو شکست دے سکتے اور وہ ان کے جنگل سے نکل سکتے ہیں۔ ولید نے ان سے کہا کہ بعض حالات میں عقل کی ایک بات زبردست لشکر سے مفید ثابت ہوتی ہے۔ اگر تم میری مافوق خالہ کے پاس قاصد بھیج کر ان سے اعانت چاہو۔

عیاض کے بیٹے ولید کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کیونکہ انہیں ذودترا الجندل اپنے ہرے سال بھر ہرج چکا تھا اور ابھی تک فرج کی کوئی شکل نظر نہ آتی تھی۔ الجندل نے اپنے قاصد کو خالہ کے پاس روانہ کیا۔ قاصد ان کے پاس اس وقت پہنچا جب وہ عین التمر کی فتح سے فارغ ہو چکے تھے۔ خالہ نے خط پڑھا اس کے لفظ لفظ سے گھبراہٹ اور پریشانی عیاں تھی۔ الجندل نے عیاض کے ہم کیا یہ خبر خط سے کہ قاصد کو فرما دیا کہ عیاض کی پریشانی کچھ کم ہو جائے خط میں لکھا تھا۔

خالہ بن ولید کی طرف سے عیاض کے نام میں میریت جلد تھا اسے پاس آتا ہوں بخار سے پاس روٹیاں آنے والی ہیں جن پر کالے زہریلے ناگ سوار ہیں۔

فرج کے دستے میں جن کے پیچھے اور دستے ہیں؟

عیاض کے نام خالہ کے پاس خط سے معلوم ہوا کہ کوجہرو میں بے کار پڑے رہنے کی وجہ سے حضرت خالہ کو کس قدر گھبراہٹ لاحق تھی اور انارومین التمر کی جنگیں اور فتنوں کی بجائے ان کی آتش شوق کو سرد کر رکھی تھیں۔ اسی وجہ سے عیاض کا جلاوا پہنچے ہی وہ ذودترا الجندل جانے کے لیے فرما دیا رہ گئے۔

خالہ نے عیاض بن کابل اسلمی کو عین التمر میں اپنا نائب مقرر کیا اور خود فرج نے کہ ذودترا الجندل روٹا ہوئے۔ ذودترا الجندل اور عین التمر کے درمیان تین سو میل کا فاصلہ ہے۔ یہ مسافت خالہ نے دس روز سے بھی کم عرصے میں طے کی۔ شمالی سے جنوب کو جاتے ہوئے درمیان میں شام اور فندک کے خوف تاک اور تین دن صحرایہ طے تھے جن میں سے گزرتے ہوئے بیکاروں خطرات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ لیکن خالہ تمام خطرات کو نظر انداز کرتے ہوئے آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔ جب وہ ذودترا الجندل کے قریب پہنچے اور اہل شہر کو اس کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ حیران و ششدر رہ گئے۔

ان کے مندرجہ ذیل گھٹے اور اُتار دہ اقدامات کے متعلق حور کرنا شروع کیا۔

دو مہینہ الجندل میں اس وقت جو قبائل ڈیرے ٹائے ٹپے تھے ان کی تعداد اس وقت سے کئی گنا زیادہ تھی جب ایک سال قبل عیاض بن خنم ان کی سرکوبی کے لیے پہنچے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ نزلکب بہراہ اور غسان کے قبائل اپنے ساتھ ادبکئی قبائل کا حوراق سے دو مہینہ الجندل چلے آئے تھے اور خالدؓ کے ہاتھوں اپنی ہجرت ناک ٹکسٹوں کا بدلہ عیاض سے لینا چاہتے تھے۔ ان قبائل کی روز افزوں آمد کے باعث عیاض کے لیے انتہائی صبر و تحمل و اسالوات پیدا ہو گئے تھے اور ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان کے مقابلے کے لیے کیا تدابیر اختیار کریں۔

دو مہینہ الجندل کی فوج دو ٹپے جھتوں میں منقسم تھی۔ ایک جھتے کا سردار اگید بن عبد اللہ ایک کندی تھا اور دوسرے کا سردار بن ربیعہ۔ اگید دو مہینہ الجندل کا حاکم تھا اور اس نے مدینہ کی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ اسی کی سرکوبی کے لیے حضرت ابو بکرؓ نے عیاض کو روانہ کیا تھا۔ ان تمام قبائل میں سراسر جگہ جگہ تھے۔ اگید سے زیادہ خالدؓ سے اور کوئی واقف نہ تھا۔ وہ غزوہ تبوک کو نہ بھولا تھا جب رسول اللہؐ اس سے وفاداری کا عہد لے کر مدینہ واپس تشریف لے آئے تھے اور اسے دو وقت بھی خوب یاد تھا صاحبِ برکت اللہؐ کے احکام کے مطابق خالدؓ پاکی سواروں کے ہمراہ دو مہینہ الجندل پہنچے تھے اور اسے تہذیب کے چمکی دی تھی کہ اگر دو مہینہ الجندل کے دروازے سلیمان کے لیے نہ کھولے گئے تو اسے ہمارے ہاتھ دھوئے پھینک دیں گے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ مجبوراً اسے دو مہینہ الجندل کے دروازے کھولنے ہی پڑے اور خالدؓ کو دینور اور ذی اللہ سبک بایاں، چار سو مس گھوڑوں اور چار سو درجہ دے کے صلح کرنی پڑی صرف اسی پر جس جگہ اسے خالدؓ کے ہمراہ مدینہ آنا وہاں اسلام قبول کرنا اور رسول اللہؐ سے دوستی کا معاہدہ کرنا پڑا۔ یہ تمام باتیں اگید کے دل میں صبح کی طرح گڑی ہوئی تھیں۔ اسی لیے جب اس نے خالدؓ کے دو مہینہ الجندل پہنچنے کی خبر سنی تو وہ حردوی بن ربیعہ سے ملا جو دو مہینہ الجندل کے لیے حوران سے آنے والے جدوی قبائل کا سردار تھا اور کہنے لگا:

”میں تمہاری نسبت خالدؓ سے بہت زیادہ واقف ہوں۔ آج دنیا میں خالدؓ سے بڑھ کر کوئی شخص اقبال مند اور فزونِ جنگ کا ماہر نہیں۔ جو قوم خالدؓ سے

مقابلہ کرتی ہے۔ خواءِ قندار میں کم ہویا زیادہ بہر حال میں شکست کھا جاتی ہے۔

اس لیے تم سب بات مافرا و مسلمانوں سے صلح کر لو۔

لیکن ابنِ قبائل نے جن کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی، اکیدہ کا مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر اکیدہ ریا کر کہ ان سے صلح نہ ہو گیا۔ تم جانتے تھے کہ کام میں تو تمہارے ساتھ مل کر خالدؓ سے جنگ کرنے کے لیے تیار نہیں؟

وہ اپنے حلیفوں سے جدا ہو کر خالدؓ کو بٹنے کے لاوے سے ان کے کیپ میں داخل ہوا۔ یہاں پہنچ کر روایات میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض روایات سے چاچنابے کو جب اکیدہؓ خالدؓ کے سامنے حاضر ہوا تو انھوں نے ان کی گردن مارنے کا حکم دے دیا لیکن بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے قید کر کے مدینہ بھیج دیا گیا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں اسے اُتیٰ بن ابی وہب مدینہ سے عراق چلا گیا۔ وہاں عین السمر کے قریب ایک مقام دوسری میں اقامت پذیر ہو گیا اور آخر وقت تک وہیں رہا۔

خالدؓ آگے بڑھ کر دوسرے الجندل پہنچے۔ وہاں کی فوج مختلف قبائل میں بٹی ہوئی تھی ہر قبیلہ اپنے سردار کے ماتحت تھا اور یہ تمام سردار جو بن ربیعہ کے زیرِ سر کر چکے تھے خالدؓ نے دوسرے الجندل کو اپنی اور حیاض بن خثعم کی فوج کے گھیرے میں لے لیا۔ جو عربی قبائل عیسائی دوسرے الجندل والوں کی امداد کے لیے پہنچے تھے وہ غلے کے چاروں طرف جمع تھے کیونکہ غلے میں ان کے لیے گھناؤنس نہ تھی۔

لڑائی شروع ہوئی تو جو بن ربیعہ اور وہبہ خالدؓ کے بالمقابل اور ابنِ سدر جانی اور ابنِ الاصحیم حیاض بن خثعم کے مقابل صف آرا ہوئے۔ خالدؓ نے جو بن ربیعہ کو اور لڑنے والوں نے وہبہ کو گرفتار کر لیا۔ باقی لوگ تھکے کی طرف بھاگے۔ لیکن وہاں گھناؤنس نہ تھی۔ تلخ بھر جانے پر اندر والوں نے دروازہ بند کر لیا اور اپنے ان ساتھیوں کو جو باہر رہ گئے تھے مسلمانوں کی تعدادوں کے حوالے کر دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر خالدؓ کی فوج کے ایک سردار عامر بن عمرو نے اپنے قبیلے جو تم سے اپنے حلیف بنی کلب کی امداد کی درخواست کی۔ جو تم قرآن ان کی حفاظت کے لیے پہنچ گئے اور اس طرح بنی کلب کی جانب سے کچھ گئیں۔

جولوگ قبیلے کی طرف بھاگے تھے خالد بن ولیدؓ نے ان کا پیچھا کیا اور اسنے آدمی قتل کیجیے کہ ان کی لاشوں سے دروازہ پٹ گیا اور اندر جانے کا راستہ نہ رہا۔ انھوں نے حموی بن ربیعہ اور دوسرے قیدیوں کی بھی گروہیں بنادیں مساجن کی کلب کے قیدیوں کے جنھیں عاصم بن عمرو نے پناہ دے دی تھی۔ اس کے بعد خالد بن ولیدؓ نے کلاہ وازد اکھڑا ڈالا اور جتنے بھی لوگ قبیلے میں مصور تھے انھیں قتل کر دیا۔ فتح کے بعد انھوں نے اقرب بن عاصم کو انبار واپس جانے کا حکم دیا اور خود دوسرا الجندل میں قیام کیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے آخر کیا بات تھی کہ مسلمانوں نے دوسرا الجندل پر اتنی قورہ مہذول کی لڑ اسے ہر قیمت پر فتح کر لینا چاہا۔ رسول اللہؐ کے عہد میں دوبار اس پر چڑھائی ہوئی اور آخر اکیدر سے دھتھی کا معاہدہ کر کے اسے اسلامی عمل داری میں شامل کر لیا گیا حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں مسلمان سال تک اس کا محاصرہ کیجے پڑے رہے اور اس وقت تک دم نہ دیا جب تک اسے کاٹا نہ طبع کر کے اپنی حکومت میں دوبارہ شامل نہ کر دیا گیا۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ دوسرا الجندل کی جغرافیائی حالت ایسی تھی کہ اس پر قبضہ کرنا ہر حالت میں ناگزیر تھا۔ دوسرا الجندل اس دلتے کے سرے پر واقع ہے جہاں سے ایک طرف حیرہ اور عراق کو راستہ جاتا ہے اور دوسری طرف شام کو۔ رسول اللہؐ کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ شام اور جزیرہ عرب کی سرحدوں پر امن قائم رہے اور وہی فوجیں مسلمانوں کی مخالفت سے قانڈہ اٹھا کر سرزمین عرب میں نہ گھس سکیں۔ اسی لیے آپؐ نے دوسرا الجندل کو اپنے زیر نگین لانے کے لیے ہر ممکن کوشش فرمائی۔ یہی سال حضرت ابو بکرؓ کا تھا۔ ان کے زمانے میں اسلامی دھتیں ایک طرف عراق میں ایرانی فوجوں سے نہروانہ انھیں تو دوسری طرف شام کی سرحدوں پر رومیوں سے مصروف پیکار تھیں اور مغربی تھا کہ یہ اہم مقام مسلمانوں کے قبضے میں رہے۔ یہی وہ چوٹی کی حیثیت میں غنیمت ایک سال تک اس کا محاصرہ کیجے پڑے رہے اور سخت مشکلات کے باوجود وہاں سے ہٹنے کا نام نہ لیا۔ جب خالدؓ کو دوسرا الجندل پہنچنے کے لیے کہا گیا تو وہ بھی بلا توقف اس جانب روانہ ہو گئے۔ اگر خدا غفرامست دوسرا الجندل مسلمانوں کے قبضے میں نہ آتا تو نہ صرف عراق میں ان کی فتوحات کا کوئی بھر پور سا نہ ہوتا بلکہ شام کی فتح بھی ناممکن ہو جاتی۔

## خالد کی عراق میں واپسی

انسانی سرشت میں یہ بات داخل ہے کہ جب تک ایک قوی اور زبردست وجود ان کے درمیان رہتا ہے وہ جھجکتی جسنے رہتے ہیں لیکن جو نہی وہ شخص انھیں چھوڑ کر کہیں اور چلا جاتا ہے تو وہ جھیل خالی پاکر من مانی کرنے پر تزلزل جاتے ہیں۔ یہی حال خالد کی غیر حاضری میں اہل حیرہ اور اہل عراق کا ہوا۔ ایرانیوں اور ان کے عرب مددگاروں نے سوچا کہ مسلمانوں کی اطاعت کا جو اسے آثار پھیلنے کا موقع اس سے بہتر اور کوئی ہاتھ نہ آئے گا۔ بزققلب نے یہ خیال کیا کہ عت کے قتل کا بدلہ لینے کا موقع اس سے اچھا اور کوئی نہیں۔ فتاح اس موقع پر موت یکے ملے تھے کہ جن جن علاقوں پر مسلمان قابض ہو چکے تھے انھیں ہاتھ سے نہ نکلنے دیں اور دشمن کو آگے بڑھنے سے روکیں لیکن خالد کی اس پالیسی کو لباس عمل پہنانے کی طاقت ان میں نہ تھی کہ دشمن کے حملوں سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آگے بڑھ کر اس کے مقبوضات پر پہلے دھپے چلے کیے جائیں اور اسے اپنے ہی علاقوں میں الجھائے رکھ کر اسلامی مقبوضات کی طرف پیش قدمی کرنے سے روکا جائے۔

اس وجہ خالد کو ایرانیوں اور عربی انسل عیسائی قبائل کے اداوں سے آگاہی ہوئی تو وہ ایک لمحے کے لیے بھی دو ذرا الجھن میں نہ رہ سکے اور انھوں نے فوراً کج کی تیاری کر لی عت پر اقرب بن حابس کو متعین کیا اور عیاض بن ختم کو ساتھ لے کر حیرہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ حیرہ پہنچ کر اسے عیاض کی سپردگی میں دیا اور عت کے قتل کو حصد کی طرٹ بھیجا جہاں عربوں اور ایرانیوں کا اجتماع ہو رہا تھا۔ خود قسم کھائی کہ بزققلب پر اس طرح اچانک حملہ کریں گے کہ انھیں کسی طرح بھی سنبھلنے کا موقع نہ بے گا۔

جب اہل عراق کو معلوم ہوا کہ خالد ان کی سرکوبی کے لیے ایک بار پھر عراق پہنچ چکے ہیں تو ان کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی اور اپنے ملائے کو مسلمانوں سے آزاد کرانے کے لیے حسین خواب وہ دیکھ رہے تھے وہ سب ان کی آں میں ختم ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ دوسری اقوام کی طرح مسلمان بھی سرزمین عراق کو تاخت و تاراج کر کے چلے جائیں گے اور وہ بعد میں اپنے

علاقوں پر قابض ہو سکیں گے لیکن ان کے یہ خیالات پاؤں پر نہ اُٹھ سکتے تھے۔

## حصید خنافس اور یحییٰ

خاندان کے حکم کے مطابق قفقاز حصید کی جانب روانہ ہو گئے۔ ایرانی لشکران کے مقابلے میں دھڑلہ سکا۔ اس کا سپہ سالار مارا گیا اور لشکر نے میدان جنگ سے فرار ہونے میں اپنی مانیت بھی بہریت خوردہ لشکر کا خیال تھا کہ وہ شہر خنافس میں پناہ لے سکے گا جہاں پہلے ہی سے ایک اور ایرانی لشکر موجود تھا لیکن اسے اس میں بھی ناکامی ہوئی کیونکہ خنافس میں مقیم ایرانی لشکر کا سپہ سالار مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر پہلے ہی وہاں سے فرار ہو کر یحییٰ پہنچ چکا تھا جہاں کا حاکم ہڈیل بن عمران تھا۔

اس طرح مسلمان بغیر لڑے بٹھے خنافس پر قابض ہو گئے اور اب کوئی فرار یا نہ تھا جو ایرانی لشکر کا مسلمانوں کے مقابلے کے لیے تیار کر کے میدان جنگ میں لائے۔

اب خاندان نے اپنے سرداروں کو یحییٰ کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا اور خود بھی ادھر کا رخ کیا۔ پہلے ہی ملے کر دیا گیا تھا کہ تمام قاتلین کو کس مات اور کس وقت پیش پہنچانا ہے۔ چنانچہ مقررہ وقت پر تمام قاتلین منزل مقصود پہنچ گئے اور آتے ہی تین ملان سے ہڈیل اور اس کی فرج پر جو بے خبر لڑکی سو رہی تھی، بغیر روئے جلد کر دیا۔ ہڈیل مع چند ساتھیوں کے بھاگ بھاگے جس کا مایاب ہو گیا۔ باقی تمام فرج قتل ہو گئی۔ لاشوں سے میدان اس طرح بٹ گیا گریا بکریاں فرج کی ہوتی پڑی ہیں۔

اس جنگ کے دوران میں دو ایسے مسلمان اسلامی فرج کے ہاتھوں مارے گئے جو یحییٰ میں مقیم تھے اور جن کے پاس حضرت ابو بکرؓ کا عطا کیا ہوا ایک صداقت نامہ بھی موجود تھا جب حضرت ابو بکرؓ ملان کے مارے جانے کی اطلاع ملی تو آپؓ نے ان دونوں کا فرار بھاگ کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے دھمکا دیا کہ خاندان لوگوں کے اس فعل کی سزا دے گا چاہے لیکن حضرت ابو بکرؓ نے دبا دیا کہ جو مسلمان دشمن کی سرزمین میں دشمن کے ساتھ قیام پذیر ہوں گے ان کے ساتھ ایسی صورت کا پیش آنا بہت ممکن ہے۔

جنگِ مضح سے فارغ ہونے کے بعد خالدؓ نے اپنی قسم پوری کرنے کا ارادہ فرمایا۔ انھوں نے اپنے دوسرے ارادوں متعلق اور ابولہیٰ کو بنی قریظہ کی بہتوں کی جانب روانہ فرمایا اور خود بھی اسی کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے۔ اس جگہ کا پرہ گلام بھی ویسا ہی بنایا گیا تھا جیسا جنگِ مضح کے موقع پر ترتیب دیا گیا تھا۔ خالدؓ نے اپنے ساتھیوں سے مل کر رات کے وقت تین اطراف سے دشمنوں پر زور شور سے حملہ کر دیا۔ اس حملے میں بنی قریظہ کا کوئی بھی موقع کار نہ نکل سکا۔ عورتیں گرفتار کر لی گئیں۔ فتح کے بعد خالدؓ نے عمان بن عوف بنی بانی کے ہاتھ حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں شمس واز کیا حضرت علیؓ نے انھیں قیدیوں میں سے ایک لڑکی صاحبہ بنت ربیعہ بن بکر کو خریدا تھا جس کے ان کے یہاں عمر اور رقیہ پیدا ہوئے۔

## فرائض

خالدؓ کے ان اہلک حملوں اور قبائل کے ان کے مقابلے سے عاجز رہنے کی خبریں عراق بھر میں پھیل چکی تھیں اور صحرا میں رہنے والے تمام قبائل سخت غرت زدہ ہو چکے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈالنے اور ان کی اطاعت قبول کرنے ہی میں اپنی مافیت سمجھی۔ خالدؓ نے اپنی فوجوں کے ہمراہ دریائے فرات کے ساتھ ساتھ شمالی علاقوں کی طرف پیش قدمی شروع کر دی وہ جہاں بھی پہنچتے وہاں کے باشندے ان سے مصالحت کر لیتے اور ان کی اطاعت کرنے کا اقرار کرتے۔ آخر وہ فرائض پہنچ گئے جہاں شام، عراق اور الجزائر کی سرحدیں ملتی تھیں۔

فرائض عراق اور شام کے انتہائی شمال میں واقع ہے۔ اگر عیاض بن غنم کی قسمت بدی کرتی اور وہ اہل ایمان میں دوسرے اہل جہل فح کر جیتے تو غالباً خالدؓ یہاں تک نہ پہنچتے کیونکہ حضرت ابو بکرؓ کا غشا رسا سے عراق اور شام کو فتح کرنے کا ارادہ تھا۔ وہ صحت یہ چاہتے تھے کہ ان دونوں ملکوں کی سرحدوں پر جو عرب سے ملتی ہیں امن و امان قائم ہو جائے اور ان اطراف سے ایرانی اور رومی عرب پر حملہ آور نہ ہو سکیں لیکن اللہ کو سچی منظور تھا کہ یہ دونوں ملکوں کا مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں۔ اس لیے اس نے ایسے اسباب پیدا کر دیے کہ خالدؓ عراقی قبائل کو مطیع کرنے کی غرض سے انتہائی شمال تک چلے گئے اور اس طرح مسلمانوں کے سب سے پلائی

جانب سے شام چمک کر نکلنے کا راستہ کھل گیا۔ ایرانی سرحدات سے روسیوں پر حملہ کرنے کا راستہ کھل گیا۔ ایرانی سرحدات سے روسیوں پر حملہ کرنے کا راستہ کھل جانا ایک ایسا معجزہ تھا جس کا خیال حضرت ابو بکر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہ آسکا اور یہ کارنامہ ایسے شخص کے ہاتھوں رونما ہوا جس کی نظیر پیدا کرنے سے عرب اور عجم کی عورتیں ماتمی عاجز تھیں۔

فروغ میں خلاۃ کو کامل ایک صیغے تک قیام نہ ملا۔ یہاں بھی انھوں نے اسی جہات اور عزیمت و استقلال کا مظاہرہ کیا کہ وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ وہ چاروں طرف سے دشمنوں سے گھیرے ہوئے تھے۔ مشرقی جانب ایرانی تھے جو ان کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ مغربی جانب روسی تھے جن کا یہ خیال تھا کہ اگر اس وقت خلاۃ کی جمعیت کو تیار و دربارہ نہ کر دیا گیا تو پھر یہ سلاطین روس کے دھوکے لگا۔ روسیوں اور مسلمانوں کے درمیان صحت و صلہ نہ رہا تھا۔ ان کے علاوہ چاروں طرف بدوی قبائل آباد تھے جن کے بڑے بڑے سرداروں کو قتل کر کے خلاۃ نے ان کے دلوں میں اطمینان کی ایک دھند بھرنے والی آگ بھڑکادی تھی۔ اس نازک صورت حال سے خلاۃ لاعلم نہ تھے۔ اگر وہ چاہتے تو حیدر و اہلسیما کی اپنی قوت و طاقت میں اضافہ کرتے ہوئے پھر روسیوں کے مقابلے کے لیے روانہ ہو سکتے تھے۔ انھوں نے ایسا نہ کیا کیونکہ دشمن کو سامنے دیکھ کر خلاۃ نے بے پروائی مان لیا۔ ان کی نظروں میں کیا ایرانی مدد ملی اور کیا اہل بادر یہ سب حقیر تھے۔ ان کی عقیدہ یہ تھی کہ وہ نہ پہلے کبھی خاطر میں لائے اور نہ آئندہ خاطر میں لائے کو تیار تھے۔ اس لیے وہ بڑے اطمینان سے لڑائی کی تیاریاں ہی مشغول تھے۔

دھرم و میل کو ابھی تک خلاۃ سے واسطہ نہ پڑا تھا اور وہ ان کے حملے کی شدت سے ناواقف تھے جب اسلامی فوجیں فراخ میں گئی برٹس اور براہیک جیسے تک ان کے سامنے ٹپڑے ہوئے بڑی دھیرے تو انھیں بہت جوش آیا اور انھوں نے اپنے قریب کی ایرانی چوکیوں سے مدد مانگی۔ ایمانیوں نے بڑی خوشی سے روسیوں کی مدد کی کیونکہ مسلمانوں نے انھیں ذلیل و ہموار کر دیا تھا اور ان کی شان و شوکت کو تباہ کر کے ان کا غرور خاک میں ملا دیا تھا۔ ایمانیوں کے علاوہ قنقلب، ایاز اور دیگر عربی قبائل نے بھی روسیوں کی پوری پوری مدد کی کیونکہ وہ اپنے روساء اور سرداروں کے انعام کے قتل کو بھرنے نہ تھے چنانچہ روسیوں ایمانیوں اور عربی قبائل کا ایک مشترکہ جہاد

مسلمانوں سے لڑنے کے لیے روزانہ جہاد دے یا نئے فرائض پر پہنچ کر انھوں نے مسلمانوں کو کھانا پھینکا،  
- تم دریا کو عبور کر کے ہماری طرف آؤ گے یا ہم دریا کو عبور کر کے تمہاری

طرف آئیں ؟

خالدؓ نے جواب دیا :

- تمہیں ہماری طرف آنا ہے ۔

چنانچہ دشمن کا لشکر دریا عبور کر کے دوسری جانب اترا نا شروع ہوا۔ اس دوران میں خالدؓ نے اپنے لشکر کی تنظیم اچھی طرح کر لی اور باقاعدہ صفیں قائم کر کے انھیں دشمن سے لڑنے کے لیے پوری طرح تیار کر دیا۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو وقت کا تورا تو رومی لشکر کے سپہ سالار نے فوج کو حکم دیا کہ تمام قبائل علیحدہ علیحدہ ہوجائیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس گروہ نے زیادہ شاندار کارنامہ انجام دیا ہے۔ چنانچہ ساری فوج علیحدہ علیحدہ ہو گئی۔ لڑائی شروع ہوئی تو خالدؓ نے اپنے دستوں کو حکم دیا کہ وہ چاروں طرف سے دشمن کے لشکر کو گھیر لیں اور انھیں ایک جگہ جمع کر کے اس طرح پے درپے حملے کریں کہ سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسلامی دستوں نے رومی لشکر کو گھیر کر ایک جگہ جمع کر لیا اور ان پر پے درپے حملے شروع کر دیے۔ دوسروں اور ان کے حلیفوں کا خیال تھا کہ وہ قبائل علیحدہ علیحدہ مسلمانوں کے مقابلے میں بھیج کر لڑائی کو زیادہ عمل سے سکیں گے اور جب مسلمانوں کا جوش و خروش ہو جائے گا تو ان پر پھر پورا حملہ کر کے انھیں مکمل طور پر شکست دے دیں گے لیکن ان کا خیال خام ثابت ہوا اور ان کی تدبیر جزو ان پراکٹ ٹری۔ جب مسلمانوں نے انھیں ایک جگہ جمع کر کے ان پر حملے کے شروع کیے تو وہ ان کی تاب نہ لے سکے اور بہت جلد شکست کھا کر میدان جنگ سے فرار ہونے لگے۔ لیکن مسلمان انھیں کہاں پھرنے والے تھے۔ انھوں نے ان کا پیچھا کیا اور دو دن تک انھیں قتل کرتے چلے گئے۔

تمام مرتدین اس امر متفق ہیں کہ اس معرکے میں یمن میدان جنگ اور بعد ازاں قنابلہ میں دشمن کے ایک لاکھ آدمی کام آئے ۔

فتح کے بعد خالدؓ نے فرائض میں دس روز قیام فرمایا اور ہر روزی القعدہ مسجد کو انھوں نے اپنی فتح کو واپس حیرہ کی جا میں کھینچ کر نئے کا حکم دے دیا۔

## خالد کا خفیہ حج

خالد بن ولیدؓ میں مرتدین کی سرکوبی کر چکے تھے۔ عراق ان کے ذریعے سے فتح ہو چکا تھا۔ ان کے ہاتھوں کسریٰ کے اقتدار کا دیر انداز عمل چکا تھا۔ فرائض کی فتح سے سلطنت روم میں پیش قدمی کرنے کا راستہ صاف ہو چکا تھا۔ یہ سب کچھ اللہ کی عنایت تھی۔ ورنہ خالدؓ کی کیا حیثیت ملتی کہ وہ عظیم الشان فتوحات حاصل کرتے اور ایرانی سلطنت ان کے آگے سرنگوں ہونے پر مجبور ہو جاتی۔ جب وہ اللہ کے ان افضال و انعامات پر غور کرتے تو ان کا دل لشکر و امتنان کے جذبات سے معمور ہو جاتا۔ لشکر و امتنان کے یہی جذبات تھے جنہوں نے جنگ فرائض سے فارغ ہونے کے بعد انھیں حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کرنے پر آمادہ کیا۔ جنگ کے بعد فرائض کے دن وہ قیام کرنے لگے۔ ان کی اس آگ کو اس سنگ بھڑکا دیا کہ اب کوئی طاقت انھیں حج پر جانے سے باز رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ وہ جانتے تھے کہ ان کی غیر حاضری عراق میں مسلمانوں کے لیے سخت خطرات پیدا کرنے کا موجب بنتی ہے۔ ان کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایرانی اس علاقے میں دوبارہ فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکا رکھتے تھے۔ پھر بھی حج بیت اللہ کے مقابلے میں انھوں نے اسی تمام خطرات کو نظر انداز کر دیا۔

اگر دشمن کو خالدؓ کی غیر حاضری کا علم ہو جاتا تو وہ مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرنے کا یہ ذریعہ کسی طرح ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ اس خطرے سے بچنے کا سب سے پہلا طریقہ تھا کہ وہ اس طور پر حج کرتے کہ سوائے خاص ملازمین کے اسلامی فوج کے کسی بھی فرد کو یہ معلوم نہ ہو سکتا کہ ان کا سپہ سالار لشکر سے غیر حاضری ہے۔ خالدؓ کے لیے یہ بھی مزید ہی تھا کہ دو حج کے لیے پہلے علیحدہ سے اہواز تک طلب کرتے لیکن اس صورت میں یہ اندیشہ تھا کہ اگر علیحدہ کی طرف سے اہواز مل جاتی تو سارے لشکر میں چرچا ہو جاتا کہ خالدؓ حج کو جا رہے ہیں اور جو سنی وہ رواد ہوتے ہیں۔ اس سے ایرانی فوج مسلمانوں پر چھوڑ دیتی۔ اس صورت میں اس حج کا کیا فائدہ ہو تا جو مسلمانوں کی تباہی کا موجب بنتا۔ اور اگر علیحدہ کی طرف سے اہواز نہ ملتی تو اسی کے پاس اس آتش مرقی کو سرد کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا۔ حج بیت اللہ کے لیے ان کے دل میں بھڑک رہی تھی۔ اس لیے آپسے بھی مناسب

سمجھا کہ انتہائی خفیہ طور پر حج کیا جائے کہ حضرت ابو بکرؓ کو اس کا پتا چلے اور ذان کے لشکر کے کسی فرد کو۔ انہیں یقین تھا کہ اگر حضرت ابو بکرؓ نے اس فعل پر باز پرس کی تو وہ مفرد حضرت کر کے انہیں راہنی کر دیں گے۔ دوسری طرف اللہ بھی انہیں اس حج کے ثواب سے محروم نہ کرے گا۔

انھوں نے لشکر کو تو حیرت کی جانب کھینچ کر کے کا حکم دیا اور اپنے متعلق یہ حکم کر کے کہہ دیا،

کے ساتھ ساتھ آ رہے ہیں خفیہ طور پر حج کے لیے کہ معتمد داد ہو گئے۔ ان کے ساتھ چند لوگ اور بھی تھے۔ وہ شہر دل اور بستیل سے دور دور سیدھے مکہ کی سمت روانہ ہوئے۔ یہ راستہ بہت عجیب و غریب اور سخت دشوار گزار تھا۔ کوئی رہبر نہ تھا لیکن حوالی کے ایام میں چونکہ انہیں قنصل کے لیے ملک در ملک پھر ناظر تھا اور سپہ سالار کی حیثیت سے پورا حکم اچھا جان ملا تھا اس لیے وہ اس علاقے کی تمام راہوں، ٹیلوں، راستوں، میدانوں، غرض چھپے چھپے سے واقف تھے اور انہیں راستے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ حج سے پہلے ہی وہ مکہ منکب پہنچ گئے اور حج کے فرائض پوری طرح ادا کر کے واپس آ گئے۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ قیام مکہ کے دوران میں کسی بھی شخص کو ان کی واپس ہوجا کی کا حکم نہ ہوا حتیٰ کہ حضرت ابو بکرؓ کو بھی چٹان نہ ملا جو بعض روایات کے مطابق اس سال حج پر مکہ میں موجود تھے۔

واپسی پر بھی انھوں نے وہی دہشت ناک اور دشوار گزار راستہ اختیار کیا جو حج کے لیے ہوتا ہے۔ برے اختیار کیا تھا۔ ابھی لشکر کا آخری حصہ حیرہ پہنچا بھی نہ تھا کہ وہ راستے آئے اور اس کے برابر شہر میں داخل ہوئے۔ اس طرح ان کے لشکر کے کسی بھی فرد اور عراق کے کسی بھی شخص کو یہ علم نہ پہنچا کہ وہ اس ناک و دقت میں لشکر سے غیر حاضر تھے اور حج کے لیے مکہ چلے گئے تھے۔

حیرہ میں قیام کے بغیر وہ انھوں نے بڑے اطمینان سے گزارے۔ ایک طرف یہ خوشی تھی کہ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں حج بیت اللہ کی توفیق مرحمت فرمادی تھی، دوسری طرف یہ اطمینان تھا کہ عراق میں ان کی فتوحات پائے تکمیل کو پہنچ چکی تھیں۔ اب ان کا خیال سلطنتِ ایران کے دارالحکومت مدائن کی طرف کوچ کرنے کا تھا۔ لیکن اللہ کو یہ منظور تھا کہ جنگِ فرائض میں کامیابی حاصل کر کے خلافت نے جس سلسلے کا آغاز کیا تھا اسے پائے تکمیل کو پہنچائیں اور دینی سلطنت میں بھی اسی طرح فتوحات حاصل کریں جس طرح

ایرانی سلطنت میں کر چکے تھے۔

بعض تاریکین میں مذکور ہے کہ جس سال خالد بن ولید نے اس سال ایران کی حضرت عمرؓ تھے اور حضرت ابو بکرؓ نے اپنے اہم خلافت میں کبھی حج نہیں کیا لیکن عمرؓ نے اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ اس سال حج کے موقع پر حضرت ابو بکرؓ خود مکہ منکرہ میں موجود تھے۔ یہ یہ سال دو ذیل روایتوں میں سے خواہ کوئی سی بھی روایت صحیح ہو اس میں شبہ نہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کو اپنے سپہ سالار غلسم کے حج پر جانے کا اس وقت تک علم نہ ہوا جب تک وہ واپس حیرہ نہ پہنچ گئے۔

سے عرواقی فتوحات کے ذیل میں حیرہ کی فتح تک تو عربین میں اتفاق ہے بعض تفاسیل میں کچھ اختلاف ہو تو یہ ممکن واقعات کی ترتیب اور ان کے نتائج میں کوئی اختلاف نہیں لیکن حیرہ کی فتح کے بعد پیش آنے والے واقعات میں اختلاف ہے۔ ہم نے اس باب میں انبار صین المتراور فرائض کی جنگوں کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اس پر طبریؒ، ابن اثیرؒ اور ابن عسکونؒ تو متفق ہیں لیکن بلاذریؒ، ازہریؒ اور قتادہؒ نہیں۔ یہ مومنین جبکہ فرائض کا سوسے سے ذکر ہی نہیں کرتے۔ انبار صین المترا کی جنگوں کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ یہ اس وقت چھٹی آئیں جب حضرت امیرؓ نے خالدؓ کو شام کی فوجوں کا سپہ سالار بنا کر بھیجا۔

(۱۳)

## شام پر حملے کے اسباب

### رومیوں کو تشویش

سریزمین عراق میں خالد بن ولید نے جو عظیم الشان کارنامے انجام دیے اور جس طرح چھینک میں ایرانی افواج کا ہرہ کو شکست دی اس کا ذکر سہا یہ حکوں کے پچھے پچھے کی زبان پر تھا۔ ان خبروں پر سب سے زیادہ تشویش مشرقی رومی سلطنت کے فرماں رواؤں کو ہو رہی تھی کیونکہ ان کے حالات بھی ایرانی سلطنت کے کچھ زیادہ مختلف دہکتے جس طرح عراقی سرحد پر لخم، بڑقلمب، ابو لہو وغیرہ عربی اہل قبا ئل آباد تھے۔ اسی طرح شام کی سرحد پر بڑیکو، بڑہذره، بنو عدوان، بڑیکو اور عسائی قبا ئل مقیم تھے۔ رومی سلطنت کا خیال تھا کہ جس طرح مسلمانوں نے حراق پر چہرے چلے کر کے اسے اپنی عمل واری میں شامل کر لیا ہے اسی طرح وہ شام پر حملے کر کے اسے بھی قبضے میں لانے کی پوری کوشش کریں گے۔ اس خیال کے تحت انھوں نے پوری توجہ شام کی اس سرحد کو مضبوط کرنے پر مبذول کی جو عرب سے ملتی تھی تاکہ مسلمانوں کی پیش قدمی کو اجنبی میں روک کر انھیں رومی سلطنت پر حملہ کرنے سے باز رکھا جاسکے۔

اس سلسلے میں قسطنطین امیر ہے کہ رسول اللہ کے عہد میں مسلمانوں نے رومیوں کے ڈ سے شام کی متعدد سرحدات کو مستحکم کرنے کی کوشش کی تھی تاکہ ایسا نہ ہو وہ عرب سے جلا وطن کیے ہوئے یہود و نصاری کی انگلیت سے عرب پر حملہ کر دیں۔ مگر چند ہی سال میں حالات اتنے تبدیل ہو گئے کہ جن رومیوں سے ڈ کر مسلمانوں نے اپنی سرحدات مضبوط کرنے کی طرت توجہ کی اُنھیں رومیوں نے مسلمانوں سے ڈ کر اپنی جنوبی سرحدات کی حفاظت اور انھیں مستحکم کرنے کے کام کو باقی تمام کاموں پر ذوقیت دینی شرمس کر دی۔

ابو بکرؓ بھی ہر قتل شام و روم کے ان جذبات و خیالات سے پوری طرح آگاہ تھے جنہوں نے اسے سخت مرہم سیکر رکھا تھا۔ لیکن جب تک مرتدین سے جنگیں ختم نہ ہو جاتیں وہ شام پر تو ہر سبذول ذکر رکھتے تھے کیونکہ اگر مرتدین کی پوری طرح سرکوبی سے پہلے ہی اسلامی فوجوں کو شامی سرحدات کی طرف دھاوا کر دیا جاتا تو حدیث تھا کہ مبادا مرتد قبائل جنہیں وقتہ رفتہ مطہر کیا جا رہا تھا، اسلامی فوجوں کی غیر ماضی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوبارہ وسیع پیمانے پر بغاوت کر دیں۔ لہذا جب مشقی بن حارثہ کی ان تھک کر شمشوں کے نتیجے میں مسلمانوں کو عراق میں لکھائی نصیب ہونے لگی اور مخالفانہ ایرانی سلطنت میں گھس کر جنہوں کے دہرا حکومت حیرہ پر اسلامی پرچم لہرا دیا تو ابو بکرؓ کو شام کا بھی خیال آیا جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے عراق کی طرح شام کی حد پر بھی عرب قبائل آباد تھے اور جس طرح عراق کے بعض عرب قبائل نے عیسائیت پر قائم رہنے کے باوجود مسلمانوں سے مل کر کسریٰ کی فوجوں کا مقابلہ کیا تھا، اسی طرح شام کے عرب قبائل کے بارے میں بھی یہ امید کی جا رہی تھی کہ وہ مسلمانوں کا ساتھ دیں گے کیونکہ رومیوں کی حیثیت سالک کی تھی اور اہل شام کی حکومتوں کی اور حاکموں اور محکوموں کے درمیان نفرت و عداوت کے جو جذبات پنپاں ہوتے ہیں وہ ہر شخص کو معلوم ہیں۔ سالک و محکوم کے فتنے کے علاوہ ایرانیوں اور عراق کی سرحد پر بسنے والے عرب قبائل کی طرح رومی اور شامی سرحد پر بسنے والے باوریشیوں عرب قبائل کے درمیان جنس اور زبان کا مین اختلافات بھی موجود تھا۔ ان باتوں کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کو امید تھی کہ شام کی سرحد کی طرف پیش قدمی کر کے جب وہ رومی لشکروں پر غلبہ حاصل کر دیں گے تو شامی عرب اپنے ہم وطن لوگوں سے آکر مل جائیں گے جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی طاقت قوت میں معتدبر اضافہ ہو جائے گا اور وہ رومیوں پر مکمل فتح حاصل کر کے اس درخیز اور آباد سرزمین پر قابض ہو سکیں گے۔

رومیوں پر حملہ کرنے میں ابو بکرؓ کو جو تردد تھا وہ وقتہ المہندل کی فتح عمل میں آئے اور مسلمانوں پر اس کے دواوئے کھل جانے کے بعد ختم ہو گیا۔ پھر بھی چونکہ ابھی تک عراق میں جنگوں کا سلسلہ جاری تھا اس لیے رومیوں پر فوری حملہ مناسب نہ سمجھا گیا۔ ابو بکرؓ نے شامی سرحد پر مقیم مسلمان امراء کو واضح ہدایات دے دی تھیں کہ وہ اپنی طرف سے رومی سرحدات پر حملہ کر کے میں پہلی ذکر کی اور

جب تک روسیوں کی طرف سے حملہ کرنے کی انتہا نہ ہو وہ مدافعت کا پہلا اختیار کیے رکھیں اور اپنے آپ کو روسی قتل عام سے ہر ممکن طریقے پر بچائیں۔ اور اگرچہ کہ روسیوں کو مسلمانوں کی ضرورت کا سارا حال معلوم تھا، اس لیے وہ بھی شام کی سرحد چھوڑ کر کے اسلامی فوجوں پر حملہ کرنے سے بچنے لگے اور اپنی سرحد ہی کے اندر وڈیے ڈاے پڑے تھے۔ اس طرح فریقین کے دلوں میں ایک دوسرے کے متعلق ڈر اور خوف کے جذبات پائے جاتے تھے اور ہر فریق جنگ کی انتہا کرنے سے پہلے حتیٰ کر رہا تھا۔

روسیوں کے قتل و غارت کی بنیاد نہایت زیادہ تر اس پر تھی کہ ابو بکرؓ نے صیغہ کے بعد شامی عرب کے مرتدین کی سرکوبی اور سرحدوں کے استحکام کے لیے جو زمینیں رواد کی تھیں انھیں اپنے مقصد میں پوری کامیابی ہوئی تھی اور وہ کسی قسم کا نقصان اٹھانے بغیر مطلقاً مغرب واپس آگئی تھیں۔ تمام قبائل نے بغیر لڑے جڑے مسلمانوں کی اعلیٰ تہذیب کی طرف مائل ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ باقی تمام علاقے مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے۔ فلسطینیوں اور شامی سرحد پر بسنے والے عربوں پر مشکل جو زمینیں شام کے سرحدی مقامات پر موجود تھیں انھیں روسی کسی طرح بھی عربوں کے مقابلے کے لیے تیار نہ کر سکتے تھے کیونکہ انھیں خطرہ تھا کہ مبادا یہ لوگ مسلمانوں سے مل جائیں۔

شامی سرحد پر اسلامی فوجوں کے مزارعہ خانہ جن مسیحیوں میں داخل تھے، ابو بکرؓ نے پہلے انھیں مرتدین سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا تھا لیکن غرضتے ان کے اس ارادے کی مخالفت کی اور آنا اور لوگیا کہ آخر ابو بکرؓ نے انھیں مرتدین کے مقابلے میں بھیجنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اس کے بجائے تمام امدادی دستے کا امیر مقرر کر کے شام کی سرحد پر بھیج دیا۔ انھیں ہدایت تھی کہ جب تک غلبہ کے واضح احکام ان تک نہ پہنچیں وہ ذاتی جنگ سے نہیں اور نہ اس وقت تک دشمن سے جنگ کا آغاز کریں جب تک دشمن خود پہل کر کے ان کے مقابلے پر آجائے۔ البتہ وہ گروہ و زنج میں بسنے والے قبائل کو ساتھ ملائے کی پوری کوشش کریں سوائے ان قبائل کے جو ارتداد اختیار کر چکے تھے۔

فریقین کی جنگیں تیاریاں

خانہ ثانی مسیحیوں نے ابو بکرؓ کے احکام کی پوری طرح عمل کیا جس کے نتیجے میں چند ہی دنوں کے اندر

ان کے جھنڈے کے نیچے ایک جتار لشکر تیار ہو گیا۔ جب ہر قتل کو اپنی سرحدوں پر اس عظیم لشکر کے اجتماع کی خبر ملی تو اس نے بھی پورے زور و شور سے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ خالد بن ولید نے فوراً ابو بکرؓ کو خط لکھا جس میں ہر قتل کی جنگی تیاریوں کا ذکر کر کے دعویٰ سرحدوں پر چڑھائی کرنے کی اہانت طلب کی مبادا رومیوں کا لشکر اچانک مسلمانوں پر حملہ آور ہو جانے اور انھیں شکست سے دوچار ہونا پڑے۔

ابو بکرؓ نے خالد بن ولیدؓ کے خط پر خوب غور و فکر کیا۔ جنوبی عرب سے آنے والی خبریں بہت حوصلہ افزا تھیں۔ مگر اور مہاجر نے اس ملاقات کے مرتدین کا قلع قمع کر دیا تھا اور مکہ مکرمہ صابرو کریمین میں چھوڑ کر خود اپنی فوجوں کے ساتھ واپس آنے والے تھے۔ ان فوجوں کی دہائی پر شام میں تقیم اسلامی فوجوں کو لگ بھگ بہت آسان تھا لیکن سوال یہ تھا کہ آیا یہ فوجیں جن کی تعداد بہر حال رومیوں کے جوار لشکروں سے بہت کم تھی، رومیوں کے مقابلے کے لیے کافی بھی ہوں گی بالخصوص اس حالت میں کہ رومیوں کے پاس سامان جنگ کی بھی کمی نہ تھی اور اس کے قتل ہر قتل اپنی انجاء کی کثرت اور سامان جنگ کی فراوانی کی بدولت ایرانیوں کی عظیم لشکر فوجوں کو شکست دے چکا تھا۔ اس مشکل صورت حال سے حدود براہمنے کا یہی طریقہ تھا کہ جنوبی عرب کے ان قبائل کو جو بہ دستور اسلام پر قائم تھے ساتھ ملا یا مہائے اور دوسری اسلامی فوجوں کے ساتھ انھیں بھی شام روانہ کر دیا جائے۔ اس طرح امید ہو سکتی تھی کہ اسلامی فوجیں رومیوں کے سامنے ٹھہر سکیں۔

ابو بکرؓ نے انتہائی حذر و فکر کے بعد حضرت عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ عبد الرحمنؓ بن عوفؓ مسدود بن ابی وقاصؓ ابو سعیدؓ بن جراحؓ مسافرؓ بن جہلؓ ابی بن کعبؓ زیدؓ بن ثابتؓ اور دوسرے بڑے صحابہؓ کو طلب فرمایا اور یہ معاملہ ان کے سامنے پیش کیا۔ ابو بکرؓ نے فرمایا:

”رسول اللہؐ کی خواہش تھی کہ اہل عرب کو شامیوں کے متفرق حلقوں سے مل کر

محض ناکھیا مہائے۔ اس غرض سے آپؐ نے جو تمام اہل اختیار کیں انھیں پوری طرح

بہا میں مل پنانے دے پائے تھے کہ آپؐ کی وفات ہو گئی۔ اب آپؐ لوگوں نے جس

بہا سے کہ ہر قتل ہمارے مقابلے کی غرض سے کثیر تعداد میں فوجیں بھیج کر رہا ہے۔

میرے خیال میں ہمیں اس خطرے کا متکا بل کر کے کے لیے پوری طاقت و جرات سے کام لینا چاہیے اور دوسروں سے خبردار آدائی کے واسطے زیادہ سے زیادہ تعداد میں ذہین شام روانہ کرنی چاہئیں۔ جو شخص مارا گیا اسے شہادت کا درجہ نصیب ہو گا اور جو زندہ رہا وہ مجاہدین کے زمرے میں شامل ہو گا اور اللہ کے ہاں اُس کے لیے جو اجر رکھا جائے گا اس کا کوئی حساب و شمار ہی نہیں رہے گا۔ آپ لوگ مجھے مشورہ دیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

سب سے پہلے عزت اٹھنے اور کھٹے گئے:

واللہ! ہم نے جس نیک کام میں بھی مہلت کرنے کی کوشش کی، اس میں آپ کو سب سے آگے پایا۔ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے اس میں کسی کو کلام نہیں بلند کا فشار بھی ہی معلوم ہوتا ہے کہ ہم شام کو فوج کر لیں۔ آپ یقیناً زیادہ سے زیادہ آدمی شام روانہ کیجئے۔ اللہ اپنے دین کا مدد کرے۔ وہ یقیناً اسلام کو شان و شوکت بخشنے گا اور اس کی ترقی کے لیے جو وعدے اس نے اپنے رسول کے لیے کیے تھے انھیں منور و پورا فرمائے گا۔

عبدالرحمن بن عوف میں امتیاز کا مادہ زیادہ تھا۔ عزت کے بعد وہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے:

”اے خلیفہ رسول اللہ! اس معاملے پر اچھی طرح غور و فکر کریجئے۔ دینی ہم سے بہت زیادہ طاقت ور ہیں۔ ایک دم افواج بھیج کر انھیں غیر یقینی صورت حال سے دوچار کر دینا قرین دانش مندی نہ ہو گا۔ میرے خیال میں دوسروں پر پوری قوت سے حملہ کرنے کی نسبت ہتھیار ہموار کرنا بہت زیادہ بہتر ہے۔ جیسے جہاں جو سرحد پر چھاپے مار کر اندرونیوں کو تختہ ثابت نقصان پہنچا کر مالیں چلے آئیں۔ ان کے بعد چند دستے اور بھیجیں جو پہلے کی طرح سرحدوں پر چھاپے مار کر سرحد قبائل کو عزت زدہ کر کے مالیں آجائیں۔ اسی طرح کچھ کچھ رقبے کے بعد دستے بھیجے جائیں اور کچھ عزت سے بعد انھیں مالیں بلا لیا جائے۔ اس کا مادہ یہ ہو گا

کہ ایک طرف تو اہل شام ہمارے مسلسل حملوں سے طرف ذرا ہوجائیں گے دوسری طرف جب عرب نکلیں گے کہ ہمارے دہستے ہر بار دوسروں کو زندہ بچھا کر لوٹا لیں نصیرت نے کہ واپس آتے ہیں قرآن کے حوصلے بڑھ جائیں گے اور ان میں دوسروں سے مقابلہ کرنے کی جرأت پیدا ہوجائے گی۔ اس کے بعد آپ بہت آسانی سے اہل یمن اور حبشہ و مصر کو اکٹھا کر کے انھیں دوسروں سے مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کر سکتے ہیں۔ یہ آپ کی مرضی ہوگی کہ آپ انھیں ساتھ لے کر خود جہاد پر روانہ ہوجائیں یا اپنی جگہ دوسرے سردار مقرر کر کے بھیجوا دیں۔

جلسہ پر سناٹا مچا گیا۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ابو بکرؓ حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

”جیسے اب آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟“

اس پر عثمانؓ بن عفان کھڑے ہوئے اور کہنے لگے:

”آپ مسلمانوں کے ولی خیر خواہ اور سامعین دیں ہیں۔ اگر آپ نفل کی ہدایت

کے لیے کوئی قطعی رائے قائم کر لی ہے تو خیر خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو آپ اسے نافذ کرنے کا حکم فرمائیں۔ کوئی شخص آپ کی مخالفت نہ کرے گا۔“

اس موقع پر دیگر حاضرین مجلس نے بھی عثمانؓ سے پوری طرح اتفاق کیا اور ابو بکرؓ کو مخاطب کر کے کہنے لگے:

”آپ کی جو بھی رائے ہر اسی پر عمل کیجیے ہم دلوں و جانوں سے آپ کی اطاعت

کریں گے اور جو حکم آپ ہمیں دیں گے اسے ہر سو چشم قبول کریں گے۔“

یہ سن کر ابو بکرؓ اٹھ کر شام کو شکر کشتی کے لیے تیار ہو کرے کا حکم دیتے ہوئے

فرمایا:

”میں تم پر چند امور مقرر کرتا ہوں۔ تم اپنے رب کی اطاعت کرو اور اپنے

امراء کی مخالفت نہ کرو۔ تمہاری خیتیں اور سرزمینیں پاک و صاف رہنی چاہئیں کہ یہ

اللہ انھیں لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو لغوی اختیار کرتے ہیں۔“

لیکن لوگوں پر دوسروں کی اتنی ہیبت طاری تھی کہ خلیفہ کے احکام سن کر ختوڑی دیر کے لیے وہ بالکل خاموش ہو گئے۔ آخر عرض نے اس خاموشی کو توڑا اور گرج کر کہنے لگے:

”اے مسلمان! انھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خلیفہ کی باتوں کا جواب نہیں دیتے۔“

حاکم اس کے عجیب نظر صحت بخاری بھلائی ہے۔

عمرہ کی اس سرزنش نے حاضرین کے دلوں پر فوری اثر کیا اور وہ شام روانہ ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔

### ابوبکرؓ کی مصروفیات اور ذمہ داریاں

شام پر چڑھائی کے معاملے میں ابوبکرؓ کو اس وجہ اہم تھا کہ دوسرے تمام معاملات ان کی فکر میں پہنچتے تھے۔ جبر بن عبد اللہ خالد بن ولید کی فوج میں شامل تھے۔ وہ ان سے اجازت لے کر شام سے مدینہ آئے اور ابوبکرؓ کی خدمت میں بعض مطالبات پیش کیے۔ ابوبکرؓ کو بہت غصہ آیا اور انھوں نے طعنے دیا:

”انھیں معلوم ہے کہ مسلمان اس وقت ایمان اور روم اور شہروں کے محتاج ہیں میں خبردار ہوں لیکن انھیں اس وقت اپنے مطالبات کی پٹی ہے۔ تم فوراً عراق پہنچ کر خالدؓ بن ولید کی فوج میں شامل ہو جاؤ اور اپنے مطالبات کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھو۔“

ابوبکرؓ کا یہ جواب سننے کے بعد جبر بن ولید چلے گئے جہاں اس وقت خالدؓ بن ولید مقیم تھے۔

ابوبکرؓ کو ابتدائے خلافت ہی سے اہم جنگی مسائل سے واسطہ پڑ چکا تھا جن میں روز بروز مسئلہ ہندی نکلتے ہیں کہ خالد بن ولید اس مجلس میں موجود تھے اور ان ہی نے سب سے پہلے جہاد پر جانے کی طاعن بھری تھی۔ لیکن طبریؒ ابن خلدون اور ابن اثیر نے اپنی کتابوں میں وہی روایت درج کی ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ ہم بھی طبریؒ ہی کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ خالدؓ اس وقت میں تبلا میں مقیم تھے اور اس اجتماع میں حاضر نہ تھے۔

اصناف پر تاجدار ہوا تھا اس لیے ان کا زیادہ تر وقت انھیں مسائل کو حل کرنے اور انھیں گتھیں کر سلجھانے میں گزر جاتا تھا۔ کبھی عواقب میں پھیل ہوئی فوجوں کی فکر وہ امن گیر ہوتی تھی کہ انھیں مدد کی ضرورت نہ تھیں کبھی جنگوں میں گئے ہوتے لوگوں کے اہل و عیال کی حالت تو جہ کوئی پریشانی تھی کہ ان کی ضروریات بہت اچھی طرح پوری ہو رہی ہیں اور انھیں تنگالیف کا سامنا تو نہیں کرنا پڑ رہا کبھی شمال اور جنوبی عرب کے قبائلی کا خیال آتا تھا کہ حکومت سے ان کی وفاداری اور افلاک سے ان کے بظاہر غلصہ تعلقات مشکوک تو نہیں۔ کبھی میدان جنگ سے فرطت کی دل خوش کن خبریں اگر مسرت و صحبت کی لہریں قلب کے گوشے گوشے میں پھیل جاتی تھیں اور کبھی بعض سرداروں کی ہمت ہمین کی اطلاعات کو حاصل ہو کر دل و دماغ پر تعلقات کے پردے ڈال دیتی تھیں، بہر حال مسئلہ سمجھنا پڑتا تھا کہ اسے لوگوں سے بیان کیا جائے یا نہ اور اگر بیان کیا جائے تو کس طریقے سے۔ غرض ان کے شب و روز انھیں تعلقات میں گزرتے تھے اور وہ ناخوش تدبیر کے ذریعے سے پیچیدہ گتھوں کو سلجھانے میں مصروف رہتے تھے۔ اگرچہ ان کے مشیر کار بہت تجربہ کار و مخلص اور تمام معاملات پر نگری توڑ رکھنے والے تھے، انھیں ان پر بے حد اعتماد بھی تھا اور اکثر انہیں امور کے بدلے میں وہ ان سے براہ مشورہ کرتے رہتے تھے پھر بھی وہ ان کے مشوروں کے پابند نہ تھے بلکہ تمام معاملات میں آخری فیصلہ خود ہی کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ چونکہ عازر المسلمین کے سامنے حجاب و صورت غلیفہ کی نوات ہے اس لیے ہر معاملے کی فرائد ہی بھی اسی کو اٹھانی چاہیے اور یہ جو کبھی اور فرد یا جماعت کے سر نہ اٹھان چاہیے۔

الہک کہ اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری کا اتنا شدید احساس تھا کہ جب سے سرقرین کی جنگوں نے شدت اختیار کی تھی انھوں نے مدینہ سے باہر نہ جانے کی قسم کھالی تھی۔ ان کے شب و روز دارالافتلائے ہی میں گزرتے تھے اور ہر وقت وہ انھیں افکار میں غلطیوں و پیمائیاں رہتے تھے کہ پیش آمدہ حالات سے عمدہ براہ نمونے کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جائیں، فوجوں کو کس طرح ملک پہنچانی جائے، افلاک ملائے کی بنا پر کس شخص کے ذریعے سے فوج کی جگہ کے مفتوحہ صوبے سے کیا مسلح کیا جائے اور غیر ضروری علاقوں کا انتظام و انصرام کس طرح عمل میں لایا جائے !

مردین کی سرکاری سے فراغت کے بعد جب اسلامی فوجوں نے ایران و روم کی عظیم الشان و

باہر ہوتے مسلمانوں کی طرف تو منجہ مصلحت کی اور عراق و شام کے میدانوں میں معرکے سر ہونے لگے تو ابو بکرؓ کی ذمہ داریوں اور مصروفیتوں میں کمی گنا اضافہ ہو گیا۔ اپنے فرائض کی بجائے ادوی میں انہیں اس درجہ اندھا کہ تھا کہ مملکت کے علاوہ دیگر تمام امور ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے کہ انہوں نے اپنے آپ کو بھی فراموش کر کے اپنے آرام و آسائش اور صحت تک کو اس راہ میں قربان کر دیا۔

ابو بکرؓ کی اختیار کردہ سیاست کا میانی اور مختصر مندی کی ضامن تھی۔ ان کا عندیہاں صلہ انصاف اور رعایا پر رحمت و شفقت کے لحاظ سے اپنی نظیر نہیں دکھاتا وہاں اس ہولناک معرزی کا بھی جواب نہیں جس کا نوز انہوں نے اپنے منہ سے عند خلافت میں پیش کیا۔ انہوں نے انتہائی شجاعت سے سارے عرب کو اسلامی حکومت کا طبع و فہم پر وارد بنا دیا لیکن قبائل کو ان کے جائز حقوق دینے سے کبھی پہلو تھی نہ کہ بلکہ جزا و ادبی رسول اللہؐ نے انہیں رحمت لہذا بھی تھی اسی آزادی کے نظروں نے بھی انہیں بہرہ ور کیے دکھا اور سوا کچھ کئے جو وہ رسول اللہؐ کے زمانے میں ادا کیا کرتے تھے، ان سے اور کسی چیز کی مانگی کا مطالبہ نہ کیا۔ اس ذکاوت کا بھی بیشتر حصہ انہیں قبائل کے فرائض اور ان کے پڑھنے سے ہوتا تھا۔

مصلحت کو خراج اور مال غنیمت کے ذریعے سے جہاد فی ہوتی تھی ابو بکرؓ اس میں سے ایک دہم بھی اپنی ذات پر خرچ کرنا حرام سمجھتے تھے۔ وہ مصلحت کے خزانے سے صوت اپنی رقم ہتے تھے جتنی مسلمانوں نے ان کے یہ گناہ سے کے طور پر متحرک کر رکھی تھی۔ آمدنی کا بیشتر حصہ جنگوں کی تیاری میں خرچ ہوتا تھا اور انصاف و تقوا اور ماحولیت مندلی میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ابتدائی عند خلافت میں بیت المال نسخ میں تھا جہاں ابو بکرؓ قیام پذیر تھے لیکن بعد میں جب کام کی زیادتی کے باعث انہیں اپنا قیام مدینہ میں منتقل کرنا پڑا تو بیت المال کو بھی اپنے ساتھ مدینہ لے آئے جب ابراہیمؓ چھائی مقدادؓ میں مال غنیمت اپنا شروع ہوا تو ان سے عرض کیا گیا کہ بیت المال کی نگہبانی اور حفاظت کے لیے کسی شخص کو مقرر کر دیں لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ بیت المال ان کے پاس آتا تھا وہ اسے اسی وقت لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور بیت المال میں آتا ہی نہ تھا کہ اس کی حفاظت کے لیے نگہبان کی ضرورت پڑتی۔ ایک مرتبہ ان کے عند خلافت میں مدینہ کے قریب قبیلہ بنو سلیم

میں سونے کی ایک کان دریافت ہوئی۔ برتا بڑی قیمتی دھات ہے لیکن انھوں نے حسب معمول کان سے حاصل ہونے والا سونا بھی مسلمانوں میں تقسیم کر دیا اور کچھ بچا کر نہ رکھا۔

تقسیم امراں میں وہ مساجد کا اصول ٹھونڈ رکھتے تھے اور ابتدائی دور کے مسلمانوں اور بعد میں اسلام قبول کرنے والوں آزاد لوگوں اور غلاموں مردوں اور عورتوں میں کسی قسم کا فرق روا نہ رکھتے تھے بعض لوگوں نے ان سے کہا بھی کہ وہ لوگوں کے وظائف ان کے مرتبے کے مطابق کیوں نظر نہیں کرتے لیکن انھوں نے یہ حجاب دے کر انھیں خاموش کر دیا کہ جو لوگ ابتدا میں اسلام لائے وہ اپنا اجر آخرت میں اللہ سے پائیں گے دنیا میں انھیں یہی کچھ ملے گا جو دوسرے مسلمانوں کو ملے گا۔ عدل و انصاف اور مساوات کے اس سلوک نے تمام لوگوں کو ابھار دیا اور دیکھ دیا تھا کہ ہر شخص کے دل میں ان کی تعظیم و تکریم کے جذبات جنائے تھے۔

عمر بن خطاب دل فریب اور سب سے زیادہ قابل اعتماد مشیر تھے عثمان بن عفان علی علیہ السلام اور زبیر وغیرہم کا بھی اپنی اپنی جگہ ان سے خصوصی حلق تھا۔ ان لوگوں سے مشورہ یہ لینا کہ کوئی کام نہ کئے تھے لیکن اس قدر احتیاط کے باوجود ان کے مشوروں کو قبول کرنا ان کے لیے لازم نہ تھا۔ اپنے آپ کو بچانے کی خاطر مشورے کے بھانسنے وہ کسی کام کی ذمہ داری دوسروں پر نہ ڈالتے تھے بلکہ ہر کام کی ذمہ داری خود اٹھاتے تھے اس کی متعدد مثالیں ان کے قصص میں نظر آتی ہیں۔ چنانچہ حبشہ کے لشکر کو روانہ کرنے کا مسئلہ وہ پیش تھا تو ان کے تمام مشیروں کی رائے تھی کہ یہ وقت اس کام کے لیے عوزوں نہیں کیونکہ مدینہ کے چاروں طرف مرتدین کا فساد ہے اور اس امر کے لشکر کی روانگی کے وقت مدینہ میں اڑنے والوں کی تعداد بے حد کم رہ جائے گی لیکن ابو بکرؓ نے تمام لوگوں کے مشوروں کو رد کرتے ہوئے اس امر کو رد کر دیا کہ ہمارے کام کو دین کے تقاضوں سے اس طرح مقابلہ کیا کہ ان کے تمام مشیروں کی فرمائشیں منادی اور کمالی دو سالہ شیخ کا استعفاء کرنا پڑا۔ بعد ازاں جب مالک بن نویرہ کا قادیان میں آیا تو عمرؓ نے پرانا دروازہ لگا کر ابو بکرؓ کو بلایا لیکن ولید کو منوبل کر دیں اور ایک مسلمان کو قتل کرنے کے جرم میں انھیں سزا دیں لیکن ابو بکرؓ نے ہر حال ان کی درخواست کو رد کر دیا اور بعد میں دینا نے دیکھ دیا کہ ابو بکرؓ کی رائے کتنی مناسب اور دور اندیشی پر مبنی تھی۔

کام کا جوہر ان پر چھٹا چل گیا تھا ان کی طبیعت میں آسانی انکسار و فروغی اور سادگی کی حاکم

حقی جنب تک آپس میں رہے اسلام کے لیے بھی کچھ رکت نکال دیا کرتے تھے بلکہ ماہ صبح کے وقت گھوڑے پر سوار ہو کر سب سے مدینہ کیا کرتے تھے اور قنار پڑھا کر امور سلطنت میں مصروف ہو جاتے تھے لیکن کبھی کبھی اسلام بھی کرتے تھے اسلام کی بگڑی عورت ناز پڑھاتے تھے جسے کے روز وہ دہتر تک گر ہی میں رہتے تھے اور روز دوا بھی کو خطاب لگاتے تھے اس کے بعد مدینہ آکر جیسے کی قنار پڑھاتے تھے لیکن کام ٹھیک جانے کے باعث جب انھیں سب کا قیام ترک کر کے مدینہ میں رہنا پڑا تو انھوں نے اسلام کا سارا وقت مسلمانوں کی خاطر قربان کر دیا اور طویل سلطنت کے امور کی دیکھ بھال میں مشغول کرنے لگے لیکن کام کی انتہائی کمزرت کے باوجود انھوں نے اپنے لیے کبھی کوئی خادم معزز نہ کیا بلکہ کاشتیر حیدرہ و جہد میں شریعت فرما دیتے اور لوگوں کی شکایات سنتے جہاد کے متعلق مختلف ہدایات بھیجتے اور لوگوں کو مشورے دیتے رہتے تھے جب ضروری ہوتا تھا فتاویٰ سے مشورے دیتے بھی تھے سلطنت کے تمام چھوٹے بڑے معاملات سبھی میں اُن کے سامنے پیش کیے جاتے تھے اور وہیں بیٹھے بیٹھے ان کے متعلق احکام صادر فرما دیتے تھے۔

غریبوں اور یتیموں پر بے سودھراں تھے سرریں میں حل خریدتے اور انھیں مٹا جو میں تقسیم کر دیتے۔ لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر فقراء اور حاجت مندوں کی حاجت دوائی کرتے تھے بھڑکھٹا کر ڈاکر کرتے ہیں کہ مدینہ میں ایک بوڑھی اندھی عورت رہتی تھی میں روزانہ صبح اس کی خبر گیری کے لیے جایا کرتا تھا لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہتی جب وہاں جا کر مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی شخص پہلے ہی آکر اس بوڑھی کا سارا کام کاج کر گیا ہے آخر ایک روز میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اس شخص کا پتا لگا کر ہی رہوں گا۔ اسی رات باقی رات میں کو میں بوڑھی کے قریب چھپ کر بیٹھ رہا اور اس شخص کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ تقریباً دو پہر ہو گیا دیکھا جو کہ ابو کوڑ پھٹے آ رہے ہیں انھیں دیکھتے ہی میں نے دل میں کہا ابو کوڑ ایتنا ہیہ کام تمہارے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ انھوں نے آکر اس اندھی عورت کا کاج کیا اور واپس چلے گئے۔

یہ بیان کر کے حضرت میں کہ ابو کوڑ کی ذات ان کے تمام اعمال کے لیے نودینی عرب کی آفتش نشان سرزمین میں ہمیں بطور جنات اودا نندلو کے خطے بطور کہ رہے تھے یا اس دلوں کے لیے ان کی ذات اس مشکل کی مانند تھی جہاں میری ذات اور تک و تا ایک مکان میں ضیاء روز ہوا

تاہم کئی گروہوں میں تبدیلی کر رہی ہو۔ مسلمان عرب ان کے عدل و انصاف، رحمت و شفقت، عظمت اور حسن سیاست سے بہرہ اندوز ہو رہا تھا اور یہی خصوصیات ان کی کامیابی کا اصل باعث تھیں۔

## جہاد اور نصیحت

ابوبکرؓ کو کامل یقین تھا کہ اللہ انہیں ہر میدان میں کلم یا پی عطا فرمائے گا۔ اللہ نے اپنے رسول سے دین کی مدد کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ عہدہ زمین و آسمان مل جاتے لیکن خدایا باتوں کا ملنا نابالغ تھا۔ چنانچہ اس کے وعدے پر سے ہوتے مرتدین کی جنگوں میں مسلمانوں کو شاندار کامیابیاں نصیب ہوئیں۔ عراق کے میدان ہائے جنگ میں فتح و نصرت ان کے قدم چوم رہی تھی اور مسلمان ہر دم تائید از دوی سے بہرہ یاب ہو رہے تھے۔ کوئی جنگ ایسی نہ ہوتی تھی جس میں کثیر مال نصیحت ہاتھ نہ آتا ہو۔ دربار خلافت میں مالی نصیحت کا سوت پانچواں حصہ جاتا تھا باقی میدان جنگ ہی میں لشکر کے درمیان تقسیم ہوتا تھا اور ہر سپاہی کے جھتے میں خیرادوں و بھماتے تھے جنگوں میں پیچھے رہنے والے لوگ جب یہ دیکھتے تھے قرانی کے دلال میں بھی بلا ٹیروں میں شرکت کرنے کا شوق پیدا ہو جاتا تھا اور جو نئی حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے جہاد میں شرکت کا اعلان ہوتا فوراً ہی تہائل عرب و عجمان دارائے گزیرہ کران کی دعوت پر لبیک کہتے تھے۔

لیکن اس کا یہ طلب بزرگ نہیں کہ صرف مالی نصیحت کا لالچ عواموں کو کشش کشاں میدان ہائے جہاد کی طرف سے جاتا تھا بلکہ جنگوں میں شامل ہونے کا بڑا سبب وہ جذبہ شہادت تھا جو ہر مسلمان کے دل میں موج زن رہتا تھا۔ کون شخص اس بات سے بے خبر تھا کہ عہدین دوران کے دشمن کی قوت و طاقت اور تعداد میں کوئی نسبت ہی نہ تھی۔ دشمن ہمیشہ بہترین جنگی تاریلوں اور جہاز ہتھیاروں کے ساتھ مسلمانوں کے مقابل میدان جنگ میں آیا اور اپنی شان و شوکت کا مظاہرہ کرنے میں کسی قسم کی کوئی گسراشا دیکھی۔ ان حالات میں شریک جنگ ہونا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا لیکن نہ مراد بے غرت عہادین نے اللہ کے راستے میں کسی بھی خطرے کی پروا نہ کی اور ہمیشہ دشمن کی صفوں میں دھاند گھستے چلتے گئے جسور شہادت کا یہی جذبہ دیکھ کر خالد بن ولیدؓ ایرانی سربراہوں کو یہ پیغام بھجوا دیا کرتے تھے کہ میں تمہارے پاس ایک ایسی قوم کو لارہا ہوں جو موت کی تہی ہی

ماشوق ہے جتنے تم زندگی کے ۔

یہ قانون تقدیر ہے کہ ہر قوم ہوتے سے بے عزت ہوتی ہے اقوام عالم میں اسی گورنر ہونے کا مستحق سمجھا جاتا ہے اور ہر لوگ اپنی خواہشات اللہ کی ماہ میں قہراً کر دیتے ہیں قہر کی مٹرائی کا تاج انھیں کے سر پر رکھا جاتا ہے مسلمانوں نے اپنے لیے موت پسند کی جس پر انھیں ہمیشہ کے لیے زندگی عطا کی گئی۔ انھوں نے اللہ کی راہ میں ہر قسم کی تکالیف اور مصائب برداشت کیے اور اس لیے انھیں دونوں جہان کی عزت سے سرفراز کیا گیا۔

پھر بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مالی نعمت کا شوق بھی کسی حد تک انھیں میدان جنگ میں لے جانے کا باعث بنا۔ عرب قبائل کی نظر میں یہ بات داخل تھی کہ وہ نعمت کو دیکھ کر کسی طرح سبوتا کر سکتے تھے۔ اگرچہ اسلام نے اگر اس نفسانی جذبے کو بڑی حد تک شکوہ کیا تھا اور نعمت کے لالچ میں دشمن سے جنگ کر کے کسی بھائے اللہ کے دین کی خاطر جہاد میں شرکت کرنے کی تمنا ان کے دلوں میں پیدا کر دی تھی لیکن قدرتی جذبے کو کبیر شہنا آسمان نہ تھا کسی نہ کسی حد تک یہ جذبہ ان کے دلوں میں موجود تھا چنانچہ خود غنائین وید نے انھیں کی جگہ کے انتقام پر کہا تھا کہ عراق میں مال و دولت کی فراوانی اور مالی نعمت کی شہرت یہودیوں کے خواب و خیال میں بھی ڈال سکتی تھی، آتش جنگ بھڑکا دینے کے لیے یقیناً کافی تھی۔

مرتد قبائل انھیں اسناد کی سزا میں عراق کی جنگوں میں شرکت سے بہ زور منع کر دیا گیا تھا، اپنے بھائیوں کے گھروں میں دولت کی ریل پل دیکھ کر کچھ کاچنے کیے پھر پچھا رہے تھے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ ہر لوگ اسلام پر ثابت قدم رہے تھے وہ ذمہ داری کام طالبی و کام دانی سے ہم کد ملکہ مال و دولت سے بھی بہرہ ور ہو رہے تھے مگر مرتدین کے جتنے میں حسرت و مایوسی کے سوا کچھ نہ تھا۔

## روانگی شام

بائی ہر جب ابھر کر پڑنے لگوں کو شام جانے کی دعوت دی قرابتاً ہیں دو میوں کی غنیمت ان سلطنت اور اس کی دہر دست جنگی طاقت دیکھ کر مسلمانوں کو ان کے مقابلے میں جانے کی جرأت دہرائی لیکن ابھر پڑا نہ تھے کہ وہ میوں کی حیثیت کا یہ اثر عارضی ہے اور جتنی انھیں محالیت کی نزاکت کا احساس

ہر گاہ و ہر حق و درجہ و مقام پر جانے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ چنانچہ یہی ہذا اور کچھ دیر کی خاموشی کے بعد لوگوں نے کیے بعد دیگرے اپنے آپ کو شام جلسے کیلئے پیش کرنا شروع کر دیا۔

اہلِ مدینہ کی طرف سے مسلمانوں کے بعد اب کفر کرنے والی نہیں کو بھی اس غرض کے لیے تیار کرنا چاہا اور انھیں یہ خط لکھا،

”اشر نے مومنوں پر جہاد فرض کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ تنگی ہو خواہ فراخی ملنا  
جنگ کی کسی سویا افراط انھیں ہر حال میں دشمنوں سے مقابلے کے لیے تیار رہنا  
چاہئے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے: وجہا ہذا و با مو الکم و انفسکم فہا سبیل اللہ  
(۱) مومنو! اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ذریعے سے، اللہ کے راستے میں  
جہاد کرو۔ جہاد ایک لازم فریضہ ہے اور اس کا ثواب بھی اس قدر عظیم ہے جس  
کا اندازہ ناممکن ہے۔ تمہارے ان بھائیوں کو جو میرے سامنے موجود تھے، میں  
نے جہاد کے لیے شام جاتے پر آمادہ کیا، چنانچہ وہ میری آمادہ پر ہلک کر کڑوں  
نیت سے شام روانہ ہو رہے ہیں۔ اسے اللہ کے بندو! اب تمہاری باری ہے۔  
تم بھی میری آمادہ پر ہلک کر اور جو فریضہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عاید  
کیا گیا ہے اس کی بجا آوری میں ڈھونڈو کہ حصہ لو۔“

اہلِ مین پر اس خط کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ جو خلیہ ابوبکر کے قاصد نے اسے جمع عام میں لے کر  
سنایا اور انکار حمیری اپنی قوم اور مین کے بعض اور قبائل کو ہزاروں کے شام جانے کے ارادے  
سے مدینہ روانہ ہو گئے۔ انکار کی پیروی میں قبیلہ نج سے قیس بن مسیر راویؓ اور اسے جہاد  
بن عمرو السدوسی اور علی سے حامی بن سعد طائی نے اپنے اپنے ساتھیوں اور قبیلوں کے ہزاروں  
کی راہ لی۔

اس دوران میں جب ابوبکرؓ کا قاصد مین میں قبیلہ در قبیلہ جا کر ان کا پیام درگوں تک پہنچا  
میں مشغول تھا اور اہلِ مین کو یہاں کی تیاریوں میں مصروف تھے ابو بکر صاحبزادہؓ انصار اہلِ مکہ اور  
دوسرے قریبی قبائل کو اکٹھا کر کے شام بھیجنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

ابو بکرؓ نے ان لوگوں کو کس وقت بھیجنا شروع کیا؟ شام کی طرف کب کب روانہ ہوئے؟

پہلا لشکر کرنی سا تھا؛ جو لشکر مدینہ آکر اکٹھے ہوئے تھے ان کے امیر کوئی تھے؟ ان امور کے متعلق  
موضوع میں خاصا اختلاف ہے۔

اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شام کی جانب سب سے پہلا لشکر مسلمانوں کے ہوا  
میں ابو بکر کے حج سے واپس آنے کے بعد روانہ ہوا تھا بعض روایات میں یہ ذکر ہے کہ ابو بکر  
نے مسلمانوں کے اہل میں جب خالد بن ولید کو عراق روانہ فرمایا تو انہی کے ساتھ خالد بن سید  
بن عامر کو شام جانے کا حکم دیا۔ لیکن ہمارے خیال میں اصل واقعات اس طرح ہیں کہ خالد بن  
ولید نے ابتدا میں جب اہل یمن، کندہ اور حضرموت میں مرتدین سے جنگیں جاری تھیں عراق کو  
اسلامی افواج کی قیادت سنبھالی تھی خالد بن سید کو بھی اسی زمانے میں شام بھیجا گیا تھا لیکن یمن  
کے بھیجنے کی اصل غرض بعض سرحدوں کی حفاظت تھی نہ کہ درمیانوں سے جنگ چھیڑنا۔ ابو بکر کو شام  
پر چڑھائی کرنے کا خیال یمن اور عرب کے دوسرے علاقوں میں مرتدین کے کابل استیصال عراق میں  
جیرہ کی فتح اور شام کے سرحدی مشرورہ العینہ کی تسخیر کے بعد آیا۔

ہماری اس رائے کی تائید اس واقعے سے بھی ہوتی ہے کہ جب شام پر چڑھائی کرنے  
کا سوال پیدا ہوا تو ابو بکر نے سب سے پہلے اہل یمن کو روانہ کرنے کے لیے آمادہ کیا اور اس وقت  
تک نہ ہو سکتا تھا جب تک وہاں سے فتنہ ارتداد کا بالکل کلیق قیام نہ کر دیا جائے۔ اور بھی قابل غور ہے  
کہ مکہ اور مدینہ و انطاکیہ میں امن و امان قائم کرنے کے بعد وہیں متعین نہیں رہے بلکہ مساجر کرتے  
رہے کہ کندہ اور حضرموت میں فتنہ ارتداد کو فرو کرنے کے لیے روانہ ہو گئے تھے جب جنوبی عرب میں  
کلینہ امن قائم ہو گیا اور مدینہ کو محروس کی واپسی کا وقت آیا تو انھوں نے اپنے اس لشکر کو چھوڑ کر  
جس کے ذریعے مسلمانوں نے مرتدین کے ساتھ جنگوں میں حصہ لیا تھا ایک اور لشکر کی قیادت  
سنبھال لی جسے جہلی نے مرتب کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یمن اور جنوبی عرب کی فسادوں کو دبانے میں  
سے مدینہ کو ہٹانے اور وہاں سے شام روانہ ہونے کے لیے ایک ایسا عرصہ درکار ہے۔ اکیلا  
سے مدینہ تک کا راستہ اونٹوں پر دس دن سے کم میں طے نہیں ہوتا اور مدینہ سے شام کا فاصلہ  
ایک مہینے کی مسافت کے کسی طرح کم نہیں۔

مذکورہ بالا معاملے کی طرح اس امر میں بھی موضوع میں اختلاف ہے کہ شام پر چڑھائی کا

پیدا ہونے کے بعد ابو بکرؓ نے سب سے پہلے کس شخص کو امیر بنا کر وہاں بھیجا، بعض روایات میں مذکور ہے کہ یہ سعادت سب سے پہلے خالد بن سعیدؓ بن عامرؓ کی جھپٹے میں آئی، ہم قبل ازیں یہ روایت بھی بیان کر چکے ہیں کہ مدتیں سے جنگیں شروع ہوتے ہیں انھیں شام کی سرحد پر تیار بھیج دیا گیا تھا تاکہ وہی مسلمانوں کی نصیبت (مقتل) سے فائدہ اٹھا کر عرب پر حملہ کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ان دونوں روایتوں کے برعکس ایک روایت یہ بھی آتی ہے کہ خالد بن سعیدؓ رسول اللہؐ کی طرف سے یمن کے حاکم تھے اور آپؐ کی وفات سے ایک مہینہ بعد مدینہ پہنچے تھے مدینہ پہنچ کر وہ علیؓ اور عثمانؓ سے ملے اور کہنے لگے:

”میں نے جو عہد منات، اہم نے بھی خونی خلافت کی باگ ڈور دوسرے لوگوں سپرد کر دی حالانکہ اس پر تھا راحتِ خالق تھا؟“

بعد میں جب ابو بکرؓ نے شام کی طرف اسلامی لشکر بھیجنا چاہا اور خالدؓ بن سعیدؓ کو اس کا سپہ سالار مقرر کیا تو حضرتؓ ان سے عرض کیا کہ آپؓ ایسے آدمی کو سالار لشکر بنا کر بھیج رہے ہیں جو قبل ازیں فساد انگیز باتیں کر چکا ہے۔

اس معاملے میں حضرتؓ کا اصرار اس حد تک بڑھا کہ آخر حضرتؓ ابو بکرؓ نے خالدؓ بن سعیدؓ کو شام کی جگہ یزید بن ابی سفیانؓ کو شامی لشکر والی کامپ سالار مقرر کر دیا۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرتؓ نے حضرتؓ ابو بکرؓ سے کہا تھا خالدؓ بن سعیدؓ بخود غلط اور شکبر انسان ہے اس لیے اُسے ایسی مہم پر بھیجنا مناسب نہ ہو گا جہاں ہر قدم پر انتہائی حزم و احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس قسم کی باتیں بھی آتی ہیں کہ خالدؓ بن سعیدؓ کبھی امیر بنا کر بھیجا ہی نہیں گیا، وہ ابو عبیدہؓ بن جراحؓ کے لشکر میں شامل تھے۔

ان تمام روایات کے برعکس عمارؓ اور خیال وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یعنی خالدؓ بن سعیدؓ کو شام کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے تیار بھیجا گیا تھا اور وہ اپنے دستے کے ہمراہ وہیں مقیم رہے۔ جب ابو بکرؓ نے جہاد شام کے لیے عام تحریک فرمائی تو وہ مدینہ میں موجود تھے یہ تحریک انھوں نے خالدؓ بن سعیدؓ ہی کی طرف سے یہ رپورٹ موصول ہونے پر کی تھی کہ وہی فوجوں میں نقص و حرکت کے آثار پیدا ہو رہے ہیں اور اگر وہ اپنی خلافت سے ان کی مدد کے لیے نہیں آئے

ذکی لکھیں تو خطرہ ہے کہ مبادا رومی ان کے دستے پر حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیں۔

رومی بھی جنگی تیاریوں اور فوجی نقل و حرکت میں حق بجانب تھے۔ کیونکہ انھیں پہم پر خیر باد پہنچ رہی تھیں کہ عراق میں مسلمان فوجیات پر فتوحات حاصل کر رہے ہیں اور عرب میں مسلمانوں کے خلاف مروجین نے جو مہمیں کھڑے کیے تھے ان سب کا قلع قمع کر دیا گیا ہے۔ ان کے دلوں میں اب تک غزوۂ تبرک کی یاد باقی تھی۔ جب رسول اللہؐ کثیر صوابہ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہؐ تک پہنچ گئے تھے اور رومی سرحدوں پر بسنے والے قبائل سے مساجد اہل صلح کر کے مدینہ واپس چلے گئے تھے۔ اب آپؐ کے متبعین دوبارہ رومی سرحدات تک پہنچ کر اسے مورد کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے مدنی سلطنت نے خدایوں میں سے دعا کی کہ سرحد پر بسنے والے سرحد قبائل کو چارنگ لگی سرحد پر ایک نہایت روک بن کر کھڑے برجائیں اور مسلمانوں کو کسی طرح بھی شامی سرحد میں قدم رکھنے کی اجازت نہ دیں۔ چنانچہ ان قبائل نے کثیر فوج فراہم کر کے اسے سرحد پر جمع کر دیا۔

اب رومیوں اور مسلمانوں کی فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل کھیل کانٹے سے لیس تیار کھڑی تھیں۔ مسلمانوں کی فوج سرحد کے اسی طرف عرب کی حدود میں تھی اور خسانوں کی فوج سرحد کے اسی پار شام کی حدود میں۔ دونوں فوجیں منتظر تھیں کہ کب غم بٹے اور دوسرے فریق پر دھاوا بول دیں۔

اسی دوران میں غلام بن ولید کی پے در پے فتوحات کی خبریں موصول ہو کر رومیوں کے لیے مزید پریشانی اور سسکی کا باعث بن گئیں۔ آج اہل انہار نے ماجزہ اگر شرک کے دروازے اسلامی لشکر کے لیے کھول دیے۔ آج مین التبرج مسلمانوں کا تسلط ہو گیا۔ آج نلال شمر کی فوج نے مسلمانوں کے مقابلے میں شکست کھائی اور آج نلال فوج نے تاپ مقدومت نہ لاکر ماؤہ مسترا اختیار کی۔

رومیوں کو یقین تھا کہ تیار پر تعمیر اسلامی فوج بھی چین سے بیٹھنے والی نہیں وہ بھی اپنے بھائیوں کی تشدد میں شامی سرحد پر دست دلا دی کہ جسے کبھی صورت ہادد رہے گی۔ چنانچہ غزول نے ایک نئے جوڑ اور دوسرے سے مسلمانوں کے مقابلے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

یہ دیکھ کر خالد بن ولید نے دوبارہ ابوبکرؓ کو خط لکھا جس میں روٹیوں کے جوش و خروش اور  
 بہڑ، کھب، تنوع، الحُم، جذام اور خُسان کے قبائل کی جنگی تیاریوں کی اطلاع دیتے ہوئے شامی  
 سرحد کے اندر پیش قدمی کی اجازت طلب کی۔ ابوبکرؓ اس وقت شام بھیجنے کے لیے فوجوں کی  
 فراہمی میں مصروف تھے۔ انھوں نے خالدؓ کو جواباً لکھا:

”تمھاری درخواست پر تمہیں پیش قدمی کی اجازت دی جاتی ہے لیکن حملہ کر  
 میں کبھی پہلے نہ کرنا اور ہمیشہ اللہ سے مدد مانگتے رہنا۔  
 شامی فوجوں کے سلسلے میں یہ پہلے کھاتے تھے جو ابوبکرؓ کے قلم سے نکلے۔

## (۱۴) فتح شام

### اسلامی فوجوں کی پیش قدمی

خاندان بن سعید اپنے مختصر سے دستے اور بدوی قبائل کے سردارہ شام کی سرحد پر نمایاں مقیم تھے۔ ان کے مقابلے کے لیے سرحدی قبائل پر مشتمل رومیوں کا حکیم الشان لشکر سرحد کے دوسری طرف تیار کر رکھا تھا لیکن اپنے سے کئی گنا فوج کو دیکھ کر مسلمانوں کے جو خطرے سمجھتے ہوئے ان کے پیارے اور زیادہ بڑھ گئے اور ان کے عزم و ارادہ میں پھلے سے زیادہ بڑھ گئی۔ کئی عجب خاندان بن سعید کو ابو بکر کی یہ ہدایات و حوصلہ برائیں تو انھوں نے فوراً اپنی فوج کو تیار ہونے کا حکم دے دیا اور اسے لے کر شامی حدود میں داخل ہو گئے۔ رومیوں اور ان کے مددگاروں نے جرمی اسلامی لشکر کو اپنی طرف اُتے دیکھا تو احساسِ باختر ہو کر جھاگ کھڑے ہوئے۔ خاندان بن سعید لشکر کا وہ میں داخل ہوئے اور رومیوں کا چھوڑا ہوا سامان بچے میں کر لیا۔ اس کے بعد ابو بکرؓ کی خدمت میں اس پہلی فتح کی اطلاع بھیجی۔ وہاں سے جواب آیا: ”اگے بڑھتے چلے جاؤ لیکن جیت تک تمھارے پاس مزید فوجیں نہ پہنچ جائیں۔“

پھر ابو بکرؓ دشمن پر حملہ کرنے سے پرہیز کر رہے۔

چنانچہ خاندان بن سعید آگے بڑھتے چلے گئے۔ بحرِ مدیہ کے مشرقی ساحل کے تہذیب مقام قسطل پر انھیں ایک اور بدوی لشکر کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے اس سے بھی شکست دی اور یہ پیش قدمی جاری رکھی۔ یہ دیکھ کر رومیوں اور اہل شام کو ہیبت پیش آیا۔ ان کی کوشش حیات بیکر کی اٹھنی اور انھوں نے چلے گئے بھی زیادہ زور سے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔

جب خاندان بن سعید نے ان کی یہ جنگی تیاریاں دیکھیں تو انھوں نے ابو بکرؓ کی خدمت میں جلد از جلد کمک و مدد کرنے کی درخواست کی تاکہ وہ کام باقی سے سفر جاری رکھ سکیں۔ اس دوران میں مدینہ

سے فرمیں: روانہ ہو چکی تھیں۔ ابو بکرؓ کو ان کی کامیابی کا پورا یقین تھا اور خدائی امداد پر کامل بھروسہ۔ جو یہ یقینی کہ رومی ایرانیوں سے کسی طرح بھی بہتر نہ تھے جب سے انھوں نے ایران غزول پر غلبہ حاصل کیا تھا انھیں میث و آرام کے سوا کوئی کام ہی نہ رہا تھا۔ مسعودوں کی حفاظت کا سارا کام انھوں نے خود ہی قبائل پر چھوڑ رکھا تھا یہ قبائل اگرچہ شہنشاہت دہاوردی میں تو کسی سے پیٹے نہ تھے لیکن جنس اور زبان کے لحاظ سے جو قلعن انھیں اہل عرب سے تھا وہ رومیوں سے نہ تھا۔ شامی عرب اگرچہ عیسائی مذہب کے پیرو تھے پھر بھی ہر قتل کی عیسائیت اور ان کی عیسائیت میں بڑا فرق تھا۔ شامی عرب ارثوڈوکسی (آرٹھوڈوکس) عقیدے کے پیرو تھے اور قیصر کا ٹوکسی (کیتھولک) فرقے کا متبع۔

جب شامیوں نے دیکھا کہ قیصر کلم بھلا مسلمانوں کے مقابلے میں آنے سے سچی چار رہا ہے تو وہ کچھ گئے کہ قیصر کا اپنے اہل دین کی تباہی و بربادی کا خوف ہے اس لیے وہ انھیں مسلمانوں کے مقابلے میں لانے کے بجائے کہیں قربانی کا بکرا بنانا چاہتا ہے۔ اس پر شامی عیسائیوں کے جو حصے بھی پست ہو گئے اور اس خیال سے کہ وہ خزا و خزاہ رومیوں کی سلطنت کے بگاڑ کی خاطر اپنی جانیں کیوں قربانی کریں انھوں نے لڑائی سے دست کشی اختیار کر لی اور خالد بن مسید کی جیشِ ہمدانی کے لیے راستہ صاف کر دیا۔

## اسلامی لشکروں کی روانگی

موضعین میں دس کے متعلق اختلافات ہے کاسب سے پہلے کوئی سالنگر خالد بن مسید کی مدد کے لیے روانہ ہوا تھا؛ طبری ابن اثیر اور ابن خلکان نے اس سلسلے میں جو روایات بیان کی ہیں وہ ان روایات سے مختلف ہیں جو ہاتھی اندوزی اور بلاذری نے لکھی ہیں۔ ذیل میں سب سے پہلے نجم طبری اور اس کے ذکر کردہ ہالما تھیل کی روایات کا تذکرہ کرتے ہیں اور بعد میں ہاتھی اندوزی اور بلاذری کی روایتیں درج کریں گے۔

مکرہ بن ابی جہل کندہ اور جعفر زہد کی بنا و قول کو فروک کہے میں اور مکرہ کے راستے میں پہنچے اس وقت ابو بکرؓ نے انھیں خالد بن مسید کی مدد کے لیے جانے کا حکم دیا۔ مکرہ اپنا وہ مکر چھوڑ

چکے تھے جس کے ساتھ انھوں نے جنہی ملا توں میں مرتدین سے جنگیں کی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایک اور لشکر تیار کیا اور حکمر کو اس کی قیادت سپرد کر کے شام کی طرف روانہ کر دیا۔ اسی وجہ سے اس لشکر کا نام حبشہ بدالی پڑ گیا۔ حکمر کے ساتھ ہی انھوں نے ذوالکلاع حبیری کو اس لشکر کا سردار بنا کر چالان کے ساتھ میں سے آیا تھا، شام روانہ ہونے کا حکم دیا تاکہ خالد بن سیدہ کو اطمینان دے اور وہ حبشہ قدیمی جاری رکھ سکیں۔

اسی زمانے میں عمرو بن عاص مرتدین سے فراغت پا کر قضاہ میں مقیم تھے۔ ابوبکرؓ کی خواہش تھی کہ وہ بھی شام جا کر خالد بن سیدہ کے مدد و معاون ثابت ہوں لیکن ان کے کارناموں کی وجہ سے جو انھوں نے فتنہ ارتداد فرو کرنے کے سلسلے میں انجام دیے تھے، ابوبکرؓ نے انھیں اختیار و پاک خواہ و وقفاہہ ہی میں مقیم رہیں، خواہ شام جا کر وہاں کے مسلمانوں کی تقویت کا باعث بنیں۔ ابوبکرؓ نے انھیں لکھا:

”اے ابوجہاد! میں تمھارے سچا دوست ہوں، تمھارا کام کرنا چاہتا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کے اعتبار سے تمھارے لیے بہتر ہے لیکن تمھاری خوشی مجھے ہر حال منظور ہے۔“

عمرو بن عاص نے جواب میں لکھا:

”میں اسلام کے پیروں میں سے ایک تیر ہوں اور اللہ کے بعد آپ اس کے تیر انداز۔ جس طرف آپ کو کوئی خطر و فتنہ لگے آپ بلا تامل اس تیر کو چلائیے جو بہت سنت اور جگر پھینکی کر سننے والا ہے۔“

ابوبکرؓ نے ولید بن عقبہ کو بھی اسی مضمون کا خط لکھا تھا۔ انھوں نے بھی جواب میں عمرو بن عاص کی طرح اخلاص و محبت اور ایثار کا اظہار کیا، چنانچہ ابوبکرؓ نے عمرو بن عاص کو فلسطین اور دیکو ارضی کا حاکم مقرر کر کے شام روانہ ہونے کا حکم دیا۔

تقبیل حکم میں دونوں صاحب شام روانہ ہو گئے۔ سب سے پہلے ولید بن عقبہ خالد بن سیدہ کے پاس پہنچے اور انھیں بتایا کہ اہل مدینہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے بے تاب ہیں اور ابوبکرؓ فرمیں: ”مجھے گاہ بند و بست کہہ دیجئے ہیں، یہ سن کر خالدؓ کی غرض کی انتہا درہی اور انھوں نے اس خیال سے

کو رو میوں پر فتح یابی کا فخر انہی کے جھنڈے میں آئے، ولید بن عقبہ کو ساتھ لے کر رو میوں کی غلامی کا  
 طوط پر حملہ کرنا چاہا جس کی قیادت ان کا سپہ سالار معکم باذان کر رہا تھا۔ انھوں نے سوجھا تھا کہ  
 جس طرح خالد بن ولید نے شعی بھر فوج کے ہزار ہزار کو شکست دے کر حواص میں اپنا سکتہ بٹھایا  
 تھا اسی طرح وہ بھی باذان کو شکست دے کر رو میوں پر اپنا رعب قائم کر سکیں گے۔

باذان کو جب خالد بن سعید کے ارادے کا پتا چلا تو اس نے لشکر لے کر دمشق کا رخ  
 کیا۔ خالد اس کے پیچھے پیچھے دواد ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ ما قوصہ اور دمشق کے درمیان  
 مقام مرج الصفر میں ٹپاؤ ڈال کر دمشق کا مقابلہ کریں گے۔ باذان کا پیچھے ہٹنا اصل میں  
 ایک جالی تھی اور وہ مسلمانوں کو گھیرے میں لے کر پشت سے اُن پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ اسی خطرے  
 سے بوجھنے نے بار بار انھیں خبردار کیا تھا لیکن کام یابی کے نشے اور غرور مہابت کی محبت نے  
 خالد بن سعید کے دل سے یہ بات قطعاً فراموش کر دی کہ وہ اپنی پشت کی حفاظت کا بندوبست  
 کیے بغیر آگے نہ بڑھیں جب وہ مرج الصفر کے قریب پہنچے تو باذان لشکر لے کر بٹا اور مسلمانوں  
 کا حاصرہ کر کے ان کی پشت کا راستہ کاٹ دیا۔ اتفاق سے اسلامی فوج کا ایک دستہ باقی لشکر  
 سے علاحدہ ہو گیا تھا۔ اس دستے میں خالد کا لڑاکا سعید بھی تھا۔

باذان نے سب سے پہلے اس دستے پر حملہ کیا اور تمام لوگوں کوڑا  
 جن میں سعید بن خالد بھی شامل تھا، قتل کر دیا۔ جب خالد بن سعید کو اپنے بیٹے کے ہاتھ ملنے  
 کی اطلاع ملی اور اپنے آپ کو خوں خراہ دشمنوں سے محصور پایا تو ان کی آنکھوں میں اندھیرا آگیا،  
 انھوں نے لشکر کو محکوم کی سرگردگی میں جھپٹ کر چند آدمیوں کے ہمراہ راہ فرار اختیار کی اور مدینہ  
 قریب قدامرودہ ہی پہنچ کر دم لیا۔ جب ابو بکرؓ کو اس واقعے کا پتا چلا تو انھوں نے خالد کو بہت  
 سخت خط لکھا اور انھیں مدینہ آنے سے منع کر دیا۔ چنانچہ وہ اپنے شکت خور ہمارہیوں کے  
 ساتھ انتہائی حزی و الم کی حالت میں قدامرودہ ہی میں قیام رہے۔ ابو بکرؓ فرمایا کرتے تھے :

”عمرؓ اور جملؓ مجھ سے ولید و خالد کی مرثیت کے واقف تھے۔ اگر میں ان

دووں کا کیا مافات قرآن میں اس شکست سے دوچار ہونا نہ چاہتا؟“

خالد بن سعید کے قتل کے بعد ہر ایک کفر کے عزم و جد میں ملوث فرقہ واریا جب انھیں

یہ خبر پہنچی کہ عکرمہ بن ابی جہل اور ذوالنکاح حمیری اسلامی لشکر کو رومیوں کے جنگی سے بھاگ رہے ہیں  
شام کی سرحد پر گئے تھے ہیں اور وہاں مدو کے منتظر ہیں تو ابو بکرؓ نے ایک لکھ ضائع کیے بغیر ملک  
بھیجنے کا انتظام شروع کر دیا۔

شرعیل بن حسنہ عراق میں خالد بن ولید کے ساتھ تھے اور اس زمانے میں قیدی اُمّیہ بن  
سے کہ مدینہ آئے ہوئے تھے۔ ابو بکرؓ نے انھیں ولید بن عقبہ کی جگہ شام جانے کا حکم دیا۔ ولید  
بن عقبہ بھی ابن زبیرؓ سے خود روگردانوں میں شامل تھے جو خالد بن سعید کے ہمراہ شام سے فرار ہو کر  
ذوالمرہہ میں مقیم تھے۔ شرعیل نے ابن سعید اور ابن عقبہ کے لوگوں کو جمع کیا اور انھیں لے کر عکرمہ  
کے پاس روانہ ہو گئے۔ اس کے بعد ابو بکرؓ نے ایک اور بھاری لشکر جمع کیا جس میں اکثریت مکہ  
والوں کی تھی۔ اس لشکر کا سربراہ انھوں نے یزید بن ابی سفیان کو بنایا اور انھیں شام روانہ پہلے  
کا حکم دیا۔ یزید کے پیچھے انھوں نے خالد بن سعید کے بھتیجے لشکر پرانی کے بھائی معاویہ بن ابی سفیان  
کو امیر بنام کر کے بھی شام بھیجا۔ اسی پر بس نہ کیا بلکہ ابو سعید بن جراح کو بھی حمص کا والی بنام کر ایک  
بھاری لشکر کے ہمراہ شام کی طرف کوچ کا حکم دیا۔

یہ تمام لشکر حرات میں ہمارے خیمہ زد ہوئے تھے۔ جب کبھی کسی لشکر کی روانگی کا وقت آتا ابو بکرؓ  
خود شہر سے باہر کشتریں لے جاتے اور سالار لشکر کو یہ صلاح فرما کر وہاں کے ساتھ رخصت کرتے:

”یا ویکھو ہر کام کا ایک مقصد ہوتا ہے جس نے اس مقصد کو پایا وہ کام پایا  
ہو گیا۔ جو شخص اللہ کے لیے کوئی کام کرے کتاب اللہ خود اس کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔  
تمہیں کو شش اور بعد و بعد سے کام لینا چاہیے کیونکہ بعد و بعد کے بغیر کوئی کام  
پایا نہیں جاسکتا۔ یا ویکھو جس شخص میں ایمان نہیں وہ مسلمان کہلانے کا بھی حق  
نہیں۔ جو کام ثواب کی خاطر کیا جائے اس کا کوئی ثواب بھی نہیں ملتا۔ جس کام میں  
نیک نیتی شامل نہیں وہ کام ہی نہیں۔ کتاب اللہ میں اللہ کی خاطر جہاد کرنے والوں  
کو بہت بڑے اجماع ثواب کی خوش خبری دی گئی ہے لیکن کسی مسلمان کے لیے  
مناسب نہیں کہ وہ اس ثواب کو حرات اپنے لیے مخصوص کرنا چاہے۔ جہاد اہل مسلمان  
ایک تجارت ہے جسے اللہ نے مومنوں کے لیے جاری فرمایا ہے۔ جو شخص اسے چھوڑ

کہتا ہے اللہ اسے رسوائی سے بچا لیتا ہے اور دلوں جہان کی عزت بچاتا ہے۔  
 یہ یزید بن ابی سفیان کی رسوائی کے وقت انھوں نے انھیں جو نصلح فرمائیں وہ اس  
 سے بچنے کے قابل ہیں۔ انھوں نے فرمایا:

”اپنے لشکر کے ساتھ اچھی طرح رہنا۔ ان سے عمدہ سلوک کرنا۔ انھیں نصیحت  
 کرنے وقت اختصار سے کام لینا کیونکہ زیادہ باتیں کرنے سے بعض جیسے بھول جاتے  
 ہیں۔ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرنا۔ اس طرح  
 لوگ بھلائی سے پیش آئیں گے۔ دشمن کے اچھول کی عزت کرنا اور انھیں زیادہ  
 دیر پاس نہ بٹھانا کہ جب وہ تمھارے لشکر سے باہر نکلیں تو انھیں جنگی دالوں کے  
 متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکے جب وہ تمھارے پاس آئیں تو لشکر کے سب سے شاندار  
 جیسے ہیں انھیں حضور خدا پنا بھید بھپانا کہ تمھارا انتظام درہم برہم نہ ہو جائے۔ پیش  
 بھی ات کرنا کہ صبح مشورہ ملے۔ دالوں کو اپنے رفیقوں کے ساتھ بیٹھنا اس طرح  
 انھیں ہر قسم کی خبریں مل سکیں گی۔ لشکر میں چہرے کا انتظام کرنا اور ہر سے داسے  
 سپاہیوں کو داسے لشکر میں بچھا دینا۔ اکثر ان کا اہانک سامان بھی کرنا۔ اگر کسی ایسے  
 شخص کو سزا دو جو اس کا سختی پر تو اس میں کسی قسم کا خوف دل میں نہ لانا۔ انھیں اور  
 دنا دار رفیقوں سے میل جول رکھنا۔ جن سے طواغیت سے ملنا، بڑی نڈکھانا  
 کیونکہ اس طرح دوسرے لوگ بھی بڑی دل کا اٹھا کر نہ لگیں گے۔“

ان لشکر دلوں کو روانہ کر کے ابو بکرؓ، عثمانؓ، اسامہؓ، انیسؓ، کاملؓ، امیہؓ، عقیؓ، کہ اللہ  
 ان فوجوں کے ذریعے سے مسلمانوں کو دوسروں پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ دوسرے بھی کہ ان میں ایک بڑے  
 سے زیادہ مابرا اور انصار شامل تھے جنھوں نے ہر موقع پر انتہائی وفاداری کا ثبوت دیا تھا  
 اور اللہ نے اسلام میں رسول اللہؐ کے درخشاں بدوش لڑائیوں میں حصہ لیا تھا۔ ان میں وہ اہل بڑے  
 بھی شامل تھے جن کے متعلق نہایت سنا ہے۔ رب کے حضور یہ اتھاک بھی دے

”اے اللہ! اگر تیرے اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کر دیا تو آئندہ کچھ بھی  
 زمین پر تیری پرستش نہ کی جائے گی۔“

یہی وہ لوگ تھے جن کی مدد کے لیے اللہ نے آسمان سے فرشتے نازل کیے اور جن کے متعلق یہ آیات مقدسہ نازل ہوئیں:

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ  
 (دکھتی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو اللہ کے اذن سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔)

جس لشکر کے ہمدرد خالد بن ولید نے عراق پر چڑھائی کی تھی اور جس کے ذریعے سنیوں نے سلطنتِ ایران کو پارہ پارہ کر دیا تھا اس میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی جنہوں نے جنگِ یار میں شرکت کی تھی۔ زیادہ تر تعداد بحرین اور عمان کے ان لوگوں کی تھی جو بدستور اسلام پر قائم تھے اور جنہوں نے مرتدین کے خلاف جنگوں میں حصہ لیا تھا۔ کیا ان لوگوں کو بہادری شجاعت اور اخلاص و محنت میں بدر احمد اور حنین کی جنگوں میں شرکت کرنے والے صحابہ کرام کے برابر قرار دیا جاسکتا ہے جنہوں نے ہر موقع پر رسول اللہ کی مدد اور حفاظت کی؟ اسی طرح کیا ان لوگوں کو مکہ، مدینہ اور طائف کے ان عظیم شہسواروں کے ہم پل قرار دیا جاسکتا ہے جن کا کام یہی ہر وقت مستیزہ کاری میں مصروف رہنا اور اپنی قواؤں کے جوہر عالم پر آشکارا کرنے دینا تھا؟ اس لیے اگر خالد بن ولید جزئی حرب کے کمزور اور بے حقیقت باشندوں کے ذریعے سے شکستِ ایران پر غالب آسکتے تھے تو کیا عکرمہ ابو عبیدہ عمرو بن عاص اور زید بن ابی سفیان مکہ اور مدینہ کے مشہور ہیروؤں کے ذریعے سے رومی سلطنت کا قطع قبیح ذکر کئے گئے تھے؟

عراق میں اسلامی فوجوں کی کامیابی کے بعد ابو بکرؓ نے شام کی جانب تیزی سے فوجیں بھیجنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اگر ابو بکرؓ خالد بن ولید کی شکست سے بدلہ ہو کر شام پر توجہ مرکوز کرنا چھوڑ دیتے اور وہاں سے اپنی فوج واپس بلا لیتے تو اس کا نتیجہ بہت خطرناک نکلتا۔ اس طرح نہ صرف عراق کی تمام فوجات اکارت جلی جاتیں بلکہ انشائیہ مدنی سرزمینِ عرب میں یمن، شہرِ یمن، حبشہ اور اسلام ایران و روم کی عظیم نشانِ طاقتوں کے درمیان پس کرنا پیشہ کے لیے ناسمجھ مانتا لیکن ابو بکرؓ کے عہدِ مبارک میں یہ کس طرح ہو سکتا تھا؟

ابو بکرؓ کے احکام کے مطابق امرِ صالح کرنے شام پہنچا شروع کیا۔ البتہ عمرو بن عاص اپنے لشکر

کے ہمراہ عربی میں مقیم ہے۔ ابو سعید و سرزمین بلخ کو عبور کر کے جا میہ پہنچ گئے۔ راستے میں انھیں شامی عربوں کی جانب سے کچھ مزاحمت پیش آئی لیکن انھیں شخصت دے دی گئی۔ شرعیل اردن پہنچے اور یزید بن ابی سلیان نے بلخ میں پٹا ڈھالا ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ دانش کے مقام پر انھیں رومیوں اور بدول کی ایک فوج کا سامنا کرنا پڑا لیکن لڑائی کے بعد رومیوں کم شکست فاش اٹھائی گئی۔

اس جگہ پہنچ کر روایات میں باہم اختلاف پیدا ہو جاتا ہے بعض روایات سے پتا چلتا ہے کہ مسلمانوں کو فلسطین کے جنوب میں قابل ذکر مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور وہ بے روک ٹوک نزل مقصود پر پہنچ گئے لیکن بعض روایات اس کے خلاف ہیں۔ ان روایات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک اسلامی لشکر عکرمہ کے پاس نہ پہنچ گئے اس وقت تک رومیوں نے ان کا باضابطہ مقابلہ نہ کیا اور چاہا قاعدہ تو ہیں ان کے مقابلے کے لیے ہی لائے جگہ یہ کام باور نشین لوگوں کے سپرد رہا جنھوں نے مختلف مقامات پر مسلمانوں کی مزاحمت کی لیکن معمولی لڑائیوں کے بعد پس ہارے گئے فلسطین کی جنوبی جانب رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان جو سرے کے ہوتے وہ بعد میں عمر بن خطاب کے عہد خلافت میں پیش آئے۔

لیکن روایات کا اختلاف اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب مسلمانوں کے مختلف لشکر عکرمہ کے لشکر کے قریب حواریں پہنچ جاتے ہیں۔ ابو سعید نے مشن کے راستے میں پٹا ڈھالا۔ شرعیل نے طبرستان اور دیانے اردن کی بالائی جانب غور کے قریب ایک سطح مرتفع میں قیام کیا۔ یہ بدینے بلخ میں بصرہ کا محاصرہ کیا اور عمر بن عباس نے عرب میں ہجرت کو فوج کرنے کی سامی شروع کر دی۔

## برموک، رومی فوجوں کی چڑھائی

اجتنا میں رومیوں نے مسلمانوں کو زیادہ اہمیت نہ دی۔ ان کا خیال تھا کہ جس طرح عہد ہرک تک اگر وہ اپس چلے گئے تھے۔ اسی طرح اب بھی تھوڑی بہت ترک تازیوں کے بعد عرب آخر وہاں چلے جائیں گے۔ چنانچہ جب خالد بن سعید نے رومیوں کے مقابلے میں شکست کھائی اور مید ان جنگ سے ماہ فرار اختیار کی تو رومیوں کے اس یقینی

اور بھی جنگی پیدا ہو گئی۔ انھوں نے ان خبروں کو بھی دیا و اہمیت دہی کہ مکرہ کی مدد کے لیے مسلمانوں کی دوسری دم بہ دم شام کی سرحد کی طرف بڑھی چلی آ رہی ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ ان فوجوں کا شہر بھی خالد بن ولید کے لشکر سمیٹا ہو گا۔ لیکن جب اسلامی فوجیں جمع ہوئے گی جن کا پہلے ذکر آچکا ہے تو وہی خراب غفلت سے جاگے اور انھیں حالات کی نزاکت کا احساس ہوا۔ ان پر یہ بات واضح ہو گئی کہ اگر انھوں نے پوری قوت کے مسلمانوں کا مقابلہ کیا تو عراق کے حالات یہاں بھی پیش آئیں گے اور سارا شام مسلمانوں کے قبضے میں چلا جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر قتل لے کر اسلامی لشکر کے مقابلے کے لیے دیر دست فوجیں روانہ نہ کیں تاکہ ان پر غلغلہ و غلغلہ حملہ کر کے ان کی قوت و طاقت کو نابود کیا جاسکے اور انھیں ہمیشہ کے لیے سرزمین شام سے نکال دیا جائے۔

مختلف روایات سے پتا چلتا ہے کہ اس موقع پر مسلمان فوجوں کی کل تعداد تیس ہزار کے لگ بھگ تھی لیکن ان کے مقابلے میں رومی افواج دو لاکھ چالیس ہزار افراد پر مشتمل تھیں۔ مکرہ کے لشکر کی تعداد چھ ہزار تھی اور ابو عبیدہ بن جراح اور عمرو بن عاص کے لشکروں میں سے ہر ایک کی تعداد سات اور آٹھ ہزار کے درمیان تھی۔

رومی افواج میں سب سے بڑا لشکر ہر قتل کے بھائی مذاق (تہہ دوریک) کا تھا جو فرات سے ہزار سپاہ پر مشتمل تھا۔ یہ لشکر عمرو بن عاص کے بالمقابل صف آرا تھا۔ ابو عبیدہ کے بالمقابل فیقار بن ضحوس کا لشکر تھا جس کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ خربعل بن حسنہ کے مقابلے کے لیے دراقص، یا حاکم اس کی فوج کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ یزید بن ابی سفیان سے لڑائی کے لیے جہش بن تہر کو بھیجا گیا تھا۔ ہر قتل خود جس میں مقیم تھا اور تمام حالات پر کوئی نفاذ رکھتے ہوئے تھا۔ پل پل کی خبریں اسے مل رہی تھیں اور اس کی تمام سرگوشش سلطنت کو عربوں کے قبضے میں جانے سے پہلے ہی پرہیز ہو رہی تھی۔ اس نے اپنے بھائی مذاق کو اس عظیم جہم پر آمرا کر کیا تھا۔ مذاق ہی نے اس سے قبل یامانیوں کے لشکر جہد کو شکست دی تھی۔ اسی مذاق کے ذریعے سے عربوں کو نصیحت و تہجد کرنے والا انھیں ایسا بہت دینے کا نتیجہ کیا سارا ہوا تھا جسے وہ عمرہ پر فروعش ذکر کریں۔

رومیوں کی عظیم الشان افواج کو دیکھ کر مسلمانوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ انھوں نے عمرو بن عاص کے پاس قاصد بھیج کر ان کی ناکے طلب کی۔ انھوں نے جواب دیا کہ میری رائے

میں اس نازک ترین موقع پر دشمن سے علحدہ علحدہ جنگ کرنا مسلمانوں کے لیے کسی طرح بھی سودمند نہ ہوگا اس لیے تمام اسلامی فوجوں کو یک جا ہو کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ اگر ہم یک جا نہ ہو گئے تو دشمن کثرت تعداد کے باوجود ہمارے مقابلے پر نہ ٹھہر سکے گا لیکن اگر ہم اپنی موجودہ صورت پر قائم رہے تو ہماری کوئی بھی فوج دشمن کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکے گی اور بہت جلد شکست کھا جائے گی۔

دربار خلافت سے بھی وہی مشورہ موصول ہوا جو عمر بن عباس نے دیا تھا۔ ابو بکرؓ نے اپنے سپہ سالاروں کو لکھا:

”اٹھنے ہو کر ایک لشکر کی شکل اختیار کر لو اور متحد ہو کر دشمن کے مقابلے کے لیے نکلو تم اللہ کے مددگار ہو۔ جو شخص اللہ کا مددگار ہوگا اللہ بھی اُس کی مدد کرے گا لیکن جو اس کا انکار کرے گا اور ناشکری کا ثبوت دے گا اللہ بھی اُسے چھڑو لگا۔۔۔۔۔ گناہوں سے یکسر اجتناب کرو۔ اللہ تعالیٰ حافظہ ناصر ہو۔“

چاروں اسلامی لشکروں نے ان مشوروں کے تحت یک جا ہو کر دمشق کے راستے میں یرموک کے ایک کنارے پر ٹپاڑ ڈال دیا۔ تدارق نے یہ دیکھا تو اپنی پوری طاقت وریاکے نہیں کناہ سے پر لاکر جمع کر دی۔

دریائے یرموک حران کے پہاڑوں سے نکلنے والی مختلف پہاڑیوں کے درمیان بڑی تیزی سے گزرتا ہوا خزاں اور سردیوں کا گناہ ہے۔ دریائے یرموک اور دریائے اردن کے مقام اتصال سے تیس چالیس میل اوپر دریائے یرموک ایک طویل و درخش میدان کے گرد چکر کاٹتا ہے جسے تین اطراف سے اونچی اونچی پہاڑیاں گھیرے ہوئے ہیں۔ یہ میدان اس قدر وسیع ہے کہ اس میں ایک عظیم الشان فوج آسانی سے ٹھہر سکتی ہے۔ دروسل نے یہ جگہ پسند کر لی اور ان ٹپڑے فعال دیے لیکن اس کے انتساب میں دروسل سے سخت غلطی ہوئی۔ یہ میدان وسیع تو ہے شک تھا لیکن تین طرفوں سے پہاڑیوں میں محصور ہونے کے باعث باہر نکلنے کا صحت ایک راستہ تھا جس پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا اور وہی بالکل گھیرے میں آ گئے۔ عمر بن عباس نے یہ دیکھا تو وہ ہلاک ہو گئے۔

مسلمانوں باتیں خوش خبری ہو۔ رومی لکھتے ہیں اچکے ہیں اور بھروسہ فرج میٹر کرنے والی فرج کے چنگل سے شاد و نادر بھی بچتی ہے۔

اب سورتِ حال پر لکھتی کہ نہ رومی اپنی طاقت و قوت اور تعداد کے بل بوتے پر مسلمانوں پر غالب آسکتے تھے اور نہ مسلمان اس قدر قی اعداد کے باوجود رومیوں پر غلبہ حاصل کر سکتے تھے۔ مسلمان رومیوں کے سامبر نکلنے کے راستے پر قبضہ کیسے بیٹھے تھے۔ جب رومی اس راستے سے باہر آنے کی کوشش کرتے تو مسلمان انھیں مار مار کر نیک پھٹا دیتے اور جب مسلمان رومیوں پر حملہ کرنا تو یہ خیال کر کے بہت جلد واپس اپنی جگہوں پر آ جاتے مبادا رومی ان کی قلت تعداد کے باعث ان کا محاصرہ کر کے انھیں جان و برہاد کر دیں۔ اس طرح دو مہینے گزر گئے اور کوئی فریق دوسرے پر غلبہ حاصل نہ کر سکا۔ آخر مسلمانوں نے ابوبکرؓ کو یہ تمام حالات لکھے اور ان سے مدد بھیجنے کی درخواست کی کہ باہر صدر گز جاکے پر لشکر بدول نہ بوجھائے اور جوش و غروش ختم ہو کر طاقت و قوت میں کمزوری کا باعث نہ بنے۔

ابوبکرؓ شامی لشکروں کے امراء سے زیادہ بے مہین تھے۔ ان کے گھان میں بھی یہ بات داسکتی تھی کہ اگر عیدہ اور ان کے ساتھی یہ طریقہ اختیار کریں گے۔ ان اہل بد کے متعلق جنھوں نے قلت تعداد کے باوجود اہل مکہ کے کثیر التعداد لشکر کو شکست فاش دی تھی ابوبکرؓ کو یہ خیال بھی نہ ہو سکتا تھا کہ وہ رومیوں کے مقابلے میں اس قدر عاجز آجائیں گے کہ ان سے کسی طرح بھی عہدہ برآ نہ ہو سکیں گے۔ انھوں نے اس معاملے پر خوب غور و فکر کیا۔ عمرؓ، علیؓ اور مدینہ میں مقیم دیگر اہل اللہؓ نے اصحاب سے مشورہ لیا۔ اسی غور و فکر کے دوران میں ان پر اصل حقیقت واضح طور پر منکشف ہو گئی۔

مسلمانوں نے کبھی کثرتِ تعداد کے بل بوتے پر جن کو نہ پا دوکھا یا تھا، علی قیادت اور بیانی قوت پر دو سب تھے جنھوں نے ہمیشہ مسلمانوں کو کلامِ بانی و کامرانی سے ہم کنار کیا۔ جہاں تک بیانی قوت کا سوال تھا وہ شامی لشکروں میں کسی طرح بھی کم نہ تھے کیونکہ ان میں سابقین الاولین اور رسول اللہؐ کے اصحاب و القدر صحابہ شامل تھے اور وہ اہل بدر تھے جن کے ہاتھوں فتح مکہ عمل میں آئی اور ہر تہیں کا طوت تاک فتنہ انجام کو پہنچا۔ اس لیے غزالی لازماً قیادت میں تھی۔ رومیوں کے مقابلے

کے لیے ایسے فائدہ کی ضرورت تھی جو نہ راور ہے بلکہ ہوا زمی سے آتش برلائی میں کسی بھی موقع پر اس کا قدم پیچھے ہٹنے والا نہ ہو، موت کا خوف اس کے پاس بھی نہ چٹکتا ہو۔ اور حبيب ابو بکر اپنے تمام مہاجرین پر نفوذ کرتے تھے، چاہے چاہتا تھا کہ ابو عبیدہ باوجود کامیاب جرنیل ہونے کے زم دل میں گھڑائی، اس انسانی عقل مند ہونے کے باوجود میدان جنگ کے شہسوار نہیں، بلکہ میدان جنگ کے شہسوار نہیں تھے۔ ان میں بھی آپ میں پیش آمدہ امور کا صحیح اندازہ کرنے کی صلاحیت نہیں۔ ان تمام سالاروں کو آپ نے اپنی جہتیں جنگوں سے واسطہ نہ ڈرا تھا، مزید برآں ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی برتری تسلیم کرنے اور راجحی قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔

حقیقت ابو بکر پر شکف ہوتے ہی سنا ان کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جو ان تمام صفات سے کمالاً بہرہ ور تھا جو ایک عظیم سپہ سالار میں ہونی چاہئیں اور وہ شخص تھا خالد بن ولید۔ یہ خیال آئے ہی ابو بکر نے انہیں شام بھیجنے کا ارادہ کر لیا اور ساتھ ہی سے فرمایا:

”واللہ! میں خالد بن ولید کے ذریعے سے روہوں کے دلوں میں  
کرتی بھی شیطانی دوسرہ نہ رہنے دوں گا۔“

### خالد کی روانگی شام

کسی شخص نے ابو بکر کے لئے سے اتفاق کیسے کی ضرورت دیکھی کہ شام کے مسلمان اب اس بھیج کر بھیج چکے تھے کہ نہ تو مسلمان نزاع کے کیسے سے غصہ کا حجب ہوتا، سب ایک خالد بن ولید کو شام بھیجنے پر رضامند ہو گئے یہ وہ زمانہ تھا جب خالد بن ولید کی عمر چھ تھیں، ابو بکر نے خالد کو یہ خط ارسال فرمایا:

”متم یہاں سے روانہ ہو کر یہ ملک میں مسلمانوں کی افواج سے مل جاؤ کہ یہ کدو اں وہ دشمن کے فرسے میں گھر گئے ہیں۔ یہ حرکت (خفیہ) جو تم نے کی ہے آئندہ کبھی نہ ہو۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ تم سے ملنے دشمن کے چھکے پھوٹ جاتے ہیں اور تم مسلمانوں کو دشمن کے فرسے سے مانت بکا دیتے ہو۔ اے ابوسلمیان! میں تمہیں تمہارا غلوس اور خوش قسمتی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ اس مہم کو جیتے تمہیں تک پہنچاؤ اللہ تعالیٰ مدد فرمائے تمہارے دل میں غرور نہ پیدا ہونا چاہیے کیونکہ اس کا انجام نقصان اور ہلاکت ہے۔“

ہے۔ اپنے کسی فعل پر نماز ان نہ ہونا افضل و اکرم کہنے والا صرف اللہ ہے اور وہی اعمال کا مدد دیتا ہے۔

خالد اس وقت عراق سے ہانا مذہب چاہتے تھے۔ وہ عراق میں اس وقت تک مقیم رہنے لگے۔ آپا تھے جب تک ایرانیوں کا دار الحکومت ان کے ہاتھ پر فتح اور کسریٰ شاہ ایرانی کا تخت و تاج پاش پاش نہ ہو جائے گا۔ ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے یہ کوئی دشوار امر نہ تھا کہ نیک ایرانیوں کا خالد کے مقابلے کی تاب نہ لاتے ہوئے ہرمیدان سے بھاگ رہے تھے۔ ان کی قوت و طاقت ختم ہو چکی تھی اور ایک بے میں ان کی سلطنت کو جیسے اٹھاڑ کر پھینکا جاسکتا تھا۔ فتح مدائن کا فخر معمولی فخر نہ تھا یہ وہ عظیم شہر اعزاز تھا جس کے حصول کی تمنا قیصر و روم جیسے بادشاہ کے دل کو بھی بے چین کیے رکھتی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں جب خالد کے پاس عراق کو چھوڑ کر شام جانے کا حکم پہنچا ہوا تھا ان کے دل میں مزبور انقباض پیدا ہوا ہو گا۔ ان کا خیال تھا کہ انھیں عراق سے ہٹانے میں مشرکین خطاب کا ہاتھ ہے چنانچہ طبری میں روایت آتی ہے کہ ابو بکرؓ کا خط پڑھنے کے بعد انھوں نے کہا: یہ کام عیسویں ام شکلہ (مشرکین خطاب) کا ہے۔ انھیں اس بات پر حسد ہے کہ عراق کی فتح میرے ہاتھ سے کیوں ہوئی؟

قائدانہ انھیں یہ بھی خیال ہو گا کہ مشرکین خطاب عراق میں ان کی مگر لیا جاتے ہیں جس قزاقوں نے ابو بکرؓ پر زور ڈالی کہ انھیں شام بھیج دے۔ یہ اس پر اگر یہ خیال ان کے دل میں ہو چکی تو بھی بدعینی کی بنا پر خالد پر کوئی گرفت نہیں کی جاسکتی کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ ابو بکرؓ نے مرض الموت میں فرمایا تھا:

میری خواہش تھی کہ میں نے خالد بن ولید کو تمام بھیجا تھا کہ عمرؓ بن خطاب کو عراق بھیج دیتا اور میرے بعد جب اللہ کے دربار میں حاضر ہوتا تو کہتا کہ اے میرے پروردگار! میں نے اپنے دو فرزند ہاتھ تیری ماویں میں پھیلادیے تھے۔

ابو بکرؓ بھی جانتے تھے کہ خالدؓ کے دل میں مزبور یہ خیالات گردش کریں گے اور ان کا اثر ان کے کاموں پر پڑے گا۔ اسی لیے انھوں نے اپنے خط میں یہ فقرہ لکھ دیا تھا کہ جو حرکت چاہے (ج) تم سے صلہ ہوئی ہے آئندہ کبھی سرودہ ہو۔ اس طرح وہ انھیں تنبیہ کرنا چاہتے تھے کہ ان کا

اور اس فرض خلیفہ کے حکم کی اطاعت کرنا ہے اور انھیں کوئی ایسا کام نہ کرنا چاہیے جو خلیفہ کی مرضی یا احکام کے خلاف ہو۔

گمان غالب ہے چونکہ لوگوں کو خالدؓ کی طرقت سے ناراضی کا اندیشہ تھا اسی لیے انھوں نے خط میں جہاں ان کی سہلاری اور ان کے کارناموں کی تعریف کی وہاں انھیں عجیب و غریب اور غمزدہ مزاج سے بچنے کی تلقین بھی کر دی اور دشمنانہ انداز میں حقیقت ظاہر کر دی کہ فضل و کرم کرنے والا صرف اللہ ہے کہیں ہندو کی مجال نہیں کہ وہ اپنی طاقت و قوت کے بل بوتے پر فتوحات حاصل کر سکے۔

لیکن ابو بکرؓ نے خالدؓ کے دل میں پیدا شدہ شکوک و شبہات کو بھی صاف کر دیا چاہا اور انھیں ہدایت کی کہ وہ نصف فرج یعنی بنی حارثہ کے زبیرؓ کو کی عراق میں بھیج دوں اور بقیہ نصف فرج سے کہ غزوہ شام روانہ ہو جائیں خطہ کے آخر میں لکھا،

”جب اللہ تمہیں شام میں فتح نصیب کرے تو اس فرج کو بھر اے کہ عراق

چلے جانا اور وہاں اپنا پہلا عہدہ دوبارہ سنبھال لینا۔“

اس طرح ابوبکرؓ نے خالدؓ پر واضح کر دیا کہ انھیں عراق میں عہدہ یا کسی اور شخص کے آنے کی پروا نہ کرنی چاہیے کیونکہ ان کے قائم مقام شعی بن حارثہ ہوں گے اور شام کی فتح کے بعد انھیں عراق میں ان کا پہلا عہدہ دوبارہ تفویض کر دیا جائے گا۔

خالدؓ کو اس بارے میں کوئی شک نہ تھا کہ اللہ انھیں شام میں فتوحات جلد سے صوفیے گا۔ اگرچہ انھیں وہاں کی تمام خبریں مل رہی تھیں لیکن وہ مطمئن تھے۔ ان کا دل اس تلقین سے بھر پور تھا۔ کہ وہ سیف اللہ میں اور اللہ کی تکرار بعدوں کے ہاتھوں بھی مغلوب نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ انھوں نے ابوبکرؓ کے حکم کے مطابق شام روانہ ہو سکے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

چونکہ خالدؓ کو شام میں پیش آنے والے حالات کا بخوبی اندازہ تھا اس لیے انھوں نے تمام صحابہ کو ساتھ لے لیا، ابوبکرؓ نے انھیں آدھی فرج یعنی شعی کے پاس بھیج ڈھانے کی ہدایت کی تھی اس لیے انھوں نے فرج کی تقسیم اس طرح کی کہ تمام صحابہ تو اپنی فرج میں رکھے اور مشق کے لیے صحابہ کرام کی تعداد کے برابر ایسے لوگ بھیج ڈھ دیے جنھیں رسول اللہؐ کی مصاحبت نصیب

نہ ہوتی تھی۔ اس کے بعد باقی فرج کا جائزہ لے کر ایسے لوگوں کو اپنی فرج میں شامل کر لیا جو فرد کو صورت میں آپ کے پاس آئے تھے اور ان لوگوں کی تعداد کے مساوی ایسے لوگوں کو منشی کے لیے چھوڑ دیا جہاں اپنے فیصلوں میں تعین رہے تھے اور رسول اللہ کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے تھے اس کے بعد جو لوگ بچ گئے انھیں نصف نصف تقسیم کر لیا منشی کو یہ دیکھ کر بہت غصہ کیا اور انھوں نے خالدؓ سے کہا:

”واللہ انہیں تو آپ کو اب بکڑے حکم سے سربراہوں نہ کرنے دیں گا۔ ان کے حکم کے مطابق تو مجھے صحابہ میرے پاس رہنے چاہئیں اور تو مجھے آپ کے پاس۔ آپ کیوں مجھے ان سے محروم کرتے ہیں حالانکہ میری فرجات کا انحصار ہی صحابہ پر ہے؟ جب خالدؓ نے منشی کا اسم لے کر کیا تو ان کی منت سماعت کر کے جلیل القدر اور بہادر صحابہ کو اپنے ساتھ رکھنے پر رضامند کر لیا۔

چونکہ خالدؓ کو تھا کہ ان کے جانے کے بعد کہیں مسلمانوں پر کوئی مصیبت داڑھے اس لیے انھوں نے حکم زدور دیوں اور حور قرآن کو دینے واپس بھیج دیا تاکہ اگر خدا نہ خواست ایرانی مسلمانوں کو کچھ نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں تو بھی ان کی حور قرآن اور بچوں کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ ان تمام حور سے فرخت حاصل کرنے کے بعد وہ لشکر کے ہر اہل شام کی جانب روانہ ہو گئے۔ منشی بھی ایک دستہ فرج کے ہر اہل شام ایک انھیں نصبت کرنے گئے۔

عراق سے شام جانے کے لیے قریب ترین راستہ ایک لن دوق صحرا میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ لیکن اولیٰ قریہ صحرا پر خطرناک اور سخت دشوار گزار تھا اسے عبور کرنا بڑے دل گروے کا کام تھا اور ہر شیار سے ہر شیار دہر کر بھی اس میں راستہ بھولنے کا خوف لاحق رہتا تھا۔ دوسرے اگر یہ جزیرہ وقت و دشواری اسے عبور کر بھی دیا جاتا تو بھی بہت راستہ کسانوں سے کاٹنا ناممکن تھا کیونکہ شام کی سرحد پر بسنے والے تمام عربی قبائل درمیدوں کے درگاہ تھے قیصر کا ایک لشکر بھی وہاں تعین تھا جو بیت آسانی سے اسلامی لشکر کا راستہ قطع کر سکتا تھا۔ ایک صورت یہ بھی تھی کہ خالدؓ بن ولید عراق سے عرب پہنچنے اور وہاں سے شام جانے والا عام راستہ اختیار کرتے جس سے قبل انہیں حکم تھا کہ جو بیٹہ اور دوسرے اسلامی سپہ سالار گزر کر شام پہنچے تھے لیکن اس طرح جسے وہ ہر جاتی اور جس مقصد کے لیے انہیں

شام جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ وہ فوت ہو جاتا۔ اب خالدؓ کے سامنے سب کا مسئلہ ہی تھا کہ شام جانے کے لیے ایسا کن سا راستہ اختیار کیا جائے جس میں نہ قزوین سے مٹ بھڑ کا خطرہ ہو اور نہ ساحلیوں تک پہنچنے میں دیر لگے۔ یہ ظاہر ہو گئی ایسی تدبیر نظر آتی تھی اور یہی دیکھائی دیا تھا کہ یا قزوین تک صحرا سے گزر کر اور صحرا کے دشمن قبائل سے دو دو ہاتھ کر کے ساحلیوں تک رسائی حاصل کرنی ہوگی یا ایک طویل راستہ اختیار کر کے شام پہنچنا ہوگا۔

آخر یہاں بھی خالدؓ کی نصرت اڑے آئی۔ قدرت کی جانب سے ایک عجیب و غریب راستے کی طرف ان کی رہنمائی کی گئی۔ ان کے ساحلیوں نے قصبہ کا اظہار کیا کہ اس راستے سے گزرنا کیونکر ممکن ہوگا لیکن خالدؓ کا ارادہ اٹل تھا اور ساحلیوں کو مجبوراً انھیں کی بات ماننی پڑی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خالدؓ نے وہ صحرائی راستہ اختیار کرنا مناسب دیکھا جو بنی ہاشم سے شروع ہو کر شمالی شام پہنچتا تھا۔ اس راستے کی مسافت اگرچہ دوسرے راستوں کی نسبت کم تھی لیکن درمیان میں چونکہ رومیوں کے حامی قبائل آباد تھے اور نصیر کی زمینیں بھی اس جگہ ڈیرے لٹائے پڑی تھیں اس لیے تصادم کے خطرے سے بچنے کے لیے خالدؓ نے یہ راستہ ترک کر دیا اور وہ راستہ اختیار کیا جو اس سے قبل عیاض بن نعم کی امداد کے لیے حیرہ سے ویرتا الجندل جانے کے لیے اختیار کیا تھا۔

وہ لشکر لے کر پہلے ویرتا الجندل پہنچے اور دوسرے یزید کو پہنچنے کے لیے حادنی سرحد کا راستہ اختیار کیا۔ درمیان میں ترافز کی بستی پڑی تھی جہاں بنو کلب کے بعض قبائل آباد تھے۔ انھوں نے بستی پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ اگر وہ حادنی سرحد کے سموت راستے ہی پر سفر کرتے رہتے تو چند روز میں بصری پہنچ جاتے اور وہاں ابو عبیدہ کا لشکر ساتھ سے گزیر کر کہیں اسلامی افواج سے مل جاتے لیکن ان کا خیال تھا کہ بصری پہنچنے سے پہلے ہی رومی ان کا راستہ روکنے کی کوشش کریں گے اور اس طرح انھیں یزید کو پہنچنے میں دیر ہو جائے گی۔ اس اندیشے کے پیش نظر انھوں نے تدابیر لیں۔ یہ تدابیر کیا کہ ہمیں کوئی سا راستہ اختیار کرنا چاہیے جس سے ہم رومیوں کے غضب میں پہنچ جائیں اور کسی رومی لشکر سے مقابلہ بھی نہ کرنا پڑے کیونکہ اگر راستے میں رومیوں سے مٹ بھڑ ہوگی تو ہم دیر سے یزید کو پہنچیں گے۔ سب کے اتفاقاً جواب دیا کہ ایسا راستہ ہے تو مزید لیکن اس سے لشکر

کسی طرح نہیں گزر سکتا، سرت اکیلا آدمی گزر سکتا ہے۔ اس لیے آپ وہ راستہ اختیار کر کے مسلمانوں کو ہلاکت میں ڈالیں لیکن مخالف فریبی راستہ اختیار کرنے کا سوچ کر چلے گئے۔ انھوں نے فرمایا، ”تم نے اپنے آپ کو اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے پیش کیا ہے اب تمہارا قدم دیکھ چکے ہو اور یقین کم ہونے لگا ہے یا دیکھو تائب اللہ کا مداخلت ہی پر ہوتا ہے اور اگر نیک ہی کے مطابق ملتا ہے کسی کمان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اللہ کی نصرت سے بہرہ ور ہو رہے ہوئے مشکلات سے ڈھلے اور محبت ہارے۔“ جب ساتھیوں نے یہ تقریر سنی تو ان کا خوف و ہراس جاتا رہا اور انھوں نے یہ کہتے ہوئے ان کے آگے تسلیم خیم کر دیا۔

”اللہ نے آپ کی ذات میں ہر قسم کی خسرو برکت جمع کر دی ہے اس لیے آپ بے گلے اپنے ارادوں کو لباس عمل پہنانیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔“ انھوں نے مجددِ راستے سے سفر کرنے کے لیے رہبر طلب فرمایا۔ لوگوں نے رافع بن عمرقو اللطانی کا نام دیا۔ انھوں نے اسے ہلا کر کہا، ”ہم اس راستے سے سفر کرنا چاہتے ہیں تم ہماری رہبری کے فرائض انجام دو۔“ اس نے جواب دیا،

”آپ گھوڑوں اور اساتے مازد سامان کے ساتھ اس راستے سے نہیں گزر سکتے۔ وہ راستہ ایسا ہے کہ اس سے سرت ایک سوار گزر سکتا ہے اور وہ بھی چھ سرتوں خطر نہیں۔ چوری پانچ راتوں کا سفر ہے۔ راستے سے بچنے کے خوف کے علاوہ پانی کا بھی کہیں نام و نشان نہیں مخالف نے اسے تیز نظروں سے گھورا اور فرمایا،

”خدا کچھ ہر جگہ سے مجھے قدامی راستے سے جانا ہے تم جاؤ اس راستے سے بچنے کے لیے کیا کیا احتیاطات کیے جائیں؟“ رافع نے کہا،

”اگر آپ ضرور قدامی راستے سے جانا چاہتے ہیں تو لوگوں کو حکم دیجیے کہ بیٹھ

پانی سا تھلے میں اور جس جس سے ہر کے اپنی اونٹنی کو پانی چلا کر اس کا ہونٹ  
بازو دے۔ کیونکہ یہ سفر بھانتا خطرات کا حامل ہے۔ اس کے علاوہ کبیس  
اونٹنیاں بڑی موٹی تازی اور عمر رسیدہ، تجھے میا کی جائیں ؟

خالد نے رافع کی اس خواہش کے مطابق اونٹنیاں میا کر دیں۔ رافع نے پہلے انھیں خوب  
پایا رکھا جب پیاس کی شدت سے ڈھال ہو گئیں تو انھیں خوب پانی پلایا جب وہ خوب سیر  
ہو گئیں تو ان کے ہونٹ چھید کر یا زہر دیے تاکہ جگالی وغیرہ نہ کر سکیں۔ اس کے بعد خالد نے کہا  
کہ اب فرج کو کوچ کا حکم دیجیے۔ خالد نے لنگھار یا زہر سامان لے کر اس کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ جہاں  
کبیس پڑاؤ کرتے او میں سے چار اونٹیوں کے پیٹ چاک کرتے۔ جو پانی ان کے معدوں سے نکلتا  
وہ گھوڑوں کو پلا رہتے اور جو پانی سا تھلے تھے وہ خود پیتے۔

جب صحرا میں سفر کا آخری دن آیا تو خالد نے رافع سے جسے کثر جحش کی شکایت تھی، کہا کہ پانی  
ختم ہو چکا ہے اب کیا کرنا چاہیے۔ رافع نے جواب دیا،

”گھبراہٹ نہیں، ہم انشاء اللہ علیہ پانی تک پہنچ جائیں گے۔“

تقریبی دیر آگے چل کر جب فرج وہ ٹیلوں کے پاس پہنچی تو رافع نے لوگوں سے کہا،  
”وہ بھجور اور بچ کی کوئی جھاڑی آدمی کے سرین کی مانند نظر آتی ہے ؟“

انھوں نے کہا ہمیں تو ایسی کوئی جھاڑی نظر نہیں آتی۔ اس پر رافع نے گھبرا کر اننا لٹو ہوا  
الہیہ راہروں پر چڑھا اور کہا اگر خیریت چاہتے ہو تو جس طرح ہر سکے سے ٹھونڈ نکالو۔ آخر ٹیٹی تلاشی  
سے وہ جھاڑی ملی مگر کسی نے اسے کاٹ دیا تھا اور صحت مند باقی رہ گیا تھا۔ جھاڑی ملنے پر مسلمانوں  
بے زور سے کھیر گئی۔ رافع نے کہا:

”اب اس جھاڑی کی جڑ کے قریب مٹی کھودو۔“

مٹی کھودنے پر وہاں ایک چشمہ نکل آیا جس سے سب نے سیر ہو کر پانی پی لیا جب مسلمانوں کو  
اپنی سلامتی کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو رافع نے کہا:

”میں اس چشمے پر صحت ایک مرتبہ پہنچ کے دیکھنے میں اپنے والد کے ساتھ

آیا تھا۔“

اب خالد شام کی سرحد میں داخل ہو گئے تھے۔ آگے چل کر راستے میں انھیں کوئی وقت و پریشانی لاحق نہ ہوئی اور وہ جلد جلا فرٹے کرتے ہوئے سستی پہنچ گئے۔ سو صبح سے ذرا پہلے اپنا پہنچے تھے اور پہنچتے ہی لمبی پر حملہ کر دیا۔ وہاں کے باشندوں کو مسلمانوں کی آؤکا مان گان بھی نہ تھا۔ وہ گھبرا گئے اور بھاگنے کی تاب نہ لا کر مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ آگے چل کر ان کے سے مقابلہ پیش آیا۔ دو بھی تھوڑی سی تفاوت کے بعد زیر ہو گئے۔ دمشق قریب ہی تھا لیکن خالد نے اس پر حملہ نہ کرنا چاہا کیونکہ اس طرح وہ راستے ہی میں رومیوں سے الجھ جاتے اور اپنے پرگرام کے مطابق مسلمانوں کی مدد کے لیے یروک نہ پہنچ سکتے۔ اس لیے انھوں نے عام راستہ چھوڑ کر حواریں کا راستہ اختیار کیا اور قسم پہنچے۔ وہاں کے باشندوں نے جو قبیلہ قضاہ سے تعلق رکھتے تھے صلح کر لی۔ وہاں سے افدمات کی جانب بڑے مرجع راہل پہنچ کر خسانوں سے ان کی مٹ بجھ رہی تھی۔ خالد نے انھیں شکست دے کر وہاں کے لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ مرجع راہل سے چل کر وہ البصری پہنچے۔ یہاں ابو عبیدہ بن جراح، حریص بن حسنا اور بن دین ابی سفیان فزیر سے ملے۔ خالد نے انھیں ساتھ لے کر شہر پر حملہ کر دیا اور اسے فتح کر لیا۔ یہاں سے یہ مقام قادیان فزیر کے ہوا۔ فزیر بن عامر کے پاس پہنچے جو فلسطین میں خود کے نزدیک عمارت میں مقیم تھے۔ خالد نے انھیں قریب ہی خیمہ زن ہوئے اور اس طرح تمام اسلامی فزیریں یرموک کے مقام پر جمع ہو گئیں۔

یہ ہے وہ روایت جو خالد کے سفر شام کے متعلق باہر کتب تاریخ میں باقی جاتی ہے ہادی انظر میں یہ روایت ان افسانوں سے زیادہ مختلف نہیں جو عمرؓ کے بڑے لوگوں کے متعلق گھڑ کر مشہور کر دیے جاتے ہیں۔ واضح بن عمر کی رہبری میں صحرا کو عبور کرنے کا واقعہ ہر ظاہر بہت عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کی تصدیق سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ خالد کی ساری زندگی ہی عجیب و غریب واقعات سے بھری پڑی ہے کیا حرم بن حنظل کی امداد کے لیے مین المتر سے دھڑا ہندل پہنچنے کا واقعہ عجیب و غریب نہیں؟ کیا خالد کے خیمہ جگ کرنے کا واقعہ لوگوں کی عقلوں کو حیرت میں نہیں ڈال دیتا؟ اور کیا سلمہ کی سرکوبی اور حرم کی عظیم اشیاء فرمات لوگوں کو مشہور کرنے کے لیے کافی نہیں؟ خالد مقصد کے حصول کے لیے

ہمیشہ ایسے طریقے استعمال کرتے تھے جن کی بنا پر کم سے کم وقت میں بہتر سے بہتر طور پر مطلوب نتائج حاصل کیے جاسکیں۔ اس موقع پر بھی خالد بن ولید نے مسیحی حملہ کی گیارہ سو خواتین تک و دشمنان کو صحرا سے گزر کر شام پہنچنے تک راستے میں دشمنوں سے مٹ بھیر نہ سمجھ سکے اور وہ برآسانی اٹلی الزام تک پہنچ سکیں۔ چنانچہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور دشمن انھیں راستے میں زد و کوب۔ بعض مورخین نے اس روایت کو قرآن کی کتابوں میں درج کر دیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ اعتقاد بھی کہ ہے کہ روایت میں کوئی حیرت ایسا ذائقے پائے جو عقل کے خلاف ہو۔ اسی لیے مورخین میں اس لشکر کی تعداد کے متعلق بھی اختلاف موجود ہے جو خالد کے ساتھ عراق آیا تھا بعض کہتے ہیں کہ اس کی تعداد نو ہزار تھی بعض کہتے ہیں کہ چھ ہزار تھی بعض کا خیال ہے کہ آٹھ سو اور پانچ سو کے درمیان تھی۔ جو لوگ لشکر کی تعداد نو ہزار جانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ابو بکر کے حکم کے ماتحت خالد عراق سے کوہی فرج لے کر چلے گئے۔ اس وقت عراق میں مسلمانوں کی فوج اٹھارہ ہزار کے ملک جگ تھی جو لوگ فرج کی تعداد ایک ہزار سے کم جانتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ خالد کو شام محض اس لیے بھیجا گیا تھا کہ عرب اور عجم میں ان کی بہادری و شجاعت اور قیادت کی دھوم مچا دے اور بڑے بڑے سپہ سالار انھیں بہت شہداء ان کے نام سے کانپتے تھے۔ اس لیے ان کا وہاں بھیجا جانا محض دشمن پر عرب ڈانسنے کے لیے تھا ورنہ جو وہیں روسیوں کے بالمقابل صفت آرائی تھیں وہ تعداد میں ہرگز کم نہ تھیں، علاوہ بریں مدینہ سے ان کے لیے بہاؤ لگ پہنچا رہی تھی۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ خالد عراق سے ترقیناً آدھی فوج لے کر مدینہ ہوئے تھے لیکن قرقر پہنچنے پر حسب ننگ و تار یک جنگل سے گزرنے کا مرحلہ و پیش ہوا تو انھوں نے اپنے ساتھ صرف چند سو سپاہی رکھے اور باقی لشکر کو مدینہ کی سرحد کے نام راستے سے شام پہنچنے کی ہدایت کی۔ انھیں چند سو ساتھیوں کے ساتھ وہاں پہنچنے پہنچے۔ بہاری رائے میں بھی ہدایت دیا وہ قابل قبل ہے کہ چونکہ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے خالد راستے میں روسیوں کے تصادم سے عین چاہتے تھے اس لیے آسان راہ کی بجائے اپنے لشکر کا ٹرا حصہ صحرا طویل سے مدینہ بہت مختصر سے آؤی سے کر کو چ کرتے کیونکہ ایک معمولی دسٹے کے لیے تو یہ ممکن ہوتا ہے کہ اگر وہ دشمن کو دیکھ بھی لے تو چاہے کتنی کی بدولت راہ کاٹ کر بھرتی سے نکل جائے لیکن کئی ہزار پر مشتمل ایک بجائی

لشکر کے لیے لیکن نہیں کہ وہ دشمن کی آنکھ بچا کر ایک طرف کو مہٹا ہلے۔

ہر حال اس بارے میں خوار و روایات کچھ ہی کہیں تھیں یہ بات یقینی ہے کہ خالد بن ولید نے ہر موک پہنچ کر اسلامی لشکروں سے مل گئے اور ان کے ساتھ روہیل سے جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔ ہر قتل نے باہان کو سپرالا ر بنا کر بھیجا تھا۔ وہ بڑے کروڑے آیا اور قورمہ میں تقیم رومی فرج سے جاملہ باہان دی شخص تھا جس نے خالد بن ولید کو شکست دی تھی۔ روہیل کو باہان کے پہنچنے کی جگہ خوشی ہوئی اور مسلمانوں کو خالد بن ولید کے پہنچنے سے بے اعزازہ مست۔ اب دونوں فرس کل کانٹے سے لیس ایک دوسرے کے ہاتھ پائی کھڑی تھیں اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے اور مقابلہ کر دیکر کرنے کے لیے بہت تیار تھیں۔

مسلمانوں کے لیے یہ موقع بے حد نازک تھا۔ ایک تو روہیل کے مقابلے میں ان کی تعداد بہت کم تھی۔ دوسرے سال مسلمان اور جنگی تیاری کے لحاظ سے بھی مسلمانوں اور روہیل کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ رومی پورہ کی وجہ اور کامل جنگی تیاری سے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے ٹھکے تھے۔ پھر بھی اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ روہیل سے زیادہ جنگی مہارت بھی حاصل تھی اور لڑائی کے اندر طریقہ کاروں سے زیادہ مہارت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کامل و دروازہ تک فریقین کے درمیان کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اور دونوں ایک دوسرے کے سامنے ٹپکے ٹپکے رہے۔ روہیل کو نکالنا قوت و طاقت کے لحاظ سے تو بے شک عربوں پر برتری حاصل تھی لیکن باطنی قوت میں مسلمان ان کے گن گنا بڑے ہوتے تھے۔ رومی افواج شام میں تقیم بدوؤں اور ہر قتل کے ان لشکروں پر مشتمل تھیں جنہوں نے اس سے قبل اپنیوں سے جنگ کی تھی۔ اول قرآن و دونوں گروہوں میں کوئی قدر مشترک نہ تھی۔ دوسرے ان کے سامنے کوئی عظیم نصب العین نہ تھا جس کی خاطر وہ جنگ کے لیے جگہ جگہ تھے۔ لیکن ان کے مقابلے مسلمانوں کی فرسین تمام تر عربوں پر مشتمل تھیں دوسرے انہیں کامل یقین تھا کہ روہیل سے لڑائی جہاد فی سبیل اللہ کے ذمے میں شامل ہے۔ جو شخص اس لڑائی میں مارا جائے گا اسے شہادت کا درجہ حاصل ہوگا، آخرت میں اسے جنت الفردوس ملے گی، وہ اللہ کی رضا و خوشنودی سے کاغذ بہرہ ور ہوگا مگر جو شہادت حاصل کر سکے گا اللہ کے ربا میں اسے بھی عبادت کا درجہ نصیب ہوگا اور وہ بھی شہداء کی طرح اجر عظیم کا مستحق ہوگا۔ اس نیا

اسے اہل نصیحت سے جو حصہ ملے گا وہ اس کے علاوہ ہر گناہ گویا ایک طرف اپنی ابرو دست محبت کا زخم تھا اور دوسری طرف ایمانی قوت کا زخم تھا۔ ایک طرف ظاہری سادہ سادہ مان پر بھروسہ تھا اور دوسری طرف روحانیت جلوتہ گزشتی۔

وہ انور چٹھے گزرتے چلے گئے لیکن فریقین کی فرمیں اپنی اپنی جگہ برقرار رہیں اور ان میں حرکت کے کوئی آئنا نظر نہ آئے۔ خالد بن ولید کے لیے یہ صورت حال قطعاً ناقابل برداشت تھی۔ آج تک یہ قابلِ گرد و کچھ کہ ان سے صبر نہ ہو سکا تھا۔ لیکن موقع ایسا تھا کہ خالد ایک لمحہ کے ذکر سے بچے۔ اس وقت مسلمان افواج چار حصوں میں ٹپی ہوئی تھیں۔ ہر حصہ فرج علیہ السلام کے ماتحت تھا۔ حدیث کہ ان دنوں بھی ہر لشکر میں علیہ السلام ہوتی تھی۔ خالد عراق سے صرف ساتھیوں کی امداد کے لیے آئے تھے، انھیں ان پر امیر بنا کر نہ بھیجا گیا تھا۔ ان کے لیے ناممکن تھا کہ وہ قبیلہ القنداد فرج کے ساتھ اکیلے ہی دشمنوں کے لشکر جبار پر حملہ کر دیتے۔ دوسرے نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں پر حملے کے شراک کر دیے لیکن ان کے حملے بھی زیادہ کارگر ثابت نہ ہو سکے مسلمان ان کے حملوں کو پس پا کر کے اپنے اپنے کیمپوں میں واپس آ جاتے۔ خالد کے لیے یہ آیتام ٹپے صبر کرنا تھے۔ وہ کچھ نہیں شامی افواج کی قیادت سپرد نہ کی تھی۔ خالد خود بھی ایسی درخواست نہ کر سکتے تھے کیونکہ اس طرح دوسرے امراء کے دلوں میں حسد پیدا ہو جاتا۔ دوسرے دن میں ان کے خلاف ایک طاقت ور محاذ پہلے ہی سے قائم تھا۔ وہ سختی سے اس درخواست کی مخالفت کرتا لیکن برومک کے کنارے جو واقعات پیش آ رہے تھے وہ مسلمانوں کی جہتیں بہت کرپٹ کے لیے کافی تھے۔ وہی بارہ صفیں نظم کرنے میں مصروف تھے اور ان کے کیمپ سے آنے والی خفیہ خبروں سے پتا چلتا تھا کہ وہ مسلمانوں پر بھرپور حملہ کرنے کے لیے کسی مناسب موقع کی تلاش میں ہیں۔ خالد کے علاوہ دیگر تمام امراء کو دوسروں کی تیاریوں اور ان کے خوف ناک اداؤں کا علم تھا۔ اس صورت میں خالد کے لیے یہی راستہ تھا کہ وہ اس پر آم کر ایک مستحکم قیادت قبول کرنے کا مشورہ دیتے لیکن اپنی ذات کے سوا انھیں اور کسی پر بھروسہ نہ تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ اگر انھوں نے کسی بھی شخص کو تمام اسلامی فوجوں کا سپہ سالار بنانے کی تجویز پیش کی تو دوسرے لوگ ان سے نہ راض ہو جائیں گے۔ سب کیس تو کیا کریں ؟

بابان کے آنے کے بعد رومیوں کی جنگی تیاریاں تیز تر ہو گئیں۔ وہ متعدد پادریوں کو بھی ساتھ لے کر آیا تھا۔ یہ پادری اشتعلال انگیز تقریریں دے دے رومیوں کو مسلمانوں کے خلاف بغض رکھانے اور عیسائیت کی سلامتی کا واسطہ دے کر انھیں جنگ پر ابھارتے تھے۔ واشنگٹن الفاٹھ میں رومیوں کو بتائے تھے کہ اگر اس موقع پر انھوں نے جم کر مسلمانوں کا مقابلہ نہ کیا اور انھیں ختم کرنے کی تدابیر نہ کیں تو عیسائیت کا خاتمہ ہے اس لیے انھیں عیسائیت کی بقا کی خاطر رشتہ کی بازی لگا دینی چاہیے اور کسی طور مسلمانوں کو زندہ نہ چھوڑنا چاہیے۔

ان آتشیں تقریریں کا مناظر خواہ اثر ہوا۔ رومی لشکر میں زبردست جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ اور رومی عیسائیت کی بقا کی خاطر جان دینے کو تیار ہو گیا۔ آخر ایک دلی مسلمان کو اطلاع ملی کہ رومی حملے لگائے سے میں اگلے دو دنوں پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ بابان نے اس طرح ان کی صفت بندی کی ہے جس کی نظیر آج تک دیکھنے میں نہیں آئی۔ یہ سن کر مسلمان امر کو ٹکر پیدا ہوا اور وہ اکٹھے ہو کر رومیوں سے مقابلہ کرنے کی تدابیر سوچنے لگے۔

ہزار سیر نے مختلف تھماؤں پر پیش کیں لیکن لشکر کی صفت بندی کے متعلق کسی نے کوئی رائے نہ دی کیونکہ ہزار سیر اپنے لشکر کی صفت بندی کا خود ذمہ دار تھا جب حالہ کی باری آئی تو کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

”آج کلون اللہ کے اہم دنوں میں سے ہے۔ آج کسی کے لیے غزوہ ہونا۔“

اور خود راقی و خود ستافی مناسب نہیں تھا۔ راجا و خالص اللہ کے لیے ہونا چاہیے اور مختص اپنے اعمال کو خدا کی غرض رومی کا ذریعہ بنانا چاہیے۔ یاد رکھو آج کی کامیابی ہمیشہ کی کامیابی ہے۔ ایک ایسی قوم سے جو ہر طرح منظم و مرتب ہے۔ تمہارا علم و علم و لانا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ جو تم سے دور ہیں (اور بکر) تمہارے حال کا علم ہوتا تو وہ کبھی تمہیں اس طرح لڑنے کی اجازت نہ دیتے۔ بے شک تمہیں ان کی طرف سے کوئی حکم نہیں ملا لیکن تم اس سلسلے کو اس طرح انجام دو گویا یہ تمہارے خلیفہ اور ان کے خیر خواہوں کا حکم ہے۔“

حالہ کی یہ تقریر سن کر کچھ دیر تک امر و جمہ کر پمکل خاص رشی طاری رہی اور ہر شخص سر

بھلائے اس معاملے کے متعلق سرچا رہا۔ غرض انہیں یقین ہو گیا کہ جو کچھ خالد نے کہا وہ بالکل سچ ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ تین مہینے ہونے کو آئے وہ رومیوں کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے، اٹا مسلمانوں کی حالت ... سے خاندہ اٹھا کر رومیوں نے اپنے آپ کو مضبوط اور طاقتور بنالیا۔ اس وقت ان تمام اعراس کے دلوں میں یہ خیالات گردش کر رہے تھے کہ اگر خاندہ غلامہ رومیوں نے غلبہ پالیا اور انہیں شکست دے کر پیچھے دھکیل دیا تو ان ولایات کا کیا ہوگا جو ابو بکرؓ نے ختم کرنے سے قبل ان کے لیے مقرر کی تھیں۔ اگر ابو سعیدؓ جمہور پہنچ سکے تو وہاں کی ولایت کیونکر حاصل کر سکیں گے؟ اگر مسلمانوں کو کچھ بٹنا پڑا تو یہ بد بھاری مارت پر کس طرح قبضہ حاصل کر سکیں گے؟ اگر انہیں سپاہی اختیار کرنی پڑی تو شریعت میں اس پر کیا نکتہ شمسکیں گے؟ اگر اس سرزمین میں مسلمانوں کے قدم نہ بٹھریں تو عربوں کا کس طرح حکومت قائم کر سکیں گے؟ اگر رومی مسلمانوں پر غالب آ گئے تو یہ سزا کیا منہ سے کر دیں گے؟ اور اہل مدینہ سے کیا نکتہ انہیں چار کر سکیں گے۔

آخر انہوں نے کہا،

”آپ ہی بتائیں اس موقع پر کیا تدبیر اختیار کی جائے؟“

خالدؓ نے جواب دیا:

”ابو بکرؓ نے ہمیں اس خیال سے یہاں بھیجا تھا کہ ہم یہاں آسانی سے کر لیں گے۔ اگر انہیں موجودہ حالات کا علم ہوتا تو وہ مزد تھیں اکٹھا رکھنے جن حالات میں سے تم گزر رہے ہو وہ پہلے واقعات کے مقابلے میں بہت سخت اور دشوار ہیں۔ لیکن بہت زیادہ خاندہ مند ہیں۔ یہی دیکھتا ہوں کہ تم علویہ علویہ ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم میں سے ہر شخص کو ایک شہر کے لیے نامزد کیا گیا ہے۔ لیکن اگر تم اس موقع پر کسی ایک شخص کو امیر تسلیم کر کے اس کی اطاعت اختیار کر لو تو اس سے نقصانے مراتب میں کوئی فرق پڑے گا اور اللہ اور امیر المؤمنین کے نزدیک تمہارا درجہ یکساں رہے گا۔ زیادہ کچھ تو تمہاری دشمنی نے کتنی ذرا دوستی کی کر رکھی ہے۔ یاد رکھو اگر آج ہم نے انہیں ان کی خندقوں میں دھکیل دیا تو ہم ہمیشہ انہیں دھکیلتے ہی رہیں گے۔ لیکن“

لیکن اگر انھوں نے ہمیں شکست دے دی تو ہم پھر کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے میری  
 تجویز اس بارے میں یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو بادی بادی امارت کا موقع ملنا  
 چاہیے۔ اگر آج ایک امیر ہے تو کل دوسرا، پسوں تیسرا، اترسوں چوتھا یہاں تک  
 کہ ہر شخص کو امیر بننے کا موقع مل جائے آج کے لیے تم مجھے امیر بنا دو۔

## جنگ کا آغاز

خالد بن ولید نے نہایت معقول تھی تمام امراء اس پر متفق ہو گئے اور پہلے روز کے لیے انھوں نے  
 خالد کو امیر مقرر کر دیا۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ رومیوں کی پریش آج بھی عام دنوں کی طرح ہوگی اور لڑائی  
 بہر حال طویل کھینچے گی اس لیے بادی بادی ہر ایک کو امیر بننے کا موقع مل جائے گا۔

خالد نے اس ایک مہینے کے دوران میں رومیوں کی ترتیب اور صفت ہندی کا بہ طور مطالعہ  
 کر لیا تھا۔ انھوں نے ان کے مقابلے کے لیے ایک ایسا طریقہ استعمال کرنا چاہا جو نہ صرف رومیوں  
 پر عیب ڈالنے والا ہو بلکہ اس کے ذریعے سے فتح بھی حاصل ہو سکے۔ انھوں نے اسلامی لشکر  
 کو آدھیں دستوں میں تقسیم کیا اور ایک دستہ کم و بیش ایک ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا اور فرمایا:  
 "تمہارے دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ کثرتِ تعداد پر نازاں ہے۔

اس کے مقابلے میں بھی تم بے ترتیب ہے کہ ہم اپنی فوج کے بہت سے دستے  
 بنالیں تاکہ دشمن کو ہماری تعداد و اصل سے بہت زیادہ غلط فہمی ہو۔"

تقسیم انھوں نے اشارہ دے کر رکھی اور اب وہ یہ کہ ان کا شمار کیا جائے ان دستوں میں ہرگز  
 بن ابوجہل اور قتاد بن عمرو بھی شامل تھے۔ ہمیں یہ دس دستے ستائیس کے اور ان کا سردار عمرو  
 بن عاص کو بنایا۔

ان دستوں میں خضر بن حسان بھی تھے۔ جیسو پر دس دستے متعین کیے  
 اور ان کا سردار یحییٰ بن ابی سفیان کو مقرر کیا۔ ہر دستے کا علمہ مقرر بھی تھا جو سینہ سپر اور تلک  
 مقرر دلوں سے احکام حاصل کرتا تھا۔ ان دستوں کے سردار دو لوگ تھے جو بادی بادی ہواں مروی اور  
 شہادت میں اپنی نظیر رکھتے تھے۔ ان کا قتاد بن عمرو، عمرو بن ابوجہل، صفوان بن امیہ وغیرہ۔

خالق نے اس ترتیب کے علاوہ لشکر کا ایک ہراول دستہ بھی بنایا تھا جس پر غیاث بن حکیم مقرر تھے۔ قاضی کی خدمت ابراہیم دور کے سپرد ہوئی۔ لشکر کے تباہی و ترقی کے لئے جو لشکر کو مقررہ انتظام پڑھ کر سنا یا کرتے تھے۔ سامان کے افسر عبداللہ بن مسعود تھے۔ وہ عطا اوسفیاء تھے۔ وہ لشکر پر گشت کرتے رہتے اور ہر دستے کے سامنے ٹھہر کر کہتے:

”اشد اللہ! قہر حامیانی عرب ہوا اور دین اسلام کے مددگار ہمارے مددگار ہیں۔  
حامیانی روم اور شمر کے مددگار ہیں۔ اے اللہ! آج کی جنگ میں تیرے نام کے  
لیے ہے۔ اے اللہ! اپنے جندوں پر اپنی مدد نازل فرما!  
خالق نے ایک شخص کو کہتے سنا،

”اور ہراولی کہتے زیادہ ہیں اور مسلمان کہتے کم!“  
یہ سن کر خالقا کو سخت طیش آیا اور وہ چلا کر بولے:

”اور ہراولی کہتے کم ہیں اور مسلمان کہتے زیادہ! یاد رکھو جو ہمیں اللہ کی مدد  
کی بدولت زیادہ ہوتی ہیں اور ناگامی و ہزول کی وجہ سے کم ہوتی ہیں۔ فتح و نصرت  
کا انحصار آدمیوں کی کثرت و قلت پر نہیں ہوتا۔“

پھر فرمایا:

”کاش (میرے گھوڑے) اشقر کا پاؤں اچھا ہوتا پھر جا بے دشمن تھا اسی  
ہم سے کہتے گا زیادہ کیوں نہ ہوتے مجھے ان کی مطلق پروا نہ ہوتی۔“

خالق کے یہ الفاظ سارے لشکروں میں پھیل گئے۔ ہر شخص کے بیچ میں غیرت و حمیت کے ہوتا  
بھڑکنے لگے اور ہرول میں شجاعت کی تمنا کر رہے تھے۔ ہر زبان پر یہ الفاظ جاری تھے،  
”جو ہمیں اللہ کی مدد کی بدولت زیادہ ہوتی ہیں اور ناگامی و ہزول کی وجہ سے  
کم ہوتی ہیں۔“

ہر شخص کے سامنے پہلی جنگوں کے شہر آگئے۔ جن میں کفار بے پناہ طاقت سے مسلمانوں  
کے مقابلے میں آئے لیکن ایمانی قوت کے سامنے ان کی ایک جہلی سکی اور ہر بار انہیں انتہائی  
زحمت و سہولتی سے پس پا ہوتا پڑا۔

مسلمانوں میں اس وقت آنا جو مشرک و زوروش پیدا ہو چکا تھا کہ شام آنے کے بعد سے اب تک پیدا ہوئے انھیں یقین ہو گیا کہ خلافت نے کج فتح حاصل کرنے کا نتیجہ کر لیا ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جب خلافت کسی کام لگا رہے اور لوگوں کی ترکوفی طاقت انھیں باز نہیں رکھ سکتی۔ اور انھوں نے رومیوں کو یہی طاقت و قوت سے میدانِ جنگ میں مضیں بازو سے برائے دیکھا۔ وہ مسلمانوں کی طاقت کو کھینچتے تھے کہ دین کے دلوں سے میدان میں آئے تھے۔ اس وقت انھیں خلافت کے یہ الفاظ یاد آئے۔  
 "آج کا دن اللہ کے اہم دنوں میں سے ہے۔ اللہ نے جنت کو ہر دار کو  
 رومیوں کے لیے کھول دیا ہے۔ آج جو شخص مرے قبول کرتا ہے اسے ہمیشہ کی زندگی  
 عطا فرمائی جائے گی۔"

ان الفاظ نے ان کے عزم و حوصلے میں بے پناہ زور پیدا کر دیا اور وہ ہاتھ پاؤں لگے کہ کرب جیسے  
 کا حکم ملتا ہے اور وہ میدانِ جنگ میں پہاڑی کے چوہے پر کھاتے ہیں۔

جس طرح مسلمانوں کو رومیوں کی تباہی کی اطلاع مل گئی تھی اسی طرح رومیوں کو بھی مسلمانوں کی  
 نقل و حرکت کا حال معلوم ہو گیا۔ غالباً اس علاقے کے رہنے والے کچھ بدو و نڈل لشکروں کے درمیان  
 جاسوسی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ خلافت کو خبر دی کہ یہ اطلاعات کے یہ اطلاع بھی ملی کہ ان کے  
 آنے کی وجہ سے رومیوں کے بعض مشرانوں کے دلوں میں سخت گھبراہٹ اور بے چینی پیدا ہو گئی ہے۔  
 ان گھبراہٹ پر نے بے چین مشرانوں میں چھوٹی بھی شامل تھا یہ شخص یا تو عربی نسل تھا یا تھا قردوسی  
 - لیکن سالہا سال سے شام میں رہنے کے باعث عربی بہت اچھی طرح جانتا تھا اور اسے مسلمانوں  
 کی بہت سی باتوں کا بخوبی علم تھا۔ جب اس کے جاسوسوں نے اسے خلافت کی بے نظیر خبر ملنے پر  
 شروعات کی اطلاع دی تو بے اختیار اس کے دل میں خلافت سے بچنے اور ان سے گفتگو کی خواہش  
 پیدا ہوئی۔ خلافت کو بھی یہی اس خواہش کا علم ہو گیا جب باہان لے کر رومی دستوں کو مسلمانوں کے علاقے  
 کے لیے بھجئے کا حکم دیا تو چھوڑ کر براہِ راست چلے گئے۔ اس نے موقعِ نصیحت جان کر خلافت کو کچا ہا۔  
 خلافت کو اس سے عمل کرنے اور دونوں لشکروں کے درمیان اسے ملے دونوں میں باتیں ہونے  
 لگیں۔ رومیوں نے یہ سمجھا کہ چونکہ رومیوں کی ضرورت ہے۔ انھوں نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ  
 کیا اور انھیں اپنی جگہ سے پیچھے ہٹا دیا۔

مکرمہ خاندان کے خیمے کے سامنے اپنا دستہ لیے کھڑے تھے جب انھوں نے دیکھا کہ مسلمان روہیل کے حملے کی تاجی دلا کر بچے ہٹنے لگے تو غیرت و حمیت ان کی رگ رگ میں سرایت کر گئی اور انھوں نے ہٹ کر روہیل سے کہا:

”میں رسول اللہ جیسے مقدس انسان سے ہر میدان میں لڑنا راہمیل کیلئے آج کی لڑائی میں تم سے ڈر کر بھاگ جاؤں گا؟ واللہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ کر وہ ساتھیوں کی طرف ہٹے اور کہا:

”اگر موت کے لیے کوئی بیعت کرتا ہے؟“

یہ سن کر ضرار بن اور حارث بن ہشام ان کے لڑنے عزم و نعرہ اور چار سو دوسرے بہادر و سزاوار مسلمانوں اور شہسواروں نے مکرمہ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی اور حکمران انھیں لے کر روہیل پر ٹوٹ پڑے۔ روہیل کے پاؤں اس ناگہانی حملے کی وجہ سے ڈکڑھا گئے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ اس اسی وقت چروہ نے خاندان سے گفتگو کے نتیجے میں اسلام قبول کر لیا اور اپنا دستہ لے کر مسلمانوں سے مل گیا۔ یہ امر روہیل میں مزید بدعاشی اور بدتر ہی پیدا کرنے کا موجب ہوا۔

## فتح یرموک

جب خاندان نے روہیل لشکر کو پیچھے ہٹنے دیکھا تو انھوں نے اپنے لشکر کو آگے بڑھنے اور روہیل پر زبردست حملہ کرنے کا حکم دیا۔ مکرمہ کے دستے کا زور کیا کم تھا جواب خاندان کے لشکر نے قیامت خاں شروع کی۔ روہیل کے سپہ سالار کوئی ہائے فزاد نہ ملتی۔ پیچھے ہٹ کر وہاں کی ہولناکی گھاٹی اور گہرے گھاٹوں کا راستہ دیکھ کر ہونے لگے۔ وہ دستانے سے مسلمانوں کا لشکر انھیں بے دریغ قتل کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ خاندان تمام ہاتھ میں لیے سب سے آگے آگے تھے۔ اس موقع پر سلطان حمزہ بن ابی مرہوں سے کم زار ہیں اور انھوں نے بھی ہمدردی کے جوہر دکھائے۔ چنانچہ حمزہ بن ابی مرہوں نے چنانچہ اس موقع پر دکھایا اس نے اس بات سے کی یاد تازہ تازہ کر دی جو غزوہ اہم کے موقع پر اس کی والدہ جند کے ذریعے سے ظہور پذیر ہو چکا تھا۔

روہیل بھی اپنی حماقت میں جہان توڑ کر لڑے۔ جو مسلمان ان کے مقابل میں آگیا زندہ نہ بچ سکا۔

رومیوں کی شجاعت اور جہاں مروی کی جہ سے غاصی و بینک لڑائی کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا شام ہر گئی مگر لڑائی جاری رہی۔ مکر و اور لڑائی کے ہاتھ پر موت کی بیعت کرنے والے لوگوں میں سے کوئی بھی اپنی جگہ سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹا۔ یہ لوگ مصر کے آغاؤں سے انتقام تک انتہائی جواں مروی سے دشمن کے سامنے ڈٹے رہے اور بڑے چڑھ کر گھنے کر سہے۔ سورج غروب ہونے پر رومیوں میں ضعف کے آثار پیدا ہونے لگے۔ ان کے سرداروں کے چہروں سے شدید تھکاوٹ کے آثار عیاں تھے اور وہ بھاگنے کے لیے کسی راستے کی تلاش میں تھے لیکن اس وقت ان کے لیے کوئی راہ فرار نہ تھی۔ واقصہ کی گھاٹی ان کے پیچھے تھی اور سلطان ان کے آگے نہ بھاگے رفتن نہ پائے باقی۔

خاندان نے آغاز و کر لیا کہ رومی سواروں کا فرار ان کے ساتھیوں کے لیے مزید کم زوری کا باعث ہو گا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے آدمیوں کی ایک طرت ہٹ جانے کا حکم دیا جب ان سرداروں نے راستہ کھلا دیکھا تو بے تر شا گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس راستے سے چلے گئے اور سرزمین شام میں منتشر ہو گئے جب میدان رومی سواروں سے خالی ہو گیا تو خاندان نے سواروں کو پیدل دھنسنے کے رومیوں کے پیدل دستوں پر ٹوٹ پڑے اور ان کا صفایا کرنا شروع کیا۔ رومی اپنی خندق میں گس گئے۔ خاندان بھی پہنچ گئے تو انھوں نے واقصہ کی گھاٹی کا رخ کیا۔ اکثر رومیوں نے میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے کے لیے پاؤں میں جڑیاں ڈال رکھی تھیں۔ وہ دھڑا دھڑا اس گھاٹی میں گرنے لگے۔ اگر ایک گنا تھا تو دس کو ساتھ لے کر گرتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گنا کوئی دیوار میں مینا و زمین ہوس ہو گئی ہے۔ اندھیرا لگ رہا ہو چکا تھا۔ وہ لوگ کھنکھناتے ہوئے۔ جو رومی بھاگ بھاگ کر اوجھڑتے تھے جبرزد ہوتی کر گئے حائل پر کیا گزری وہ بھی اس کھنکھناتے ہوتے جبری کے بیان کے مطابق ایک لاکھ میں ہند رومی واقصہ کی گھاٹی کی نذر ہوئے۔ ان میں سے اتنی ہزار نے اپنے آپ کو بڑیوں سے باوجود کھنکھناتے اور پیدلوں کے علاوہ ہے جو میدان جنگ میں کام آئے۔ یہ لڑائی دن اور رات کے اکثر حصے میں جاری رہی۔ صبح ہونے سے پہلے ہی خاندان رومی لشکر کے پہاڑی اعظم کے نیچے تک پہنچ چکے تھے۔

برقل کا بھائی تزارق بھی اسی مصر کے میں قتل ہوا۔ فیقا لاداس کے ساتھی جن کا شمار رومیوں کے سرکردہ اور سرور شاہی میں ہوتا تھا، جنگ میں مارے جانے سے بچ گئے تھے لیکن

۵ اس عبرت ناک شکست کو بروایت مذکور لکھے۔ انھوں نے اپنے آپ کو ذلت سے بچانے کے لیے  
 ٹوہوں سے مزہ چھاپیے اور میدان کے ایک جانب جھڑ کر کہا کہ اگر ہم سرت کمانی دیکھنے اور حیثیت  
 کی حمایت کرنے کے قابل ہیں تو ذلت و ذلّت کا یہ دن بھی آنکھوں سے دیکھنا نہیں چاہتے۔ چنانچہ  
 وہ لوگ اسی حالت میں قتل کر دیے گئے اور موت انھیں عار سے بھانے کا موجب ہوئی۔ باذان نے  
 بھاگ کر جان بچائی اور ہند کی جنگوں میں دوبارہ مسلمانوں کے مقابلے پر آیا لیکن اس کا حشر ہمیشہ  
 یروشلم سے کم نہ ہوا۔

رومیوں کو کامل شکست ہو چکی تھی مسلمان ان کی لشکر گاہ میں داخل ہوئے۔ خانہ نے برقی کے  
 بھائی تدمق کے خیمے میں رات گزاری۔ صبح کو جب انھوں نے میدان میں نگاہ دوڑائی تو وہ نہ تو کم  
 کسی دوش کا نشان دکھائی نہ دیتا تھا۔ جو میدان ایک روز قبل رومی افواج قاہرہ سے بھر رہا تھا،  
 جہاں بڑے قہقہے جھنگی گھوڑے جلا نہیں دکھاتے تھے، جہاں ہر طرف عالی شان اور بلند بالا غمروں کی  
 قطاریں تھکراتی تھیں، اب یہاں کا عالم تاری تھا۔ کسی دوش کا نام و نشان نظر آتا تھا کسی گھوڑے  
 کا عالی شان اور بلند بالا غمروں کا وجود تھے لیکن انکوں سے خالی تھے اور ان کی جگہ مسلمان انہی ہیں  
 آرام کر رہے تھے۔ یہ نظارہ دیکھ کر خالد کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور انھوں نے اللہ کے  
 اس تعلیم و نشان احسان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھایے۔

جنگ یروشلم میں مسلمان شہدائے تعداد بھی کم نہ تھی۔ اس لڑائی میں تین ہزار مسلمان شہید ہوئے  
 تھے جن میں حبیب اللہ، صہبہ اور بڑے بڑے بہادروں اور شہسواروں کی ایک بڑی تعداد شامل تھی۔  
 مصر کے دوران میں مکر میں ابو حبل اور ان کے بیٹے عمرو بن مکرمر کے جنم نموداروں اور نیزوں سے  
 چھلانے ہو چکے تھے فتح کے بعد انھیں تدمق کے خیمے میں خالد کے پاس لایا گیا۔ خالد نے مکرمر  
 کا سراپائی دان پر اور عمرو بن مکرمر کا سراپائی پنڈلی پر دکھایا اور ان کے چہروں سے مٹی پونچھنے اور حق  
 میں پانی لپکانے لگے۔ اسی عالم میں انھوں نے دوائی ابل کر لیکر کہا۔ "یوشیماں کی آنکھیں ایک  
 حیرت لگ گیا جسے ابو حشر نے نماہ۔"

اس جنگ کا انجام روہمیل کے لیے بہت حسرت ناک تھا۔ ان کی تمام امیدیں خاک میں  
 مل گئی تھیں۔ تمام منصوبے مٹا دیے ہوئے تھے۔ برقی ان دنوں محسوس میں تھیں جو جی اس نے

اپنے لشکر کی عبرت ناک شکست کی خبر سنی وہ ایک شخص کو اپنا قائم مقام بنا کر خود ہاں سے بھاگ گیا۔ اور مسلمانوں نے جنگ یربرک سے فراغت حاصل کرتے ہی اردن کی طرف پیش قدمی شروع کر دی اور دھڑے ہی عرصے میں اُسے رومیوں سے پاک کرالیا۔ اس کے بعد انھوں نے دمشق کا رخ کیا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔

دمشق کا محاصرہ ۱۰۷۱ء کی فتح اور بعد کے واقعات طبری اور ان کے حاشیہ جہینوں کے بیان کے مطابق حضرت عمرؓ کی خلافت کے اقام میں پیش آئے۔ جنگ یربرک کے دوران میں بعض ایسے واقعات بھی پیش آئے جن کا ذکر ہم نے درمیان میں کن مناسب نہ کیا کیونکہ اگر تمام مؤرخین نے ان کا ذکر کیا ہے پھر سچی ترتیب میں اختلاف پایا جاتا ہے اور ہم نے اس سے پہلے موت اپنی واقعات کا تذکرہ کیا ہے جو طبری اور اس کے حاشیہ جہین مؤرخین نے بالاتفاق اپنی کتابوں میں بیان کیے ہیں۔ ان واقعات میں سب سے مشہور واقعہ یہ ہے کہ زمین اس وقت جب گھسان کی جنگ جاری تھی، مدینہ سے ایک نامہ محمد بن زینم سیدان جنگ میں پہنچا۔ لوگوں نے اسے گھیر لیا اور مدینہ کے حالات پر چھنے شروع کیے۔ اس نے موقع کی نزاکت کو دیکھ کر کہا کہ مدینہ میں ہر طرح خیریت ہے اور بخاری اہلاد کے لیے فوجیں آ رہی ہیں۔ لوگ اسے خلافت کے پاس لے آئے۔ اس نے انھیں ملحدگی میں لے مار کر ابو بکرؓ کی وفات کی خبر سنا لی اور ایک خط بھی دیا۔ یہ خط عمرؓ کی طرف سے تھا اور اس میں انھوں نے خلافت کو امارت سے معزول کر کے ان کی جگہ ابو عبیدہؓ کو قیادت سمجھانے کا حکم دیا تھا۔ خلافت نے یہ خط پڑھا اور اسے ترکش میں ڈال دیا مبادا یہ خبر لشکر میں پھیل کر لوگوں کی ہمت بیتی کا سبب بن جائے جب جنگ ختم ہو چکی اور خلافت نے اپنا فرض ادا کرتے ہوئے رومیوں پر فتح حاصل کر لی تو وہ لشکر کی قیادت سے ملحدہ ہو گئے اور خلافت ثانی کے احکام کے مطابق امارت ابو عبیدہؓ کو سونپ دی۔

جہاں تک خلافت کی معزولی کا تعلق ہے کسی بھی مؤرخ کو اس سے اختلاف نہیں البتہ یہ بات ہے کہ اس بات میں کہ آیا یہ خط خلافت کے ہم قضا یا ابو عبیدہؓ کے نام بعض مؤرخین سمجھتے ہیں کہ خلافت کی معزولی کا حکم خردان کے پاس نہیں بلکہ ابو عبیدہؓ کے پاس آیا تھا لیکن ابو عبیدہؓ نے اسے غلطی رکھا اور دمشق کے محاصرے تک اس کی اطلاع خلافت کو نہ دی۔ مگر بعض دوسرے مؤرخین کا کہنا

ہے کہ ابو عبیدہ نے یہ حکم اس وقت تک مخفی رکھا جب تک دمشق مسلمانوں کے ہاتھوں فتح نہ ہو گیا۔  
شہر پر کامل تسلط کے بعد ابو عبیدہ نے یہ خطہ خالدؓ کو دکھا کر امانت خرید لی۔

طبری نے شامی افواج کی سپہ سالاری سے خالدؓ کی معزول کے جو واقعات بیان کیے ہیں  
انھیں پڑھ کر قارئین کو عجیب پریشانی لاحق ہوتی ہے کیونکہ خالدؓ صرف اس فوج کے امیر تھے جو  
عراق سے ان کے ساتھ آئی تھی، شام میں مقیم دوسری اسلامی افواج میں سے کسی کی امانت سے  
انھیں حاصل نہ تھا۔ اسی طرح ابو عبیدہ بھی عمرو بن عاصؓ، یزید بن ابی سفیانؓ اور شرجیل بن حسنہؓ کی  
طرح صرف اپنی فوج کے سربراہ تھے، جنگ یرموک کے دن خالدؓ کو کل فوج کا سپہ سالار تمام عمرو  
کی رضا مندی سے بنایا گیا تھا۔ اور اگر پہلے ہی روز مسلمانوں کو فتح حاصل نہ ہو جاتی تو دوسرے روز  
کوئی دوسرا سردار سپہ سالار بنتا۔ یہ واقعات ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے میں طبری کے علاوہ دوسرے  
مؤرخین کی کتابیں بھی دیکھنی چاہئیں کہ آخر وہ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں۔

## فتح شام کے متعلق دوسری روایات

اصل میں شام کی فتوحات کے بارے میں انہی روایتیں اور بلاذری کا طبری سے بہت زیادہ اختلاف  
ہے۔ ابی اصحاب کی بیان کردہ روایات کے مطابق جنگ یرموک شام کی پہلی جنگ نہ تھی بلکہ  
اجنادین اور دمشق کی جنگیں اس سے پہلے ہو چکی تھیں۔ ان روایات کے مطابق ابو بکرؓ نے جنگ لڑنے  
مردین ختم ہوتے ہی شام کی فتح کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس وقت سرحد پر کوئی مسلمان فوج نہ تھی۔  
ایک روز انھوں نے مدینہ کے اہل الرائے حضرات کو طلب فرمایا اور ان کے سامنے شام کی چھائی  
کے متعلق اپنی تجاویز دیکھیں جن کا ذکر ہم پچھلے باب میں کر چکے ہیں جب انھوں نے تمام لوگوں کو  
اپنا ہم لڑا یا تو یمن اور حبشہ عرب کے دوسرے علاقوں کے لوگوں کو بنیام بھیجے کہ وہ شام پہنچ کر  
اپنے آپ کو جہاد کے لیے جہیز کریں۔ اس اثنا میں وہ مدینہ، مکہ، طائف اور جہاد کے مسلمانوں کو بھی  
اسی غرض کے لیے تیار کرتے رہے۔ فوج کو اکٹھا ہونے پر انھوں نے چار آدمیوں کو مکہ منیت  
فرمانے اور انھیں فوجوں کا سربراہ کر شام کی جانب روانہ کر دیا۔ یہ چار اشخاص یزید بن ابی سفیانؓ  
ابو عبیدہ بن جراحؓ، اصنادین جبلؓ اور شرجیل بن حسنہؓ تھے۔ ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ انھوں

نے ان چاروں اشخاص کے لیے وہ علاقے بھی مخصوص فرما دیے تھے جہاں کواھنیں والی بناتھا۔  
 تصادم سے بچنے کے لیے انھیں یہ ہدایت بھی دی تھی کہ اگر کسی امیر کے متذکرہ وہ علاقے میں کھار  
 سے جنگ چھڑ جائے اور کوئی دوسرا امیر بھی اس وقت اس علاقے میں موجود ہو یا اسے مدد کے  
 لیے طلب کیا گیا ہو تو لشکر کی قیادت عامر اس امیر کے سپرد ہوگی جس کے علاقے میں جنگ ہو رہی  
 ہو۔ اس کے بالمقابل ایک اور روایت میں یہ ہے کہ انھوں نے ابو عبیدہ بن جراح کو ان تمام افواج  
 کا سپہ سالار اور یزید بن ابی سفیان کو ماریت میں ان کا نائب بنایا تھا۔ ان لشکروں کی روانگی کے  
 انتظامات کی تکمیل اس وقت ہوئی جب ذوالکھراج حیرہ اور یمن کے دوسرے تمام شہزادے اپنے  
 قبائلی مروج، طئی اور اسد وغیرہ کو لے کر مدینہ میں حاضر ہو گئے۔ تیاری مکمل ہونے پر ابو بکرؓ نے  
 سب سے پہلے یزید بن ابی سفیان کو ان کے لشکر کے ہمراہ شام روانہ فرمایا اور ان کے پیچھے بچے  
 زمر بن اسود کو ایک فوج دے کر بھیجا۔

باقی لشکر ابھی مدینہ ہی میں تھے جب گلیاں باہر سے آنے والے پیادوں کے جھگڑنے تو  
 ابو بکرؓ انھیں لشکر مدینہ سے باہر نکلے اور غزیرۃ الوداع پہنچ کر انھیں رخصت کیا۔ خالد بن سعیدؓ  
 حاضر بھی ان لشکروں کے ساتھ شام روانہ ہوئے لیکن انھوں نے اپنے چھپے بھائی یزید بن  
 ابی سفیان کے بجائے ابو عبیدہ بن جراح کے لشکر میں شامل ہونا پسند کیا کیونکہ وہ سابقہ فوجی کارکن  
 میں سے تھے اور انھیں رسول اللہؐ کی زبان مبارک سے اہلن الامت کا لقب مل چکا تھا۔ ان  
 لشکروں کی روانگی کے بعد مدینہ میں یمن اور عرب کے دوسرے علاقوں سے مزید لشکر پہنچنے شروع  
 ہوئے۔ انھیں بھی ابو بکرؓ نے شام کی جانب روانہ فرمایا اور اجازت دے دی کہ وہ اگلے لشکروں  
 میں سے جس لشکر کے ساتھ چاہیں مل جائیں۔

ہرقل ان دنوں فلسطین میں تھا جب اسے سلاطین کی تیاریوں کی خبریں ملیں تو اس نے علاقوں  
 کے شہزادوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے جو شبلی تقریریں کر کے انھیں سلاطین کے خلاف جنگ کفے  
 پر آمادہ کیا، اس نے کہا کہ یہ خبر کے نکلنے پر مذہب لوگ حملوں سے نکل کر تم پر حملہ آور ہوتا  
 ہے بجز ان کی روایت ہے کہ جب ابو بکرؓ نے ابو عبیدہ کو حکم دے کر شام بھیجا چاہتا تو انھوں نے معذرت چاہی۔  
 بعد میں عمرؓ نے خطاب نے اپنے زمانہ خلافت میں سارے حکم کو الیٰ ہا کر بھیجا۔

چاہتے ہیں تم انھیں ایسا نہ توڑ جواب دو کہ پھر یہ کبھی تمھاری طرف دیکھنے کی بھی جرات نہ کر سکیں۔  
سامان حرب اور فوجوں کے ذریعے سے تمھاری پوری مدد کی جائے گی۔ جو اموال تم پر مقرر کیے گئے  
ہیں تم نل وہاں سے ان کی اطاعت کرو فتح تمھاری ہی ہو گی ؟

فلسطین کے لوگوں کو مسلمانوں کے غلات آبادہ بیکار کر کے ہرقل دمشق آیا۔ وہاں سے  
محمص اور انطاکیہ پہنچا اور فلسطین کی طرح ان علاقوں میں بھی اس نے جویشی تقریریں کر کے وہاں  
کے لوگوں کو مسلمانوں کے غلات جنگ کہنے پر آمادہ کیا۔ خود انطاکیہ کو مہدیہ کی طرف لے کر مسلمانوں  
مقابلے کی تیاریاں کرنے لگا۔

اسی اثنا میں ابوصبیدہ داؤدی قرنی اور حجر سے گزر کر سرزمین شام میں داخل ہو چکے تھے۔ تاب  
میں ایک رومی لشکر سے ان کی مٹ بجلیں ہوئی۔ رومی لشکر مسلمانوں کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا۔  
اور اسے جلد ہی شکست کھا کر پس پا ہونا پڑا۔ جاسیہ پہنچنے پر ابوصبیدہ کو معلوم ہوا کہ ہرقل نے مسلمانوں  
کے مقابلے کے لیے ایسا عظیم الشان لشکر تیار کیا ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ اس پر انھوں نے  
اہل کربہ کو تمام محالات کچھ کر مشورہ طلب کیا اور امداد کی درخواست بھی کی۔ ادھر بنو ہاشم ابی سفیان  
نے بھی اہل کربہ کو ایک خط لکھا لیکن اس میں رومیوں کی زبردست جنگی تیاریوں سے خوف کھانے  
کے بجائے اس امر کا اظہار کیا گیا تھا کہ ہرقل کا فلسطین سے انطاکیہ پہنچ جانا خود اس کے خون  
ہراس پر دلالت کرتا ہے۔ اہل کربہ کو مزید کے خط سے بہت خوشی ہوئی اور انھیں جواب میں لکھا کہ  
تم اسی طرح بہت جلد رکھو اللہ یقیناً تمھاری مدد فرمائے گا۔ لیکن ابوصبیدہ جو جواب بھیجا اس میں  
اس امر پر صاف کا اظہار کیا گیا تھا کہ وہ رومیوں کی قوت و شوکت سے مرعوب ہو گئے۔ پھر بھی  
دو روز غلطوں میں انھوں نے مزید ملک بھیجنے کا وعدہ کیا۔

اہل کربہ نے اہل مکہ کو خط لکھ کر ان سے بھی موجودہ حالات کے متعلق مشورہ طلب فرمایا تھا۔  
یہ بات عمار کو ناگوار گزری کیونکہ وہ نہ چاہتے تھے کہ اہم امور کے متعلق مشورہ مل میں مابقتی لاؤمل  
اور بعد میں اسلام قبول کرنے والوں کو ایک سطح پر رکھا جائے پھر بھی وہ اہل کربہ کو ایسا کہنے سے  
روک نہ سکے۔ اس اثنا میں حروب قیائل ہواؤ کے مشرق میں چاروں طرف سے آگ و دہش میں اٹھنے  
ہو رہے تھے۔ اہل مکہ کی بھی ایک کثیر تعداد مدینہ پہنچ چکی تھی۔ اہل کربہ نے ان تمام لوگوں کا سوار

عمر دین عاص کو نہایا اور انھیں شام روانہ ہونے کا حکم دے دیا۔ عمرو بن عاص نے پہچان کر  
 کیا شام میں لڑنے والی فوجوں کی قیادت بھی میرے پاس رہے گی؟

ابوبکر نے جواب دیا:

”تم صرف ان لوگوں کے سردار ہو جو یہاں سے تمہارے ساتھ بھیجے جا رہے  
 ہیں لیکن شام پہنچ کر اگر اسلامی لشکروں کو مل کر دشمن کا مقابلہ کرنا پڑا تو تمہارے  
 امیر ابو عبیدہ بن جراح ہوں گے۔“

روانگی کا وقت آیا تو عمر دین عاص نے عمر سے درخواست کی کہ وہ ابوبکر سے سفارش  
 کر کے انھیں شام میں لڑنے والی اسلامی افواج کا سپہ سالار مقرر کرادیں لیکن عمر نے صاف جواب  
 دے دیا اور کہا:

”میں تمہیں دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا۔ میں ہرگز ابوبکر سے سفارش نہ  
 کروں گا۔ کیونکہ میرے نزدیک درجے کے لحاظ سے ابو عبیدہ تم سے افضل ہیں۔“  
 عمر دین عاص لے لیا:

”میرے امیر بن جاتے سے ابو عبیدہ کے درجے اور فضیلت میں کوئی فرق  
 نہیں آئے گا۔“

لیکن عمر دین عاص کی باقر کا کچھ اثر نہ ہوا اور انھوں نے جواب دیا:

”عمرو انھیں کیا ہو گیا؟ تم اپنے لیے امارت کے خواہش مند ہو اور اس سے

تمہاری طرف اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمہیں ایک دینی رتبہ اور نقد و منکرات حاصل

ہو جائے۔ تمہیں اللہ سے ڈنا اور اس کی خوشنودی کے سوا اور کسی چیز کا طالب نہ

ہونا چاہیے۔ تم لشکر کے سر شام روانہ ہو جاؤ۔ اگر اس مرتبہ تم امیر نہیں بن سکے تو

ماریسی کی کوئی وجہ نہیں۔ امارت کے موقع آگے مل کر بہت آئیں گے۔“

اس قسم کی باتیں کر کے عمر نے عمرو بن عاص کو مایوس کر دیا اور وہ ابوبکر سے فتنے پھیلانے کا

کرنے کے بعد فوج لے کر شام روانہ ہو گئے۔  
 اگرچہ ابوبکر کی طرف سے ابو عبیدہ کو پیش قدمی کی ہدایات ملی رہی تھیں۔ لیکن اس کے

بادجو و پیش قدمی کی رفتار بہت سست تھی۔ سڑک سے بھیجی ہوئی امداد اور عروین عاص کے شام پہنچنے پر بھی اس سست روی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی بلکہ ابو عبیدہ برابر ابوبکرؓ کو کھینچتے رہے:

”دوئی لہلان کے حاشیہ نشین قبائل مسلمانوں سے لڑنے کے لیے بھاری تعداد میں اکٹھے ہو رہے ہیں اس لیے مجھے رات نہ دیکھیے کہ اس موقع پر کیا کرنا چاہیے؟“  
ابو عبیدہ کے پے درپے خطوط سے ابوبکرؓ تنگ آ گئے اور انھوں نے خالد بن ولید کو شام بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اس وقت عراق میں تھے۔ ابوبکرؓ نے انھیں لکھا:

”جو نئی سیر یا خط تمھارے پاس پہنچے عراق سے شام روانہ ہو جاؤ۔ مثنیٰ کی فوج کو عراق ہی میں چھوڑ دو اور اپنے ساتھیوں میں سے بہترین آدمی جن کی کساتھ لے لو۔ شام پہنچ کر ابو عبیدہ بن جراح سے ملو۔ اس وقت شام کی افواج ابو عبیدہ کے زیر سرکردگی ہیں لیکن آئندہ انی فوجوں کے سپہ سالار تم ہو گے۔ سلام علیک۔“  
جب خالدؓ کو یہ خبر ملی کہ انھیں عراق سے ہٹا کر شام بھیجا جا رہا ہے تو انھیں بہت غصہ آیا۔ ابھی تک انھوں نے غلیفہ کا خط نہ پڑھا تھا۔ انھیں خیال ہی نہ تھا کہ یہ سارا کام عمرؓ کا ہے۔ وہ انھیں عراق سے ہٹا کر خود ان کی جگہ لینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس خیال کا اظہار انھوں نے زبان سے بھی کر دیا۔ انھوں نے کہا:

”یہ سب کچھ عمرؓ کا کیا دھرا ہے۔ انھیں اس بات کا حسد ہے کہ آئندہ عراق

میرے نصیب سے کیوں فتح کر لیا۔“

لیکن جب انھوں نے ابوبکرؓ کا خط کھول کر پڑھا جس میں انھیں شام میں مقیم اسلامی افواج کی قیادت سپرد کی گئی تھی تو اطمینان کا احساس آیا۔

جن مرتضیٰ نے باغات اس ترتیب سے بیان کچے ہیں وہ یہ بھی ذکر کر کے ہیں کہ جب ابوبکرؓ کا خط خالدؓ کو ملا تو وہ حیرت میں تھے اور انبار و صین التمر کی فتوحات ابھی تک وقوع میں نہ آئی تھیں۔ غلہ جنے پر انھوں نے تیاری کی اور شام روانہ ہو گئے۔ یہ دو دن مقام ٹستہ میں پڑتے تھے انھیں فتح کیا اور قزاقز پہنچے۔ قزاقز سے وہ صحرا کو قطع کر کے سمری پہنچے جہاں سے سمرقند شام شروع ہوا تھا۔

ابو بکرؓ نے خالدؓ کے ساتھ ہی ابو عبیدہؓ کو بھی ایک خط ارسال کیا تھا جس میں لکھا تھا،  
 ”میں نے خالدؓ بن ولید کو رمیوں سے جنگ کرنے کا کام سپرد کیا ہے تم  
 ان کی مخالفت نہ کرنا اور بدول و جان ان کے تمام احکام کی اطاعت کرنا میں  
 نے انھیں مختار امیر مقرر کیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ کوئی لٹاؤ سے مختار مرتبہ خالدؓ کے  
 بلند تر ہے لیکن جو جنگی مہارت خالدؓ کو حاصل ہے وہ تمھیں حاصل نہیں۔ اللہ ہمیں اور  
 تمھیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔“  
 اور خالدؓ بن ولید نے بھی ابو عبیدہؓ کو یہ خط لکھا:

”میری دعا ہے کہ اللہ ہمیں اور تمھیں خون کے دن امن عطا فرمائے اور  
 اس دنیا میں دشمنوں کے ہاتھوں شکست کھانے سے محفوظ رکھے۔ میرے پاس  
 خلیفہؓ رسول اللہ کا خط آیا ہے جس میں مجھے شام جانے اور وہاں اسلامی لشکروں  
 کی کمان سنبھالنے کا حکم دیا گیا ہے۔ واللہ! انہیں نے شامی افواج کی سپہ سالاری  
 کی خواہش کی، نہ میرے خیال میں یہ بات اُسکتی تھی کہ مجھے شامی افواج کا سپہ سالار  
 مقرر کر دیا جائے گا، نہ میں نے کبھی خلیفہؓ رسول اللہ یا کسی اور شخص کو اشارہ نہ  
 کیا نہ کوئی خط ہی لکھا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو مرتبہ اس وقت آپ کا ہے  
 اُس نہ بھی اسی طرح برقرار رہے گا۔ نہ آپ کے کسی حکم سے روگردانی کی جائے گی  
 نہ آپ کی کسی رائے کی مخالفت کی جائے گی اور نہ کوئی کام آپ کے مشورے  
 کے بغیر کیا جائے گا کیونکہ آپ مسلمانوں کے سردار ہیں۔ آپ کی نصیحت سے کوئی  
 شخص انکار نہیں کر سکتا اور نہ آپ کی رائے سے پہلو تھکی جاسکتی ہے۔ اللہ  
 ہمیں اپنے احسان کی دولت سے مالا مال کرے اور آگ کے عذاب سے بچائے۔  
 والسلام علیک ورحمۃ اللہ۔“

خالدؓ سمعی سے لوٹتی پہنچے وہاں سے قسم آئے جہاں انھوں نے بزم شہو سے صلح کی یہاں  
 سے وہ غزیر اور ذات النضین کی طرف چلے اور راستے میں یغیم قبائل کو خوب کرتے ہوئے غزوہ  
 دمشق پہنچ گئے۔ راستے میں تدمر کی تسخیر بھی عمل میں آئی۔

خالدؓ بلادی میں نہ کر رہے کہ آپؐ کو جسے ہارین اور مرج الزبط جو تھوڑے عرصہ دمشق پہنچے تھے۔

خوف سے شیعہ العقاب کے راستے انھوں نے دمشق کا قصد کیا۔ اس شیعہ دگھائی (مکر) شیعہ العقاب کا نام خالد کے حملے کے بعد دیا گیا کیونکہ یہاں انھوں نے رسول اللہ کا جھنڈا عقاب لہرایا تھا۔ دمشق کے مشرقی دروازے سے ایک میل کے فاصلے پر وہ ایک گرجے میں آکر جیسے بید میں دیر خالد کا نام دے دیا گیا۔ بعض روایات میں مذکور ہے کہ ابو عبیدہ ان سے یہیں بے تحاشے اور دمشق کا محاصرہ اصل میں اس روز شروع ہوا تھا۔

بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ خالد نے دمشق کے سامنے زیادہ دن تک قیام نہ کیا بلکہ آگے بڑھ کر قاعہ بصری پہنچے جہاں مسلمانوں کی افواج مجتمع تھیں۔ اس اشارے میں مسلمانوں کو خبریں پہنچنی شروع ہوئیں کہ ہر قتل نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اجنادین میں ایک عظیم لشکر جمع کیا ہے۔ یہ خبریں سن کر پہلی روایت کے مطابق مسلمان دمشق کا محاصرہ چھوڑ کر شام اور دوسری روایت کے مطابق بصری کا محاصرہ ختم کر کے رومیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اجنادین کی جانب روانہ ہوئے اور ابو بکرؓ کی وفات سے چار مہینے روز پہلے اجنادین میں مسلمانوں اور رومیوں کی پہلی مٹ بھڑ ہوئی۔

خالد نے قبول امر الحین بن یزید بن ابی سفیان، شریصل بن حسنہ اور عمرو بن حاس کو مکھا تھا کہ وہ اپنی اپنی وجہیں سے کہ اجنادین پہنچ جائیں چنانچہ یہ تینوں قائدین حکم کی تعمیل میں اپنی فوجوں کے ساتھ وہاں کی کثرت اس بات سے کہ خالد دمشق سے گزرتے تو غور نہ تھے لیکن انھوں نے ابو عبیدہ نے خطوط اور اس کے فوجی علاقوں میں ہر ایک حائلے پر سے کہ سو کوئی باغیہ نہ ہو گیا۔ اسی احوال میں انھیں خبری کہ محاصرہ کا حکم رومیوں کی ایک عظیم لشکر جمعیت کے لئے اس ارادے سے پایہ تکمیل کے بعد شریصل بن حسنہ کا راستہ کاٹ دینا کہ وہ ساتھیوں سے مل سکیں۔ پھر خبری کہ رومیوں کی عظیم لشکر افواج اجنادین میں جمع ہوئی ہیں اور تمام اہل ضرورہ مقام میں تنظیم حرب قائل رومیوں سے کہ مسلمانوں کے مقابلے کی ذرورت قیام میں کر رہے ہیں۔ یہ خبریں کہ خالد اور ابو عبیدہ دمشق سے نکلے اور اجنادین کا قصد کیا۔ ابو عبیدہ فوج کے پیچھے جھتے تھے۔ اہل دمشق نے موقع پا کر اہل کلات کاٹ دیا اور ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا خالد کا مسلم ہونا تو وہ فوج کے پیچھے اور ابو عبیدہ کو اہل دمشق کے پہلے سے چھڑایا۔ اہل دمشق خالد کے حملے کی تاب نہ آ کر فرار ہو گئے اور تلے میں پہنچ کر نہاد۔ خالد ابو عبیدہ کو ساتھ لے کر اجنادین روانہ ہو گئے۔

کعبہ و اجنادین پہنچ گئے۔ خالدؓ نے تمام افواج کی کمان سنبھالی اور لشکر کو مرتب کرنا شروع کر دیا۔ پہیل فرج پر ابو عبیدہؓ کو مقرر کیا، مہینہ چھ ماہ تک جیل کو محصور پر سید بن عامر بن خزیمہؓ کو اور ابو عبیدہؓ پر سید بن دید بن عمر کو مقرر کیا اور خود مسلمانوں کو جوش و ملا لے کے لیے معذوں کے درمیان گشت کرنے لگے۔

رومیوں نے آؤ دیکھا دناؤ جھٹ مسلمانوں پر حملہ شروع کر دیا۔ خالدؓ نے اپنے آدمیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ روزانہ تک جنگ شروع نہ کی جائے لیکن جب سید بن دید نے دیکھا کہ رومیوں کے حملے کے نتیجے میں مسلمانوں کو جانی نقصان ہو رہا ہے تو انھوں نے خالدؓ سے رومیوں پر جہاںی حملہ کرنے کی اہانت طلب کی۔ خالدؓ نے سب سے پہلے گھڑ سوار دستے کو آگے بڑھ کر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد باقی فرج کو بھی لشکر و فوج پر لپٹے۔ رومیوں کو شکست فاش ہوئی، مسلمانوں نے ان کے بے شمار آدمی قتل کر ڈالے اور بے حساب مال غنیمت حاصل کیا۔

مسکوکہ اجنادین میں مستحباب ہو کر خالدؓ عاشر دمشق آگئے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ خالدؓ اس گرجے میں آڑے جہاں مشرق سے متصل تھا۔ ابو عبیدہؓ نے اب جاسیہ کے سامنے چڑا ڈالا۔ عمرو بن العاصؓ باب تما کے سامنے فوجیں ہٹے، خضیلؓ باب فرات میں اور یزیدؓ باب صغیر کے سامنے شیراز میں ہوئے۔ اس طرح مسلمانوں نے پوری طرح شہر کا محاصرہ کر لیا۔

اہل دمشق نے ہر قتل کو لکھا کہ دو اس وقت سخت مصیبت میں مبتلا ہیں جسکا انھوں نے سختی سے ان کا محاصرہ کر رکھا ہے اس لیے جلد از جلد ان کی مدد کے لیے فوج روانہ کی جائے چنانچہ ہر قتل نے ایک فوج روانہ کی۔ مرج الصفر میں خالدؓ کی فوج سے اس فوج کا مقابلہ ہوا جس میں بڑی فوج کو شکست فاش اٹھانی اور فرات پر تھے ہی بن پڑی۔ خالدؓ دوبارہ دمشق آگئے اور محاصرہ شروع کر دیا۔

اہل دمشق سے جب تک بن پڑا انھوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا، شہر کی دیواروں کو مضبوط بنایا اور ان کے اوپر سے مسلمانوں پر چھڑے مارنے شروع کیے۔ شہر کے دیواروں پر مضبوط دستے تھیں۔ کیچے مسلمانوں کو شہر میں داخل ہونے سے روکیں۔ لیکن کوئی بھی چیز مسلمانوں کو محاصرے کی سختی سے باز رکھ نہ سکی، تاہم بار بار آئے دمشق لے ایک بار پھر ہر قتل کو لکھا کہ اگر اس نے اس ناک موقع پر

ان کی مدد نہ کی تو دشمن سے مصالحت کے سوا ان کے لیے کوئی چارہ کار باقی نہ رہے گا۔ ہر قتل نے جواب میں لکھا کہ حرات و بہت سے دشمن کے مقابلے میں ٹوٹے رہو اور کسی بھی قیمت پر اسے شہر پر قبضہ نہ کرنے دو، تمھاری مدد کے لیے میں تاحمد کے پیچھے پیچھے فوجیں روانہ کر رہا ہوں اہل مشن نے بے صبری سے ان فوجوں کا انتظار شروع کیا لیکن آخر ان کی امیدیں حسرتوں میں تبدیل ہو گئیں۔ ہر قتل کی طرف سے کوئی مدد نہ پہنچی۔ اہل و مشن کی بہتوں نے جواب دے دیا اور انھیں مسلمانوں کے آگے تسلیم ختم کرنے اور ان سے صلح کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

اس صلح کے متعلق مختلف روایات تاریخوں میں بیان ہوئی ہیں بعض روایتوں میں ہے کہ اہل و مشن سے صلح ابو عبیدہ نے باپ ہابیہ کے قریب کی تھی۔ صلح نامہ پڑ کرنے کے بعد جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو انھیں معلوم ہوا کہ خالد بن ابی بکر شہر کی طرف سے بددعا مانگ رہے ہیں اور اپنے پیادوں کی مدد سے شہر پر قبضہ کر رہے ہیں۔ جب دونوں لشکرا آپس میں جلتے تو ابو عبیدہ نے کہا کہ شہر والوں نے صلح کر لی ہے اور اب مسلمانوں کو شہر والوں کے مال وہاں پر کسی قسم کا اختیار نہیں لیکن خالد نے کہا کہ انھوں نے اپنے زور بازو سے شہر کو فتح کیا ہے اس لیے شہر والوں سے بغض میں جیسا بناؤ گنا چاہیے۔ آخر تھوڑی دیر کی بحث و تمحیص کے بعد دونوں کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ صلح برقرار رکھی جائے اور شہر والوں سے بغض میں کا سلوک نہ کیا جائے۔ اس کے برعکس بعض روایات میں یہ مذکور ہے کہ خالد نے اہل و مشن سے ابی بکر شہر کے قریب صلح کا معاہدہ کیا تھا اور ابو عبیدہ باپ ہابیہ سے بددعا میں داخل ہوئے تھے۔ پھر بھی تمام روایتوں میں اس امر پر اتفاق ہے کہ آخر صلح کی شرائط ہی برقرار رکھی گئیں اور شہر والوں سے بغض میں کا سلوک نہ کیا گیا۔

روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ ابی و مشن کا معاہدہ جاری تھا کہ ابو بکر کی وفات ہو گئی اور ان کی جگہ عمرؓ خلیفہ بنے۔ انھوں نے خلافت سنبھالتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ خالدؓ کو ان کے حصہ سے معزول کر کے ان کی جگہ ابو عبیدہ کو سالار لشکر مقرر کر دیا اور اس کی اطلاع ابو عبیدہؓ کو بھی بھیج دی لیکن ابو عبیدہؓ نے یہ حکم اس وقت تک خالدؓ سے چھپاتے رکھا جب تک وہ مشن مسلمانوں کے ہاتھ نہ آگیا۔ البتہ ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ فتح و مشن سے چھٹے ہی ابو عبیدہؓ نے یہ اطلاع خالدؓ کو دے دی تھی لیکن ان کی تیردی پر نہ ابھی بل نہ پرشے اور انھوں نے بڑی خندہ پیشانی سے

علیفہ ثانی کے احکام کے آگے تسلیم فرم کر دیا۔

یہ ہیں روایات جہادوی، بلاذری اور واقدی نے شامی فتوحات کے متعلق بیان کیں اور جرم نے بالاخص الفلک کردی ہیں۔ انہیں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی واقعات کی ترتیب کے لحاظ سے یہ روایات جہاں جہری سے تصنف ہیں وہاں خالد بن ولید کی لکارت اور ان کی معزول کے سوال پر بھی دونوں میں تین اختلاف موجود ہے۔

پھر بھی دو باتیں ایسی ہیں جن میں کسی قسم کا اختلاف نہیں اول یہ کہ ابو بکرؓ نے عراق کی طرح شام کی فتح کا بیڑا اٹھایا تھا اور اس غرض کے لیے فوجیں اور ہر قسم کی امداد روانہ کی تھی۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ عراق اور شام کی اس ابتدائی فتوحات ہی سے ابو بکرؓ کے عہد میں یہودی، مسلمان، مسیحی سلطنت کی بنیاد پڑی۔ دوم یہ کہ خالد بن ولید نے شام میں بھی وہی کارہائے نمایاں انجام دیے جن کا مظاہرہ وہ عراق میں کر چکے تھے۔ وہ ہر مقام پر مغرور و متعبر رہے اور قیادت سے معزولی کے باعث زمان کے رتبے میں کمی کی واقع ہوئی اور ان کی جنگی صلاحیتوں میں۔ یہ ان کی جنگی صلاحیت ہی تھیں جنہیں رسول اللہؐ نے تدریجاً منزلت کی نگاہ سے دیکھ کر انہیں سیف اللہ کا خطاب مرحوم فرمایا تھا اور جن کا احترام ابو بکرؓ نے ان الفاظ سے فرمایا تھا:

”میں اس تلوار کو کسی طرح میدان میں نہیں ٹال سکتا جیسے اللہ نے کافروں پر

مسلک کیا ہو۔“

ان مختلف روایات کی سرچرگ میں یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ یہ مکہ کی جنگ، ابو بکرؓ کے عہد میں واقع ہوئی یا حضرت عمرؓ کے عہد میں۔ اگر اس امر کو دیکھا جائے کہ واقعہ کی گھاٹی جس کے قریب یہ جنگ لڑی گئی صحرائے شام عرب کی سرحد اور مدائن سرعان کے راستے کے قریب واقع ہے تو طبری کی رائے کی تائید کرنی چاہیے ہے کہ یہ جنگ ابو بکرؓ کے عہد میں ہوئی کیونکہ ابتدائی جنگیں سرحد کے قریب ہی لڑی جاتی ہیں لیکن ایک اور نقطہ نگاہ سے بلاذری کی اس روایت کو بھی مستز نہیں کیا جاسکتا کہ یہ جنگ عمرؓ کے عہد میں واقع ہوئی۔ اس نے بیان کیا ہے کہ جب ابتدائی جنگیں شروع ہوئیں تو رومیوں نے دمشق کی جانب ٹھہنا شروع کیا۔ دمشق کا شہر زمون خود بہت مستحکم تھا بلکہ اس کے ارد گرد بھی ایسی بستیوں آباد تھیں جہاں سے مسلمانوں کے حملے کا دفاع بہت آسانی

طرح کیا جاسکتا تھا۔ رومیوں کا اور وہ تھا کہ وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے مسلمانوں کو ایسی جگہ لے آئیں گے جہاں سے ان کے لیے وہاں ہونے والے مسئلہ پر لگا اس وقت دو ایک بارگی ان پر حملہ کر کے انھیں شکست دے دیں گے۔ پھر کچھ مسلمانوں کو کشمی ملاتے پر حملہ کرنے کی جرأت مذہب کی چنانچہ ایسا ہی ہوا مسلمانوں و مشن یک پہنچ گئے لیکن رومیوں کی توقعات کے برعکس شہر کا کامروا ہوا تھا گلیا اور آخر کار رومیوں کو صلح کرنی پڑی اور شہر پر مسلمانوں کا تسلط ہو گیا۔

واقعات کی اصل ترتیب کا فیصلہ تو واقعی مشکل ہے لیکن جہاں تک حضرت خالدؓ کے پہلے اسلام سے معزولی کیے جانے کا تعلق ہے اس کا فیصلہ آسان ہے۔ طبریؒ، بلاذریؒ اور دوسرے تمام مؤرخین کا اس امر پر تو کلی اتفاق ہے کہ ابو بکرؓ نے خالد بن ولید کو عراق سے شام اس شخص کے لیے بھیجا تھا کہ وہ رومیوں کے دلوں سے تمام شیطانی دوسرے دور کر دیں اور اس مجبور کو جو ایک لمبے عرصے سے شام میں مقیم اسلامی فوجوں پر بھیا چکا تھا، اتار دیں۔ اخلاط صرف اس بات میں ہے کہ آیا خالدؓ وہاں تمام اسلامی فوجوں کے سپہ سالار بن کر گئے تھے یا صرف اس فوج کے امیر بن کر جو آپ کے ساتھ عراق سے شام پہنچے تھے۔ اگر یہ اختلاف دور ہو جائے تو معزولی کا سارا مادہ کچھ میں آجاتا ہے۔

طبریؒ بیان کرتے ہیں کہ خالدؓ صرف اس فوج کے امیر بن کر شام گئے تھے جو عراق سے ان کے ساتھ آئی تھی۔ تمام اسلامی فوجوں کی قیادت صرف جنگ بزمک کے دن ان کے ہاتھ میں آئی تھی اور وہ بھی دیگر امراء کے مشورے اور رضامندی کے بعد۔ لیکن بلاذریؒ اور ان کے خورشید صہبؒ ذکر کرتے ہیں کہ ابو بکرؓ نے انھیں شام میں مقیم تمام اسلامی فوجوں کا سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا اور غزوت میں دو دو خط پیش کرتے ہیں جو اس معاملے کے متعلق حضرت ابو بکرؓ نے خالدؓ بن ولید اور عبید بن جراح کو بھیجے تھے۔ بہت کچھ حوزہ فکر کے بعد ہم نے بلاذریؒ کی روایت کو زیادہ قریب قریب تیاں اور درست خیال کیا ہے کیونکہ یہ امر سیدہ درمختل ہے کہ ایک ہی سلطنت کی مختلف فوجیں ایک جگہ ٹوڑ ڈالنے پڑی رہیں اور وہ ایک قیادت کے تحت منظم ہونے کے بجائے علیحدہ علیحدہ قیادتوں اور قیادتوں میں ٹھہری رہیں۔

طبریؒ خود یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ ابو بکرؓ نے تمام اسلامی لشکر وں کو حکم بھیجا تھا کہ وہ آپؐ میں ضم ہو کر ایک لشکر کی صورت اختیار کر لیں اور متحد ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں۔ اس حکم کا نفاذ اس

وقت تک ممکن نہ تھا جب تک تمام اسلامی لشکر ایک قیادت کے ماتحت منظم نہ ہو جاتے۔ ابو بکرؓ نے یہ حکم خالد بن ولید کو شام بھیجنے سے پہلے دیا تھا اس لیے لازم تھا کہ اسلامی لشکر کی قیادت ابو عبیدہؓ یا زید بن ابی سفیان یا اور کسی قائد کے سپرد ہوتی۔ اکثر مؤرخین کا خیال یہی ہے کہ ابی بکرؓ کے سپہ سالار ابو عبیدہؓ تھے گو بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ انھوں نے ابو بکرؓ کی خدمت میں خط لکھ کر زید بن ابی سفیانؓ سے معذرت چاہی تھی۔ جب ان باتوں کے تسلیم کرنے سے ہم انکار نہیں کر سکتے تو اس میں بھی کوئی شبہ نہیں رہتا کہ ابو بکرؓ نے خالد بن ولید کو کل شامی افواج کا سپہ سالار مقرر کر کے شام بھیجا تھا اور یہی بات بلاذری نے بیان کی ہے۔

اگر خالدؓ تمام افواج کے سپہ سالار نہ ہوتے تو عمرؓ خلیفہ بننے ہی سب سے پہلے انھیں اپنے عہدے سے معزول کرنے کا حکم نہ بھیجتے کیونکہ طبری اور دوسرے مؤرخین کی جہاں کردہ روایات سے ثابت ہے کہ خالدؓ اپنے معزول ہونے کے بعد بھی ان فوجوں کی قیادت کرتے رہے جو ان کے ساتھ تھیں۔ اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک حضرت عمرؓ نے انھیں تفسیرین کی بات اور فوج کی سپہ سالاری سے معزول نہ کر دیا۔ یہ واقعہ سلسلہ میں عمرؓ کی خلافت کے پانچویں سال پیش آیا۔ اس صورت میں پہلی معزولی قیادت عامر سے قرار پاتی ہے اور دوسری معزولی جریرؓ پہلی معزولی سے چار سال بعد وقوع میں آئی۔ صورت اس امارت سے تھی جو انفرادی طور پر انھیں ایک جتہ فوج پر حاصل تھی۔

یہ ہے ہماری رائے جس پر ہم مضبوطی سے قائم ہیں۔ اس رائے کو تسلیم کرنے سے ان مختلف شبہات کا ازالہ ہو سکتا ہے جو اس قول میں پیدا ہوتے ہیں۔ اگر خالدؓ صورت اس فوج کے امیر ہوتے جو عراق سے ان کے ساتھ آئی تھی تو عمرؓ کو ان کی معزولی کا حکم بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی اور طبری کی روایت کے مطابق جنگ پر نوحہ کے بعد اور بلاذری کی روایت کے مطابق موشی کی فتح کے بعد ابو عبیدہؓ دوبارہ تمام اسلامی فوجوں کی قیادت سنبھال لیتے۔

## (۱۵) مشنی عراق میں

### عراق میں مشنی کے لیے مشکلات

مشنی بن حارث، خاندان بن ولید کو سوارے شام کی سرحد پر چھوڑ کر حیرہ واپس آ گئے تھے۔ واپس آ کر انھوں نے اپنی فرج کے ذریعے سے مغربی شہروں کے وکلاء کا بندوبست کرنا شروع کیا کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ جیسی ایما نیوں کو خاندان بن ولید کے شام ہانے کا حال معلوم ہوگا وہ اپنے چھنے ہوئے شہرہ کی کڑوا پس لینے اور سرزمین عراق سے مسلمانوں کو نکالنے کے لیے پوری ہمدردی شروع کر دیں گے۔

اس وقت حالات واقعی نادرک صورت اختیار کر گئے تھے۔ خاندان نے عراق میں رہنے والے بدوؤں سے جس سختی کا سلوک کیا تھا اس کے باعث وہ مسلمانوں کے دشمن بن چکے تھے اور ان سے بدلہ لینے کے لیے کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھے۔ ادھر ایما نیوں کو یقین تھا کہ عراق میں اسلامی سلطنت کا قیام ان کے لیے پیغام موت سے کم نہیں۔ اس لیے وہ بھی اس فکر میں تھے کہ کب موقع ملے گا کہ وہ مسلمانوں کی کسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ایک بارگی حملہ کر کے انھیں مدد و عراق سے دھچکے و جھکیں دیں۔ خاندان بھی سمجھتے تھے کہ ان کے عراق سے چلے جانے کے بعد ایرانی مزدور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے اسی لیے شام ہانے سے پیشتر انھوں نے تمام مسلمان عورتوں بچوں اور کم زور مردوں کو مدینہ ہجرا دیا تھا۔ مشنی کے سامنے یہ کام باتیں روز بروز دشمن کی طرح عیاں تھیں اور وہ عجیب غریب تھے۔ مشنی ہی تھے جنھیں ابو بکر نے سب سے پہلے عراق پر چڑھائی کا کام سپرد کیا تھا اور انھیں کی مدد کے لیے خاندان بن ولید اور دوسرے اسلامی لشکر عراق بھیجے گئے تھے۔ اس صورت میں مشنی کے لیے یہ بات

تعلماً ناقابلِ برواشت تھی کہ انھیں اسی سرزمین میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے۔ جہاں سب سے پہلے انہی کے ناقضانہ قدم پڑے تھے۔

ان تمام امور کے علاوہ ایک اور بات بھی مسلمانوں کے لیے مدد و جبر پریشان کن تھی اور وہ یہ کہ سالہا سال کی نا اتفاق اور لڑائی جھگڑوں کے بعد اہل ایران نے بالاتفاق شہرِ ایران بن اور شیر بن ساہر کو اپنا شہنشاہ تسلیم کر لیا تھا اور ساری رعایا نے بہ دل و جاہ اس کی اطاعت کرنے کا عہد کیا تھا۔ سنے بادشاہ کو کچھ دن تو سلطنت کا اندرونی نظم و نسق درست کرنے میں شغور جب اس طرف سے فراغت نصیب ہو گئی تو سب سے پہلے اُس نے عراق کی طرف توجہ کی۔ بغداد کے عراق کی ادھی فوج نے کرشمہ ہاچکے تھے۔ شہرِ ایران کو اس سے بہتر موقع مسلمانوں کو عراق سے نکلانے کا نظر نہ آیا۔ اس نے فوراً ہرزاد کو سہارا کی جمعیت کے ساتھ مشن کی کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کر دیا۔ ہرزاد ایک صیب بالہی پرستار ہو کہ اس عزم کے ساتھ روانہ ہوا کہ وہ مسلمانوں کو عراق کے چپے چپے سے نکال کر انھیں عرب کی حدود میں پہنچا کر ہی دم لے گا۔

جب مثنیٰ کو ان تیاریوں اور ہرزاد اس کے لشکر کی نقل و حرکت کی اطلاعات ملیں تو انھوں نے یہ گوارا دیا کہ ہرزاد مسلمانوں کے منہ تو مسلمانوں سے گزرتا ہوا حیرہ پہنچے جہاں وہ اس وقت مقیم تھے بلکہ اپنا لشکر کے خزاں کے مقابلے کے لیے روانہ ہوئے۔ اپنے دو فرزند بھائیوں معنی اور مسعود کو بالترتیب سمینہ اور صیرہ پر مقرر کیا اور حیرہ سے روانہ ہو کر بابل کے کھنڈر میں ٹھہر آئے۔ ابھی ان کا سفر جاری تھا کہ انھیں شہرِ ایران شہنشاہ ایران کا خط ملا جس میں لکھا: ”میں نے تمہارے مقابلے کے لیے ایرانیوں کا ایک لشکر بھیجا ہے۔ میں تو“

وہ مرنے والی اور سوردی کے چرانے والے لیکن تمہارا بھروسہ ابھی طرح نکال دیں گے۔“

مثنیٰ نے شہنشاہ ایران کے قاصد کے ہاتھ سے خط لیا، پڑھا اور اسی وقت یہ جواب لکھ کر اس کے حوالے کر دیا،

”مثنیٰ کی جانب سے شہرِ ایران کے نام، تمہارا حال و صورت قتل سے غالی نہیں جاتو

لے دو بات میں اس کا نام شہرِ ایران، شہرِ ایران اور شہرِ ایران ہی کا ہے۔“

تم کرش ہو۔ یہ چیز تمہارے لیے بری ہے۔ ہمارے لیے اچھی۔ یا تم جھوٹے ہو اور یہ تعین چنا ہی ہے کہ اللہ کے نزدیک اور اس کے بندوں کی نگاہوں میں حقوت اور فضیلت کے لحاظ سے سب زیادہ جھوٹے بادشاہ ہی ہوتے ہیں۔ تمہارے خط سے میں علم ہو گیا ہے کہ اب ہم اس حد تک مجبور ہو گئے ہر کہ مرغان اور سحر چرانے والوں کے ساتھیوں اور لوگ ہمارے مقابلے میں بھیجنے کے لیے جلتے ہی نہیں ہیں اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہارا کمر فریب خود تم ہی پر نشان دیا اور تم مرغان چرانے والوں سے مدد لینے پر مجبور ہو گئے۔

جب اہل ایران کو مشن کے اس خط کا علم ہوا اور یہ بھی پتا چلا کہ وہ ان سے مقابلہ کرنے کے لیے خود سرحد ایران کی طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں قرآن کی حیرت کی امتداد رہی۔ انھیں ہرگز توقع نہ تھی کہ حاکم کے چلے جانے کے بعد بھی مسلمانوں میں اس قدر قوت باقی رہی ہوگی کہ وہ اس بے یارگی سے ان کے بادشاہ کو جواب دیں گے بعض لوگوں کو اپنے بادشاہ کا اندازہ نہ تھا بھی بہت ناگوار اگر دارا انھوں نے اس سے کہا۔

آپ نے خط لکھ کر مسلمانوں کو اور میرزا دیا ہے۔ ہمارا مہربانی اُمید ہے کہ آپ کسی کو خط لکھیں تو پہلے اس کے متعلق لوگوں سے مشورہ کر لیا کریں۔

مشنی دعات سے پچاس میل دور بابل کے کندھوں میں ایک اونچی جگہ غمزدان ہر کہ ہرز کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ آخر ہرز بھی پہنچا۔ اسے کامل اطمینان تھا کہ مسلمان اس کے جنگل سے کسی طرح بھی نہ نکل سکیں گے اور وہ انھیں تباہ کر کے ہی دم لے گا۔ اس کا صیب باطنی دعاتین میں زور زور سے سننا ہمارا تھا۔ مسلمانوں کو آج تک کبھی باطنی سے بالاتر پڑا تھا۔ یہ طوفان کا حاور دیکھ کر ان کے دلوں پر ہیبت طاری ہو گئی۔ مشن کی کو بھی یقین ہو گیا کہ صیب تک باطنی میدان جنگ میں موجود ہے گا مسلمان اطمینان سے ایمانوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ وہ خود چاند لوگوں کو ساتھ لے کر نکلے۔ تنہا ہی حرکت کر باطنی پر پل پڑے اور دے مار کر ہی دم لیا مسلمانوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ ان کی بے چینی دور ہو گئی اور انھوں نے نئے ہوش اور نئے دلوں سے ایرانیوں پر حملہ کر دیا اور اس وقت تک میں دیکھا صیب تک انھیں شکست فاش زد سے لی۔ ایرانی

شکر نے بدحواس ہو کر بھاگنا شروع کیا۔ مسلمانوں نے ان کا تقاب کیا اور انھیں مدائن کے دروازے تک پہنچا کر ہی دم لیا۔

### ایران میں دوبارہ خلفشار

ہمز کی شکست کی خبر شیران پر پہلی بن کر گئی۔ اسے اسی وقت بھار چڑھ آیا اور اسی حالت میں اس نے ہان دے دی۔ مژدان ایران نے اس کی جگہ کسریٰ کی بیٹی کو تخت پر بٹھانا چاہا تاکہ ایک بار پھر وہ اپنی طاقت و قوت کو مجتمع کر کے مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں۔ لیکن ابھی اسے سر پر آراءے سلطنت ہوئے چند روز ہوئے تھے کہ اسے معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ ساہور بن شیران تخت پر بیٹھا۔ اس نے فرخ زاد کو اپنا وزیر بنایا اور اس سے کسریٰ کی بیٹی آذر بیخت کی شادی کرنی چاہی لیکن آذر بیخت شاہی خاندان کے باہر شادی کرنے پر رضامند نہ تھی۔ اس نے ساہور سے کہا: "اسے ابنِ علم دیکھا تم میرے غلام سے میری شادی کر دے؟ میں یہ بات کسی طرح منظور نہیں کر سکتی۔" لیکن ساہور نے اس کی ایک دسمنی اور ڈبئی تلخ نکالی سے پیش آیا۔ اس پر آذر بیخت نے ایک مشہور گلی بیاوریا خوش رازی کو ساتھ ملا لیا۔ شادی کی رات کو جب فرخ زاد جیلہ عروسی میں داخل ہوا، بیاوریا خوش نے اس پر چاک حملہ کر کے اسے قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد وہ آذر بیخت اور اس کے احوال و انصار کو ساتھ لے کر ساہور کے محل پر آیا اور اس کا عاصوہ کر لیا۔ پورے داروں نے مزاحمت کی لیکن یہ لوگ انھیں قتل کو کے محل میں گھس گئے اور ساہور کو مار ڈالا۔ آذر بیخت تخت شاہی پر بیٹھ گئی۔

ان واقعات کی اطلاع مثنیٰ کو ملی تو انھوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ ایرانیوں کا انتحار ان کے لیے سخت خطرے کا باعث تھا لیکن اب اللہ نے ان کے درمیان بھوٹ ڈال دی تھی اور وہ تخت پر قبضہ کرنے کی خاطر ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھے۔ موجودہ حالات مثنیٰ کے لیے انتہائی سازگار تھے۔ انھوں نے ان سے پوری طرح فائدہ اٹھانا چاہا اور یہ سوچ کر کہ وہ معاندانہ حالات کیا رخ اختیار کریں مدائن کی جانب کوچ کر دیا اور ایرانیوں سے لڑنے بھڑتے شہر کے دروازوں تک جا پہنچے۔ ان کی عین خواہش مدائن کو فتح کرنے کی تھی لیکن اس کے

یہ زبردست جمعیت کی ضرورت تھی جو ان کے پاس موجود نہ تھی۔ ابوبکرؓ بھی ان کے مدد کے لیے کوئی لشکر روانہ نہ کر سکتے تھے کیونکہ اس وقت تمام فوجیں شام میں، رومیوں سے برابر لڑ رہی تھیں۔ بہت کچھ سوچا بچار کے بعد انھوں نے ابوبکرؓ کو ایک خط لکھا جس میں فتوحات کی خوش خبری دینے کے بعد ان مرتد قبائل سے مدد لینے کی اہواز طلب کی جو کہ یہ کہے دو بارہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے اور جن کے متعلق ابوبکرؓ نے حکم دے دیا تھا کہ انھیں کسی اسلامی فوج میں شامل نہ کیا جائے۔ مشقی جانتے تھے کہ ابوبکرؓ ان کی درخواست آسانی سے قبول نہ کریں گے لیکن دوسری طرف انھیں یہ بھی علم تھا کہ سابق مرتد قبائل اپنے لیے پرجہاں ہے ہیں اور اسلامی افواج میں شامل ہونے کے لیے بے صبری ہیں۔

خط لکھے ہوئے عرصہ ہو گیا لیکن مشقی کو جواب موصول نہ ہوا۔ اس پر انھوں نے خود مدینہ ہا کر ابوبکرؓ سے بلا مشاذ گفتگو کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ لشکر کو زیریں عراق میں سرحد کے قریب لے آئے اور بشیر بن فصاحہ کو عراق میں اپنا قائم مقام بنا کر خود مدینہ روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے ابوبکرؓ کو مرض الموت میں مبتلا پایا۔ پھر بھی ابوبکرؓ نے گرم جوشی سے ان کا خیر مقدم کیا۔ بڑی قوی سے ان کی باتیں سنیں اور عمرؓ کو بلایا جنھیں وہ اپنے بعد خلیفہ مقرر کر چکے تھے۔ عمرؓ آئے تو انھوں نے فرمایا:

”عمرؓ! میں جو کہتا ہوں اسے سنو اور اس کے مطابق عمل کرو۔ مجھے امید نہیں کہ میں آج شام تک دفعہ دہ سحلوں کا میرے مرنے کے بعد تم کل کا دلی ختم ہونے سے پہلے پہلے مشقی کے ساتھ لوگوں کو لڑائی پر ردا ذکر دیتا جنھیں کوئی مسیبت دینی کام آؤ۔ حکم الہی سے نافل نہ کرنے پڑے۔ تم نے دیکھا ہے کہ میں نے رسول اللہؐ کی وصیت کے بعد کیا کیا تھا حالانکہ اس وقت مسلمان ایک جڑے ابتکار میں تھے۔ اگر میں اس وقت اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کی بجا آدھی میں دیر کرتا اور کمزوری دکھاتا تو نہ صرف مدینہ لوگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی نذر ہو جاتا بلکہ اسلام کا بھی خاتمہ ہو جاتا۔ جب اہل شام پر فتح حاصل ہو جائے تو اہل عراق کو عراق واپس بھیج دینا کیونکہ وہ عراق ہی کے کاموں کو حربہ انجام دے سکتے ہیں اور عراق ہی میں ان کا دل کھلا

ہوتا ہے۔

عمرؓ نے اس وصیت پر بعینہ عمل کرنے کا وعدہ کر لیا۔ بعد میں وہ کہا کرتے تھے:  
 ”ابوبکرؓ کو معلوم تھا کہ میں خالدؓ کی امارت تائید کرتا ہوں اسی لیے انھوں  
 نے مجھے خالدؓ کے ساتھیوں کو عراق واپس بھیجنے کا حکم تو دیا لیکن خالدؓ کو ساتھ  
 بھیجنے کی ہدایت نہ کی اور نہ ان کا ذکر ہی کیا۔“

ابوبکرؓ کی وصیت کے مطابق عمرؓ نے پہلا کام یہ کیا کہ مشن کے ساتھ ایک فوج عراق بھیجی  
 انھیں سابق مرتدین کو اسلامی افواج میں شامل ہونے کی اجازت بھی مل گئی تھی کیونکہ اب اسلام  
 طاقت پر چڑھا تھا اور ان کی طرف سے کسی قسم کے فتنہ و فساد کا اندیشہ باقی نہ رہا تھا۔

## جمع قرآن

### غزوہ یامرہ کے اثرات

جمع قرآن کریم کی تاریخ بیان کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم غزوہ یامرہ کا ذکر دوبارہ کریں کہ تو کو بھی جنگ کے نتیجے میں اس عظیم الشان کام کو باس قتل پہناتے کا خیال بعض لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ ہم نے اس کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ جنگوں اور فتوحات کے واقعات کے تسلسل میں فرق نہ آئے۔ جنگا نے مرتدین میں غزوہ یامرہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ یہ جنگ نہ صرف بڑی ہولناکی تھی بلکہ اموات کے لحاظ سے بھی دوسری فتوحات کی حامل تھی۔ سیدہ بن حبیب کے قتل سے سارے عرب کے ایمانِ نبوت پر ضرب کاری لگی، بحریں میں مرتدین کے استحصال سے بنو حنیفہ کو دوبارہ اسلام لانے کی ترغیب ملی اور اسی امر نے عثمان بن حارثہ شیبانی کو عراق کی طرف پیش قدمی کرنے کی جرأت دلائی۔ جنگ یامرہ میں سیدہ کے لشکر کو شکست دینے کے لیے خالد بن ولید نے پوری قوت صرف کر دی تھی۔ اور حصر علیہ نے بھی مسلمانوں کے مقابلے میں کوئی کسر اٹھانہ دیکھی تھی۔ جنگ ختم ہوئی تو مسلمانوں کو شکست فاش ہو چکی تھی۔ اس کے چند روز بعد آدھی میدان جنگ میں مارے جا چکے تھے۔ اور وہ خود بھی وحشی غلام کے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا۔ اور مسلمانوں کو لگایا کہ تم نقصان نہ ہوا تھا۔ ان کے بارہ سو آدمیوں کے جاہل شہادت نوش کیا تھا جن میں کبار صحابہ اور خلفاء قرآن کی ایک کثیر تعداد شامل تھی۔

جہاں یہ فتح مسلمانوں کے لیے اس لحاظ سے دل خوش کن تھی کہ اس کے ذریعے سے عرب میں ایک بہت بڑے فتنے کا خاتمہ ہو گیا وہاں یہ امر عزت ختم و اندوہ کا موجب تھا کہ اس جنگ میں کبار صحابہ اور خلفاء قرآن کی ایک بڑی تعداد شہید ہو گئی تھی اور اس طرح انھیں ایسے عظیم

لفضان سے دوچار رہنا چڑھا جس کی تلافی کی کوئی صورت انھیں نکل نہ آ رہی تھی۔ مگر بن خطاب کو تو خصوصیت سے سخت رنج پہنچا تھا کیونکہ ان کے بھائی زید اس معرکہ میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کے رنج و عالم کا یہ عالم تھا کہ جب ان کے بیٹے عبداللہ اس جنگ میں کارہ لے نہایاں انجام دے کر واپس مدینہ آئے تو ان سے کہا:

”جب تمھارے چچا زید شہید ہو گئے تو تم کیوں چلے آئے، تم نے اپنا مزاج

سے کیوں دھچکا لیا؟

عبداللہ نے صرف یہ جواب دیا:

”انھوں نے صورتِ شہادت کی تمنا کی، انھیں مل گئی۔ میں نے بھی اس عرض کے

لیے پوری جدوجہد کی لیکن انھوں میں اسے حاصل نہ کر سکا۔“

### عمر کا مشورہ

لیکن اپنے بھائی اور دیرینہ رفیق کی شہادت کا الم ناک حادثہ عمرؓ کو اس کام کے متعلق غور و فکر کرنے سے روک نہ سکا جو بلاشبہ اسلامی تاریخ کے عظیم الشان کارناموں میں سے ہے۔ عزوۃ یا مہاجرین حفاظ کی ایک کثیر تعداد شہید ہو چکی تھی اور ابھی جنگوں کا سلسلہ جاری تھا جو کسی طرح ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ یہ دیکھ کر عمرؓ کو خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا اور آئندہ جنگوں میں حفاظ کثرت سے شہید ہونے لگے تو قرآن باطل مٹ جائے گا اس لیے اسے ایک جگہ جمع کر لیا جانے تاکہ اس کے مٹ جانے کا خطرہ نہ ہو۔ اس معاملے پر انھوں نے کئی دن تک غور و فکر کیا اور اس کے بعد ایک دن مسجد میں ابو بکرؓ کے سامنے اسے پیش کرتے ہوئے کہا:

”یارسر کی جنگ میں حفاظ کی بھاری تعداد نے جامِ شہادت نوش کیا ہے مجھے

ڈر ہے کہ دوسری جنگوں میں بھی حفاظ کی اکثریت شہید ہو جائے گی اور اس طرح

قرآن کریم کا بیشتر حصہ مٹ جائے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن جمع کرنے

کا حکم دیں تاکہ وہ مٹنے سے محفوظ رہے۔“

ابو بکرؓ نے آپؐ کو اس معاملے کے متعلق کچھ نہ فرمایا تھا۔ اس لیے جو رضی اللہ عنہوں نے عمرؓ کی

زبان سے یہ باتیں نہیں فرمایا:

”میں وہ کام کب کر سکتا ہوں جسے رسول اللہ نے نہیں کیا۔“

اس پر دونوں بزرگوں کے درمیان طویل گفتگو ہوئی جس کی تفصیل مورخین نے بیان نہیں کی مگر آخر ابو بکرؓ عرفہ کی رائے سے متفق ہو گئے اور انھوں نے زید بن ثابتؓ کو طلب فرمایا۔ اس کے متعلق صحیح بخاری میں زید بن ثابتؓ کی ایک روایت درج ہے جس میں وہ فرماتے

ہیں:

”جنگ یمامہ کے بعد ایک دن ابو بکرؓ نے مجھے طلب فرمایا۔ جب میں اُن کے پاس پہنچا تو عمرؓ بھی وہاں موجود تھے۔ انھوں نے مجھے دیکھ کر فرمایا: ”عمرؓ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ جنگ یمامہ میں متعدد حفاظ شہید ہو گئے ہیں۔ اگر جنگوں کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو کسی وقت خندانہ خواستہ تمام حفاظ شہید ہو گئے تو قرآن کا اکثر حصہ ضائع ہو جائے گا اس لیے میری رائے میں اب قرآن جمع کرنے کا حکم دیں کہ آئے والی سلسلہ کے لیے محفوظ رہے۔“ زید بن ثابتؓ کہتے ہیں ابو بکرؓ نے فرمایا: میں نے یہ سن کر حیرت سے کہا میں وہ کام کب کر سکتا ہوں جسے رسول اللہ نے نہیں کیا لیکن عمرؓ نے کہا: ”اس کام میں امت کی بھلائی ہے اس لیے اس سے ضرور کرنا چاہیے۔“ انھوں نے اپنی بات پر اتنا اصرار کیا کہ آخر اللہ نے میرا بھی سینہ کھل دیا اور میں نے بھی عمرؓ کی رائے سے اتفاق کر لیا۔ زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ اس وقت عمرؓ سر جھکے کھڑے تھے۔ ابو بکرؓ نے مجھ سے کہا: ”تم حیران اور عقل مند انسان ہو۔ ہم تمہاری صلاحیت اور راست گفتاری میں کئی قسم کا شک نہیں کر سکتے۔“ رسول اللہ کے زمانے میں وہی کہنے کا شرف بھی نصیب حاصل ہوتا رہا ہے اس لیے تم قرآن کریم کو تلاش کر کے ایک جگہ جمع کر دو۔“ اللہ اگر مجھے پہاڑوں کا ایک ٹکڑے آٹھا کر دوسری جگہ بے جانے کا حکم دیا جاتا تو یہ کام میرے قرآن جمع کرنے سے زیادہ سہل ہوتا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ دونوں وہ کام کس طرح کر سکتے ہیں جسے رسول اللہ نے نہیں کیا لیکن عمرؓ کی طرح ابو بکرؓ نے بھی یہی کہا کہ اس میں امت کی بھلائی ہے۔ وہ بارہمیری باتوں

کا جواب دیتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے ابو بکرؓ اور عمرؓ کی طرح میرا بھی سینہ کھولی دیا۔ چنانچہ میں نے یہ کام کرنے کی حامی بھری اور قرآن کریم کو تلاش کر سکا اور چھوٹے لکڑی پتھر کے ٹکڑوں اور آدمیوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کیا۔ سورتہ قہر کی دو آیتیں مجھے خزیرہ انصاری سے ملیں۔ ان کے سوا اور کسی کے پاس وہ آیتیں نکل سکیں۔ آیتیں یہ تھیں: **فَعَدَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ خَزِيرَةً عَلَيْهِمُ عَذَابٌ عَظِيمٌ** اللہ الاھو علیہ تو کھلت دھو رب العرش العظیم۔ جب ہم نے قرآن کریم کے اوراق کچھ لیے تو معلوم ہوا کہ ان میں سورتہ احزاب کی ایک آیت نہیں جسے میں رسول اللہ کی زبان مبارک سے سنا کرتا تھا۔ آخر وہ آیت بھی خزیرہ انصاری سے ملی جن کی اکیلی خدمات کر رسول اللہ نے وہ آدمیوں کی شہادت کے برابر قرار دیا تھا۔ وہ آیت یہ تھی: **مَنْ أَعْمَوْهُمْ فِي جَاهِلٍ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ**۔ یہ آیت مل جانے پر میں نے اسے سورتہ مذکورہ بالا میں شامل کر لیا۔ جن اوراق میں قرآن کریم جمع کیا گیا تھا وہ ابو بکرؓ کے پاس محفوظ رہے۔ ان کی وفات کے بعد ان کی صاحبزادی ام المومنین حفصہ کے پاس آ گئے۔

یہ سب روایتیں ثابت کی وہ حدیث جو امام بخاری نے اپنی صحیح میں درج کی ہے۔ امت مسلمہ روایات اس کی صحت پر متفق ہیں۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ وہی نے جو قرآن جمع کیا تھا اس میں سورتوں کی کوئی خاص ترتیب مقرر نہ تھی اور یہ بالترتیب ابو بکرؓ، عمرؓ اور ام المومنین حفصہ کے پاس منتقل ہوتا رہا۔

## دیگر روایات

ایک روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ قرآن کریم کو سب سے پہلے جمع کرنے کا شرف عمرؓ کو حاصل ہوا۔  
 لے کتاب انصاف، ابن ابی داؤد، صفحہ ۲، کتاب الاثقان فی علوم القرآن، بیروت، صفحہ ۵۹۔

انھوں نے ایک آیت کے متعلق دریافت فرمایا تو لوگوں نے حجاب دیا کہ یہ آیت نکال صحابی کر یا دو  
 کھنی لیکن وہ جنگ بیاہر میں شہید ہو گئے۔ یہ سن کر انھوں نے انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور فرما  
 قرآن کریم کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ مگر یہ روایت اس سلسلے میں بیان کی ہوئی دیگر تمام روایات کے  
 مستافض ہے۔ مگر نے قرآن کریم کو جمع کرنے کا مشورہ تو بے شک سب سے پہلے دیا لیکن اسے  
 جمع کرنے کا فخر ابو بکرؓ کے سوا اور کسی کے حصے میں نہیں آسکتا۔ علیؓ کی مندرجہ ذیل روایت بھی ہماری  
 رائے کی تائید کرتی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

”اللہ ابو بکرؓ پر رحمت نازل فرماتے۔ قرآن کریم جمع کرنے کے کام میں وہ تمام  
 لوگوں میں سب سے زیادہ اجماع کے مستحق ہیں کیونکہ انھیں نے سب سے پہلے اسے  
 جمع کیا۔“

جن لوگوں کی رائے میں قرآن کریم جمع کرنے کا کام عمرؓ کے ذریعے سے انجام پذیر ہوا تھا  
 ان کا کہنا ہے کہ جب انھوں نے یہ کام شروع کرنا چاہا تو پہلے ایک خطبہ دیا جس میں صحابہ کو  
 ہدایت کی کہ جس جس شخص نے قرآن کریم کا کوئی حصہ رسول اللہؐ سے ہمارا راست حاصل کیا ہو وہ اسے  
 ہمارے پاس لائے۔ صحابہ کی عادت تھی کہ وہ رسول اللہؐ سے جو کچھ سنتے اسے چٹروں تختیوں اور  
 پٹریوں پر لکھ لیا کرتے تھے چنانچہ جو کچھ ان کے پاس تھا وہ سب عمرؓ کے پاس لے آئے۔ وہ کسی  
 شخص سے اس وقت تک قبول نہ کرتے تھے جب تک وہ اپنے ثبوت میں دو گواہ نہ پیش کر دیتا تھا  
 جزا کر یہ گواہی دیتے تھے کہ واقعی یہ آیات رسول اللہؐ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائی تھیں۔  
 عمرؓ اس کام کا بھی ختم نہ کرنے پائے تھے کہ ان کی شہادت ہو گئی۔ ان کے بعد عثمانؓ نے یہ کام  
 اپنے ہاتھ میں لیا۔ انھوں نے ریڑھیں ثابت کر چاکہ قرآن کریم جمع کرنے کے لیے ارشاد فرمایا اور  
 ہدایت کی کہ اگر طرز تحریر میں کہیں اختلاف واقع ہو تو اسے مصرعی زبان میں لکھو لیا کہ وہ یکہ کفرائی  
 مصرعی کے ایک شخص (رسول اللہؐ) پر نازل ہوا تھا۔

## قرآن جمع ہونے کا زمانہ

قبل اس کے کہ میں تاریخ جمع قرآن پر روشنی ٹھالوں ابو بکرؓ کے اس قول کی تشریح کر دینا چاہتا ہوں کہ

”میں دو کام کر چکا ہوں جو اللہ نے نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نزول نہایت تعزلیں ہونے کے وقت سے مدینہ میں وفات کے وقت تک، مسلسل تیس سال تک ہوتا رہا بعض روایات چند آیات نازل ہونے تھیں بعض روایات پوری سورت نازل ہو جاتی تھیں سب سے پہلی وحی جو آپ پر نازل ہوئی دوسرا تعلیم کی یہ آیات تھیں: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ اس سورت کی بقیہ آیات جنہیں ہم آج کل قرآن کریم میں مندرجہ بالا آیات کے ساتھ شامل پاتے ہیں۔ نہ صرف بعد میں نازل ہوئیں بلکہ ان کا نزول وحی کے پیشتر جتنے کے نزول کے بعد ہوا۔ کیا اللہ پر حضرت مندرجہ بالا قرآن کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم پر گندہ حالت میں تھا۔ اس کی آیات میں کوئی ترتیب تھی نہ سورتوں میں حسب تفریق حالت میں تھیں اور جو ترتیب آج کل نظر آتی ہے وہ اس زمانے میں مفقود تھی؟

بعض مفسرین کا خیال یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت قرآن کریم واقعی منتشر اور پر گندہ حالت میں تھا۔ اپنی تائید میں اہل نقل نے زید بن ثابت کی یہ حدیث بھی پیش کی ہے کہ ”رسول اللہ فوت ہو گئے اور قرآن کسی ایک جگہ جمع نہ تھا۔“ منتشر تھیں کا ایک مفہوم گروہ بھی اسی امر کو تاثر پہنچا تو دوسرا ہے۔ مشہور انگریز مؤرخ سر ولیم مورڈن اپنی کتاب کے مقدمے میں زید بن ثابت کا یہ قول بڑے دوسرے اپنی تائید میں پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”قرآن کریم کے اجزائے نہایت سادہ طور پر ایک دوسرے سے ملا دیے گئے ہیں“ اس میں کسی قسم کی تکلف نہیں برتا گیا اور فنی عمارت اور چابک دستی کا کوئی مظاہرہ نہیں کیا گیا۔ اس امر سے جمع کرنے والے شخص کے ایمان کا خلاص اور اس کی حقیقت کا پتا چلتا ہے جو اسے اس کتاب سے ملتی۔ ان آیات مقدمہ سے عرب کی گہری عقیدت اور احترام ہی کا نتیجہ تھا کہ اس نے انہیں باقاعدہ ترتیب دینے کی کوشش نہ کی بلکہ جو آیات اسے ملنی لگیں انہیں وہاں تک جمع کر لیا۔ جو منتشر تھیں اس زمانے کے مؤید ہیں وہ کہتے ہیں کہ زید بن ثابت اور ان کے معاونین نے قرآن جمع کرتے وقت اس کی نزولی ترتیب ملحوظ خاطر نہیں رکھی بلکہ اس نے قرآن کو دین میں نازل ہونے کی ترتیب سے

کرنے کا کوئی التزام نہیں کیا مکمل ملا لیا اس بات کے کرموقع اور محل متعاضی ہے یا نہیں  
کلی سورتوں کے درمیان وہی آیات کو داخل کر دیا۔ مستشرقین کی رائے میں اگر ڈیڑھ سو ثابت  
تاریخی ترتیب مد نظر رکھتے تو یہ چیز علمی تحقیق کے سلسلے میں بہت مفید ثابت ہوتی  
اور رسول عربی کے حالات کی چھان بین کرنے اور آپ کی سیرت کو پرکھنے میں اس سے  
بے حدود ملتی۔

مستشرقین یہ بھی سمجھتے ہیں کہ قرآن جمع کرنے والوں نے آیات کو ان کے مضمرات کے اعتبار  
سے بھی ترتیب نہیں دیا، اس کے نتیجے میں ایک ہی سورت میں قصص اور تاریخ کے متعلق بھی باتیں ملتی  
ہیں اور ایمان و جہاد کے متعلق بھی۔  
بھی تھے ہیں اور اضافی غزوت سے متعلق رکھنے والے قوانین بھی۔ مزید برآں مختلف موضوعات کے  
مستقل ایک قسم کی روایات کو جیسے ایک جگہ اکٹھا کرنے کے مختلف سورتوں میں بھیل دیا گیا ہے۔  
اس طرح ایک چیز کو تلاش کرنے کے لیے سارے قرآن کی مدق گردانی کرنی پڑتی ہے تو کہیں جا کر  
گوہر برآمد حاصل ہوتا ہے مستشرقین کی رائے میں چار سو قرآن سے موضوعات کا خیال نہ رکھا اور  
بالخصوص ترتیب نزولی سے مختلف بہت کر ذرا دست گردانی کا ثبوت دیا ہے اور اس طرح دنیا کو  
ایک علمی انگشتات سے محروم کر دیا ہے۔

مستشرقین کی ان تمام آثار کی بنیاد ابو بکرؓ کے اس قول پر ہے کہ میں وہ کام کہ چکر کر کے تھیں  
جو رسول اللہؐ نے نہیں کیا لیکن انھوں نے ابو بکرؓ کا یہ قول سمجھنے میں سمجھتی ٹھکی کھائی ہے۔ ان کا  
خیال ہے کہ آیات قرآنیہ ابتدا سے نزول ہی سے پرانہ کی حالت میں تھیں تا آنکہ علیؓ نے اول اؤ  
علیہؓ سوم کے زمانوں میں انھیں یک جا کر دیا گیا۔ لیکن یہ خیال قطار دست نہیں۔ یہ امر ثابت شدہ  
ہے کہ تمام آیات رسول اللہؐ کی زندگی میں آپ کے حکم سے سورتوں میں مرتب ہو چکی تھیں۔ اس وجوہ  
کے ثبوت میں چند احادیث درج کی جاتی ہیں:

”ملک کہتے ہیں کہ قرآن مجید اسی طرح تالیف کیا گیا جس طرح صحابہ سے

رسول اللہؐ سے پڑھتے ہوئے سنتے تھے۔“

عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں،

”میں نے رسول اللہ کی زبان مبارک سے ستر سے زیادہ سورتیں سن کر یاد کیں۔“

اور ایک دفعہ میں نے آپ کے سامنے ان اللہ عجیب المتواہین وحب الطعمہ بن کی آیت تک سورۃ بقرہ تلاوت کی ؟

ذہب بن ثابت روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے سارا قرآن رسول اللہ کے سامنے پڑھا۔ مسلم اور بخاری میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ کی زندگی میں چار شخص اس نے قرآن کریم صحیح (حفظ) کیا تھا اور چاروں انصار میں سے تھے یعنی ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور الزبیرؓ۔

انس کا مطلب یہ نہیں کہ رسول اللہ کے حمد مبارک میں ان چاروں صحابہ کے سوا کسی صحابی نے قرآن کریم حفظ نہ کیا تھا۔ اس روایت کی تشریح کرنے ہوئے قرطبی لکھتے ہیں:

”یہ امر متداول و مشہور ہے کہ رسول اللہ کے حمد میں عثمانؓ، علیؓ،

تیمم الداریؓ، سہابہؓ بن صامتؓ اور عبد اللہ بن عمروؓ بن عاصؓ نے بھی قرآن کریم حفظ کیا تھا۔ ان روایات کی مرجوحی میں انس بن مالک کی روایت ”قرآن کریم انصار کے چار آدمیوں کے سوا اور کسی نے حفظ نہیں کیا“ کا مطلب یہ نکالا جاسکتا ہے کہ ان چار آدمیوں کی جماعت کے سوا اور کسی بھی شخص نے براہ راست رسول اللہ سے سن کر قرآن حفظ نہ کیا۔ صحابہ مختلف اوقات میں رسول اللہ سے قرآن سن کر حفظ کر لیا کرتے تھے اور دوسروں کو سکھاتے تھے۔ پھر بھی تمام صحابہ کے لیے یہ ناممکن تھا کہ انھوں نے قرآن کریم کی تمام آیات رسول اللہ کی زبان مبارک سے سنی ہوں اس طرح اکثر صحابہ نے قرآن کریم کا کچھ حصہ رسول اللہ سے اور کچھ حصہ اپنے دوسرے ساتھیوں سے حاصل کیا تھا۔ متعدد روایات سے ثابت ہے کہ چاروں صحابہ کو براہ راست رسول اللہ سے سن کر قرآن کریم حفظ کرنے کا شرف اس لیے حاصل ہوا کہ یہ بہت خلص اور سابقہ بنی آدمیوں میں سے تھے اور آپ ان سے بہت لطف و محبت کے ساتھ پیش آنے لگتے تھے؟

یہ روایت بھی کثرت سے کتب احادیث میں مودی ہے کہ رسول اللہ ہر سال جبریل کے

سائے قرآن کریم کا ایک دور کیا کرتے تھے لیکن وفات دس سال آپ نے ایک کی بجائے دو دور کیے۔

سیرت نبوی میں بھی جو واقعات درج ہیں وہ ان مندرجہ بالا روایات کی پوری تائید کرتے ہیں۔ مجدد دیگر واقعات کے عمر کے اسلام لانے کا واقعہ بھی ہے جو رسول اللہ کی بعثت کے دس سال بعد وقوع پذیر ہوا۔ جب دین اسلام نے مکہ میں فروغ حاصل کرنا شروع کیا اور اہل مکہ میں اہم تفریق پیدا ہونے لگی تو عمرؓ کو عباس وقت حالت کفر میں تھے، سخت طیش آیا اور انھوں نے رسول اللہؐ کو قتل کرنے کا حکم دادا دہ کر لیا۔ وہ قتل کے دس سال سے آپ کی جانب جا رہی تھے کہ راستے میں نبیؐ بن عبد اللہ سے ملت میٹھ ہوئی۔ انھوں نے عمرؓ کو نگلی تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا کہ اس بیعت میں کہاں جا رہے ہو جب انھیں عمرؓ کے مقصد کا علم ہوا تو انھوں نے کہا: "مذکور کو ابید میں قتل کرنا، پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو۔ تمھاری بہن فاطمہ اور ہبنوی سیدہ بن زید مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر عمرؓ رسول اللہؐ کی طرف ہانپنے کی بجائے اپنی بہن کے گھر پہنچے۔ باہر سے انھوں نے سنا کہ خطابؓ ان دونوں کو قرآن شام ہے میں۔ انھوں نے گھر میں داخل ہو کر کہیں لوہ ہبنوی دونوں کو زد و کوب کرنا شروع کیا لیکن آخر انھیں اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور انھوں نے بہن سے کہا کہ جو کتاب تم پڑھ رہی تھیں مجھے بھی دکھاؤ۔ چنانچہ بہن چند اوراق اٹھا لائیں۔ انی پر سورۃ طہ لکھی ہوئی تھی۔ جب عمرؓ نے یہ صحیفہ پڑھا تو قرآنی احیاء اور اس کے جلال کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ انھوں نے اسی وقت رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

دو اوراق جن پر سورۃ طہ لکھی ہوئی تھی انتخاب ان کشیدہ صحیفوں کے تھے جو مسلمانوں کے درمیان مستداول تھے اور جن پر سورۃ طہ کے علاوہ قرآن کریم کی اور بھی کئی سورتیں لکھی ہوئی تھیں۔ عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد رسول اللہؐ تیرہ برس زندہ رہے۔ آپ نے صحابہ کو ہدایت کر رکھی تھی کہ مجھ سے سوا قرآن کے اور کچھ نہ لکھا جائے اور اگر کسی نے قرآن کے سوا کوئی حدیث لکھ لی ہے تو وہ اسے شام سے: "یہ کافرم تھا کہ صحابہ نماز میں تلاوت کرنے اور احکام دین سیکھنے کے لیے قرآن کریم کا جس قدر کچھ کہتے تھے اسی طرح وہ لوگ بھی قرآن کریم لکھتے تھے جنہیں رسول اللہؐ مختلف قبائل کی طرف قرآن سکھانے اور عربی تعلیم دینے کے لیے روانہ فرماتے تھے۔ یہ لوگ متعدد متعدد آیات نہ

کہتے تھے بلکہ پوری کی پوری سورتیں کہتے تھے اور رسول اللہؐ پر سورتیں انھیں ٹھہراتے تھے۔  
قرآن کریم سے بھی ہماری تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ قرآن کریم میں رسول اللہؐ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے یا ایہا النبی کل قرآن کل اللیل الا قلیلاً نصفہ او اقل نصفہ فلیلاً وروز علیہ ورتل القرآن ترتیلاً (اے اللہ کے رسول! اسے پورے دل سے ارات کو قیام کو، تھوڑے جتنے کے لیے یعنی اس کا آدھا یا اس سے کچھ کم کرے یا اس پر پڑھے اور قرآن کو غہر غہر کر یا ترتیب پڑھ) سورہ مزمل کی آیات رسول اللہؐ کی بعثت کی ابتداء میں نازل ہوئیں تھیں۔ اللہ کا اپنے نبی سے یہ مطالبہ کہ وہ اللہ کو اٹھ کر قرآن با ترتیب پڑھے ظاہر کرتا ہے کہ آیات قرآنیہ کسی بھی وقت بے ترتیب اور پرانگیں کی حالت میں نہ رہیں بلکہ جو نبی رسول اللہؐ پر کوئی وحی نازل ہوتی تھی آپ اسے اس کی جگہ رکھنے کا حکم دے دیتے تھے۔ ایک حدیث میں بھی آتا ہے کہ جب یہ آیت ”واللہ اعلم“ پڑھنا شروع فرماتے تھے  
الی اللہ شہرتی کل نفس ما کتبت وہم لا یظلمون“ نازل ہوتی تو جبریلؑ نے رسول اللہؐ سے کہا۔ ”اے محمدؐ! اسے سورہ بقرہ کی تلاوتی میں آیت کے شروع میں رکھیں۔“

قرآن کریم بار بار اپنی تعریف کتاب کے الفاظ سے کرتا ہے سورہ بقرہ ”افاتحہ کے بعد“ قرآن کی سب سے پہلی سورت ہے۔ اس کا آغاز یہی اللہ اس آیت سے کرتا ہے۔ الحمد للہ کتاب لا ریب فیہ ہدی للمتقین (یہ قرآن ایک کتاب ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔ یہ متقینوں کے لیے ہدایت کا موجب ہے) اسی طرح اور کئی جگہ قرآن کے لیے کتاب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کتاب اس چیز کو کہتے ہیں جو کچھ ہوتی ہو اور اس سے پہلے ہم متعدد احادیث کی رو سے ثابت کر چکے ہیں کہ رسول اللہؐ کے ہمد میں قرآن کھانا تھا۔ زید بن ثابت کا یہ قول ہم پہلے نقل کر چکے ہیں کہ رسول اللہؐ وفات پا گئے اور قرآن کریم کسی ایک جگہ جمع نہ تھا لیکن ایک اور موقع پر انھوں نے فرمایا: ہم رسول اللہؐ کے پاس ہوتے تھے اور قرآن کو کپڑے کے ٹکڑوں پر تالیف کرتے تھے۔ ”مطلب یہ کہ وہ رسول اللہؐ کی ہدایات اور اشارات کے تحت قرآن کے معنی میں قرآن غہر غہر کر پڑھتے اور جان کر سنے ہی کے بغیر اس کے معنی میں تالیف اور ترقیب بھی نہ کیا ہے۔ چنانچہ مسلمان العرب میں ہے رتل القرآن (جس کا لفظ را با نہ تو مل فیہ یعنی ترتیب کو نہ ملے گا اور اسے کھول کر اللہ غہر غہر کر بیان کیا۔) (ترجمہ)

مطابق متفرق آیات اپنے اپنے موقع پر لکھ دیا کرتے تھے چنانچہ تالیف کا لفظ اسی طرز اشارہ کرتا ہے۔ علاوہ بریں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ خدا میں اور خدا کے علاوہ بھی پروردگار پروردگار نہیں تھا بلکہ وہ آل عمران، النساء، احزاب، جن، انجیل، رحمن اور تفریع و تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ آیات کی ترتیب رسول اللہ کے عہد ہی میں آپ کی ہدایات کے مطابق مکمل ہو گئی تھی اور تار میں حانظوں اور دوسرے مسلمانوں نے اسے اپنے اپنے سینوں میں بحال طور پر محفوظ کر لیا تھا۔

صحابہ نے نہ صرف قرآن کریم رسول اللہ کی زندگی ہی میں اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا تھا بلکہ چار صحابہ نے قرآن سے ہاتھ دھو لکھ بھی لیا تھا۔ اس امر پر مؤمنین کا اتفاق ہے کہ جہاں تک آیات کی ترتیب کا سوال ہے رسول اللہ کی وفات سے قبل لکھے ہوئے مصحفوں اور آپ کی وفات کے بعد جب کیے ہوئے مصحفوں میں کوئی فرق نہیں کیا گیا کہ آیات کی ترتیب رسول اللہ نے اپنی زندگی میں خود فرمادی تھی "الہیہ سر قول کی ترتیب کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کام رسول اللہ نے اپنی امت کے لیے بھیج دیا تھا۔

جب یہ امر ثابت شدہ ہے کہ قرآن کریم رسول اللہ کی زندگی ہی میں جمع ہو گیا تھا۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ کے اس قول کا کیا مطلب لیا جائے گا جو انھوں نے جمع قرآن کی تجویز پیش کیے جانے پر عرض کیا تھا "میں وہ کام کر رہا ہوں جو رسول اللہ نے نہیں کیا" اور وہ کیا دلیلیں انھیں جنھوں نے آخر ابو بکرؓ اور زید بن ثابتؓ کے دلوں کو کھول دیا اور وہ دونوں عمرؓ کی تجویز کے مطابق قرآن کریم جمع کرنے پر متفق ہو گئے۔

جب ابو بکرؓ کی بیعت ہو چکی تو علیؓ اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ لوگوں نے یہ بات ابو بکرؓ سے سنا کر کہی۔ انھوں نے علیؓ کو بلا بھیجا۔ کیا آپ میری بیعت کرنا پسند نہیں کرتے کہ اپنے گھر یا کونٹھ گئے ہیں؟ علیؓ نے جواب میں کلا بھیجا: "واللہ ایہ بات نہیں بلکہ مجھے ڈر ہے کہ یہاں لوگ کتاب اللہ میں زیادتی کر دیں اس لیے میں نے قسم کھالی ہے کہ اس وقت تک گھر سے باہر نہ نکلوں گا جب تک قرآن جمع نہ کر لیں۔"

علیؓ کا یہ قول مجھے شہدہ کہ ہاں لوگ کتاب اللہ میں زیادتی کر دیں۔ عزت سیدی نے کتاب اتفاق میں منج (بقیہ صفحہ ۴۰۵ پر)

رسول اللہ کے وفات کے بعد قرآن کریم جمع کرنے میں علیؑ اکیلے نہ تھے بلکہ کئی اور صحابہ بھی اس کام میں ان کے شریک تھے۔ ابو بکرؓ نے جمع قرآن کے سلسلے میں علیؑ اور دوسرے صحابہ کے کام کو سرا اور اس تعلیم کام سے کسی ایک شخص کو روکنے کا خیال بھی ان کے دل میں پیدا نہ ہوا۔ وہ مسلمان تھے کہ اللہ ہی نے قرآن کریم نازل کیا ہے اور وہی اس کا محافظ ہے کسی مسلمان کے دل میں اس بات کا خیال بھی نہیں آسکتا کہ وہ اپنی طرف سے قرآن کریم میں کمی بیشی کرے اور اگر کوئی ایسا کرے گا بھی جس کا خدا علیؑ بن ابی طالب نے ظاہر کیا ہے تو اللہ خود ہی اپنی کتاب کی حفاظت فرما گا۔ اور اسے اپنے امادے میں قطعاً ناکام و نامراد رکھے گا۔ اسی لیے جب عمرؓ نے ان کے واسطے یہ بھڑکنے کی کتاب اپنے حکم سے قرآن کریم جمع کرنے کا کام شروع کرانے پر ابوبکرؓ کو روک دیا تو وہ بڑھکے اور کوئی ایسا کام نہ کرتے تھے جو رسول اللہؐ نے نہ کیا ہو اور کسی ایسے کام سے پہلے ہی اختلاف پیدا نہ کرتے تھے جو آپؐ نے انجام دیا ہو۔ رسول اللہؐ نے قرآن کریم لکھنے کا کام حاضر مسلمین کے سپرد کر رکھا تھا بعض لوگوں کو خود رسول اللہؐ قرآن کریم لکھوا دیتے تھے۔ دوسرے لوگ ان کا تبیین سے نقل یا سن کر سینوں میں محفوظ کر لیتے تھے۔ ابو بکرؓ چاہتے تھے کہ ان کے زمانے میں بھی وہی طریقہ جاری رہے جو رسول اللہؐ کے عہد میں جاری تھا۔ لوگ ایک دوسرے سے پوچھ کر قرآن کریم لکھ لیں یا حفظ کر لیں۔ وہ بڑا اختلاف سے بالخصوص اس کے لیے کوئی انجام نہ دیکھا جائے۔

(تقریباً حاشیہ صفحہ ۴۰۴)

کیا ہے۔ دیگر بزرگین نے علیؑ کا موت پر نقل لکھا ہے: "میں نے قسم کھالی ہے کہ اس وقت تک گھر سے باہر نہ نکلوں گا جب تک قرآن جمع نہ کر لوں" ابن ابی واثقہ نے کتاب المعاصع میں یہ روایت درج کی ہے کہ ابو بکرؓ نے بیت کے چند روز بعد علیؑ کو کلا بھیجا اسے اہل اہلسنہ کیا آپؐ میری اہمیت سے ناواقف ہیں؟ انھوں نے جواباً کلا بھیجا۔ "اللہ انہیں" میں نے قسم کھالی ہے کہ مگر اللہ کے گھر سے باہر نہ نکلوں گا۔ پھر خود ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کر کے "اے میں چلے آئے" ابن ابی واثقہ روایت کے آخر میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ دوسرے فرقہ جیسے علیؑ کی جانب پر نقل منسوب کیا ہے "میں اس وقت تک باہر نہ نکلوں گا جب تک امت آن بیچ نہ کر لوں" یہاں جمع کرنے سے مراد خدا کرنا ہے کیونکہ اس وقت جو شخص قرآن کریم حفظ کر دیتا تھا اس کے منتقل کیا جاتا تھا کہ اس نے قرآن جمع کر لیا ہے۔

یعنی ابو بکرؓ اور زید بن ثابتؓ کی دلیل لیکن جب عمرؓ نے اس بارے میں امر اور نہی شروع کیا اور اس کے حق میں دلائل بھی دیے تو ابو بکرؓ کو اپنی رائے تبدیل کرنی پڑی اور عمرؓ کی رائے پر عمل کرتے ہوئے قرآن کریم جمع کرنے کا حکم دے دیا۔ اس سے ہے کہ تاریخ سے اس گفتگو کی تفصیلات کا علم نہ ہو سکا جو اس باب میں ابو بکرؓ اور عمرؓ کے درمیان ہوئی۔ اگر تفصیلات بھی کتب تاریخ میں محفوظ نہ ہیں تو اس سے مسئلے کے کئی اور بھی سید نظروں کے سامنے آجاتے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جمع قرآن کریم کے سلسلے میں وہ کون سا کام تھا جو رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا اور ابو بکرؓ اور زید بن ثابتؓ کو اسے کرتے ہوئے تردد ہوا کیونکہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ اسے فوراً گھوڑا کر ہدایت کر دیتے تھے کہ یہ آیت فلاں صورت میں فلاں جگہ لکھی جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو درست ہے آپ اتنی جلد آیت کے بارے میں کا تھانہ دیتی تھے کہ ان کا عمل اور موقع بتا دیا کرتے تھے لیکن یہ تمام آیات متفرق جگہ لکھی جاتی تھیں۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کا نزول تو اتنے سے ہوتا تھا اس لیے آپ اپنی دنگلی میں اسے ایک جگہ جمع نہ کر سکتے لیکن آپ کی وفات کے بعد جب وحی کا نزول بند ہو گیا اور کتاب اللہ کامل ہو گئی تو اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ جو کام رسول اللہ ﷺ اپنی دنگلی میں انجام دے سکتے تھے اسے ضائع ہونے اور تخریب و تبدل کے خدشے کے پیش نظر آپ کے بعد نبی الغور مکمل کر لیا جائے۔

یہ یقین وہ وجہ جن کے پیش نظر عمرؓ نے ابو بکرؓ سے جمع قرآن پر امر کیا۔ چونکہ مستشرقین کے دلائل بہت ٹھوس اور قوی تھے اور اس میں سراسر اسلام اور مسلمانوں کے لیے بھلائی مضمر تھی لہذا یہ ابو بکرؓ نے مستشرقین کی بات مان لی اور زید بن ثابتؓ کو قرآن کریم جمع کرنے کا حکم دے دیا۔

چنانچہ ابو عبد اللہ زہبیؒ اپنی کتاب تاریخ القرآن میں لکھتے ہیں ”شواہد سے پتا چلتا ہے عمرؓ کا مرتبہ صحت پر تھا کہ قرآن کریم کو صحابہ تک بڑوں، کلاہوں اور کھالوں پر لکھا ہوا کھراڑا تھا، باقاعدہ اوراق پر لکھ کر ایک جگہ پر جمع کر لیا جائے لیکن صحابہ میں چونکہ محدود رجحانات تھے اور ہر ایک کوئی کام دیکھنا چاہتے تھے جسے رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا ہو اس لیے وہ ٹوٹتے تھے کہ کہیں یہ کام بدعت میں شمار نہ ہو۔“

## عثمانؓ کے عہد میں جمع قرآن

یہ بیان کرنے سے پہلے کہ جمع قرآن کے سلسلے میں کیا کام ہوا اس پر ذکر کر دینا ضروری ہے کہ عثمانؓ کے عہد میں جو واقعات پیش آئے انھوں نے ثابت کر دیا کہ عثمانؓ نے جمع قرآن کے سلسلے میں جو رائے دی تھی وہ انتہائی صائب تھی اور انھوں نے اپنی درس نگاہوں سے پہلے ہی بجا بنایا تھا کہ اگر قرآن کریم ایک جگہ جمع کیا گیا تو آئندہ مسلمانوں کو کس قدر عظیم خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا عثمانؓ اور عثمان کے عہد میں فتوحات کا سلسلہ بے حد وسیع ہو گیا تھا، حضرت عمرؓ ملاقا میں لوگوں کو قرآن کریم پڑھانے اور لکھانے کا کام صحابہ کرام کے سپرد تھا لیکن اسلامی سلطنت کی مدد و مددگار بے حد وسیع ہو چکی تھیں اس لیے لوگوں کی قراءتوں میں اختلافات پیدا ہونا شروع ہو گیا پھر یہ اختلافات آہستہ آہستہ وسعت اختیار کرنے لگا اور لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہماری قراءت تمھاری قراءت سے بہتر ہے معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ لوگوں نے قراءت کے اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کی تکفیر شروع کر دی اور اس طرح ایک دروست نکتے کا خطرہ پیدا ہو گیا، حذیفہ بن یمانؓ نے اس واقعہ سے روکنا نہیں سیکھا اور آئندہ بائبلوں میں مصروف پیکار تھے تکفیر و تعقیب کا بیج بڑا اور توان و کلمہ سخت خطرہ محسوس کیا۔ وہ فوراً مدینہ پہنچے اور عثمانؓ سے عرض کیا: "ایرا لئن من امت کی خبر لیجئے وہ بلا کہ ہر طرف کہے: عثمانؓ نے پرچھا کیا ہذا؟ حذیفہ نے سارا ماجرا عرض کر کے بتایا ہماری فرج میں عراق، شام اور حجاز کے لوگ شامل ہیں ان کے وہ بیان قراءتوں میں سخت اختلافات واقع ہو گیا ہے اور فوجت ایک دوسرے کی تکفیر تک پہنچ گئی۔ مجھے شہ ہے کہ کہیں وہ بھی کتاب اللہ میں اسی طرح اختلافات کرنے لگیں جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنی کتابوں میں کیا تھا؟ حذیفہ کی باتیں سن کر عثمانؓ نے بھی خطرے کی اہمیت محسوس کی اور لوگوں کو جمع کر کے یہ سارا معاملہ ان کے سامنے رکھا، لوگوں نے کہا: آپ ہی بتائیے اس خطرے سے بچنے کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جائیں؟ انھوں نے فرمایا: "سیری دے تو یہ سچے لوگوں کو ایک قراءت پر اکٹھا کر دیا جائے کیونکہ اگر آج مسلمانوں میں اختلافات پیدا ہو گیا تو آئندہ پیدا ہونے والا اختلافات موجودہ دونوں ہونے والے اختلافات سے بہت زیادہ سخت ہو گا۔"

تمام صاحب الرائے حضرات نے عثمانؓ کی تجویز کی تائید کی۔ اس پر انھوں نے ام المومنین حضرت ام کلثومؓ کو بلا لیا کہ مصحف ابو بکرؓ کچھ روز کے لیے مجھیں دے دیجیے ہم اس سے نقائص کر کے مختلف علاقوں میں بھجوا دیں گے اور آپ کا مصحف آپ کو واپس کر دیں گے۔ چنانچہ ام المومنین نے وہ مصحف عثمانؓ کو بھجوا دیا اور انھوں نے اس کی نقائص کر کے اطراف مملکت میں بھیلادیں۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کے باقی نسخوں اور تحریکات کو تلف کرنے کا حکم دے دیا۔

عثمانؓ کے عہد کا یہ اختلاف عمرہ کی دورانی اور بالغ نظری کا زبردست ثبوت ہے عثمانؓ نے مصحف ابو بکرؓ کی نقائص اطراف مملکت میں بھیلادیں اور باقی تمام مصنفین کو تلف کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں کے درمیان قرأت کا اختلاف شاد دیا۔ اگر ابو بکرؓ قرآن جمع کرنے کا حکم دیتے تو یہ اختلاف وسیع تر ہو جاتا اور مسلمانوں کو ایسے نفع کا سامنا کرنا پڑتا جو سیاسی فتنوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھا۔ یہی امر کو دیکھتے ہوئے علیؓ بن ابی طالبؓ نے فرمایا تھا اور بالکل سچ فرمایا تھا،

”قرآن کریم جمع کرنے کے کام میں ابو بکرؓ تمام لوگوں سے زیادہ اجماع کے متفق ہیں کہ آپ وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قرآن جمع کیا۔“

### ابن مسعود کی ناراضی

عمرؓ سے گفتگو کرنے کے بعد جب ابو بکرؓ کو انشراح صدر ہو گیا تو انھوں نے ذیہین ثابت کہ قرآن کریم جمع کرنے کا مہتمم ہلاشان کام سپرد کیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود کو ابو بکرؓ کا یہ فعل ناگوار گذرا اور انھوں نے کہا:

”مسلمان! مجھے تو قرآن کریم کہنے سے شاد دیا گیا ہے اور ایسے شخص کے سپرد یہ کام کروایا گیا ہے جو میرے اسلام لانے کے وقت ایک کافر کے صلب میں تھا۔“

ان کی مراد ذیہین ثابت سے تھی جو عبداللہ بن مسعود کے اسلام لانے کے وقت پیدا ہوئے۔ ہونے لگے بعض کہتے ہیں کہ ابن مسعود نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب عثمانؓ نے اپنے عہد میں روایات جمع کرائیں کہ قرآن کریم کہنے کا کام سپرد کیا تھا اور چند عہدہ کو بھی اس کام میں ان کے ساتھ شامل کر دیا تھا۔ ہر مسلمان جو عبداللہ بن مسعود نے دونوں مرتبہ ناراضی کا اظہار کیا ہو چنانچہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

”ابو بکر انباری کہتے ہیں ابو بکرؓ اور عثمانؓ کی جانب سے نیکو جمع قرآن کا کام سپرد کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ ان دونوں حضرات کو اپنی مسودہ سے کوئی پرغاش تھی عبد اللہ بن مسعودؓ سے زیادہ داخل سابقین الاولین میں شامل اور دیگر خدمات و منہج میں ان سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے تھے لیکن ان تمام خیرین اور فضیلتوں کے باوجود یہ ماننا پڑے گا کہ جہاں تک حفظ قرآن مجید کا تعلق ہے ابن مسعودؓ زید بن ثابتؓ کے ہم پیر تھے۔“

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن مسعودؓ کی نادمی ابو بکرؓ اور عثمانؓ دونوں کے ہم پیر ظاہر ہوئی۔

ابن مسعودؓ کی ندامت یہاں تک بڑھ چکی تھی کہ وہ صرف یہ کہنے پر اکتفاء کرتے تھے: میں نے رسول اللہؐ کی زبان مبارک سے ستر سے زیادہ سورتیں سن کر یاد کیں لیکن زید بن ثابتؓ اس وقت پھول کے ساتھ کھیتے کو تے پھرتے تھے بلکہ عثمانؓ کے عہد میں انھوں نے اہل عراق کو ابجدنا شروع کیا تھا کہ وہ جمع قرآن کریم کے کام میں زید بن ثابتؓ کی اعانت نہ کریں۔ وہ کہتے تھے: میں نے اپنا مصحف چھپا لیا ہے اور جو بھی شخص اپنا مصحف چھپا سکتا ہے وہ منور چھپالے۔“

ایک دن انھوں نے خطبہ دیا اور کہا:

”اے لوگو! اپنا اپنا مصحف چھپا لو تم مجھ سے یہ امید کس طرح کر سکتے ہو کہ میں زید بن ثابتؓ کی قرأت اختیار کروں گا حالانکہ میں نے رسول اللہؐ کی زبان مبارک سے ستر سے زیادہ سورتیں سن کر یاد کیں لیکن زید بن ثابتؓ اس وقت پکے تھے اور اپنے بھرموں کے ساتھ دھینے کی گھڑیوں میں کھیتے کو تے پھرتے تھے۔ واللہ! مجھ سے زیادہ کوئی شخص نہیں جانتا کہ فلاں آیت کہاں اور کس موقع پر نازل ہوئی۔ مجھ سے زیادہ کتاب اللہؐ کا جاننے والا اور کوئی نہیں لیکن میں تم پر اپنی بڑائی نہیں جتاند اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ کتاب اللہؐ کو جاننے والا ہو جو بے قرعی سے رکھ کر سخت مسرتیں اٹھاؤں گا اور اس کے پاس مزد نہیں ملے گا۔“

پھر بھی بڑے بڑے صحابہ نے ابن مسعودؓ کی ان باتوں کو پسندیدگی کی نگاہوں سے نہ دیکھا کیونکہ

ان سے فتنہ پھیلنے کا اندیشہ تھا جس سے اسلام نے بڑی سختی سے روکا ہے۔ چنانچہ ابوالدرداء کے روایت ہے۔ دہکتے ہیں :

”مجم قعود اللہ بن مسعود کو بہت نرم دل، نرم خور اور مشفق انسان سمجھتے تھے۔ مذہب و مصلحتیں کیا ہر گز اور وہ کیوں امراء پر مصلحتیں کرنے لگے ہیں ؟“  
 یہ صحیح ہے کہ عبد اللہ بن مسعود بدری تھے اور زید بن ثابت بدری نہ تھے۔ ابن مسعود کو اسلام لانے میں فیضانیہ زید اور ان کے والد سے سلطنت حاصل تھی۔ یہ بھی درست ہے کہ ابن مسعود نے رسول اللہ سے ستر سے زیادہ مسرتیں سیکھی تھیں، لیکن یہ ایمان بہ حقیقت بھی اپنی جبکہ قائم ہے کہ زید رسول اللہ کے کاتب تھے اور انھوں نے آپ کی وفات تک سارا قرآن آپ سے حاصل کر لیا تھا۔ یہ خصوصیت ایسی تھی جو عبد اللہ بن مسعود کو حاصل نہ تھی۔ قرطبی لکھتے ہیں :

”یہ بات بالعموم مشہور ہے کہ عبد اللہ بن مسعود نے سارا قرآن رسول اللہ کی زندگی میں نہ سیکھا تھا بلکہ بعض جہتے ایسے روئے تھے جو انھوں نے آپ کی وفات کے بعد سیکھے، بعض ائمہ تو یہاں تک کہتے تھے کہ عبد اللہ بن مسعود پورا قرآن سیکھنے سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے۔“

یہ امر بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ابن مسعود کا مصحف قرآن کریم کی آخری دو سو روایں یعنی مصحفین سے خالی تھا۔

الہود نے زید بن ثابت کو جمع قرآن کریم کی ذمہ داری اس لیے سپرد کی تھی کہ وہ انھیں اس کام کا پوری طرح اہل سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب انھوں نے عمرؓ کے اصرار سے یہ کام شروع کرنے کا ارادہ کیا تو زید بن ثابت کو ہلکا کر دیا تھا :

”تم عقل مند و جوان بہیم تمھارے متعلق یہ خیال ہیں کہ تم کو تم کتاب اللہ میں تحریر و تبدل کر دو گے تم رسول اللہ کے زمانے میں وہی لکھتے رہے ہو اس لیے اب ہم تمہیں قرآن کریم جمع کرنے کا کام سپرد کرتے ہیں۔“

قرطبی نے عبد اللہ بن مسعود پر زید بن ثابت کی فضیلت کے بارے میں الہود کی انباری کا جو نزول اپنی کتاب میں درج کیا تھا اس کا کچھ حصہ ہم پہلے درج کر چکے ہیں بقیہ حصہ یہاں درج کیا جاوے گا :

”ابوبکر انصاری کہتے ہیں کہ زید عبداللہ بن مسعود سے بڑھ کر قرآن کے حافظ تھے کیونکہ رسول اللہ نے اپنی زندگی میں انھیں سارا قرآن سکھا دیا تھا لیکن عبداللہ بن مسعود نے رسول اللہ کی زندگی میں آپ سے ستر کے قریب سورتیں سیکھ کر حفظ کی تھیں، باقی سورتیں انھوں نے آپ کی وفات کے بعد سیکھیں۔ اس لیے جس شخص نے رسول اللہ کی زندگی میں قرآن کریم حفظ کر کے اسے حفظ بھی کر لیا ہو اسی شخص کو حق پہنچتا ہے کہ وہ قرآن کریم جمع کرے اور اس کام کے لیے اسی کو دوسروں پر ترجیح دینی چاہیے۔“

ابوبکرؓ نے زید کو دیگر اصحاب رسول اللہؐ پر غالباً اس لیے بھی ترجیح دی کہ وہ نوجوان تھے اور زیادہ محنت سے کام کر سکتے تھے۔ فوجانی کی وجہ سے ان میں اپنی دلتے پڑ چلنے اور اپنے علم و فضل کے جاوید بیاں اٹھار کا مادہ بھی نہ تھا۔ وہ صحابہ کرام کی باتوں کو خود سے سنتے تھے اور قرآن جمع کرنے میں انتہائی تحقیق و تدقیق اور تفقیش سے کام لیتے تھے حالانکہ انھیں سارا قرآن کریم حفظ تھا۔ مزید یہ کہ متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے سال جب آپ نے جبریلؑ کے سامنے قرآن کریم کا دوبارہ پڑھا تو زید بن ثابت دوسرے دور کے وقت موجود تھے جو آپ کا آخری دور تھا۔

زید بن ثابت کو بھی اس عظیم الشان ذمہ داری کا پوری طرح احساس تھا جو ابوبکرؓ کی جانب سے ان پر ڈالی گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب ابوبکرؓ نے ان سے قرآن عید جمع کرنے کو کہا تو انھوں نے جواب دیا:

”واللہ! اگر مجھے پہلو کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھنے کا حکم دیا جاتا

تو بھی یہ کام میرے لیے قرآن کریم جمع کرنے سے زیادہ سہل ہوتا۔“

وجہ یہ تھی کہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور دیگر بڑے بڑے صحابہ کو قرآن کریم حفظ تھا جب ان انصاری صحابہ نے (جن کا ذکر پہلے آچکا ہے) براہ راست رسول اللہ سے قرآن کریم سیکھا تھا اور اسے باتواں ترتیب دے کر لکھ رکھا تھا۔ عبداللہ بن مسعود نے بھی ایک مصحف ترتیب دے رکھا تھا۔

..... بعض لوگوں کے مصحف مکمل تھے اور بعض نہ۔۔۔۔۔

..... کے نامکمل۔ اس صورت میں کو بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ زید بن ثابت

کی نگرانی اور ان کا شدید مناسبہ کرنے کے لیے موجود تھے ان کا یہ حکیم انسان ہر جہر پر اٹھائیں یقیناً پیدا کرنا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دینے سے بھی زیادہ مشکل کام تھا۔

ان جلیل القدر صحابہ کے علاوہ سب سے بڑا مناسبہ کرنے والی ذات اس خولہ تھے بزرگ و برتر کی عملی جس نے اپنے رسول پر قرآن نازل فرمایا تھا اور جس کی نظر سے ضعیف سے ضعیف غلطی اور کمی بھی نہیں غلطی نہ رہ سکتی تھی۔ اللہ کے محاسب ہی کا ذکر تھا جس کے باعث زید بن ثابت نے انتہائی جہاں کا ہی سے کام لیا۔ ہڈیوں چٹھوں و سطوں کی چھالوں پتھروں وغیرہ پر بھی ہوئی ایک ایک آیت جمع کرنے میں ان کا ایک دوسرے سے موازنہ کرنے اور انھیں ترتیب وار ایک جگہ لکھنے میں انھوں نے حرم و اختیار کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اس طرح وہ مصحف تیار ہو گیا جس نے آئندہ قرآنِ کریم کا کوئی جھڑپ نہ ہونے کا خطرہ ہمیشہ کے لیے مٹا دیا۔ جب عثمان کو قرآنوں کا اختلاف شاکہ تمام مسلمانوں کی ایک فرات پر جمع کرنے کی ضرورت پیش آئی تو انھوں نے اسی مصحف کو سامنے رکھ کر اس کی نقلیں کروانے اور انھیں اطراف مملکت میں بھیج دینے کے احکام صادر کیے۔

یہ کچھ کی ضرورت نہیں کہ زید بن ثابت نے اپنے مصحف میں قرآنی آیات ان کی تادم نزول کے لحاظ سے مرتب نہ کی تھیں۔ رسول اللہ اپنے زمانے میں آیات کی ترتیب خود مقرر فرما چکے تھے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ آپ مدینہ میں اتاری ہوئی آیات کی سورتوں میں شامل کر دیتے تھے۔ زید بن ثابت کے لیے اپنی طرہ سے کوئی ترتیب قائم کرنا غیر ممکن تھا۔ انھوں نے رسول اللہ کی مقرر فرمائی ہوئی ترتیب قائم رکھی اور اسی ترتیب کے مطابق قرآنِ کریم چھپنے کی کھالوں پر لکھ کر جمع کر دیا۔

### زید کا طریق کار

مسائل پیدا ہوتا ہے کہ زید بن ثابت نے جمع قرآنِ کریم کے سلسلے میں کیلن طریق کار اختیار کیا۔ اس کا اب جاننا تو یہی دیا جا سکتا ہے کہ وہی علمی اور تحقیقی طریق کار جو آج کل کے محققین اختیار کرتے

ہیں۔ یہاں یہ مذید ہے جس قدر محنت اور جہاں نشانی سے کام کیا موجودہ محققین میں سے کسی کو اس کا عشر عشر بھی کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ ابو بکرؓ نے املاک کو دیکھا کہ اس میں جس شخص نے قرآن کریم حفظ کیا ہو یا اس کا کوئی حصہ لکھا ہو وہ مذید کو اس کی اطلاع دے اور لکھا ہو اس حدیث ان کے سامنے پیش تھے۔ چنانچہ مذید کے پاس ہڈیوں پتوں بکھر کر کے درخت کی چالوں چمڑوں اور پتھروں پر لکھی ہوئی آیات اور سورتیں کثیر تعداد میں جمع ہونے لگیں۔

جب آیات اور سورتوں کو ایک جگہ جمع کرنے کا کام مکمل ہو گیا تو مذید بن ثابتؓ نے ان کی جانچ پڑتال کی اور ترتیب کا کام شروع کیا۔ کوئی آیت اس وقت تک مستعمل نہ کرتے تھے جب تک اچھی طرح تحقیق نہ کر لیتے تھے کہ واقعی یہ آیت اسی طرح رسول اللہؐ پر نازل ہوئی تھی۔ ذیل کی مثال سے مذید کی غایت درجہ احتیاط کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایک مرتبہ عمرؓ نے آیت اُمس البقوں لا ترون من المہاجرین والانصار الذین اتبعوہم باحسان پڑھا یعنی انصار اور الذین کے درمیان سے دو اصناف کو دی۔ مذید بن ثابتؓ نے سن کر کہا کہ اصل آیت والذین اتبعوہم باحسان ہے لیکن عمرؓ سطلین نہ ہوئے۔ آخر انھوں نے ابی بن کعبؓ کو بلایا اور ان سے آیت کے متعلق دریافت کیا۔ انؓ نے مذید کی قرات کی قصدین کی اور عمرؓ کے دل سے ہر قسم کا شک و شبہ دور کرنے کے لیے یہ بھی کہا واللہ! یہ آیت رسول اللہؐ نے مجھے اس وقت پڑھائی تھی جب آپؐ بائاد میں گندم کی خرید و فروخت میں مشغول تھے۔ اس پر عمرؓ نے اپنی غلطی تسلیم کر لی اور کہا کہ واقعی دیوبہی کی قرات صحیح ہے۔

سورت عشر پر موقوف نہیں بلکہ جب بھی کسی صحابی سے دیر بن ثابتؓ کو قرات میں اختلاف ہوتا تو تحقیق کی خاطر سب طرح پر امتثال کرتے تھے اور صحیح قرات کا یقین کرنے کے لیے دیگر صحابہ سے مشاویہ طلب کرتے تھے۔ اگر پتوں اور ہڈیوں وغیرہ پر لکھی ہوئی آیات میں اختلاف ہوتا تھا تو بھی جب تک ان کی صحت کے بارے میں اچھی طرح اطمینان نہ کر لیتے تھے آگے نہ بڑھتے تھے اور یہاں پر بھی اطمینان نہ تھا۔ . . . . . اس بارے میں اپنے حاشیہ پر بھی اعتماد کرتے تھے حالانکہ انھوں نے قرآن کریم حفظ کر لکھا تھا اور رسول اللہؐ نے اپنی وفات سے تقریباً عرصہ قبل جبریلؑ کے سامنے قرآن کریم کا جزا آخری دور کیا تھا اس وقت

وہ بھی موجود تھے۔ اسباقوں الاول والی آیت میں محض ایک واقعہ پر اکتفا کرنے کے ساتھ سے معلوم ہوتا ہے کہ آیات قرآنیہ کی تحقیق و تدقیق میں زید کا پایہ کس قدر بلند تھا اور جو کام دیگر نے ان کے سپرد کیا تھا وہ انھوں نے کس قدر محنت و جانفشانی سے انجام دیا۔

قرآن کریم جمع کرنے میں زید بن ثابت نے جس شدید محنت سے کام لیا اس نے اُسندہ کے لیے کلام اللہ کو ہر قسم کی تحریفیات سے پاک کر دیا، چنانچہ تمام مصنف مزاج مستشرقین کا یہ امر کلام حق ہے کہ موجودہ قرآن بعینہ وہی قرآن ہے جو محمد رسول اللہ پر نازل ہوا تھا اور جو زید بن ثابت نے اتھارنی محنت و مشقت سے جمع کیا تھا۔ چنانچہ سرولیم میسر لکھتے ہیں:

”بہیں علم ہے دنیا بھر میں ایک بھی کتاب ایسی نہیں جو قرآن کی طرح کامل بارو صدیق تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو۔“

## سورقوں کی ترتیب

زید بن ثابت نے آیات کی صحت اور ان کی ترتیب میں ترکال جانی فضائل سے کام لیا لیکن سورقوں کی ترتیب و تفریق پر کوئی خاص توجہ نہ کی۔ سورقوں کی موجودہ صورت عثمانؓ کے عہد کی قائم کردہ ہے۔ اس بارے میں مختلف روایات ہیں بعض کہتے ہیں کہ سورقوں کی ترتیب کا کام رسول اللہ نے اپنی

لے دست نہیں کر دیا۔ عثمانؓ نے سورقوں کی ترتیب خود بخود اپنی اور موجودہ ترتیب عثمانؓ کے عہد کی قائم کر دی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ آیات کی طرح سورقوں کی ترتیب بھی رسول اللہ نے خود ہی مقرر فرمادی تھی۔ دیگر امور کے علاوہ امام داؤد اور مسند احمد بن حنبل کی مندرجہ ذیل حدیث بھی اس کا بین ثبوت ہے:

”اس بن ابی اوس حدیث نقل کرتے ہیں کہ نفیق کہتے ہیں کہ نفیق کے اس وہ نہیں جو اسلام قبول کرنے کے لیے دین آیا تھا اور اس میں بھی موجود تھا۔ رسول اللہ نے ہمیں کہا کہ مجھے قرآن شریف کی منزل پوری کرنی ہے اور میرا وارث ہے کہ جب تک وہ ختم نہ کر لیں باہر نہ نکلیں۔ اس پر ہم نے صحابہ سے پوچھا کہ آپ لوگوں نے قرآن کریم کو کس میں حصول میں تسلیم کر رکھا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہمیں سورقوں کا پانچ سورق سات سورق اور نو سورق گیارہ سورق تیرہ سورق اور پچھتر سورق سے شروع ہو کر آخر قرآن تک جیسے مسلسل کہتے ہیں۔“

خدا کا ہر حدیث سے سورقوں کی ترتیب کا ذکر دیکھا ثابت ہے کہ یہ نکرہ و منکر ہے جس میں اس حدیث (تقریباً صفحہ ۴۱۵)

امت کے لیے چھوڑ دیا تھا بعض کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے بعض سورتوں کی ترتیب کو متین فرمادی تھی لیکن باقی سورتوں کو غیر مرتب حالت میں چھوڑ دیا تھا بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ نے تمام سورتوں کا نظام ہدایاں کی ترتیب اپنی زندگی ہی میں متین فرمادی تھی۔ ابن وہب اپنی جامع میں لکھتے ہیں:

”ربیعہ کے کسی شخص نے پوچھا کہ ”سورہ بقرہ اور آل عمران کو درمیانی سورتوں پر مقدم کیوں رکھا گیا سالا نکالنے سے پہلے (۱۰۰) سے زیادہ سورتیں نازل ہو چکی تھیں اور یہ دونوں سورتیں بھی مکہ میں نہیں بلکہ مدینہ میں نازل ہوئیں۔“

”ربیعہ نے جواب دیا ”یہے ٹک ان دونوں سورتوں کو مقدم رکھا گیا ہے۔ قرآن کریم ہی ترتیب سے ان لوگوں کے سامنے لایا جاتا تھا جنہوں نے اسے جمع کیا، لیکن وہ خاموش رہے اور اس بارے میں کچھ نہیں کہا اور اسی ترتیب پر ان کا اجماع ہوا۔ اس لیے ہمیں اس بارے میں سوال کرنے کی ضرورت نہیں۔“

بعض اہل علم کہتے ہیں:

”قرآن کریم کی سورتوں کی جو ترتیب کتب ال کے مصنفوں میں باقی رہی ہے وہ رسول اللہ کی بقول ہے۔“ باقی ابی بن کعب، علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن مسعود کے مصنفوں میں جو اختلاف پایا جاتا تھا وہ اس لیے تھا کہ آخری بار جبریل کے سامنے قرآن کریم پڑھنے سے پیشتر رسول اللہ نے سورتوں کی ترتیب مقرر فرمائی تھی۔ لیکن اس واقعے کے بعد آپ نے صریحاً صاف فرمایا کہ اس کے متعلق ہدایات دے دی تھیں۔“

(القیہ حاشیہ صفحہ ۴۱۴)

کی دو سخت فتویٰ کریم کے تحت کیے ہوئے ہیں، آج کے مسلمانوں میں رواج ہیں، ان بات جھڑکی کو مطلقاً میں ساتھ نہیں لیتے ہیں، اور ہر ایک منزل میں اتنی ہی سورتیں ہیں جتنی اس حدیث میں مذکور ہیں۔ اسی طرح حدیث مذکور کے مطابق ساتویں منزل سورۃ ق سے شروع ہوتی ہے۔ یہی چھ سورتوں میں کل آیتیں سورتیں ہیں، اور یہی ”معدنہ“ ہے جو حدیث بالا حدیث سے ثابت ہے۔ (مترجم)

۱۔ اہل بیت الاحکام انفرقین قرطبی، جلد اول صفحہ ۵۲

بعض صحابہ اس رائے کی مخالفت کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ سورتوں کی ترتیب رسول اللہ کی مقرر کردہ نہیں۔ دلیل یہ دیتے ہیں کہ علی بن ابی طالب اور عبد اللہ بن عباس نے اپنے مصحفوں کو رسول کی وفات کے بعد جمع کیا تھا، مگر آپ نے اپنی زندگی میں سورتوں کی ترتیب مقرر فرمائی ہوتی تو یقیناً علیؓ اور ابن عباسؓ اسے محفوظ خاطر رکھتے اور اپنے مصحفوں کو رسول اللہ کی قائم کردہ ترتیب کے مطابق ترتیب دیتے۔ دیون ثابت لے ابو بکرؓ کے عہد میں قرآن جمع کرتے ہوئے سورتوں کو با ترتیب نہیں لکھا تھا۔ یہ ترتیب کچھ صحابہ کما جہاد سے عمل میں آئی۔ رسول اللہ نے اس کے متعلق خود کوئی حکم نہیں دیا تھا۔

میری رائے بھی یہی ہے کہ رسول اللہ نے بطور خود سورتوں کی ترتیب مقرر نہیں فرمائی بلکہ یہ کام امت کے لیے چھوڑ دیا چنانچہ ابن عباس سے اسی سلسلے میں ایک روایت مروی ہے جس میں یہ لکھتے ہیں،

”میں نے عثمان سے پوچھا کہ آپ نے الفضل اور بارة کی سورتوں کو جہاں جمع فرمایا اور وہ آیات پر مشتمل ہیں اس طرح کیوں ٹایا ہے کہ ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں ملے اور اس طرح ان دونوں سورتوں کو مسامتہ بھی سورتوں (مصحف طویل) میں شامل کر دیا ہے عثمان نے جواب دیا: رسول اللہ پر بعض دفعہ ایک ہی وقت میں کئی سورتوں کی آیات نازل ہوتی تھیں جب آپ پر کوئی نئی نازل ہوتی تو آپ کہتے تھے وہی میں سے کسی کو بلا جیتے اور اسے حکم دیتے کہ یہ آیت فضائل سورت کے فضائل میں پرکھو و مسورت الفضائل میں زندگی کے احوال میں آپ پر نازل ہوتی تھی اور مسورت بارة کا نزول آخری زمانے میں ہوا۔ چنانچہ ان دونوں سورتوں کا مضمون آپس میں متضاد تھا اس لیے میں نے یہ خیال کیا کہ مسورت بارة مسورت الفضائل ہی کا حصہ ہے۔ چونکہ آپ نے ہمیں مریضہ نہ فرمایا تھا کہ یہ مسورت کس مسورت کا حصہ ہے اس لیے میں نے دونوں مسورتیں اکٹھی کر دیں اور ان دونوں کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھا۔ اس طرح انھیں مسامتہ طویل

سودا میں شامل کروانا

اسل میں سورۃ قل کی ترتیب کا تعلق ہمارے اس باب سے تھا۔ اس کا ذکر سننا قرطبی کے اس قول کی وضاحت کے سلسلے میں کیا گیا کہ زید بن ثابت نے قرآن کریم کو سنتِ مختلف و شفقت کے بعد جمع کیا تھا لیکن اس کی سورتیں آپ کی ترتیب کی ہوتی نہیں ۛ

جمع قرآن کی تکمیل

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا دینے والا قرآن ہی ابو بکرؓ کے عہد میں جمع کر دیا تھا یا اس کا نام تکمیل  
عمرؓ کے زمانے میں ہوئی۔ اس کے متعلق مؤرخین میں اختلافات ہیں۔ بخاری کی ایک روایت پہلے کو  
چلی ہے جس میں ذکر ہے کہ وہ اوراق جن میں زید نے قرآن جمع کیا تھا ابو بکرؓ کے پاس رہے۔ ان کی  
وفات کے بعد عمرؓ نے انہیں اپنے پاس لے دیا۔ عمرؓ کی وفات کے بعد وہ ان کی بیٹی ام المومنین حفصہؓ  
تحتویٰ میں آ گئے۔ اس روایت سے مسلم ہوتا ہے کہ جمع قرآن کا کام ابو بکرؓ کے عہد میں مکمل ہو چکا تھا  
لیکن بعض روایتیں اس قسم کی بھی ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ اس کی تکمیل عمرؓ کے عہد میں ہوئی۔

۱۔ اس حدیث سے ظاہر بات ثابت نہیں ہوتی کہ عثمان کی رائے کو خلیفہ قرآن میں کوئی دخل تھا بلکہ اس سے قریہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی روایات کی طرح سورتوں کی ترتیب بھی رسول اللہ نے خود ہی کر رکھی تھی۔ اس کے علاوہ عثمان کی ثابت وجہ احتیاط کا بھی پتہ چلتا ہے حالانکہ تمام سورتوں کی ابتدا میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے کا عام کام تھا مگر اس صحت کے ساتھ کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی سند رسول اللہ سے وہاں اپنی رائے کو اتنا دخل بھی دیا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہی اس پر لکھو دیجئے۔

اہل بات یہ ہے کہ وہی عباس نے عثمان سے اس کی سہولیات کی کہ اہل بات کے افعال اور بات کو کھل کر کہیں دیکھا گیا، انھوں نے  
 سب اس پر دیا کہ راجہ بن دھرم دیو کے خند کے وقت رسول اللہ صلوٰۃ علیہ وسلم خاص خاص مقامات پر کھڑے تھے جس کا مطلب  
 سات بے کاپ ہیکل کی جاہت سے یہ دوری بھی اس طرح دیکھی گئی کہ اس کے لئے عثمان نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہیں کہ پورا  
 شبانہ یہ تھا، انھوں نے اہل بات ایک سہولت بھی کا حصہ ہیں کہ کاپ سے کھل گیا ایسا نہ فرمایا اس سے بھی اس شخص ایک کھل  
 کا حصہ نہیں کہ یہ روایت ایک شخص جو ملو اور بہت شہادت ہے جسے اس بات کی کہ آج کے اہل بات کی تمام ترقیب خود  
 رسول اللہ صلوٰۃ علیہ وسلم اور جو کچھ آج کے کیا یا فرمایا اس سے صحابہ نے بہرہ افروز نہ کیا۔ (مترجم)

یہ معلوم کرنا ہے حدودِ شہاد ہے کو کون سی روایت صحیح ہے۔ البتہ وہ اصل قسم کی روایتوں میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ ذی بن ثابت نے قرآنِ کریم کا اکثر حصہ ابوبکرؓ کی زندگی ہی میں جمع کر لیا تھا۔ جن اوراق پر وہ قرآنِ کریم لکھتے تھے ابوبکرؓ کو دیتے جاتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد وہ اوراق عمرؓ نے اپنے پاس منگوا لیے۔ ذی بن ثابت نے جب ان کے بعد میں قرآنِ کریم کی تکمیل کی تو بقیہ اوراق بھی انھیں کے سپرد کر دیے۔ اس طرح قرآنِ کریم کے مکمل اوراق عمرؓ کے پاس جمع ہو گئے یہی رہا سامنے رکھ کر عثمانؓ نے دیگر مصاحف تیار کرائیں۔ آج ہم جس قرآن کی تلاوت کرتے ہیں وہ نہیں وہی ہے جو ابوبکرؓ نے ذی بن ثابت کے ہدیے سے جمع کرایا تھا۔ اور یہی قرآن انھیں الفاظ اور اسی ترتیب سے قیامت تک پڑھا جائے گا۔

## ابوبکر کا سب سے بڑا کارنامہ

”اللہ ابوبکرؓ پر رحمت نازل فرماتے۔ قرآنِ کریم جمع کرنے کی وجہ سے وہ تمام

لوگوں میں سب سے زیادہ اجر کے مستحق ہیں۔“

یہ تھے وہ الفاظ جو علیؓ نے ابوبکرؓ کے متعلق بیان فرمائے اور انھیں الفاظ پر ہر مسلمان کا یقین رہا ایمان ہے۔ اس کتاب کی تصنیف کے وقت دل میں یہی عزت پر سوال پیدا ہوا کہ ابوبکرؓ کا کون سا کارنامہ سب سے زیادہ عظیم الشان ہے۔ مرتدین کی سرکوبی اور سرزمینِ عرب سے استقامت کا مکمل مظاہرہ عراق اور شام کی فتوحات جو اس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ثابت ہوئیں جس کی بدولت انسان کو تہذیب و تمدن سے آگاہی نصیب ہوئی؟ یا کلامِ اللہ کو جمع کرنے کا کام جو ایک امی نبی محمد مصطفیٰؐ پر نازل ہوا اور جس نے اپنی روشنی سے دنیا کو روشن کر دیا۔ جب بھی یہ سوال ذہن میں آتا ہے جواب دینے میں قضا و قدح و محسوس دہڑاؤ کا بلاشبہ جمع قرآنِ کریم ابوبکرؓ کا سب سے بڑا اور اہم نامہ الشان کا نام ہے اور اسی سے اسلام اور مسلمانوں کا سب سے زیادہ برکت نصیب ہوئی۔ جزیرہ عرب کی حالت میں آہستہ آہستہ اضمحلال پیدا ہوتا گیا اور جوت و دشوکت اسے خلافت راشدہ اور محمد بنی امیہ میں نصیب ہوئی تھی نبی عباس کے زمانے میں وہ محض ویرانی بن گئی۔ اسلامی سلطنت پر بھی آہستہ آہستہ زوال آ گیا اور مسلمان مسیحی کی حالت میں گرتے چلے گئے حتیٰ کہ اسلامی سلطنت کا نام بھی لوگوں کے دلوں سے

موجودہ ناظرین ہر گیارہ لوگ عرب کو بھی بھرتے گئے اور اگر اللہ نے مسلمانوں کے لیے حج کا فرض قرار دیا ہو تو یقیناً ایک دن ایسا بھی آنا کہ عرب کا شمار دنیا کے گم نام گوشوں میں ہونے لگتا لیکن کنا بیشہ ابتداء سے نزول سے آج تک زندہ موجود ہے اور جب تک دنیا میں ایک بھی انسان کا وجود باقی ہے کتاب اللہ زندہ اور برقرار رہے گی۔

اس بیان کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ میں جنگجوا سے مرتدین اور اسلامی سلطنت کے قیام کی اہمیت سے انکار ہے۔ بلاشبہ یہ دونوں کام انتہائی اہمیت رکھتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک ابو بکرؓ کا نام زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔ اگر ابو بکرؓ مرتدین کی سرکوبی کے سوا اور کوئی کام نہ کرتے تو بھی یہ ایک کام نامہ ان کی عظمت کو برقرار رکھنے کے لیے کافی ہوتا۔ اسی طرح اگر وہ اسلامی سلطنت کے قواعد و ضوابط مرتب کرنے کے سوا اور کوئی کام نہ کرتے تو بھی یہ کارنامہ ان کا نام تاریخ کے صفحات پر تازہ و زندہ رکھنے کے لیے کافی ہوتا۔ لیکن جب ان عظیم الشان کارناموں کے ساتھ معجز قرآن کا مستم ہر شان کا ذکر بھی دیا جائے جو انہی شاندار افادیت میں ابن و دول کا ناموں کے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے تو ہمیں ان کو نہ ناظرین تاج کے کہ اور کوئی ابو بکرؓ صبیہ فرزند پریدہ کہنے سے قاصر ہے۔

اللہ ابو بکرؓ پر ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے جن کی مخلصانہ مساعی اور پیہم جدوجہد کچھ نتیجے میں آج بھی ہمیں قرآن کی نعمت عظمیٰ اسی طرح میسر ہے جس طرح جوہر مسدس پیشتر صمبارہ کام کو میسر تھی۔

(۱۷)

## خلافتِ ابوبکرؓ

### خلافت کا تصور

بیعتِ خلافت کے بعد ایک شخص نے ابوبکرؓ کو 'یا خلیفۃ اللہ' کہہ کر پکارا۔ انھوں نے فوراً اسے ٹوکا اور فرمایا:

۔ میں خلیفۃ اللہ نہیں بلکہ خلیفۃ رسول اللہ ہوں۔

ابوبکرؓ کی زبان سے نکلا ہوا یہ فقرہ مؤرخین نے ان کے کمال، انکسار اور فروتنی کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہ امری بات ہے کہ یہ فقرہ اگر سب سے غور و خوض کا مستحق ہے کیونکہ اس سے نہ صرف ابوبکرؓ کا انکسار بظاہر برہنہ ہے بلکہ حکومت کا وہ تصور بھی عیاں ہو جاتا ہے جو بعدِ رسول کے مسلمانوں کے دل میں جاگزیں تھا۔

رسول اللہؐ کے عہد سے پہلے متعدد صدیاں گزر گئیں اور آپ کے بعد بھی سیکڑوں سال گزر چکے ہیں۔ اس طویل اور صد ہا صدیوں پر محیط زمانے میں ہزاروں بادشاہ اور حکام گزرے ہیں جن کے متعلق خدا کا اور ان کی مخلوق کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ اس سرزمین پر اللہ کے نائب کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ اس لیے جو حکمران انھیں ماحصل ہے وہ روئے زمین پر اور کسی شخص کو حاصل نہیں۔ فراعزہ مصر کا حال کسے معلوم نہیں۔ انھیں فراعزہ میں سے ایک فرعون تو یہاں تک بٹھایا کہ اس نے "انا سہا حکیم الاعلیٰ" (میں تمھارا بزرگ، در بزرگ پروردگار ہوں) کا لقب لے لیا کہ اسے بیعت تک کا دعویٰ کر دیا۔ اس زمانے میں فی الحقیقت مصریوں کے سوا و اعظم کا یہی خیال تھا کہ ان کے بادشاہوں کو ربِ برہنہ کی صفات ماحصل ہیں۔ یہی سب کسروں کے مذہبی پیشواؤں نے پوری کر دی اور انھوں نے اپنے متبعین کو بادشاہوں کی تقدس کا یقین دلانا شروع کر دیا۔ آشور، ایران، ہندوستان اور دیگر

ملکوں کا بھی یہی حال تھا اور وہاں کے اکثر بادشاہ اپنے آپ کو زمین پر خدا کا نائب اور نکل خدا خیال کرتے تھے اور یہی حال ان کی رعایا کا تھا۔

ازمنہ وسطیٰ میں یورپ کے اندر بھی پادریوں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جس نے بادشاہوں کے اشارے پر انھیں نقد میں داخل و احترام کا عہد ترین مرتبہ دینے میں نڈا بچکا سمٹ سموس نہ کی۔ پادریوں کے دوسرے کے مطابق بادشاہوں کو یہ مرتبہ خدا کی طرف سے تعویض ہوتا تھا۔ اس بنا پر ان کے اقتدار میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ وہ زمین پر خدا کے نائب کہے جانے لگے۔ ان کی زبانوں سے نکلا ہوا ہر جملہ بمنزلہ وحی خیال کیا جانے لگا۔ ان کا حکم خدا کے حکم کی مانند سمجھا جانے لگا۔ جس سے اخلاق ملکی نہ تھا۔ چند دھویں صدی اور بعض اقوام میں سترھویں صدی تک یہی حال رہا۔ اگرچہ اس وقت یورپ نے علم و ہنر اور تہذیب و ثقافت میں خاصی ترقی کر لی تھی لیکن اندھی عقیدت کا ہر پردہ لوگوں کی نگاہوں پر لپٹا ہوا تھا۔ اس وقت تک نہ سمٹ سکا جب تک آندھنی خیر اور مسادات کے علم پر اس نے ان نادر پابندیوں اور انسانی خیر کو کھل دینے والے عقائد کے خلاف علم ہدایت بلند نہ کر دیا اور جزا دل لاکھوں جانیں خانہ جنگیوں میں ضائع نہ ہو گئیں۔

بادشاہوں کے لیے نقد میں داخل و احترام کا یہ عہد با اقوام عالم میں صدیوں تک کار فرما رہا اور یورپ نے قریب کے زمانے میں اس سے نجات حاصل کی ہے لیکن اب تک کی جہلانی اور اکسار کا عالم دیکھیے کہ جب ایک شخص انھیں خلیفہ اللہ کہہ کر پکارتا ہے تو وہ فوراً یہ کہہ کر اسے ٹوک دیتے ہیں کہ میں خلیفہ اللہ نہیں بلکہ خلیفہ رسول اللہ ہوں۔

خلیفہ رسول اللہ کے الفاظ سے بھی کسی شایہ و حرکت اور ثباتی کا اظہار طلب نہ تھا بلکہ ان کی ملاصورت یہ تھی کہ وہ اللہ کی مقررہ حدود میں رہتے ہوئے مسلمانوں کی قیادت اور امور سلطنت کی انجام دہی کے معاملات میں رسول اللہ کے جانشین ہیں۔ لیکن اب تک کہ ان امور کی جانشینی کا خیال بھی نہ آ سکتا تھا جو صورت رسول اللہ سے خاص تھے۔ اسی امر کو واضح کرتے ہوئے ابوبکرؓ نے اپنے چہلے خطبہ عہد میں فرمایا تھا،

”مجھے یہ ضروری (اور خلافت) تعویض تو کر دی گئی ہے لیکن میں اپنے آپ کو اس باگواں اللہ نے کے قابل نہیں ہوتا۔ واللہ میری خواہش تھی کہ تم میں سے کوئی

شخص اسے اٹھائے دیکھو اگر قلم میں سے کسی شخص کا یہ خیال ہے کہ میں بھی وہی کام کروں گا جو رسول اللہؐ نے کئے تو یہ خیال خام ہے۔ رسول اللہ یقیناً اللہ کے بند تھے لیکن اللہ نے انھیں نبوت کی نعمت سے سرفراز فرمایا تھا اور ہر قسم کے گناہوں سے منزہ قرار دیا تھا میں بھی اللہ کا بند ہوں مگر قلم میں کسی بھی شخص سے بہتر نہیں قلم میرے کاموں کی نگہداشت کروں گا اگر دیکھو کہ میں اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے راستے پر جا رہا ہوں تو میری اطاعت کرو لیکن اگر مجھے صراطِ مستقیم سے ہٹا دیا تو کوئی کر سیدھی راہ پر لگا دو۔

ابو بکرؓ نے رسول اللہ کے بعد مسلمانوں کی قیادت اور سلطنت کی نگہداشت کا کام مسلمانوں کے آئینہ اور ان کی رہنمائی سے اپنے ذمے لیا تھا۔ اللہ نے انھیں اس طرح خلیفہ بنا کر بھیجا تھا جس طرح رسول اللہ کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا تھا۔ اگر انھیں دوسرے مسلمانوں پر فضیلت تھی اور یقیناً تھی تو صرف حق تعالیٰ کے سبب اختلاف کی وجہ سے نہیں۔ اسی لیے وہ لوگوں کو صروت دی حکم دینے کے بجائے تھے جہاں اللہ کی نازل کردہ اور رسول اللہ کی پیش کردہ تعلیمات کے مطابق ہوں۔ احکام الہی اور احکامات مصطفوی کے مخالف نہ ہو کوئی حکم دے سکتے تھے اور وہ مسلمان اسے قبول کر سکتے تھے۔ چنانچہ خلیفہ اولیٰ میں انھوں نے یہ فقرہ کہ اس معاملے کو باطل سمات کر دیا تھا۔

”میری اطاعت اس وقت تک کہ وہ حبش تک میں اللہ کے احکام کی اطاعت کروں لیکن اگر میں اس کے احکام کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت فرض نہیں۔“

## عمرؓ کا لقب

ابو بکرؓ کے بعد عمرؓ خلیفہ مہر نے لیکن انھوں نے اپنا لقب خلیفہ رسول اللہؐ نہ رکھا بلکہ اس بار سے میں دوسرے لوگوں سے استفسار کیا بعض لوگوں نے امیر المؤمنین کا لقب تجویز کیا جو انھوں نے پسند کیا اور اختیار کر لیا اور کاتبہ تمام خلفاء کو امیر المؤمنین ہی کہا جانے لگا۔ خلیفہ کا لقب ترک کرنے کی وجہ یہ تھی کہ عمرؓ خلیفہ رسول اللہؐ کی تلوار سے بچنا چاہتے تھے۔ بعد میں تو یہ تلوار محبوب و عزیز صورت اختیار کر گئی کہ نہ کہ اگر عمرؓ کا لقب خلیفہ مہر رسول اللہؐ ہوتا تو عثمان کا لقب خلیفہ خلیفہ رسول اللہؐ

ہونا چاہیے تھا اور علیؓ کو خلیفہ خلیفہ رسول اللہ کے لقب سے یاد کرنا چاہتا۔

عمرؓ کے خلیفہ رسول اللہ کا لقب چھوڑ کر امیر المؤمنین کا لقب اختیار کرنے سے یہ بات واضح برتی ہے کہ ابو بکرؓ نے میں خلیفہ اللہ نہیں بلکہ خلیفہ رسول اللہ ہوں۔ جسے فقرے میں خلیفہ کا لفظ اس کے لغوی معنی میں لیا تھا اور مسلمانوں پر واضح کر دیا تھا کہ ان کی حیثیت امیر مصلحت کی انجام دہی میں رسول اللہ کے جانشین کی ہے۔ مگر خلیفہ کے لقب سے اس کے لغوی معنی کے سرا کوئی اور معنی مراد لیے جاتے تو عمرؓ کو یہ لفظ چھوڑ کر امیر المؤمنین کا لفظ اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

امیر المؤمنین کا لقب اختیار کرنے کا ایک سبب غالباً یہ بھی تھا کہ عمرؓ کے مشاہدے میں یہ بات اچھی تھی کہ اسلامی نظام حکومت نے جزیرہ عرب اور دوسرے مغتور علاقے میں ایک انقلاب پیدا کرنا تھا اور یہ انقلاب اس حکومت سے برپا ہوا تھا کہ لوگوں کی اطاعت حیرت زدہ ہو کر رہ گئی تھیں لیکن کتا اللہ اور سنت نبویؐ میں نظام حکومت کے لیے تفصیلی احکام موجود نہ تھے۔ البتہ قرآن کریم میں شرع کے نظام حکومت کے لیے بطور بنیاد ضرور بیان کیا گیا تھا۔ چنانچہ اللہ نے رسول اللہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا "وذا وھدھ صری الاصلہ" (اسے نبی! دینی معاملات میں لوگوں سے مشورہ کر لیا کرو) اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا "وامھدھو شورعی بینھم" (مسلمانوں کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں) سیاسی اور ملکی امور کی انجام دہی کے لیے چونکہ اللہ کی طرف سے تفصیلی احکام محدود نہ تھے ہر سامان کام عمرؓ کو مشورے اور اپنی مراد دینے سے کرتا تھا اس لیے ان کی حیثیت ایک سپہ سالار اور دیگر لشکر کی حق جسے جنگ کے سلسلے میں بادشاہ کی طرف سے مامور کیا جاتا تو مل جاتی ہیں لیکن لشکر کی صفت بندی اور جنگ کے جملہ امور کی ٹھنڈا شست خود ہی کرنی پڑتی ہے۔ عمرؓ امیر مصلحت کا سارا انتظام وقتی صورت حال کے مطابق شرعی حدود میں رہتے اور رسول اللہ کے اسوہ کو سامنے رکھتے ہوئے خود ہی کرتا تھا۔ وہ پابند نہ تھے کہ اگر کسی مسئلے کے متعلق ابو بکرؓ نے کوئی خاص راہ عمل اختیار کی تھی تو وہ بھی لارہا دی اختیار کریں۔ اس لیے انھوں نے خلیفہ، خلیفہ رسول اللہ کے بہانے امیر المؤمنین کا لقب اختیار کرنا پسند فرمایا۔

اس انقلاب پر نظر ڈالنے سے 'عمر ابو بکرؓ نے امتیازی تخیل عرب میں پیدا کر دیا تھا۔ یہ حقیقت

راشکانت ہر جاتی ہے کہ سختی اور نرمی کے مواقع ملحدہ ملحدہ ہوتے ہیں اور اس وقت تک کوئی کام صحیح طور پر نہیں ہو سکتا جب تک سختی کے موقع پر سختی اور نرمی کے مواقع پر نرمی سے کام نہ لیا جائے۔ اور بحرانی عظیم اشیان کام یا ان کی بے پناہ قوت کا اصل سبب یہی تھا کہ وہ ان دونوں خصلتوں کو برتنے کے موقع برتنے تھے۔

## عرب کا سیاسی نظام

رسول اللہ کے عہد تک عرب بے شمار مذاہب کا گہوارہ تھا اس کے شمالی اور جنوبی حصے ایک دوسرے سے بالکل الگ تھے اور ایک حصے کے لوگ دوسرے حصے کے باشندوں سے بالکل مختلف تھے۔ بین الاقوامیوں کی نقل واری میں شامل تھا اور وہ ان مسیحیت اور بت پرستی پہلو بہ پہلو قائم تھیں۔ ان کے لوگ حمیری زبان بولتے تھے جو لفظ کے اعتبار سے قریش کی زبان سے بالکل مختلف تھی۔ عرب براہ میں حدیوں سے تہذیب و تمدن کا گہوارہ بھی تھا۔ اس کے مقابلے میں ہماز کے لوگوں پر بت پرستی غالب تھی۔ اس میں صرف تین شہر تھے، مکہ، یثرب اور بکاء۔ ان تینوں شہروں کا بھی آپس میں اس کے سوا اور کوئی معاملہ تھا کہ یہ حجاز میں واقع تھے اور ان کے باشندوں کی باہم رشتہ داریاں تھیں۔ ویسے ان شہروں کا نظام قبائل کی طرح ایک دوسرے سے بالکل ملحدہ تھا جہاں تک مذاہب کا تعلق تھا، مکہ میں بت پرستی دونوں پہلی لیکن عیسائیت کو بھی وہاں نفوذ حاصل تھا۔ مدینہ میں یہودی قبائل کو بہت محلات و درختے لیکن اکثریت بت پرستوں کی تھی۔ جب جزیرہ فہارے عرب میں تہجد کی سدا گونجی اور خدا نے پابا کردین اسلام عرب کے اطراف و جوار میں پھیل جائے تو اس نے اس کے لیے مسلمان بھی ویسے ہی مہیا کر دیے۔ بین کما برانیوں کی غلامی سے بچنے کا رال گیا اور وہ طیر علی اثرات سے باطل آباد ہو گیا۔ فتح مکہ کے بعد حجاز میں تہزی سے اسلام پھیلنے لگا۔ ہماز کے بعد دوسرے عرب علاقوں کی باری آئی اور خود رے ی عرب میں سارا جزیرہ فہارے عرب ملحدہ ہو کر اسلام ہو کر ایک ہی مسلک میں منسلک ہو گیا۔ رسول اللہ کی صلوات اور آپ کی تعلیمات پر ایمان لانے میں کل عرب متحد تھا مگر قبائل اپنی اپنی جگہ آباد و خود مختار تھے۔ البتہ ارکان اسلام میں ایک اہم رکن کی بجا آوری کے سلسلے میں انھیں دیکھنا ضروری سمجھنا پڑتی تھی۔

یہ دینی وحدت عرب کے سیاسی نظام میں ایک انقلاب پیدا کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔  
 عرب کے فراہمی قبائل نے رسول اللہ سے دوستی کے سوا کسی اور معاہدے کر سکے تھے جب آپ مکہ پر چڑھائی  
 کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو ان معاہدات کے مطابق قبائل سلیم، خزیمہ اور غطفان بھی اسلامی لشکر  
 میں شامل ہو کر مکہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ فتح مکہ کے بعد جب وہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کر  
 لیا تو انھوں نے بھی اسلامی غزوات میں شرکت کی خواہش ظاہر کی چنانچہ حنین اور طائف کے  
 غزوات میں رسول اللہ کے لشکر میں اہل مکہ بھی شامل تھے۔ بعد ازاں جب اسلام کثرت سے قبائل  
 عرب میں پھیل گیا تو آپ نے نو مسلموں کو قرآن سکھانے اور دینی تعلیم دینے کے لیے اپنے اعمال کو اطراف  
 و جہان میں بھیجا شروع کیا۔ ان اعمال کے سپرد جہاں لوگوں کو قرآن سکھانے اور دینی تعلیم دینے کا  
 کام تھا وہاں یہ ضروری بھی تھی کہ صاحبِ حساب لوگوں سے زکوٰۃ اکٹھی کر کے مدینہ بھیجا کریں  
 یا اسی علاقے کے فقراء اور غرباء میں تقسیم کر دیا کریں طبعی امر تھا کہ اس دینی انقلاب کے نتیجے میں جہاں تک  
 قبیلہ مدینہ میں عرب کے اطراف و جہان ہیں رہا ہو چکا تھا، ایک سیاسی انقلاب بھی رہا ہو رہا  
 اور جہاں دینی اور مذہبی لحاظ سے عرب ایک وحدت میں تبدیل ہو چکا تھا، سیاسی اور تنظیمی لحاظ  
 سے بھی ایک وحدت میں تبدیل ہو جاتا لیکن اہل عرب اس سیاسی انقلاب سے بالکل نا آشنا  
 تھے کسی شخص کے دل میں یہ خیال نہ آ سکتا تھا کہ رسول اللہ کے بعد انھیں آپ کے جانشین کی  
 اطاعت بھی قبول کرنی ہوگی۔ وہ یہ کچھ نہ سمجھتے تھے کہ وہ تعلیماتِ امیرِ رسول اللہ کے ذریعے سے  
 انھیں ملی ہیں وہ تو یقیناً ان کے دلوں میں راسخ رہیں گی اور وہ بدستور احکامِ اسلام پر عمل  
 کرتے رہیں گے لیکن سیاسی اعتبار سے وہ بالکل خود مختار ہوں گے اور ہر قبیلہ اپنے لیے جس طرح  
 آکا اور ہیر وئی حکومت کے اثرات سے بالکل پاک ہو گا۔

رسول اللہ کی وفات کے بعد جو پرہیزگار عرب میں جو فتنہ برپا ہوا اور جس کے نتیجے میں  
 جنگیں سرزد ہوئیں وقوع میں آئیں اس کا سبب خود مختاری کا یہی جذبہ تھا جو بیشتر عرب قبائل  
 کے دلوں میں راسخ رہا تھا۔ اور اگر یہاں پہنچتے تھے کہ عرب سیاسی لحاظ سے اسی حالت پر زور تھا  
 رہے جس حالت میں رسول اللہ کی زندگی میں تھا لیکن قبائل عرب چاہتے تھے کہ انھیں ان کی  
 گم گشتہ خود مختاری اور آزادی واپس مل جانی چاہیے۔ اور اگرچہ اس ایمان کی بدولت جو انھیں اللہ

اور اس کے رسولؐ پر پناہ مصر تھے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والا شخص وہ تمام ذمہ داریاں ادا کرے جو حیثیت ایک مسلمان کے اس پر عائد ہوتی ہیں اور تمام وہ اعمال جو وہ رسول اللہ کے عہد میں مدینہ بھیجا کرتے تھے، بہ دستور بھیجیں، لیکن آزادی کے دلدادہ قبائل رسول اللہ کی نجات کے بعد کسی اور شخص کو اپنا حاکم مطلق ماننے حکومت میں مہاجرین و انصار کا حق مانتے سمجھنے والا امراں زکوۃ مدینہ بھیجنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ صاف کہتے تھے کہ رسول اللہ کی بات اور حق۔ وہ اللہ کے نبی تھے، ان پر وحی آتی تھی اور بندہ دل پر ان کی اطاعت فرض تھی لیکن ان کے بعد کسی قبیلے یا کسی فرد کا یہ حق نہیں کہ وہ دوسرے قبائل کو آزادی سے محروم کر کے ان پر حکومت کرے۔

### مہاجرین و انصار اور خلافت

ابوبکرؓ کی حیثیت کے باعث عرب میں جو حالات رونما ہو رہے تھے ان کا نہیں ایک اور جہت سے بھی جائزہ لیا جائے یعنی مہاجرین اور انصار مسند خلافت کو کس نظر سے دیکھتے تھے اور ان کے نظریات کی وجہ سے اس وقت کے سیاسی نظام میں کیا انقلاب رونما ہوا؟ یہ حقیقت مسلم ہے کہ اپنے تقدیم اسلام اور رسول اللہ کے وفادار میں پیش پیش رہنے کے باعث مہاجرین اور انصار صرف اپنے آپ کو سلطنت اور حکومت کا حق سمجھتے تھے حق کو اپنے ان رشتہ داروں کو بھی جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو چکے تھے، یہ حق دینے کے لیے تیار نہ تھے، مرتدین کے نقصان کے بعد جسے فزول کرنے میں اہل مکہ نے نمایاں حصہ لیا تھا، حسب شام کی جانب پیش قدمی کرنے کا سوال درپیش ہوا اور ابوبکرؓ نے اہل مکہ سے بھی اس نئی قسم کے متعلق مشورہ کرنا چاہا تو عمرؓ نے مخالفت کی۔ اس موقع پر عمرؓ اور سہیلؓ بن عمرو کے درمیان تو اچھا عاصا مباحثہ بھی ہوا۔ سہیل نے عمرؓ کی روش پر اعتراض کرتے ہوئے کہا،

”ہم ہمارے مسلمان بھائی ہیں۔ ہمارا اور تمہارا حسب نسب بھی یکساں ہے یہاں کے باوجود تمہیں رشتہ داری کا مطلق پاس نہیں اور تم ہمارے حقوق منسوب کرنے پر مصر ہو، یہ درست ہے کہ اسلام قبل کرنے میں تمہیں ہم پر برتری حاصل ہے لیکن

مضی اس وجہ سے حکومت اور سلطنت کے معاملات میں تھیں دوسرے لوگوں پر فوقیت حاصل نہیں ہر ملکتی۔

لیکن عمرؓ اپنی بات پر مصر ہے اور دشمنان الفاطمیین اس امر کا انکار کیا کہ اہلین سلطانی اور اسلام کی راہ میں قربانیاں دینے والوں ہی کو مجلس شوریٰ میں نمائندگی دی جاسکتی ہے اور ہر ایک نظام حکومت چلانے اور سلطنت کی دیکھ بھال کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب اپنے ان دشمنوں اور اہل اور ہم وطنوں کے پاس میں جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے، عمرؓ اور ان کے حامیوں کے یہ خیالات تھے تو دیگر عرب قبائل کے بارے میں ان کی طرف سے جتنے بھی تند و تیز احساسات کا انکار ہو تا کم تھا۔

عمرؓ کے مقابلے میں اہل مکہ کا خیال تھا کہ رسول اللہؐ کی وفات سے جو صورت حال پیدا ہو گئی تھی اس سے بچنے اور نظام سلطنت چلانے کے لیے اگر مہاجرین اور انصار نے باہمی مشورے سے ایک راہ اختیار کر لی اور ابوبکرؓ کو خلیفہ مقرر کر لیا تو کوئی مفاد نہ تھا لیکن انھیں ہمیشہ کے لیے یہ حق نہیں دیا جاسکتا۔ اہل مکہ اور اہل طائف قبول اسلام اور ہجرتین سے جنگ کرنے میں ان کے برابر کے شریک ہیں اس لیے امر و سلطنت اور مشورے میں انھیں مناسب نمائندگی ضرور دینی چاہیے اور محض اس وجہ سے کہ وہ نافسی کی بنا پر اہل بیت میں اسلام نہ لائے انھیں ان کے بنیادی حقوق سے محروم نہ کرنا چاہیے۔

ابوبکرؓ کا بھی خیال تھا کہ جب دیگر اسلامی قبائل نے اہل مدینہ سے مل کر جنگاں لڑیں اور فتوحات عراق میں حصہ لیا ہے تو انھیں امر و سلطنت میں شریک ہونے سے کیونکر روکا جاسکتا ہے؟ انھیں کا اتفاق یہ ہے کہ انھیں بھی مشورہ اور امر و سلطنت میں اسی طرح شریک کیا جائے جس طرح اہل مدینہ اور سابقین الاولین مسلمانوں کو کیا جاتا ہے۔ اسی لیے جب شام پر چڑھائی کا مرحلہ درپیش ہوا تو انھوں نے اس بارے میں اہل مکہ سے بھی صلاح مشورہ کیا اور ان کے مسائل کے طلب کار ہوئے۔ اہل نصیب اور طائف کی تقسیم کے وقت بھی انھوں نے یہی اصول پیش نظر رکھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ مدینہ کے قریب ایک مفتوحہ زمین میں سونے کی کان برآمد ہوئی اور اس کا سونا مدینہ کا امیر شریح بن خالد انھوں نے یہ سونا تمام مسلمانوں میں چھوٹے حصے کی تقسیم کر دیا اور یہ خیال نہ

کیا کہ کوئی شخص سالِ بقون الاولوں میں شامل ہے اور کس شخص نے بعد میں اسلام قبول کیا ہے۔ جب بعض لوگوں نے کہا کہ اس سونے میں سے سالِ بقون الاولوں کو زیادہ حصہ ملنا چاہیے تو انھوں نے فرمایا:

”وہ لوگ محض اللہ کی خوشنودی کی خاطر اسلام لائے تھے۔ اس لیے انھیں احمد دینا بھی اللہ ہی کا کام ہے اور یہ اجر انھیں آخرت میں ملے گا۔ اس دنیا میں قرآن کا اتنا ہی حق ہے جتنا دوسرے مسلمانوں کا۔“

جب عمرؓ کا دور آیا تو انھوں نے اپنی اپنی رائے پر اصرار کرتے ہوئے ابو بکرؓ سے مختلف پالیسی اختیار کی اور ہر شخص کے دے بے اور مرتبے کے مطابق اس کا وظیفہ مقرر کیا اگر آخر عمر میں ان کی بھی یہی رائے ہو گئی کہ ابو بکرؓ ہی کی سیاست اور پالیسی درست تھی۔ انھوں نے یہ مخالف پالیسی کا عرض کار بدھنے کا ارادہ بھی کر لیا تھا لیکن اتنی مصلحت ہی نہ ملی اور وہ اس طریق کار میں تبدیلی کیے بغیر ہی وفات پا گئے۔

ابو بکرؓ کے حکیمانہ طریقہ عمل اور دانش مندانہ پالیسی نے عرب کو ایک سیاسی وحدت میں تبدیل کر دیا اور ہر شخص یہ سمجھ کر کہ اسے ملک میں مساوی حقوق حاصل ہیں، بہر دل و جان حکومت کی حکمت میں مشغول ہو گیا۔ اس کی وقاداری کا مرکز و مرجع خلیفہ کی ذات تھی اور اس کے احکام پر عمل کرنا اس کے نزدیک فرض عین تھا۔

## اسلام میں حکومت کا نظام

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابو بکرؓ کی حکومت کس قسم کی تھی؟ آیا اسے پابائیت سے تشبیہ دی جا سکتی ہے؟ مطلق انسانِ شخص حکومت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے یا جمہوریت کا نام دیا جا سکتا ہے؟

لے قانون کو اس طرح پر مبنی نہیں کر لیا جاتا ہے کہ کوئی اور مذہبی حکومت کو پابائیت اور غیر کئی سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔ اسی طرح لا دینی حکومت (SECULARISM) سے مراد ہر دین و ملت ہوتی ہے جس میں کسی مذہبی گروہ یا علماء پر وہ تہوں اور پاروں کے طبقہ کو حکومت پر اجارہ داری حاصل نہ ہو اور نہ کسی مذہب کو سلطنت کا سرکاری مذہب قرار دیا جائے۔ غیر لا دینی حکومت میں مذہبی (مذہباً شیعہ صفحہ ۲۶۸)

تاریخ سے معمول واقفیت رکھنے والے شخص سے بھی یہ امر پوشیدہ نہیں کہ البرکۃ کی حکومت پر پاپائیت کا شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ فرعون مصر اور فرعون یورپ جس طرز سے حکومت کرتے تھے البرکۃ کے ان اس کا گمان بھی نہیں پایا جاتا۔ وہ ہمارے راست خدا سے احکام لینے کے دعوے دارند تھے۔ رواج اللہ کی وفات کے بعد وحی کا نزول بند ہو چکا تھا۔ اب صرف کتاب اللہ مسلمانوں کی زندگی و ہدایت کے لیے کافی رہ گئی تھی۔ کتاب اللہ کے احکام ہی مسلمانوں کے لیے حجت تھے اور ان کا دستور عمل سوا قرآن مجید کے اور کئی نہ تھا۔ ہر حاکم مجبور تھا کہ کتاب اللہ کے بتائے ہوئے طریق پر چلے اور اس (بقیہ صفحہ ۳۷۰)

گود بندوں اور ملتان پر دستوں پر ہمارے دینوں و دینوں کے حق کے کچھ نہ کچھ اثر حکومت پر ہر ملک اور کسی خاص مذہب کو سلطنت کا سرکاری مذہب بھی قرار دے دیا جاتا ہے۔ یہاں ہر ملک میں لوگوں کو مذہبی آزادی حاصل ہوتی ہے اور سلطنت کا مزاج بالعموم جمہوری ہوتا ہے پاپائیت سے اسے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ پاپائی طرز حکومت میں خشتہ کے ملحق یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ فہرست کے گاہکوں سے معافی اور پاک ہوتا ہے۔ اسے ہمارے خدا کی طرف احکام پیش نہیں کر سکتا۔ ان احکام کو نافذ کرنے اور اس میں عمل پندارنے کا کمال اختیار دیا گیا ہے۔ چونکہ اس نظام حکومت میں شاہی فرمانوں کو خلاف قوانین کا رد دیا جاتا تھا اس لیے کئی شخصوں کو ان پر اعتراض کرنے لاقی تھا اور سب کو بے چینی دیا۔ ان کی اطاعت کوئی پڑتی تھی۔ چنانچہ عیسائے کیم اس ایک شریعہ میں مایوس ہو چکے ہیں، فرعون مصر کا خدا ہی قسم کے سنسنا ہوں میں کیا جاتا ہے۔ ہندو دھرم میں صدی جیسوی تک یہ وہی پاپائیت کے سنسناہو بھی اپنے آپ کو ان کے دین میں شامل کرتے رہے۔ اس نظام کا دور راج کہیں بھی نہیں پایا جاتا۔

مطلق انسان شخصی حکومت (ARISTOCRACY) مصر اور ایران کی حکومتوں اور جے پڑا حکومت میں یورپ میں عرصے تک رائج رہا۔ مختلف ملازمتوں میں خود مختار رؤساء حکومتوں تھے۔ یہ ملازمتوں نے بالعموم کوٹ کسرٹ اور قتل و غارت کے ذریعے سے حاصل کیا ہوتا تھا۔ ان لوگوں اور رؤساء کی وفات کے بعد ان کے بیٹے ان کے جانشین ہوتے تھے۔ یہ طرز حکومت بھی آج کل کہیں رائج نہیں۔

جمہوریت البتہ ایک ایسا طرز حکومت ہے جو قدیم دہلی سے اب تک مختلف صورتوں میں دنیا کے سامنے نظر ہوتا رہا ہے۔ آج کل قریبی کاموں اور دور ہے جمہوریت سے مراد وہ حکومت ہے جس میں اقتدار اعلیٰ عام کے اہل قلوب میں ہوتا ہے اور وہ عام ہی کے نام کے ملنے کو حق چلانے کے ذریعہ ہوتے ہیں۔

کی مقدر کردہ حدود کے اندر روک کر کام کرے مسلمان کے لیے اسی وقت تک حاکم کی اطاعت فرض تھی جب تک وہ کتاب اللہ کے احکام پر عمل پیرا رہے اور اس کی مقدر حدود سے تجاوز نہ کرے لیکن اگر کوئی حاکم کتاب اللہ کے احکام کو پس پشت ڈالتے ہوئے خود ساختہ خلاف شرعیت احکام پر عمل درآمد کرنا چاہتا تو اس کی اطاعت مسلمانوں پر فرض نہ تھی۔

اسلام کا مقصد کیا تھا یہ ضابطہ عمل اور طرز حکومت یا پالیسی کے بالکل ایک مختلف خلیفہ المسلمین کو اللہ کے نازل کردہ احکام کا پابند رہنا اور اس کی مقدر حدود کے اندر مقید رہنا پڑتا تھا۔ مطلق انسان کی مطلق گنجائش نہ تھی لیکن پالیسی طرز حکومت میں یہ بات نہ تھی۔ وہاں حاکم تمام عمل ہوتا تھا جو چاہتا تھا کسی کو اس کے آگے دم مارنے یا اعتراض کرنے کی گنجائش نہ تھی اس کے نافذ کیے ہوئے احکام خدائی احکام سمجھے جاتے تھے۔ اسے کسی سے مشورہ لینے کی ضرورت نہ تھی، ہر قسم کا اقتدار اس کے ہاتھ میں ہوتا تھا اور عایا کو فلاموں کی طرح اس کی فرماں برداری کرنے پڑتی تھی۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ کتاب اللہ کو احکام سلطنت کا سرچشمہ یا منہ اور حدود و ضوابط قائم رکھنے کے باعث اسلامی حکومت بھی پالیسی کا ادب دھار لیتی ہے اور اس میں اور دوسری سبب حکومتوں میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ لیکن یہ اعتراض محض نادانانہ غیبت کا نتیجہ ہے قرآنی ضابطہ میں صحت اصول بیان کر دیے گئے ہیں لیکن تفصیلات سے باعوم احتراز کیا گیا ہے۔ اگر تفصیلات آئی بھی ہیں تو صحت ایسی جگہ جہاں ان کا ذکر کرنا ناگزیر تھا۔ اسلامی حکومت میں سامے نظام کی بنیاد ان اصولوں پر رکھی جاتی ہے اور ان اصولوں کی روشنی میں فروعات و تفصیلات کا طے کرنا جمہور مسلمانوں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

جو اصول قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں مصلح معاشرے کے قیام اور قومی زندگی کی بقا کے لیے ان کا بروئے کار لانا اذ میں ضروری ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمان ان اصولوں پر عمل پیرا رہے اور انھوں نے اپنی قومی و انفرادی زندگیوں کو ان اصولوں کے مطابق ठیصال وہ ترقی کے فزینوں پر چڑھتے رہے لیکن جب انھوں نے ان اصولوں پر عمل پیرا ہونا چھوڑ دیا اور اپنے لیے ایسا نظام تجویز کیا جہاں اصولوں کے مخالفت اور ذاتی غرضات کا منظر تھا تو

اسی وقت سے ان کا فترل شروع ہو گیا۔

اگر کتاب اللہ کے بیان کیے ہوئے اصولوں کی تشریح و توضیح کا کام لطیفہ ایک خاص گزہ پر چھوڑ دیا جاتا اور دوسرے مذاہب کی طرح اسلام میں بھی کاتبوں جیسا ایک طبقہ وجود میں آجاتا تو یقیناً اس اعتراض کی گنجائش تھی کہ اسلام میں بھی پاپائیت کا جو وجود ہے لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ اسلام مذہبی امور میں کسی خاص طبقے کی اجارہ داری تسلیم نہیں کرتا۔ وہ ہر انسان کو بلا امتیاز مساوی طور پر یہ حق دیتا ہے کہ وہ قرآن کریم پر غور کر کے اس سے اپنی گمراہی اور غفلت کے مطابق نتائج اخذ کرے۔ اس صورت میں اسلام پر پاپائیت کی قسمت لگانا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

اسلامی نظام حکومت کی یہ خصوصیت ہے کہ ایک طرف تو مذاق احکام کی اطاعت اور شریعت کی مقرر کردہ حدود کی پاسداری حاکم و محکوم، اونی و اعلیٰ، مغرب و امیر، شخص پر یکساں فرض ہے۔ دوسری طرف عوام کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ جب چاہیں اپنے حاکم سے اس کی غلط روی پر باز پرس کرسکتے ہیں۔ اس نظام حکومت میں ہر اقتدار طبقے کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے لئے غیر قانونی وضع کرے اور مغرب و علیا کے لئے کچھ اور اداوار چاہے کہ وہ مطلقاً اکثر اور افضل ہو کر اپنے یہ ایسی مراعات حاصل کرے جو حاکم کو حاصل نہیں۔ اگر بیکڑ کے دور حکومت پر ایک گھچھلتی ہوئی نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت نبوی پر سختی سے عمل کرنے کے باعث دنیوی آلائشوں سے بالکل پاک تھے اور ان کے دل میں یہ بات مسخ و لاد کی طرح جھلکیں ہر جگہ تھی کہ جس شخص کے سپرد قوم کی امانت کی جائے اور وہ اس میں خیانت کرے اس کا کچھ حصہ ذاتی تصرف میں لے آئے وہ کسی اور پر نہیں بلکہ خود اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور قیامت کے دن اسے اس خیانت کی نہایت دردناک سزا ملے گی۔

ابوبکر نے اس امانت کا حق جو قوم کی طرف سے ان کے سپرد کی گئی تھی جس طرح ادا کیا اور ایام خلافت میں جس بے غرضی و پرہیزگاری کا ثبوت دیا اسے موجودہ زمانے کے لوگ غیر ممکن سمجھتے ہیں۔ خلافتِ دہائرت نے ان کی زندگی میں فساد بھی تو تعمیر و تہذیب پیدا کیا۔ مسلمانوں کے احوال سے فائدہ اٹھانے کا خیال ایک لمبے کے لیے بھی ان کے دل میں پیدا نہ ہوا۔ خلافت کی ذمہ داریاں لغو نہیں ہوتی تھیں وہ اپنے آپ اور اپنے اہل و عیال کو بالکل بھول گئے اور اللہ

کے دین کی خدمت اور اس اسلامی سلطنت کے انتظام و انصرام کے لیے اپنے آپ کو ہر حق وقت کر دیا۔ عدلی و انصاف کا قیام ان کا اولین مقصد تھا اور کم زوروں اور عاجت مندوں کی امداد و اعانت سے زیادہ پسندیدہ مسئلہ ان کے نزدیک اور کوئی نہ تھا۔

جو حکومت اس طرز کی پنجابی مطلق العنانی کا مطلق وعدہ دودے نہ ہو جس کا حاکم اپنے آپ کو فوق البشر سمجھتا ہو اسے کسی طرح بھی پاپائی اور مطلق العنان شخصی حکومت کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ خلیفہ کا انتخاب یقیناً مہاجرین اور انصار ہی نے ہی کر لیا تھا اور عرب کے دوسرے قبیلوں سے مشورہ لینے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی لیکن اس پر بھی کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کیونکہ مہاجر اور انصار ایک ہی قبیلے کے افراد نہ تھے جنہوں نے ہی شجاعت کر کے اپنے ہی سے ایک آدمی کو خلیفہ منتخب کر لیا ہو مگر وہ مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور یہ کام بھی انہوں نے صرف اس لیے کیا تھا کہ رسول اللہ کی وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا تھا اسے پُر کیا جاسکے اور کسی دنیائی غیر مروجی کے باعث امت کی بقا کو خطرہ لاحق نہ ہو گیا تھا اس کا قریٰ طور پر سد باب ہو سکے۔

ابو بکرؓ کی حکومت کی بنیاد کلیتہً صلاح مشورے پر تھی۔ ان کی سمیت عام انتخاب کے ذریعے سے کی گئی اور بعض اس لیے کی گئی کہ وہ رسول اللہ کے سب سے محبوب صالح اور منجیب انسان شہنشاہیت کے مالک تھے۔ غلط فہمی و مہابہت اور قبائلی عصبیت کا اس انتخاب میں مطلق دخل نہ تھا۔ ابو بکرؓ نے خود اپنے لیے خلافت کا سہارا نہ کیا بلکہ انہوں نے تو لوگوں کو اپنے بجائے عمرؓ اور عبیدہ بن جراحؓ میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنانے کا مشورہ دیا تھا۔ انہوں نے خلافت ساز مشوں کے نہ بے سے حاصل نہ کی بلکہ سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع عام میں خاصی بحث و تمحیص کے بعد جس میں انصار اور مہاجرین کے سربراہان و اشخاص نے حصہ لیا۔ ان کی خلافت پر کمالوں کا اجماع ہوا۔ پھر جب انہی کو خلیفہ بنانے کا فیصلہ ہو گیا تو سمیت کرنے میں انصار ہی کسی طرح مہاجرین سے پیچھے نہ رہے۔ انہوں نے ذمہ صحتی دل سے ان کی خلافت قبول کر لی بلکہ بعد میں جب کبھی ان کی طرقت سے مالی اور جانی قربانیاں کا سہارا لیا ہوا انصار نے بڑھ چڑھ کر اور دلی ذوق و شوق سے ان میں صحب کیا۔

خلافت کے بعد انہوں نے جو سہل و خفیدہ ارشاد و فرمایا اس کے لغو غلط سے یہ بات عیاں ہو گئی

یعنی کہ ابو بکرؓ کو جمہوریت کا کتنا پاس تھا اور وہ شوریٰ کو سلطنت کی ہیئت و کے لیے کس قدر ضروری خیال کرتے تھے۔ انھوں نے فرمایا:

”میں تم پر حاکم قرار دیا گیا ہوں لیکن تم سے بہتر نہیں۔ اگر میں نیکی کی راہ پر چلوں تو میری فرمائیں برہادی کرو لیکن اگر میرا قدم نیکی کی راہ سے ڈگسکا تو بدی کی راہ پر چلا جائے تو مجھے دست کر دو۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتا رہوں تم میری اطاعت کرتے رہو لیکن اگر میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت فرض نہیں۔“

ان الفاظ سے صریحاً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حوام الناس کو خلیفہ کے کاموں کی نگہداشت کرنے اور اسے نیک مشورے دینے کا حق حاصل ہے اور اگر کبھی یہ فرض محال غلیفہ سے اللہ کے احکام کی نافرمانی صادر ہونے لگے تو رعایا پاس کی اطاعت فرض نہیں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ شوریٰ کی اہمیت کے متعلق ان الفاظ سے زیادہ اور کون سے پر زور الفاظ استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

جنگوں کا سلسلہ طویل تر ہونے کے باوجود ابو بکرؓ کے عہد میں شوریٰ کا نظام عملی حال قائم رہا وہ کوئی بھی اہم کام بغیر مشورہ لیے انجام نہ دیتے تھے۔ تمام مسلمان ان کی نظروں میں ساری حقوں کے حامل تھے اور کسی شخص کو اس کی خیر ہی دہاست اور مرتبے کی بنا پر دوسرے لوگوں سے برتری حاصل نہ تھی۔ سابق مرتبہ ترین کے متعلق انھوں نے ابتدا میں یہ حکم صادر فرمایا تھا کہ انھیں جنگی محلات میں شامل نہ کیا جائے کیونکہ ابھی ان کی طرقت سے پرہیزگارانہ تھا لیکن جب یہ فرض دور ہو گیا تو انھیں اسلامی فوجوں میں شرکت کی اجازت دے دی اور عہد کو ہدایت کی کہ عراق کی جنگوں میں شرکت کرنا لوگوں سے بھی کام لیا جائے۔

## ابو بکرؓ اور عرب کی سیاسی وحدت

اس طرح ابو بکرؓ نے اسلامی نظام حکومت کی بنیادیں استوار کر کے اپنے بعد آنے والے خلفاء کے لیے الگ بنیادوں پر ایک رفیع اخلاقی عمارت تعمیر کرنے کا عرب کو ایک سیاسی وحدت میں ڈھالنے کا راجح فراہم کر دیا۔ ابو بکرؓ کی حضورؐ و مگرز کی پالیسی نے عرب کی سیاسی وحدت کے حصول میں سبک

آسانی پیدا کر دی۔ جو بھی باغی لشکر ان کے سامنے سامنے کیا گیا انھوں نے اس کے پچھلے اعمال سے ہلکڑ کر کے ہوئے اس کی جان بخشی کر دی۔ قرہ بن سہیر، عمرو بن سعدی کب، اشعث بن قیس وغیرہ سرداران عرب کی شاہیں سب کے سامنے میں۔ لہذا ان اور سرکشی کو سختی سے نوکر کرنے اور بعد میں بدلتوں کے سرخونی کو صافی دے دینے کا فیصلہ ہوا کہ ان لوگوں نے بچے دل سے اطاعت اور فرمانبرداری قبول کر لی اور وحدت کی لڑی میں منسلک ہو گئے۔ شوری کے طریق کا نئے وحدت کے نظام کو مزید مستحضر بنائی جس کے نتیجے میں عراق اور شام کی فتح آسانی تر ہو گئی۔ اس زمانے میں عوام کی ٹکری بنی بھی اس امر کی متقاضی تھی کہ نظام حکومت کی بنیادیں شوری اور جمہوریت پر استوار کی جائیں۔ اسلام کا ظہور عرب میں ہوا تھا۔ اسلامی شریعت عربی زبان میں لکھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب سے تعلق رکھتے تھے۔ عرب مکہ کی بدوی ہوں یا شہری آبادی اور غلامی کے دلدلوں تھے اور آبادی سے بڑھ کر انھیں کوئی شے عزیز نہ تھی۔ بدوی لوگوں کی مسادات کی وجہ سرایت کر چکی تھی۔ اسلامی تعلیمات نے اس فکر کو مزید جلا دی کہ یہ کہ اسلام کامل مسادات کا علم ہوا تھا۔ اللہ نے اپنی کتاب میں ہر وضاحت اعلان کر دیا کہ اس کے نزدیک خاندانی وجاہت کوئی معیشت نہیں بلکہ اصل معیشت ہندوں کے اعمال کو حاصل ہے۔ ان کے لئے دشمنان ان الفاظ میں اس حقیقت کا اظہار کر دیا تھا کہ اسلام گورے کا ہے عربی، عجمی، آقا اور غلام میں کسی قسم کی تمیز رکھنے کا روادار نہیں۔ اس کے نزدیک برتری اور فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ آج جمہوریت کا دور دورہ ہے اور ہر جمہوریت ہی کے گن گائے جاتے ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو حقیقی جمہوریت کا نظارہ چشم بینا نے صرف اسلام کے دو باتوں میں دیکھا ہے۔ اس لئے جمہوریت کی بنیاد اخوت و محبت اور حریت و مساوات پر لکھی اور اسلام کی پاکیزہ تعلیم کے نتیجے میں یہی فضا پیدا ہو گئی تھی کہ ہر شخص اپنے مرضی بھائی کا میر خا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ نے اسی طرح اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

”تم میں سے کسی شخص کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکا جب تک وہ

اپنے بھائی کے لیے بھی وہی بات پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے“

رسول اللہ کی زبان سے نکلا ہوا ارشاد کوئی سمجھتی ہو جمہوریت کی جہاں ہے

اور کوئی جمہوری حکومت اس وقت تک کام یاب نہیں ہو سکتی جب تک اس ملک کا فقرے کو مشعل راہ بنکر رکھا جائے کہ افراد کو ایک دوسرے کا خیر خواہ اور دوست و غم خیز و بدنام نہ ہو۔  
 انھیں تعلیمات کے باعث، جنھیں رسول اللہ نے لوگوں تک پہنچایا، اس عربی وحدت کا قیام عمل میں آسکا جس کے سبب ابولہب نے ایک رفیع الشان سلطنت کی بنیاد رکھی اور ایک نرالا نظام دنیا کے سامنے پیش کر کے ایک عالم کو انگشت بدندان کر دیا۔

## اسلام کی طاقت کا سبب

ابولہب کی حکومت جزیرہ فارس سے عرب تک محدود تھی بلکہ عرب سے بھی باہر نکل کر دور دور تک پھیل گئی تھی اور اسلامی سلطنت کا قیام عرب کے علاوہ عراق اور شام میں بھی عمل پذیر ہو چکا تھا۔ رسول اللہؐ ہوتا ہے کہ خیر عربی علاقوں میں اسلامی سلطنت کا قیام محض چند چٹلوں کا نتیجہ تھا جس میں فتنے سے مسلمانوں کو کام یابی نصیب ہو گئی یا اس انقلاب نے جس کی نشان دہی ہم پہلے کر آئے ہیں ان فتنات کے لیے راستہ صاف کیا اور اس طرح مسلمانوں کو دنیا کے ایک وسیع شطے میں اسلامی سلطنت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کا موقع مل گیا۔  
 اسلام کی ابتدائی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے کسی شخص سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ اسلامی اوزار کی کام یابی کو فتنی اور اتفاقی قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ یہ فتنات واقعات و حوادث کے ایک لمبے سلسلے کی کڑی ہیں۔ اسلام نے دنیا میں آکر جو انقلاب پیدا کیا اس کا بڑا ہوتا لایہی تھا۔ کیونکہ اسلامی تعلیمات ایک انقلاب پذیر قوت اپنے اندر رکھتی تھیں اور ناممکن تھا کہ یہ قوت اپنا اثر دکھائے بغیر رہے۔

اسلام کو طاقت و قوت بخشنے والے عوامل میں معتبرے کی حریت کا بھی بہت بڑا دخل ہے۔ اسلام انسانی ضمیر کا سب سے بڑا علم برقرار ہے اور دین کے معاملے میں کسی شخص پر جبر کا روادار نہیں۔ اس کی دعوت ساری دنیا کے لیے عام ہے لیکن وہ کسی شخص کو اپنا عقیدہ دینے پر مجبور نہیں کرتا۔ ہاں یہ امید ضرور رکھتا ہے کہ اس کی پیش کردہ تعلیمات پر لوگ غور کریں۔ اسے اطمینان ہے کہ جو لوگ سچے دل سے ان تعلیمات کا مطالعہ کریں گے ان کے لیے انھیں قبول کیے بغیر چارہ نہ ہوگا۔

کیونکہ وہ فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہیں اور عقلِ سلیم انہیں قبول کرنے میں کسی قسم کی جھجکاہٹ محسوس نہیں کر سکتی۔

جہاں اسلام آزادیِ ضمیر کا سب سے بڑا علم بردار ہے وہاں اسلام کے مخالفانہ رویوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر لوگوں کو عقائد و اعمال میں آزادی دے دی گئی اور انہیں اختیار دے دیا گیا کہ وہ جو مذہب اور طریقہ چاہیں اختیار کریں تو اسلام کی پاک تعلیم انہیں اپنی طرف کھینچے گی اور ان کے حق میں سوائے اللہ ہی اور ناکامی کے اور کچھ نہ رہے گا۔ اسلام نے آزادیِ ضمیر کا جو اصول دنیا کے سامنے پیش کیا تھا اس پر مسلمانوں نے پوری طرح عمل کر کے دکھا دیا۔ انھوں نے لاتعداد ہولناکیاں کیے لیکن کسی شخص کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا۔ اس کے برعکس انھوں نے جس شر کو رفع کیا وہاں کے باشندوں کو کامل مذہبی آزادی دے دی۔ جو شخص بہ رضا و رغبت اسلام قبول کر لیتا اسے وہی حقوق مل جاتے تھے جو دوسرے مسلمانوں کو ملے ہوئے تھے لیکن جو شخص اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنا چاہتا اسے جزیرہ اور کانٹا پر تھا۔ جزیرہ کوئی نامانوس تھا جو غیر مسلموں سے نفرت و عناد کے باعث ان پر عاید کیا گیا ہو جبکہ ان کی حیثیت و کچھ کی طرح ایک سنگس کی تھی جو سلطنت کی طرف سے ان کی حفاظت کے بدلے ان پر عائد کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اہل عراق اور اہل شام سے صلح کے جو معاہدات کیے گئے ان میں یہ صراحت کہی گئی تھی کہ غیر مسلموں سے جزیرہ صرت ان کے مال و جان کی حفاظت کے بدلے وصول کیا جائیگا اور اسلامی حکومت ذمہ دار رہے گی کہ غیر مسلم اپنے اپنے مذہب پر آزادی سے عمل کر سکیں اور اپنی عبادت بے خوفی سے سہارا لیں۔ آج بھی کتبِ تاریخ میں جو معاہدات محفوظ ہیں ان میں اسلامی حکومت کی طرف سے غیر مسلموں کے گرجوں، کلیساؤں، صیوان، مذہبی پیشواؤں اور راہبوں کی حفاظت کی قطعاً موجود ہیں۔ اگر کبھی ایسی صورت حال پیش آجاتی کہ مسلمان اپنے مزارعہ کی بجائے آزادی سے فاصر ہو جاتے تو صورتِ آئندہ کے لیے جزیرہ لینا بند کر دیا جاتا بلکہ پھیلی وصول کی جاتی تھی۔ انہیں واپس کر دی جاتی۔ رسول اللہ کے فتویٰوں کے باوجود قائم شدہ حکومت جس کی بنیاد وحییت و مساوات اور افرات و عجزت کے اخلاقی اصولوں پر قائم کی گئی تھی، آزادیِ منشأیت سے کبھی مختلف تھی اور آج کل کی جمہوریتیں بھی انادیت کے لحاظ سے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اسلامی سلطنت کا یہ مقصد تھا

نہ تھا کہ لوگوں کو عربوں کا ملیج بخشنا دیا جائے اور انھیں روپیہ میں اور یا نہیں کی غلامی سے نکال کر عربوں کی غلامی میں دے دیا جائے۔ اس کے برعکس اس کا اہم مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو غلامی کی دنیا میں سانس لینے کا موقع دیا جائے اور ان کے درمیان اخوت و وحدت اور رحمت و شفقت کے قابل شکست و شے پیدا کر دیے جائیں۔ اسلامی سلطنت میں مفتوح اقوام کا عرب و ناختمین سے کسی طرح کم نہ تھا۔ مفتوح اقوام عربوں کی طرح تمام بنیادی حقوق سے بہرہ ور تھیں جو شخص اسلام لے آتا تھا اس سے مسلمانوں کا سا برابر کیا جاتا تھا اور جو شخص اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنا چاہتا تھا اسے وہ تمام حقوق حاصل ہوتے تھے جو عرب کے دوسرے غیر مسلموں کو حاصل تھے۔ عرب و ناختمین نے اپنے کئی بھی فعل سے یہ ظاہر نہ کرنے دیا کہ وہ عربوں اور غیر عربوں میں تفریق کے حامی ہیں۔ اہل حراق اور اہل شام میں جو لوگ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے ان سے وہی سلوک کیا گیا جو کبیران اور عرب کے دوسرے علاقوں کے عیسائیوں سے کیا جاتا تھا۔ بے شک مسلمانوں لوگوں میں اسلام کی تبلیغ اور ان پر اقامت حجت کرنے میں کوئی دقیقہ سمی فروگذاشت نہ کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص ان کی حریت پر کان نہ دھرتا اور اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوتا تھا تو یہ خدا کی فرمان زمین میں رکھ کر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتے تھے۔

من اہتدی ما فدا یہتدی لنفسہ ومن ضل ما اذنا یضل علیہا

وہا انا علیکھ دیوکیل

جو شخص ہدایت قبول کرتا ہے اس کا ناکہ و خدای کو پہنچے گا اور جو شخص گمراہی کے راستے پر گامزن رہنا چاہتا ہے اس کے نقصان کا زور دار بھی وہ خود ہے۔ اے رسول! ان لوگوں سے کہو کہ میرا کام صرف یہ ہے کہ تم لوگوں تک آواز پہنچا دوں مانتا یا نہ مانتا تھا واکام ہے۔ تمہاری ہدایت اور گمراہی کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں؟

البوکریہ کا نظام حکومت

اسلام نے حکومت کا جو نظام تجویز کیا تھا ابوکریہ کو فقیر و مالک میں اسے پورے طرح واضح کرنے کا موقع دیا۔ حلاق میں خالد بن ولید نے ہدایتی حکم و نسق کا کام خود دیاں کے باشندوں کے

سپرور رکھنا تھا۔ مسلمان صرف عام نگرانی اور سیاسی امور کی نگہداشت کرتے تھے۔ اس طرح کوئی باقاعدہ منظم حکومت سرخیز وجود میں نہ آ سکی۔ جنگی صورت حال کے پیش نظر ایک عبوری طرز حکومت اختیار کر دیا گیا اور بیشتر ترہ جنگی امور کی تحلیل پر دی گئی۔

شام کا حال بھی عروق سے مختلف تھا۔ شرذوائی نظام حکومت یہاں کے باشندوں کے لیے اسلام کی طرح بالکل نئی چیز تھا۔ فتوحات اسلامیہ کے وقت یہاں مطلق العنانی کا دور دورہ تھا۔ شمشاد ملک کے سیاہ و سفید کا مالک تھا اور من مانی کرتا تھا۔ پادری اور صاحب شمشاد کے اہل بیت کے طور پر کام کر رہے تھے اور مطلق العنانی کو ہائز ٹھہرانے کے لیے زمین آسمان کے تلابے ملاتے تھے۔ ایک طرف حکومت کے دوازہ دوسری طرف مذہبی پیشواؤں کے دخل کے نتیجے میں عوام الناس اپنے فرماں رواؤں کو اتھانی نقد پس کی نگاہ سے دیکھنے کے عادی ہو چکے تھے اور انھیں ان کے آگے مسجد و کمرے میں بھی باک نہ تھا۔ اسلامی فتوحات کے موقع پر حبیب انھوں نے ایسے نظام حکومت کا مشاہدہ کیا جس کی بنیاد عدل و انصاف اور ضروری پرستی اور جہاں اس شاہی کدھر اور حبیب و وزیر کا نام و نشان ملک نہ تھا۔ جسے دیکھنے کے وہ صدیوں سے عادی تھے تو ان کے دل بے اختیار اسلام کی طرف مائل ہوئے شروع ہوئے اور انھوں نے بڑی گرم جوشی سے مسلمانوں کو غیر مقدم کیا۔ اسلام کی طرف لوگوں کے اس میلان کے باعث مسلمانوں کی سلطنت بڑھتی ہی چلی گئی اور اس کے خاندانے ایک طرف ہندوستان اور دوسری طرف افریقہ سے جا ملے۔ سلطان جہاں بھی گئے حق و صداقت، عدل و انصاف اور ایمان و صداقت کا حکم لراتے ہوئے گئے اور حریت و مساوات اور محبت و شفقت کے بیج ہر زمین میں بھوسے۔

ابو بکر اجماعی ملت ذیل کی کہ وہ عرب اور دوسرے مغربہ علاقے میں اسلامی نظام حکومت کا نیا راج کر سکتے۔ ان دنوں اس سلسلے میں جو کام ہزارہ ابتدائی نوعیت کا تھا۔ بعد میں نے اسے خلفاء کے عہد میں سلطنت نے جس طرح منظم صورت اختیار کر لی تھی اور جس طرح باقاعدہ محکموں کا نیام عمل میں آچکا تھا اس طرح ابو بکر کے عہد میں نہ تھا۔ ان کے عہد میں نہ حکومت نے نہ تھا تنظیمی شکل اختیار کی تھی اور نہ مختلف محکمے قائم ہوئے تھے۔

اس کے دو طبعی سبب تھے:

اول یہ کہ ابوبکرؓ کا عہد کچھلے تمام دہائیوں سے مختلف تھا اور انہیں بالکل نئے سرے سے ایسے وقت میں ایک حکومت کی تشکیل کرنی پڑی تھی۔ جب کچھلی تہذیبیں دو مقررہ جگہیں تھیں اور ان کی جگہ ایک نئی تہذیب نے لے لی تھی۔ جتنا کہ کئے لہذا سے ایک انقلاب آچکا تھا اور جزیرہ لئے عرب میں اسلام کو غلبہ حاصل ہو چکا تھا۔ فکر و نظر کے انداز بدل چکے تھے اور معاشرے میں ہر دست تبدیلی آچکی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں قلیل وقت کے اندر ایک بالکل نیا نظام حکومت رائج کرنا کس قدر دشوار کام تھا۔

منظم حکومت عمل میں لانے کا دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ زمانہ حرب و یکار کا تھا۔ ابوبکرؓ کی حکومت عسکری حکومت کہلانے کی دیا وہ سخت سخت جنگ و جدل کے مواقع پر مقررہ نظم و نسق کا قیام تک ناممکن ہوتا ہے۔ چاہے ایسے علاقے میں ایک منظم حکومت کا قیام عمل میں لایا جاسکے۔ جب ان اسلام سے قبل نظم و نسق کا وجود ہی نہ تھا۔

خلافت کے بعد ابوبکرؓ کو سب سے پہلے مرتدین کا سامنا کرنا پڑا اور پہلا سال ان کی بغاوتیں فرو کرنے میں گزر گیا۔ اہل مرتدین سے جنگوں کا سلسلہ جاری تھا کہ ایمانیوں سے جھڑپیں شروع ہو گئیں اور ابوبکرؓ کی توجہ عراق کی طرف منتقل ہو گئی۔ عراق میں کامل امن و امان نہ ہوا تھا کہ شام پر چڑھائی کا سلسلہ درپیش ہو گیا۔ اس صورت میں نظام حکومت وسیع بنایا دین پر قائم کرنا اور اس کی تصفیہ حاصل کرنا ناممکن تھا۔ اس وقت ابوبکرؓ کے سامنے دو بڑے مقصد تھے اور انہیں کی تکمیل میں وہ بہت مشغول رہتے تھے۔ اول مسلمانوں میں اتحاد و یکپارگی کے انہیں دشمن کے مقابلے کے لیے تیار کرنا، دوم دشمن پر فتح حاصل کر کے وسیع اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھنا۔

ابوبکرؓ کی عسکری حکومت کا نظام اس بدوی طریق کے زیادہ قریب تھا جو رسول اللہ کے عہد سے بھی پہلے قبائلی عرب میں رائج تھا۔ اس وقت حکومت کے پاس کوئی منظم لشکر موجود نہ تھا بلکہ ہر شخص اپنے طور پر جنگی خدمات کے لیے اپنے آپ کو پیش کرتا تھا۔ جب میل جنگ پر چوٹ پڑتی اور لڑائی کا اعلان کر دیا جاتا تو قبائلی ہتھیار سے کر لکل پڑتے ہوئے دشمن کی جانب کوچ کر جیتے۔ ہر قبیلے کا سردار بھی اپنے قبیلے کی قیادت کے ذراخص انجام دیتا تھا۔ ان کی عورتیں بھی انہیں بہت دھانے اور جوش و خروش پیدا کرنے کے لیے ساتھ ہوتی تھیں۔ مسلمانان رسد اور صلہ کے لیے وہ

مرکزی حکومت کی طرف نہ دیکھتے تھے بلکہ خود ہی ان چیزوں کا انتظام کرتے تھے حکومت کی طرف سے انھیں تنخواہ بھی ادا نہ کی جاتی تھی بلکہ وہ مالی غنیمت ہی کو اپنا حق الغنمات سمجھتے تھے۔

میدان جنگ میں جو مالی غنیمت حاصل ہوتا تھا اس کا ۱/۴ حصہ جنگ میں حصہ لینے والوں کے درمیان تقسیم کر دیا جاتا تھا اور باقی ۳/۴ حصہ خلیفہ کی خدمت میں دارالحکومت ارسال کر دیا جاتا تھا جسے وہ بیت المال میں جمع کر دیتا تھا۔ فلس کے ذریعے سے سلطنت کے عمرانی مصارف پورے کیئے جاتے تھے اور عدنیہ کے فلس و نقاش اور محتاج لوگوں کی امداد کی جاتی تھی۔ ابو بکر کی مجلس عقی کو جو عقی خمس مدینہ پہنچے اسے تقسیم کر دیا جاتا تھا اور ایک درہم بھی آئندہ کے لیے اٹھا کر رکھا جاتا۔ بعض لوگوں نے ان کے سامنے تجویز پیش کی کہ بیت المال پر پہرے دار مقرر کیے جائیں لیکن انھوں نے یہ تجویز نامنظور کر دی کہ چونکہ بیت المال میں کچھ بچتا ہی نہ تھا جس کی حفاظت کے لیے پہرہ دار مقرر کیے جاتے۔

ابو بکر کی حکومت کا نظام نہایت سادہ اور بدوینہ طرز کا تھا۔ اپنے عہد کی منظم اور متدن سلطنتوں کا رنگ انھوں نے بالکل قبول نہ کیا۔ عہد رسالت سے اتصال کے باعث ان کا عہد رسول اللہ کے عہد سے بڑی مدت تک مشابہ ہے۔ ابو بکر ”بھروسے سے بھی وہ کام نہ کرتے تھے جو رسول اللہ نامہ نہ کرتے تھے اور وہ کام نہ سمجھتے تھے جو آپ نے کیا تھا لیکن وہ عبادت و تقویٰ کی طرح نہ تھے بلکہ رسول اللہ کا کامل نمونہ اختیار کرنے کی وجہ سے ان کے لیے اجتماع کا دروازہ کھل چکا تھا۔ یہی اجتماع تھا جس کے باعث اللہ نے ان کے ذریعے سے عراق اور شام فتح کرانے اور ان کے ہاتھ سے ایسی متحدہ سلطنت کی بنیاد رکھوائی جس کا دستور اصل احکام الہی اور شرعی پر مبنی تھا۔ وہاں فرائض و تقویٰ سے ہمیشہ پاک اور اللہ کے نور سے حصہ نہ کر ہمیشہ ملامت و ستم پر گمراہ نہ رہے۔ یہ خیال بروقت ان کے دل میں جاگزیں رہتا تھا کہ جہاں وہ ہندول کے سامنے جواب دہ ہیں وہاں اللہ کے سامنے بھی جواب دہ ہیں اور وہ قیامت کے دن ان سے ان کے تمام اعمال کا حساب لے گا۔ اللہ اور ہندول کے سامنے جواب دہی کا یہ تصور تھا جس نے ہمیشہ آپ کو ملامت و ستم پر گمراہ نہ کرنے کے رکھا اور ان کا قدم ایک لمحے کے لیے بھی جاوہر استقامت سے ہٹنے نہ پایا۔

ابو بکر کے بعد اسلامی حکومت مختلف ادوار میں سے گزرتی رہی جو ہر نئے خطاب نے ایرانی

اور دینی سلطنتوں کا نظام حکومت سامنے رکھ کر مختلف شعبوں کی تفصیل کی لیکن کتاب اللہ اور اس کی مقررہ حدود سے ملحق جماعت کو کیا عزائم اور ملحق کے عہد میں عمر کا مقررہ طرز حکومت ہی ہماری رہا۔ خلافت راشدہ کے بعد جب سلطنت امویوں کے ہاتھ میں آئی تو شرعی طرز حکومت کی جگہ مرقیہ بادشاہی نے لی۔ عباسیوں کے زمانے میں بھی مرقیہ بادشاہی کا سلسلہ قائم رہا۔ عباسیوں کے عہد میں سلطنت پراہل روم اور اہل ایران کا اثر اس قدر بڑھ گیا کہ خلفاء ان کے ہاتھوں میں بے بس ہو کر رہ گئے۔ اہل ان اور روم کی مکمل فتح عمر اور عثمان کے عہد میں ہوئی تھی لیکن اس وقت سلطنت پر بھی بادشاہی کا اثر بہت کم تھا۔ امویوں کے عہد میں ان کا اثر قدرے بڑھا مگر سلطنت کا شرعی رنگ میں دکھائی دیا۔ عباسیوں کی حکومت اہل ایران کی مدد سے حاصل کی تھی اس لیے ان کے عہد میں ان لوگوں کو مکمل کھیلنے کا موقع مل گیا اور آہستہ آہستہ تربت یہاں تک پہنچ گئی کہ خلفاء ان کے ہاتھوں میں محض کٹھ پتلیاں بن کر رہ گئے۔

اس اثنا میں علماء اسلام جن میں اکثریت خیر عہدوں کی تھی حکومت کے لیے قواعد و تفصیل مرتب کرنے میں مصروف رہے۔ اہل ایران میں اکثر حکومات ہو جاتا تھا جو بعض اوقات بڑھتے بڑھتے فساد اور شورش کی صورت اختیار کر لیتا تھا اور عاکم وقت کو سختی سے اسے فرو کرنا پڑتا تھا۔ کتا بافرین تھا ابو کزنی اور امویوں اور عباسیوں کی حکومتوں میں۔ اول الذکر حکومت باطل سادہ تھی لیکن اس کی جڑ سے ایک دن کے لیے بھی ملک کے امن و امان میں خلل نہ پڑا۔ مرقیہ الذکر حکومتیں شان و شوکت کے لحاظ سے جواب نہ دہکتی تھیں بڑے بڑے علماء و فضلاء حکومت کا آئین تیار کرنے میں مشغول تھے۔ لیکن اندرونی دنیا و قتل نے ان سلطنتوں کو ایک دن کے لیے چین سے نہ بیٹھنے دیا اور یہ پیشہ داخل مجاہدوں اور خاندان جنگیوں ہی میں مصروف رہیں۔

ابو کزنی کا ایمان تھا کہ جس طرح انھیں ایک دن اللہ کے سامنے اپنے اعمال کا جواب ہو گا پڑے گا اسی طرح ہر سلطنت کی انعام دہی کے سلسلے میں وہ جہدوں کے سامنے بھی جواب دہ ہیں۔ اللہ اور بندوں کی اسی جواب دہی کے ڈر سے وہ جب بھی کسی اہم کام میں ہاتھ ڈالتے تھے اللہ کے حکام کو پیش نظر رکھتے اور لوگوں کے سامنے وہ معاملہ نہ لگاتے تھے۔ اسی طرح جب کوئی معاملہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا تو جب تک اس کے بارے میں خوب غور و فکر نہ کر لیتے اور اس کے نتائج و عواقب کا بھی طرح باج نہ لیتے فیصلہ نہ فرماتے۔ مرض الموت میں بھی ان کا طرز عمل یہ رہا

اور وہ ہمایہ مسلمانوں کی آئندہ فلاح و بہبود کے طریقوں پر غور فرماتے رہے۔ اسی دورانی میں مشن شیعانی عراق سے مدینہ آئے اور باریکی کی اجازت چاہی قرآنوں نے باوجود محدود چمکت و نقابہت کے انھیں اپنے پاس بلایا اور بڑے غور سے ان کی معروضات سنیں۔ اسی وقت عمرؓ کو حکم دیا کہ شام ہونے سے پیشتر مشن کی مدد کے لیے مسلمانوں کا لشکر عراق روانہ کر دیا جائے غرض اس طرح ابو بکرؓ زندگی کے آخری سافس تک اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں مصروف رہے۔

## ابوبکرؓ کی وفات

ابوبکرؓ نے ارتداد کا واقعہ بجز رسول اللہؐ کی وفات کے بعد عرب کے گوشے گوشے میں اٹھ کھڑا ہوا تھا، کمال استعداد سے فروگردیا تھا، عراق میں اسلامی فوجیں قندھار تک گھس گئی تھیں اور ایرانی و ہندوستانی کی فتح چند دن کی بات رہ گئی تھی۔ شام میں رومی افواج تباہ و کوہنہ آشرقیہ کے دریا بہتا پڑ رہا تھا اور فتوحات اسلامی کے اثرات اپنے تختہ شام و مشرق تک سموس کیے جا رہے تھے۔ ایک طرف ان حیرت انگیز فتوحات کا سلسلہ جاری تھا، دوسری طرف ابوبکرؓ دینہ میں ایک ایسی متحدہ عربی حکومت کی تشکیل میں مصروف تھے جس کی اساس باہمی مشورے پر تھی۔ قرآن کریم کی تحریک ہو چکی تھی۔ اسلامی سلطنت کی تشکیل کے لیے دستورات ہر چکا تھا اور حقیقی عدل و انصاف پر مبنی حکومت کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ یہ تمام عظیم الشان اور اہم امور دو سو سال میں مینے کی قلیل تربیت میں پایہ تکمیل کر پہنچے تھے۔

کیا یہ تاریخ کا ایک معجزہ نہیں؟ شائیس مینے کی قلیل مدت میں ایک عظیم و مریض مملکت کے کی غلطیاں کی بنیادوں بالکل فروم جاتی ہے اور ان واحد میں سادہ عرب وحدت کی منک میں اس طرح منک ہر جانب سے کہ معلوم ہوتا ہے یہاں کبھی بغاوت اور شورش کا نام و نشان تک نہ تھا۔ پھر یہی اہل عرب جو پہلے فتنہ و فساد اور شورش و اضطراب کے شکار تھے ان عظیم الشان سلطنتوں پر طویل دیکھتے ہیں جنہیں اپنی عسکری قوت اور تہذیب و تمدن کی بنا پر دنیا کی تمام اقوام پر برتری حاصل تھی اور یہ سلطنتیں اپنے عساکر حملا و داور و فرائض کے باوجود حقیر و ذلیل عربوں کے سامنے عاجز و جاتی ہیں اور ایرانی و رومی تہذیب کی جگہ اسلامی تمدن کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ عربوں کا یہی ہے اس سلطنتوں پر اس قدر جلد غلبہ ایک ایسا عجیب و غریب واقعہ ہے جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ کسی شخص

کی مجال نہیں کہ وہ بغیر تائید از ہی اور توفیق خداوندی کے ایسے کارنامے انجام دے سکے جن پر ایک عالم حیران و ششدر رہ جائے۔ ابو بکرؓ اللہ کی قدر و قدر پر کامل ایمان رکھتے تھے چنانچہ ان کی عمر بقی کا نقش بھی نعم اللہ کا نشانہ تھا۔ اسی ایمان کے نتیجے میں اللہ نے ان کے لیے اپنی قدر و قدر کا نزول کیا اور جو کام بڑے بڑے سیاست دان اور سپہ سالار برسرِ ان میں انجام نہ دے سکتے تھے وہ ایک مخفی و خفا شخص نے مسیوں میں انجام دے دیے۔

## موت کے بارے میں روایات

ابو بکرؓ کے مرض الموت کی قسمیں کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہود نے انھیں کھانے میں دہر سے دیا تھا۔ کھانے میں ان کے ساتھ عتاب بن اسید اور حارث بن کلاب بھی شریک تھے۔ حارث بن کلاب نے توحید و تہنوں ہی پر اکتفا کیا اس وجہ سے وہ زہر کے اثر سے محفوظ رہے لیکن ابو بکرؓ اور عتاب پر دہر نے پورا اثر کیا۔ دہر سرخ آتا شیر ذہا جھگڑا کس مال بھری بالاس کا ڈھیر تھا چنانچہ جس روز ابو بکرؓ سے یہیں وفات پائی وہی روز عتاب بچے بکریں انتقال کیا۔

یہودی روایت قابلِ اعتبار نہیں۔ اول فراس کے دلوہوں میں کوئی نقد آئی نہیں وہ دھسکر ابو بکرؓ اور سیدو کے درمیان کوئی ایسا نزاع نہ تھا جس کی بنا پر خیال کیا جاسکے کہ یہود نے عذابِ باری کے لیے انھیں زہر سے دیا تھا۔ تمام یہود رسول اللہؐ کے زمانے ہی میں مدینہ سے ہجرا وطن کیے جا چکے تھے۔

اس سلسلے میں وہ روایت قابلِ اعتبار ہے جو ان کی بیٹی ام المومنین عائشہؓ اور بیٹی حفصہؓ زکریا سے مروی ہے یعنی مرض الموت کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ سخت سردیوں کے دنوں میں وہ ٹھنڈے پانی سے منالے جس سے انھیں بیمار چڑھ آیا اور پندرہ روز بیمار میں مبتلا رہنے کے بعد وفات پا گئے۔ اس دوران میں ان کے حکم سے عمر بن خطابؓ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے۔

مرض کی شدت انھیں اور سلطنت کے بارے میں خور و رکھ کر نہ سہ نہ رکھ سکی۔ مرض کی ابتدا ہی میں انھیں یقین ہو گیا تھا کہ ان کی وفات قریب آچکی ہے اور وہ بہت جلد اپنے محبوب رسول اللہؐ سے ملنے والے ہیں۔ وہ اس اطمینان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے کہ

اللہ نے ان کے سپرد جو کام کیا تھا اس کی انجام دہی میں انھوں نے حتی المقدور کوئی دقیقہ بھی فرو گذاشت نہ کیا۔ ایک روز لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ آپ حبیب کر بلا کہ مشورہ لیتے تو بہتر ہوتا۔ انھوں نے فرمایا: "میں نے مشورہ کیا تھا۔" لوگوں نے پوچھا: "پھر اس نے کیا بتایا؟" جواب دیا: "میں نے کہا میں جو چاہوں گا کروں گا۔" ابوبکرؓ کا مطلب اصل میں یہ تھا کہ وہ راضی برقصا ہیں اور ان کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ اب اللہ انھیں اپنے پاس بلاے۔

### جانشینی کا مسئلہ

مرض الموت میں ابوبکرؓ کو سب سے بڑا مکر مسلمانوں کے مستقبل کے متعلق تھا۔ ان کی نظروں کے سامنے سے کچھ واقعات ایک ایک کر کے گزر رہے تھے۔ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد سقیفہ بنی سعدہ میں مہاجرین اور انصار کے درمیان خلافت پر جھگڑا برپا ہو گیا تھا اور اگر اللہ مسلمانوں کو ان کے ہاتھ پر متحد نہ کرتا تو زہد دست فتنہ برپا ہونے کا خدشہ تھا۔ یہ فتنہ صرت مہاجرین و انصار تک محدود نہ رہتا بلکہ سارے عرب کو پھیلنے میں آتا۔ پہلے اس کے شیعے کہ اورطالعت میں ٹھہرتے پھرین کی بڑی آتی۔

اس اختلاف کی نوعیت دینی نہ ہوتی بلکہ خالص دنیوی ہوتی اور محض شخص اقتدار کے قبضہ کے لیے قبائلی عصبیت کا یہ فتنہ اٹھ کھڑا ہوتا۔ اول ترکسی بھی طبقے کی طرف سے اقتدار کی ہوس قریب اتحاد میں رخنہ ڈالی دیتی ہے دوسرے ایسے وقت میں جب ایرانی اور رومی سلطنتیں شیر کی طرح منہ بھاڑے عرب کی طرف دیکھ رہی تھیں مسلمانوں کا باہم دست و گریباں ہونا مانا ہی سلطنتوں کے لیے نعمت غیر متوقع ثابت ہوتا اور وہ بہ آسانی مسلمانوں کے اختلاف سے فائدہ اٹھا کر عرب پر تسلط جہا لیتیں۔ ابوبکرؓ کی خلافت کے باعث ان کی زندگی میں قزاس فتنے کو سر اٹھانے کا موقع نہ مل سکا لیکن کون کر سکتا تھا کہ آئندہ کے لیے بھی اس کا سبب باب ہو چکا ہے۔

مرض الموت میں ابوبکرؓ کا دل برابر انھیں انکار کی جہان نگاہ رہا۔ انھوں نے تمام حالات کا بخور جائزہ لیا اور آخر اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانوں کو آئندہ اختلاف سے بچانے کی صرت یہ صرت ہے کہ وہ زندگی ہی میں آئندہ ہونے والے خلیفہ کا قسین کر ہائیں۔ رسول اللہؐ نے میاں

کیا تھا۔ آپ کسی شخص کو خلیفہ مقرر کیے بغیر وفات پا گئے تھے لیکن اس میں بھی اللہ کی ایک حکمت تھی یعنی لوگ یہ خیال نہ کرنے لگیں کہ اس شخص کو چونکہ رسول اللہؐ نے خود اپنا خلیفہ مقرر فرمایا ہے اس لیے یہ باوجود راست اللہ سے احکام حاصل کرتا ہے اور اس طرح اس کی حیثیت اصل میں خلیفۃ اللہ کی ہے۔

ابوبکرؓ زندگی ہی میں اپنا جانشین مقرر کرنا تو ضرور چاہتے تھے لیکن ساتھ ہی ان کی خواہش یہ تھی کہ اہل الائمہ صحابہ سے اس کے متعلق مشورہ سے لیا جائے اور ان کی رضامندی سے چلے جائے خلیفہ کا تقرر عمل میں آئے۔

ان کے خیال میں عمرؓ بن خطاب کی ذات ایسی تھی جو صحیح معنی میں ان کی جانشینی کے فرائض انجام دے سکتی تھی۔ لیکن انھیں خطرہ تھا کہ مشورہ سے بغیر عمرؓ کی نامزدگی لوگوں پر گراں گزرے گی اور مسلمان اس انتخاب کو اچھی نظروں سے نہ دیکھیں گے چنانچہ انھوں نے عبدالرحمن بن عوف کو بلایا اور ان سے پوچھا۔

”عمرؓ بن خطاب کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟“

عبدالرحمن نے جواب دیا،

”جس امر کے متعلق آپ مجھ سے دریافت کر رہے ہیں خود اسے بہتر جانتے

ہوں۔“

ابوبکرؓ نے کہا،

”پھر بھی؟“

عبدالرحمن نے جواب دیا،

”اے خلیفہ رسول اللہؐ! واللہ عمرؓ بہترین شخص ہیں لیکن ان کے مزاج میں

سختی ہے۔“

ابوبکرؓ نے کہنا،

”عمرؓ میں سختی صرف اس لیے ہے کہ میں زلی سے پیش آتا ہوں مگر خلافت کا

کام ان کے سپرد کر دیا جائے تو ان کی سختی بڑی حد تک ٹوٹ جہاں گئے گی۔ میں خود

بھی دیکھتا ہوں کہ اگر میں کسی شخص پر نارا حق ہوں اور سختی سے پیش آتا ہوں تو عمرہ اس سے زنی کا سلوک کرنے پر مائل ہوتے ہیں اور اگر میں کسی سے زنی کا سلوک کرتا ہوں تو وہ میرے سامنے اس شخص کے بارے میں درستی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ کہ کر ابو بکرؓ خاموش رہے پھر فرمایا:

”اے ابو محمد! جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔“  
عبدالرحمن بن عوف کے بعد ابو بکرؓ نے عثمان بن عفان کو بلایا اور فرمایا:  
”اے ابو عبداللہ! عمرؓ کے پاس سے میں تمھاری کیا رائے ہے؟“

عثمانؓ نے جواب دیا:

”ان کے متعلق آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔“

ابو بکرؓ نے کہا:

”اس کے باوجود میں تم سے ان کے متعلق رائے دریافت کرتا ہوں۔“

عثمانؓ نے جواب دیا:

”عمرؓ کے بارے میں میرا اثر یہ ہے کہ ان کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے اور وہ علم و فضل کے لحاظ سے ہم میں کیٹا ہیں۔“

ابو بکرؓ نے کہا:

”اے ابو عبداللہ! اللہ تم پر رحم فرمائے۔ واللہ! اگر میں عمرؓ کو تمھارا میر مرتد کر جاؤں تو وہ تم پر کسی قسم کی ذیادتی نہ کریں گے۔“

عبدالرحمن کی طرح ابو بکرؓ نے عثمان کو بھی یہ ہدایت کر دی کہ وہ کسی سے ان باتوں کا ذکر نہ کریں۔

ابو بکرؓ نے صرف عبدالرحمنؓ بن عوف اور عثمانؓ بن عفان سے مشورہ لینے پر اکتفا نہ کیا بلکہ سید بن ذبیہ، سید بن حضیر اور دیگر صحابہؓ میں بھی اس کے متعلق گفتگو کی بعض صحابہؓ نے جب یہ سنا کہ ابو بکرؓ آئندہ ہونے والے خلیفہ کے بارے میں لوگوں سے مشورہ لے رہے ہیں اور اپنے بعد عمرؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں تو انھیں بے حد فکر پیدا ہوا کیونکہ عمرؓ کی کئی ضرب اشعل تھی اور انھیں غلو

تھا کہ مبادا ان کے عقیدہ بن جانے سے مسلمانوں میں افتراق پیدا ہو جائے۔ ان لوگوں نے مشورہ کیا کہ ابو بکرؓ کے پاس جا کر انہیں اس امامی سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ ان لوگوں کا ایک وفد اجازت لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور وفد کے قائد طلحہ بن عبد اللہ نے عرض کیا ”ہم نے مناسبت کے لیے آپؓ کو خطاب کو اپنا جانشین مقرر کر رہے ہیں۔ اگر یہ ٹھیک ہے تو جب اللہ آپؓ سے عمر کو خلیفہ بنانے کے مسئلہ پر فیصلہ کرے گا تو آپؓ اسے کیا جواب دیں گے؟ آپؓ کی موجودگی میں قرآن و لوگوں سے جس طرح پیش آتے ہیں اس کا حال آپؓ پر عیاں ہے مگر آپؓ کے بعد تو ان کے علم پر قسم کی کوئی حد نہ ہوگی؟“

یہ سن کر ابو بکرؓ کو سنت طیش آیا اور بھاری حالت میں چلا کر بولے:

”مجھے شہادو۔“

چنانچہ آپؓ کو شہادو یا گیا۔ آپؓ نے ان لوگوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

”کیا تم مجھے اللہ کے خلیفہ سے ڈراتے ہو؟ اللہ! جب میں اللہ کے دربار میں حاضر ہوں گا تو عرض کروں گا کہ اے اللہ! میں نے تیرے بندوں پر جو سب سے بہتر بندے کو خلیفہ بنایا ہے۔“

اس کے بعد طلحہ سے مخاطب ہو کر بولے:

”جو کچھ میں نے اس وقت کہا ہے اسے دوسرے لوگوں تک بھی پہنچا دینا۔“

اس تند و تیز گفتگو کے بعد ابو بکرؓ دوبارہ بستر پر مدافعت ہو گئے اور دو گھنٹہ بعد ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اگلے روز صبح سیرے عبد الرحمن بن عوفؓ ان کے پاس پہنچے اور انہیں دیکھ کر کہنے لگے:

”اللہ کا شکر ہے آج آپؓ کی صحت بحال معلوم ہوتی ہے۔“

ابو بکرؓ نے کہا:

”کیا واقعی؟“

انہوں نے جواب دیا:

”جی ہاں۔“

ابوبکرؓ کچھ دیر خاموش رہے پھر وہ انگیز لہجے میں بولے:

”میں نے تھاں امیر اس شخص کو مقرر کیا ہے جو میرے نزدیک تم سب میں بہتر ہے لیکن یہ سنتے ہی تم میں سے ہر شخص کا منہ سوچ جاتا ہے اور وہ میرا انتخاب ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔“

عبدالرحمن بن عوف نے بجا نہ پایا کہ ابوبکرؓ کو کل کی باتوں سے سخت تکلیف پہنچی ہے افضل نے عرض کی:

”آپ لوگوں کی باتوں کی پروا نہ کریں۔ اس وقت بعض لوگ تو ایسے ہیں جو عمرؓ کی خلافت کے بارے میں آپ سے بالکل متفق ہیں ان کے بارے میں تو کسی تلک کی ضرورت ہی نہیں۔ البتہ بعض لوگ عمرؓ کی خلافت پر راضی نہیں لیکن اگر انہوں نے آپ کے سامنے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے تو صرف بطور مشورہ۔ انہیں آپ کی مخالفت مقصود نہیں۔ بہر حال جو فیصلہ آپ فرمائیں گے وہ انہیں منظور ہو گا کیونکہ انہیں یہ یقین ہے کہ آپ جو کچھ کریں گے وہ مسلمانوں کی بہتری ہی کے لیے کریں گے۔“

جب ابوبکرؓ عمرؓ کی خلافت کے بارے میں کلیتہً مطمئن ہو گئے تو انہوں نے اپنے کاتب عثمان بن عفان کو بلا دیا اور کہا:

”جو کچھ میں تمہیں بتاؤں اسے لکھ لو۔“

اس کے بعد یہ عبارت لکھوائی:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وہ وصیت ہے جو ابوبکرؓ بن ابی قحافہؓ نے اس دنیا سے رحلت اور آخرت کی زندگی میں داخل ہوتے وقت لکھوائی ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب بڑے سے بڑا کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور چھوٹے سے بھٹکا شخص بھی سچ بولنے پر مجبور ہوتا ہے۔ میں اپنے بعد عمرؓ میں خطاب کو تھاں و خلیفہ نامزد کرتا ہوں۔ تم اس کے احکام کی کامل اطاعت کرو۔ میں نے حتی الامکان تم سے عہد فی کرنے میں کوئی دقیقہ سہی نہ گناشت نہیں کیا۔ اگر عمرؓ نے عدل و انصاف سے کام لیا تو مجھے اس سے بھی بڑی امید ہے لیکن اگر خداوند خواستہ ایسا نہ ہوا تو ہر شخص قیامت کے دن

اللہ کے سامنے اپنے برے اعمال کا جواب دو ہو گا۔ بہر حال میں نے کبھی راست  
میں تھاری بھلائی ہی کی تدبیر کی ہے۔ وہ غیب کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔  
وسیع علو الذین ظلموا اے منقلب بیقلوب۔ والسلام علیکم  
ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ ابو بکرؓ نے عثمانؓ کو وصیت لکھوائی شروع کی جب ان الفاظ  
پر پہنچے کہ میں تم پر خلیفہ بناتا ہوں تو ان پر غشی طاری ہو گئی، عثمانؓ کو ابو بکرؓ کا غشا پر معلوم ہی تھا  
انہوں نے حالت غشی ہی میں یہ الفاظ کھو دیے:

”میں محمدؐ کی خطاب کو تم پر خلیفہ مقرر کرتا ہوں اور میں نے تمہاری بھلائی  
میں کرنی وہ قیضہ سی فروگزاشت نہیں کیا۔“

جب ابو بکرؓ کی غشی دور ہوئی تو انہوں نے فرمایا: ”جبر میں نے لکھوایا تھا اسے دوبارہ  
پڑھو۔“

جب عثمانؓ نے پوری عبارت پڑھی تو ابو بکرؓ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا:  
”معلوم ہوتا ہے تمہیں ڈنکا اگر غشی کی حالت میں میری جان تل گئی وہ میں  
پر ہی وصیت نہ لکھو اسکا تو لوگوں میں خلیفہ کے بارے میں اختلاف پیدا ہو جائیگا۔  
عثمانؓ نے کہا:

”آپ درست فرماتے ہیں۔ واقعی میرا بھی خیال تھا۔“

ابو بکرؓ نے عثمانؓ کی نگھی ہوئی عبارت ہتھ رکھی اور فرمایا:  
”اللہ تمہیں اس کی بہترین جہاد سے۔“

لیکن اس پر بھی ابو بکرؓ کو اطمینان نہ ہوا اور انہوں نے اس وصیت کا انکار عام لوگوں میں بھی  
کر دیا تاکہ اُسندہ کے لیے کسی اختلاف کا خدشہ باقی نہ رہے۔ انہوں نے مسجد کی حوت کاؤڈا  
کھولا اور اس میں کھڑے ہو گئے۔ اب کی بیوی اسما بنت عمیس دونوں انہوں سے انھیں تھامے  
ہوئے تھیں۔ انہوں نے لوگوں کو جو مسجد میں موجود تھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:  
”میں محمدؐ کی تم پر خلیفہ مقرر کر رہا ہوں اس پر راضی ہو کہ یہ اللہ کے سامنے

تھاری بھلائی کے لیے کوئی وثیقہ بھی فروگزاشت نہیں کیا اور نہ اپنے کسی قریبی  
دوست واری کو خلیفہ بنایا ہے میں نے اپنے بعد عمر بن خطاب کو خلیفہ نام زد کیا۔  
تم اس کے احکام کی کامل اطاعت کرو؟  
لوگوں نے یہ سن کر کہا:

”ہم آپ کے انتخاب پر راضی ہیں اور آپ سے حمد کہتے ہیں کہ ہر حال میں عمر  
کی اطاعت اور فرماں برداری کریں گے۔“

ابن سعد کی بعض روایات میں یہ ذکر بھی ہے کہ ابو بکرؓ کی وصیت تحریر کرنے اور اس پر ہر  
لکھنے کے بعد عثمانؓ باہر آئے۔ ہر شدہ وصیت ان کے ہاتھ میں تھی۔ انھوں نے لوگوں سے کہا:  
”جس شخص کی مخالفت کا اس وصیت میں ذکر ہے تم اس کی بیعت کرو گے؟“  
لوگوں نے جواب دیا:

”یقیناً۔“

چنانچہ انھوں نے عثمانؓ کے کہنے کے مطابق عمر بن خطاب کی بیعت کر لی بیعت کے بعد  
ابو بکرؓ نے عمر کو اپنے پاس بلا کر انھیں امر و مصلحت کے متعلق بعض اہم ہدایات دیں۔  
روایات میں ان ہدایات کی تفصیل اس طرح آئی ہے:

”میں اپنے ہر شخص اپنا ہاتھیں مقرر کر کے اللہ کا تعویٰ کرنے کی وصیت  
کرتا ہوں۔ اللہ نے بعض عمل رات کو کرنے کے لیے مقرر فرمائے ہیں وہ انھیں رات  
میں قبل نہیں کرتا اور بعض عمل دن کو کرنے کے لیے مقرر فرمائے ہیں انھیں رات  
کو قبل نہیں کرتا جب تک فرضی عبادات کی بجا آوری تک پہنچے یعنی عبادتیں قبول  
نہیں ہر تیس جس شخص کے پڑے قیامت کے دن بھاری ہوں گے وہ دنیا میں نیک  
اعمال بجالانے والا ہوگا کیونکہ حق کی بجا آوری کے بغیر پڑاؤں کا بھاری ہونا غیر  
ممکن ہے وہ جس شخص کے پڑے چکے ہوں گے وہ دنیا میں برے اعمال بجا دے  
والا ہوگا کیونکہ باطل کی پیروی کے بغیر پڑاؤں کا بھلا ہونا غیر ممکن ہے۔ اللہ نے  
قرآن کریم میں جہاں اہل جنت کا ذکر کیا ہے وہاں نیک اعمال بجالانے کی وجہ سے

ان کی تفریق اور ان کی برائیوں سے درگزر کی ہے۔ جب تم ان آیات کی تلاوت کرو تو کہو: اے اللہ! مجھے ڈر ہے کہ مبادا میرا شمار ان لوگوں میں کیا جائے؟ یہی طرح جہاں اہل دوزخ کا ذکر کیا ہے وہاں ان کے بے اعمال کا تذکرہ کیا ہے لیکن ان کی انہی باتوں کا ذکر نہیں کیا۔ جب تم ان آیات پر چنچر تو کہو: اے اللہ! مجھے امید ہے کہ میرا شمار ان لوگوں میں نہ ہو گا۔ اللہ نے اکثر حکم رحمت اور عذاب کی آیات یک جا کر دی ہیں تاکہ بندے کو جہاں ذوق و شوق سے شکی کی طرف توجہ دے اور اسی عذاب کی رحمت پیدا ہو۔ وہاں اسے خدائی عذاب کا ڈر بھی پیدا ہو۔ وہ رحمت حق کی پیروی کرے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالے۔ اسے غمناک اور تمسیری الی نضاح پر لگائی دھو دے اور ان پر عمل کر دے تو موت سے نجات دلاؤ گی چیزیں محبوب نہ ہو گی اور تم بڑی بے قراری سے اللہ کے دہار میں حاضر ہو کر اس کے انعامات سے بہرہ ور ہونے کی خواہش ظاہر کر دے گی لیکن اگر ایک لگان سے سن کر دوسرے لگان سے ڈراؤ گے تو موت سے زیادہ اور کوئی چیز تمہارے لیے ڈر کا باعث نہ ہو گی اور یاد رکھو کہ اس طرح تم ہرگز اللہ کو عاجز نہ کر سکو گے۔

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ جب یہ نضاح سن کر عرضہ ابوبکر کے گھر سے باہر آئے تو ابوبکرؓ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی:

”اے اللہ! میں نے عرضہ کو اپنا ماضی نہیں مانتا۔ دوست میں مسلمانوں کے لیے بھلائی کا سامان کیا ہے۔ مجھے اپنے بعد فقہ کا اثر تھا۔ میں نے یہ کام محض فتنے کی روک تھام کے لیے کیا ہے۔ میں نے خوب غور و فکر کر کے ایسے شخص کو ان کا امیر مقرر کیا ہے جو ان میں سب سے بہتر ہے۔ زیادہ استعداد مسلمانوں کی بھلائی کا سب سے زیادہ خواہش مند ہے۔ میری سرت نزدیک، اپنی ہے میرے بعد تو میری مسلمانوں کی توجہ داشت فرما کیونکہ میرے بندے ہیں اور میرے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اے اللہ! ان کے امیر کو نیک اعمال بجا لانے کی صلاحیت عطا فرما۔ اے خلفاء راشدین میں سے تمہارا اس کی دعا یا کونسی اس کا صلح و فرماں بردار بننا۔“

ذکر وہ بلاذیات اور دعا کی قرین کرنا ہمارے لیے بے مشکل ہے خصوصاً اس فقرے سے کہ ”اے اللہ اسے خلفاء راشدین میں سے بنا“ یہ شک ہوتا ہے کہ کہیں یہ عبارات فرضی طور پر ابو بکرؓ کی عروت منسوب نہیں کر دی گئیں کیونکہ جب ایک شخص نے انھیں خلیفۃ اللہ کے لقب سے پکارا تو انھوں نے فوراً کہا کہ میں خلیفۃ اللہ نہیں بلکہ خلیفۃ رسول اللہ ہوں۔ چنانچہ اپنے انکسار کا دھتکہ وہ اپنے لیے ”ماشاء اللہ“ کا لفظ شاید ہی استعمال کرتے مگر یہی جب ہم دیکھتے ہیں کہ ابو بکرؓ کے حمد کے متعلق معاصر و باغات کتب تاریخ میں درج ہیں تو ہمارے لیے ان دعاؤات کی حجازی کرنا اور انھیں قبل کرنے میں بے حد امتیاز سے کام لینا ضروری ہو جاتا ہے۔

## محاسبہ نفس

جب ابو بکرؓ عمرؓ کے فقرے سے ناسخ ہر چکے اور انھیں امینان ہر گیا کہ انھوں نے اپنے ہمہ مسلمانوں کی نگہداشت کا کامل نظام کر دیا ہے تو اپنے نفس کا محاسبہ کیا شروع کیا۔ عبد الرحمن بن عوفؓ سے روایت ہے کہ ابو بکرؓ کو مسلمانوں کے مستقبل کے متعلق جو پریشانی تھی میں اسے دہرنے کے لیے وقتاً در وقتاً ان سے تشفی آمیز گفتگو کیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے اُن سے کہا: آپ کتنے خوش قسمت ہیں کہ اللہ نے آپ کی تمام خواہشات پوری کر دیں اور آپ کے دل میں دنیا کی کسی بات کے متعلق کوئی حسرت باقی نہیں رہی۔

یہ سن کر ابو بکرؓ نے فرمایا:

”تم حیاک کتنے بڑی باتیں کہتی ہو جن کوئی حسرت بے ہوشے اس دنیا سے نہیں جا رہا۔ البتہ نہیں باتیں ایسی ہیں جن کے متعلق مجھے اندیشہ ہے کہ میں نے انھیں کیوں کیا، کاش میں انھیں نہ کرتا۔ تب کام میں نے نہیں کیے کاش میں انھیں نہ کرتا۔ تب باتیں ایسی ہیں جن میں رسول اللہؐ سے دریافت نہ کر سکا، کاش انھیں دریافت نہ کرتا۔

تین باتیں جو مجھے ذکر کرنی چاہیے تھیں وہ یہ ہیں:

۱۔ کاش میں غلطی کے گھر میں بے اجازت داخل نہ ہوتا خواہ وہ لوگوں نے

لڑائی ہی کی خاطر اسے بند کیا ہوتا۔

۲۔ ہر گز غلط بیعت نہ کرنے کا ارادہ تسلیم نہیں کرتے وہ اس کی کچھ نہیں کہتے (تقریباً صفحہ ۳۵۴)۔

۲۔ کاش میں فہرۃ اسلمی کو آگ میں دجلاؤں۔ یا تو اسے تلوار سے قتل کر دیتا، یا اس کی جان بخشی کر کے چھوڑ دیتا۔

۳۔ کاش میں سفیض بنی ساعدہ و اسے وہی خلافت کا بار عمر اور ابو عبیدہ و جس کے کسی پر ڈال دیتا۔ ان میں سے کوئی امیر مہرتا اور میں اس کا وزیر۔  
جو امور مجھے بھالانے چاہئیں تھے وہ ہیں :

۱۔ جب اشعث بن قیس حالت اسیری میں میرے پاس لایا گیا تھا تو مجھے اس کی گردن اٹھانی چاہیے تھی کیونکہ مجھے یقین ہے کہ وہ فتنہ پرداز آدمی ہے اور کوئی فتنہ پیدا ہونے پر اسے ضرور بھڑکانے میں مجتہد لگے گا۔

۲۔ اسی طرح جب میں نے خالد بن ولید کو مرتدین سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا تھا تو مجھے حیرت سے نکل کر ذوالقصر میں مقیم ہر جانا چاہیے تھا۔ اگر سلطان کامیاب ہو جاتا ہے تو ہمدان میں ذوالقصر میں پڑاؤ ڈالنے کی وجہ سے فرما ان کی مدد کے لیے پہنچ سکتا۔

۳۔ جب میں نے خالد بن ولید کو شام بھیجا تھا اس کے ساتھ ہی عمر بن خطاب کو عراق بھیج دیتا اور یوں دونوں ہاتھ خدا کی راہ میں پھیلا دیتا۔  
دو تین باتیں جن کے متعلق رسول اللہ سے دریافت کر لینا چاہیے تھا یہ ہیں :  
۱۔ خلافت کے متعلق آپ سے دریافت کر لیتا تاکہ بعد میں کسی کے لیے جھگڑا کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵۳

اسی طرح بعض لوگ یہ روایت بھی تسلیم نہیں کرتے کہ وہ کہہ چکے ہوں اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ کاش وہ انصاری کے حق خلافت کے بارے میں رسول اللہ سے دریافت کر لیتے۔

۴۔ امیر کی فراست کا کمال دیکھ کر ان کا یہ غصہ میر پر ہوا ہوا جیسا کہ صفحہ ۴۵۳ کے متن میں شامل ہونے کے بعد رواشت در پر وہ امیر معاویہ سے مل گیا اور جب حکیم کا تہہ پہنچا تو یہ اسے ہر گز اس میں جھج جھج نہ ہوا۔ (درمکرہم)

- ۲۔ آپ سے بھی دریافت کر لیتا کہ خلافت میں انصار کا بھی حصہ ہے یا نہیں۔  
 ۳۔ بھتیجی اور چچی کی میراث کے متعلق استفادہ کر لیتا کیونکہ ان دونوں شیخ و اولاد کی میراث کے متعلق میر سعدی میں تلاش باقی ہے۔

## وٹھیفے کی واپسی

ابوبکرؓ مرض الموت میں موت انھیں باقرؓ کے متعلق غور و فکر میں مشغول نہ تھے بلکہ بعض اور خیالات بھی ان کے ذہن میں گردش کر رہے تھے خلافت سے پہلے وہ تجارت کیا کرتے تھے لیکن جب امیر مملکت کا ہمارا ان کے کندھوں پر پڑا تو انھوں نے مہربانہ اس پیشے کو خیر باد کہا اور بیت المال اپنے لیے وظیفہ مقرر کر لیا اجماع کے اور ان کے اہل و عیال کے لیے کافی ہو رہا مرض الموت میں انھیں اس وظیفے کا بھی خیال آیا۔ انھوں نے اپنے رشتہ داروں کو ہمارے حایت کی کو میں نے دو اہل خلافت میں بیت المال سے جو رقم لی تھی اُسے واپس کر دیا جیسے اور اس غرض سے میری نکال زمین بچ کر اس سے حاصل شدہ رقم بیت المال میں جمع کرادی جانے چنانچہ ایسا ہی ہمارے جب عمرؓ نے ابوبکرؓ کی حایت کے مطابق وہ رقم بیت المال میں جمع کی تو فرمایا:

”اللہ ابوبکرؓ پر رحم فرمائے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کی وفات کے بعد کسی بھی شخص کو ان پر اعتراض کرنے کا کوئی موقع نہ آئے؟“

ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جب ابوبکرؓ کی وصیت کے مطابق ان کے متعلقین نے بیت المال سے لی ہوئی رقم عمرؓ کو وراثتی ترانہوں نے ابوبکرؓ کے لیے دعا کی اور فرمایا:

”ان کے بعد میں امیر مقرر ہوا ہوں اور میں یہ رقم تم ہی کو لوٹا تا ہوں۔“

اس سلسلے میں تیسری روایت یہ ہے کہ وفات کے وقت ابوبکرؓ کے پاس ایک بھی دنیا ریا درجم نہ تھا۔ انھوں نے ترکے میں ایک غلام، ایک اونٹ اور ایک غنئی چادر چھوڑ دی جس کی قیمت پانچ سو تھی۔ انھوں نے وصیت کی تھی کہ وفات کے بعد ان چیزوں کو عمرؓ کے پاس بھیج دیا جائے۔ وصیت کے مطابق جب یہ چیزیں عمرؓ کے پاس پہنچیں تو وہ روٹے اور کہا:

”ابوبکرؓ نے اپنے جانفیں پر بہت سخت برہم گردالی دیا ہے۔“

ہیں اس روایت کی صحت میں تاہی ہے کیونکہ اس کے بالمقابل اکثر روایات ایسی موجود ہیں جن سے چاہتا ہے کہ ابو بکرؓ نے کچھ نہ کچھ ترک فرما دیا تھا گو وہ بہت ہی قلیل تھا۔ چنانچہ اہل علم نے اپنے دشت وادوں کے لیے اپنے ترکے کے پانچویں حصے کی وصیت کی تھی اور کہا تھا کہ جس طرح مالی نصیبت میں سے حکومت کو پانچواں حصہ ملتا ہے اسی طرح میرے دشت وادوں کو بھی میرے مال کا پانچواں حصہ ہی ملنا چاہیے۔ جب بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ بیکے پانچویں حصے کے چرتے حصے کی وصیت کر دیں تو انھوں نے کہا کہ میں شخص نہیں چاہتا کہ اپنے متعلقین کے لیے ہر مال اسباب چھوڑ کر جائے لیکن اللہ کا حق مقدم ہوتا ہے۔ اگر میں بیکے پانچویں حصے کے چرتے حصے کی وصیت کر جاؤں تو تم کو گئے کہ میرے حصے کی وصیت کر دو اور شخص اپنے دشت وادوں کے لیے میرے حصے کی وصیت کرنا ہے وہ اللہ کے لیے کچھ باقی نہیں چھوڑتا۔

اگر ابو بکرؓ نے کچھ ترک فرما دیا تھا اور عائشہؓ کی طرف منسوب کی ہوئی یہ روایت صحیح مان لی جائے کہ ابو بکرؓ نے ایک ہی دنیا راورد ہم باقی نہیں چھوڑا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ابو بکرؓ نے پانچویں حصے کی وصیت کیہ کر کر دی؟ وصیت تو وہی شخص کر سکتا ہے جس کے پاس مال ہو خواہ فقور یا ہر خواہ مسیت۔

روایات اللہ نے وفات سے قبل ابو بکرؓ کو ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا تھا جسے انھوں نے دوست کر کے اس میں دھن و غیرہ لگوائے تھے۔ بعد میں انھوں نے یہ قطعہ اپنی بیٹی عائشہؓ کو دے دیا۔ جب وفات کا وقت قریب آیا تو آپؓ نے عائشہؓ سے کہا،

”اے میری بیٹی! میں یہ بالکل نہیں چاہتا کہ میرے بعد تھیں مالی اعتبار سے کسی قسم کی ٹنگی ہو وراثت کرنی پڑے۔ میری دلی خواہش ہے کہ تم باوجود غنت زندگی بسر کرو پھر کبھی میں چاہتا ہوں کہ جو قطعہ زمین میں نے تمھیں دیا تھا وہ تم مجھے واپس کر دو تاکہ میں احکام وراثت کے مطابق اسے تمھارے بھائیوں اور بیٹوں میں تقسیم کر دوں۔ عائشہؓ کی طرف ایک ہنسنی تھی۔ وہ بہت جیوان پرہیزگار بنوں کا کیا مطلب۔ انھوں نے والد کے اس کی وضاحت چاہی۔ ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ تمھاری سوتیلی والدہ جیسے بہت خادہ کر اصل ہے اور بیڑ خیال ہے کہ ان کے لڑکی پیدا ہوگی۔

اس روایت سے بھی ابو بکرؓ کے ترکے کی موجودگی کا پتا چلتا ہے۔

## تجزیر و تکفین کے متعلق وصیت

ابو بکرؓ نے اپنی تجزیہ و تکفین کے متعلق بھی ارشاد کر دہ وصیت کر دی تھی۔ ان کی ہدایت تھی کہ انھیں دو کپڑوں میں لپیٹ دیا جائے جو وہ بالعموم پہنا کرتے تھے کیونکہ نئے کپڑے پہننے کا زیادہ حق دار زندقہ شخص ہے۔ غسل اسلامیت عیس دیں اور اگر وہ اکیلے یہ کام نہ کر سکیں تو اپنے بیٹے عبدالرحمنؓ کو بھی ساتھ ملا لیں۔

ابو بکرؓ اپنی تجزیہ و تکفین کے متعلق ہدایات دینے میں مشغول تھے کہ مشنی عراق سے مدینہ پہنچے اور باریابی کی امانت چاہی۔ انھوں نے باوجود محدود رہنمائی کے انھیں اپنے پاس بلا لیا۔ مشنی نے درخواست کی کہ عراق کی صورت حال کے پیش نظر ان لوگوں کو اسلامی فوج میں داخل ہونے کی اجازت دے دیجیے جو مدت ہو گئے تھے اور اب اپنے کیے پر پشیمان ہیں۔ انھوں نے عرض کر دیا کہ لڑکا کشتام ہونے سے پہلے پہلے مشنی کی مدد کے لیے فوج روانہ کر دو اسیری و قاتات انھیں ایسا نہ تجزیہ و تکفین کے متعلق متعدد روایات مروی ہیں اور وہ تمام حاشیہ سے منسوب ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ ایک کپڑا پہنے رہا کرتے تھے۔ وفات کے وقت انھوں نے کہا کہ صبح میں وفات پا جاؤں تو میرا یہ کپڑا دھو کر اور دو نئے کپڑے اس سے مل کر مجھے لپیٹ دیا جائے۔ حاشیہ لکھتی ہیں "میں نے کہا ہم جن کپڑوں سے لپیٹیں گے اس سے اس کے لیے فرمایا۔"

"جس میں بیٹی لکھن تھیں اس لیے ہوتا جسکے خزانہ پر پڑیو حجم سے بھلے فراموش میں مذہب نہ مانتے تھے کپڑے پہننے کا زیادہ حق دار زندقہ شخص ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابو بکرؓ نے حاشیہ سے پرچا کر کرکے لکھ کر کہنے کپڑوں میں لپیٹ دیا گیا تھا۔ انھوں نے جواب دیا "میں میں" آپ نے فرمایا "میرے یہ دونوں کپڑے دھو لیں اور ایک کپڑا ساتھ ملا کر ان میں لپیٹ لکھن دے دینا۔" حاشیہ لکھتے ہیں "آج اس میں اتنی سختی ہے کہ ہم نے کپڑوں میں آپ کو لکھن دے لکھیں۔" انھوں نے فرمایا "سے میری بیٹی: زندقہ شخص نے کپڑا کا زیادہ حق دار ہے لکھن تو اس کے لیے ہوتا ہے کہ یہ وہی وہی اس میں جذب ہو جائے۔" ان کے علاوہ اور بھی روایات میں جو طبقات امین مسند میں درج ہیں۔

کرنے سے مطلق درو کے۔

## وفات

نزع کے وقت ان کی بیٹی عائشہ ان کے پہلو میں بھی تھیں۔ انہوں نے باپ کی یہ حالت دیکھ کر حاکم کا یہ شعر پڑھا:

لہرک ما یغنی الذراء عن العقیق اذا حشر جبت جوہا وعضاق بها احد  
(جب نزع کی حالت طاری ہوتی ہے اور سبز سانس ڈالنے کی وجہ سے گھٹنے  
گھٹا ہے تو دولت انسان کے کام نہیں آتی۔)  
یہ شعر سن کر ابو بکرؓ نے غصے سے عائشہ کی طرف دیکھا اور کہا،  
”بھئی اس کے بھائی پر ایت پڑا:

وحدات سکرة الموت بالحق ذالک ما کنت حسنه عقید  
(نزع کی حالت طاری ہو گئی ہے یہ وہ وقت ہے جس سے توڑن کا یا کرنا تھا)  
ان کی مرض قبض منصری سے پرہیز گئی تو عائشہؓ نے ان کے سرانے جھڑ کر شیر پڑھا،  
وکل ذی غیبة یؤوب وغائب الموت لا یؤوب  
(ہر مہلے والے کی واپسی کے لیے امید کی جاسکتی ہے مگر اس شخص کی واپسی ناممکن  
ہے جسے موت ساتھ لے جائے۔)

ایک روایت میں مذکور ہے کہ یہ شعر ابو بکرؓ نے پڑھا تھا، خزی بات حوران کے منہ سے نکلی ہو

یہ واقعہ تھی۔

رب توفی مسلماً والحقی بالصالحین واسے میرے پروردگار! مجھے مسلمان  
ہونے کی حالت میں وفات دینا اور مرنے کے بعد مجھے صالحین کے پاس جگہ دینا  
اللہ کو! وفات اور بیماری الاخریٰ ۱۳۷۰ھ (مطابق ۲۲ اگست ۱۹۵۲ء) کو سورج غروب  
ہونے کے بعد سہوئی اور اسی رات انہیں دفن کر دیا گیا۔ وفات کے وقت ان کی  
عمر پچیس ہی کی تھی۔ وصیت کے مطابق ان کی بیوی اسماء بنت عیس نے انہیں غسل دیا اور ان

کے بیٹے عبدالرحمن نے حسم پر پانی ڈالا۔ اس کے بعد ان کی نصیحت اس چار پائی پر رکھ کر مسجد میں  
 ہیں سے گئے جس پر رسول اللہ کا جسد اطہر اٹھا کر قبر میں اتارا گیا تھا۔

مسجد نبوی میں ان کا جنازہ رسول اللہ کے فرزند زبیر کے درمیان رکھا گیا۔ جنازہ عمرؓ نے  
 پٹھائی۔ اس کے بعد جنازہ عائشہؓ کے حجرے میں سے گئے جہاں رسول اللہ کے پہلو میں ان کے  
 لیے قبر تیار کی گئی تھی۔ عمرؓ، عثمانؓ، طلحہؓ اور عبدالرحمن بن ابی بکرؓ ساتھ گئے۔ عبداللہ بن ابی بکرؓ نے حجرے  
 میں داخل ہوتا چاہا مگر عمرؓ نے کہا ”مگر نہیں“۔

ابو بکرؓ کو رسول اللہ کے پہلو میں اس طرح دفن کیا گیا کہ ان کا سر رسول اللہ کے کندھوں کے  
 متوازی تھا۔ قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد سب لوگ باجماع گریاں جگرے سے باہر نکل آئے اور حضرت رسول اللہ  
 کو رسول اللہ کے پہلو میں چھوڑ آئے۔ زندگانی بخیر و نوال منظر ہے۔ یہ وفات محمدؐ کے بعد بھی ختم نہ ہوئی اللہ  
 رسول اللہ کا سب سے محبوب خادم اپنے آقا کے برابر ہی آرام کرتا ہے۔

ابو بکرؓ کی وفات سے چند روز بعد اٹھا اور لوگوں پر کرب و حنظل اب کی وہی کیفیت طاری ہو گئی  
 جس کا انکار رسول اللہ کی وفات کے وقت دیکھنے میں آیا تھا۔ مٹی کی الجھاب دوتے ہوئے  
 آئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر کہنے لگے:

”اے ابو بکرؓ! اللہ تم پر رحم کرے۔ واللہ! تم پہلے آدمی تھے جس نے  
 رسول اللہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اسلام قبول کیا تھا۔ ایمان و اخلاص میں تمھارا  
 ہم ہمہ کن تھا۔ خلوص و محبت میں تم سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ اہلاق و قربانی  
 ایسا راہزنہ گی جس میں تمھارا ثانی کوئی نہ تھا۔ اسلام اور مسلمانوں کی جو عزت تم نے  
 کی اور رسول اللہ کی رفاقت میں جس طرح ثابت قدم رہے اس کا بدلہ اللہ ہی  
 دے گا۔ جب ساری قوم رسول اللہ کی تکذیب میں مشغول تھی تو تم نے آپ کی  
 آواز پر لبیک کہا۔ جب ساری قوم آپ کو کاذبیتیں پہنچانے کے ورچے تھی تو تم نے  
 آپ کی حفاظت کی۔ جب رسول اللہ کی باقری پر لڑکھنوں کا ہنر نہ دھرتے تھے۔  
 تو تم نے آپ سے مل کر اسلام کی تبلیغ کا زنجیر انجام دیا۔ تمہیں اللہ نے اپنی کتاب  
 میں صدیق کے لقب سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ فرمایا کہ ”وللذی جاء بالصدق“

و صدق یہ ” (اے کافرو! اس شخص کے حالات پر غور کرو جو تمہارے پاس  
 صدق و یقین سے بھرپور باتیں کرنے آیا ہے (برسوا اللہ) اور اسے بھی دیکھو  
 جو ان باتوں کی تصدیق کرتا ہے (ابوبکرؓ)۔) واللہ! تم اسلام کے حصن حصین  
 تھے۔ کافروں کے لیے تمہارا وجود انتہائی اذیت بخش تھا۔ تمہاری کوئی دلیل و زبان  
 سے خالی نہ ہوتی تھی اور تمہاری بصیرت اور فہم و فراست کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔  
 تمہاری سرشت میں کم زوری کا خدا سا بھی دخل نہ تھا۔ تم ایک پہاڑ کی مانند تھے  
 جسے تند و تیز آغواں بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹا سکتیں۔ اگرچہ تم جہانی لحاظ سے  
 کم دور تھے لیکن دینی لحاظ سے جرات تمہیں حاصل تھی اس کا کوئی مقابلہ ہی نہیں  
 ہو سکتا۔ تم اپنے آپ کو بندہ پرقتیر سمجھتے تھے لیکن اللہ کے نزدیک تمہارا مرتبہ جیسے حد  
 بلند تھا تم دنیا والوں کی نظروں میں واقعی ایک دلیل القدر و افسانہ تھے اور مومنوں  
 کی نگاہوں میں انتہائی رفیع الشان شخصیت کے مالک۔ لاپرواہی اور انسانی خرافات  
 تمہارے پاس بھی نہ چٹکتی تھیں۔ ہر کم زور صفت تمہارے نزدیک ہر وقت تک تھی تمہارے  
 ہر قوی انسان میں نہ تھا۔ جب تک تم قوی سے کمزور کا حق نہ کر لے دو لایتے تھے اللہ سے دعا  
 ہے کہ یہ چیز تمہارے جسم سے محروم نہ کیے اور ان تمہارے بعد نہ دیکھنا چھوڑے۔ مگر تمہارے  
 مدد کے لیے کوئی دگرگئی ملاں پیدا کرے۔ و اہم الخیرین ما کثر بنے کما۔

”اے ابا جان! اللہ آپ کے چہرے کو تر و تازہ رکھے اور دین اسلام کو  
 انعامات و احسان سے بھالے کے لیے جو سماجی آپ نے کی ہیں ان کا اجر و بدلہ  
 آپ کو دے۔ آپ نے اس مافی دنیا کو چھوڑ کر اسے ذلیل کر دیا ہے اور آخرت کو  
 اپنے دم سے عزت بخشی ہے۔ آپ کی وفات برسوا اللہ کے بعد ہمارے لیے  
 سب سے زیادہ دردناک حادثہ ہے۔ اللہ نے اپنے کلام میں بندوں کو صبر کرنے  
 کا حکم دیا ہے اور اس کے بدلے بہترین انعامات کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس لیے ہم  
 بھی آپ کی وفات پر صبر و استقامت کا اظہار کرتے ہیں اور اللہ سے ان انعامات  
 کے غالب ہیں جو اس نے ہمارے بدلے میں ہم سے کر رکھے ہیں۔ اللہ آپ پر

اپنی رحمت اور سلامتی نازل فرمائے؟

عمرہ کو قرآن مجید کے باعث گھنگھوکا یا رابہی نہ رہا تھا۔ وفات کے بعد جب وہ قبر سے داخل ہوئے تو صرف یہ الفاظ ان کے منہ سے نکل سکے :

”اے خلیفہ رسول اللہ! تھناری وفات نے قوم کو سخت مصیبت اور مشکلات

میں مبتلا کر دیا ہے۔ ہم تو تھاری گرو کو بھی نہیں پہنچ سکے، تھارے مرتے کو کس طرح پانتے ہیں؟“

جب ابو بکرؓ کی وفات کی خبر مدینہ سے باہر قبائل عرب میں پھیلی تو کوئی درد مند آنکھ ایسی نہ تھی جو اس سانحہ عظیم کے باعث پر غم نہ ہوئی ہو۔ جب مکہ میں یہ خبر پہنچی تو وہاں بھی بڑے سے آہ و شہین کی آوازیں آنے لگیں۔ ابو بکرؓ کے والد ابو قحافہ اس وقت تک زندہ تھے جب انھوں نے گریہ و ناری کی آوازیں سنیں تو لوگوں سے واقف ہو چھا۔ انھوں نے بایا کہ آپ کا لڑکا فوت ہو گیا۔ یہ سن کر ان کے دل پر اس قدر سخت صدمہ ہوا کہ وہ ان اللہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر خاموش ہو گئے اور اس کے بعد اور کوئی بات نہ کی۔ جب لوگوں نے ابو بکرؓ کے ترکے میں سے ان کا حصہ ان کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے انکار کر دیا اور کہا :

”ابو بکرؓ کے ترکے اس کے زیادہ حق دار ہیں۔“

ابو بکرؓ کی وفات کے بعد ان کے والد کو بھی زیادہ عرصہ زندہ رہنا نصیب نہ ہوا اور وہ اس عظیم حادثے کی تاب نہ لاتے ہوئے چھ مہینے بعد وفات پا گئے۔

صحابہ کی بے چینی اور بے قراری یقیناً حق بجانب تھی۔ ابو بکرؓ نے اسلام کی سر زمین کی خاطر جو مشکلات اور تکالیف برداشت کیں اور جس طرح اپنے آپ کو اس کی خدمت کیلئے وقف کیا اس کی نظیر اور کوئی نہیں ملتی۔ انھوں نے اپنے پاک نرے سے دوسرے مسلمانوں کے دلوں میں بھی دین کی تڑپ پیدا کر دی تھی۔ انھوں نے ہر قسم کی مستحیال جھیل کر اور ایامِ استقامت اور عزم و استقلال سے کام لے کر اسلام کو ہر امکانی خطرے سے بچا یا اور اس باد میں اپنی جانوں کی بھی پروا نہ کی۔ اللہ نے خلیفہ اول کے عہد میں مسلمانوں کا امتحان لیا تھا۔ وہ اس امتحان میں ہرے نرے اور خلیفہ کے ایمان و ایمان اور مسلمانوں کی جرات و بہمت کی بدولت اسلام عرب کی حدود سے نکل کر

دعویٰ اور ایرانی مقبرہ نما میں وہ درتک پہل گیا۔ ابو بکرؓ کے ذریعے سے اللہ جو کام کرنا چاہتا تھا جب وہ پورا ہو چکا تو اس نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔

اگر ابو بکرؓ ائمہ کو جاننا مقدر ذکر کرتے تو یہ معلوم اس کا کیا نتیجہ نکلتا۔ یہ آخری کارنامہ جو ابو بکرؓ نے انجام دیا اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کی بدولت اسلام عروج کی آخری منزل تک پہنچ گیا۔ عمرؓ کے عہد میں اسلام کو جو ترقی نصیب ہوئی اسے دیکھ کر یقین کرنا پڑتا ہے کہ عمرؓ کا انتخاب خدائی انتخاب تھا جو اسی کی دہی ہوئی ترقی سے ابو بکرؓ نے کیا۔ اس انتخاب میں زبان ابو بکرؓ کی لیکن مشیت خدا کی کام کر رہی تھی۔

لاریب ابو بکرؓ اور عمرؓ دو مقدس وجود تھے جنہوں نے اپنے آپ کو دنیوی آلائشوں سے لکڑی پاک کر کے خالص اللہ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ دونوں کی طبیعتیں مختلف تھیں لیکن مقاصد ایک ہی تھے — یعنی عدل و انصاف کا قیام اور اعلیٰ نگرانی الحق — دونوں بزرگوں نے ان مقاصد کے حصول کے لیے اپنی زندگیوں کی سب سے قیمتی قربانیاں دیں اور دونوں نہایت درجہ کامیاب و کامیابان ہر کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوئے۔

اللہ ابو بکرؓ کی فضیلت فرماتے اور انہیں اس دنیا کی طرح بہشت میں بھی اپنی فائز شہادت سے بے پایاں سے فائدہ پہنچے محبوب محمد مصطفیٰ کے قرب میں مگر دوسے آمین!

## حرف آخر

میں نے کتاب کے آغاز ہی میں بیان کیا تھا کہ ابو بکرؓ کا حمد اسلامی تاریخ کا ایک اہم باب ہے اور ان کے کارنامے ذہن و انسانی پرکھ و سمیت طاری کر دیتے ہیں۔ میری اس رائے کی تائید وہ اصحاب بھی کریں گے جنہوں نے اس کتاب کو قتل سے آخر تک پڑھا ہے اور ان عظیم الشان کارناموں کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے جو ابو بکرؓ نے اپنے انتہائی مختصر عہد خلافت میں انجام دیے۔ ابو بکرؓ کے عہد کی یہ تاریخ دس دہرے کا ہے پایاں و جز بھی اپنے اندر لگتی ہے اور اسے پڑھنے سے قوموں کے عروج و زوال کا واضح نقشہ بھی ہمارے سامنے آتا ہے۔

اس وقت دنیا کے پورے پر وہی عظیم الشان سلطنتیں تھیں جن میں سے ایک مغربی تہذیبی تمدن، عقاید اور علوم و فنون کی علم بردار تھی اور دوسری مشرقی تہذیب و تمدن، عقاید اور علوم و فنون کا مظہر سلطنت روم و لاطینی یونانی، کینیسی اور فرعونی تہذیب و آثار کا مجموعہ تھی اور سلطنت ایران ایرانی اور ہندوستانی تمدن اور مشرق بعید کے غائب کا نقشہ پیش کرتی تھی۔ مقدمہ اللہ سلطنت و سلی یورپ بلکہ اس سے بھی پہلے بحیرہ روم کے مشرق تک پھیلی ہوئی تھی اور مغرب اللہ سلطنت و سلی ایشیا سے لے کر عرب اور فزات کے طویل و عریض میدانوں پر محیط تھی۔ ان دو عظیم الشان سلطنتوں کے درمیان ایک ہولناک اور لٹ و لٹ و قتل و قتل تھا جہاں دور دور تک رد و تجدید کا نام و نشان نہ تھا۔ یہ ریگستان جسے صحرائے شام کہا جاتا تھا ان خانہ بدوش قبائل کا سکھ تھا جو جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر رومی اور ایرانی سرحدوں پر آباد ہو گئے تھے۔ یہ دونوں عظیم قوتیں کبھی چین سے نہ بیٹھتی تھیں بلکہ ہمیشہ جنگ و جدل میں مصروف اور آئے دن ایک دوسری کے خلاف طائف و قزاق کے مظاہرے کرتی رہتی تھیں۔ صدیوں سے ان کا بھی شعلہ چلا آ رہا تھا اور دنیا پر انہی عظمت و سمیت کا سکہ چھانے کے لیے حرب و چکار کے سوا اور کوئی وسیلہ پاس نہ تھا۔

بہم جنگ و جدل کا سبب یہ تھا کہ ان سلطنتوں میں افلاس و ناداری نے ٹوہرے ڈال رکھے تھے اور تنگ دستی و درکار کے لیے غرض سے انھوں نے ایک دوسرے کے علاقے پر دست درازی و غارت گری کو تیرہ و تار کا تھا بلکہ اس کے برعکس سلطنتیں بے مدغرض حال تھیں۔ ان کے پاس مال و دولت کی کمی نہ تھی بھرپور شاداب ملا تھے اور سونا لٹنے والی زمینیں ان کے قبضے میں تھیں۔ ہر قسم کی صنعتیں ان نکلوں میں فروغ پا رہی تھیں بلکہ مادہ کے چٹے ہر طرح ہماری تھے غرض روزی سلطنتوں کو کسی چیز کی قلت نہ تھی۔ وہاں کے باشندے ہر قسم کی نعمتوں سے مالا مال تھے اور باہر آئی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن چستی سے ہر سلطنت یہ خیال کرتی تھی کہ ان نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کا حق صرف اسی کو حاصل ہے۔ اسی ذہنیت کے زیراثر وہ دوسروں کا مال غصب اور لوٹ مار کا ہانا گرم کرنے میں نہ صرف یہ کہ کوئی حرج نہ سمجھتی تھیں بلکہ اسے غرض اور پس خیال کرتی تھیں۔

یہی وجہ تھی کہ دونوں سلطنتیں متواتر سات سو سال تک ایک دوسرے سے ہر پرہیزگار و چپکلی ایک سلطنت کو فتح حاصل نہ جاتی تھی اور کبھی دوسری حکومت غرضی کے شاد و بالے بھاتی دوسرے کے علاقے پر قابض نہ جاتی تھی۔ لیکن فتح و شکست کے اس سہم سلسلے کے باوجود دوسری اقوام کے دلوں سے ان کی حسرت کم نہ ہوتی تھی کیونکہ وہ سمجھتی تھیں کہ جو فرین آج کسی قوم دوری کی وجہ سے شکست کھا گیا ہے وہ اس وقت تک جی سے نہ بیٹھے گا جب تک اس شکست کا انتقام لے کر فاتح قوم پر اپنی برتری ثابت نہ کرے گا۔ چنانچہ غالب ہے وہ اعلیٰ مغلوب ہو گا اور جو آج مغلوب ہے وہ اعلیٰ غالب آجائے گا اور فتح و شکست کا یہ سلسلہ باری باری چلتا رہے گا۔

اس ذیل سے میں حسب ہر جگہ ان دونوں سلطنتوں کا فلسفہ بلند تھا ہر طرف انھیں کی تختہ تخت کا ٹونکا جاتا تھا۔ عرب کی سرزمین سے ایک بہ نادر غیر مذہب قوم انھیں آسمان کی آں میں ولیح مسکون چھا گئی۔ یہ ایسا حیرت آفرین واقعہ تھا جس کی تذکرہ کوئی بھی نہ پہنچ سکا کسی کے سامان گمان میں یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ عرب کی سنگلاخ سرزمین سے ایک ایسی امت و ملت جنم لے سکتی ہے جو ایران اور روم کے اقتدار و دین کی صدیوں پرانی تہذیب کو ان کی آں میں پیوند خاک کر دے۔ لیکن خیال کر سکتا تھا کہ اس سرزمین سے تہذیب و تمدن کے سوتے پھوٹ سکتے ہیں۔ — سوتے پھوٹنا تو بڑی بات ہے وہاں سے علم و عمل کی کوئی جلی سی کوئی بھی غرقشاں ہو سکتی ہے۔ — جس کے باشندوں کی حیثیت

کسریٰ شاہ فارس کے نزدیک، موغلوں اور کبریوں کے چرماءوں سے زیادہ نہ تھی اور قیصر روم بھروسے کے اور نہ تھے  
کالقب و س کے کہ جن کی تبدیل کرتا تھا کیا یہ بھی تھی، ملکی سریشی چونسے مالی قوم جس کی طرقت اہل ایران اور  
اہل روم عقائد کی وجہ سے اکٹھا ٹھکرو کھینا بھی گوارہ کرتے تھے، ایسے فرزند پیدا کر سکتی تھی جو کسریٰ  
اور قیصر کی سلطنتوں کو رنج وین سے اکٹھا کر بیچیک دیتے؟

لیکن یہ سب سنہرے شہور پر آیا۔ اس قوم نے انتہائی کس پرہی کی حالت سے ترقی کی بہت ہی  
تخیل عرصے میں عرب کی سرزمین سے نکل کر قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کے مقابل صفت آرا ہو گئی اور  
اس وقت تک روم دنیا جب تک وہ قتل سلطنتوں کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل زد کر دیا۔ آپ نے اس  
کتاب میں ملاحظہ فرمایا ہو گا کہ عرب ان سلطنتوں پر جنگی ساز و سامان کی برتری یا تعداد کی دیاوتی کے  
باعث غالب دئے بلکہ یقین حکم اور عزم راسخ کی بدولت کامیاب و کامران ہوئے اور اسی ایان پر  
یقین نے اس اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی جس نے سترہ صدیوں تک اقتصادے عالم میں  
علم و عرفان کا چراغ روشن کیے رکھا۔ یہی چراغ تھا جس نے اہل یورپ کو روشنی بخشی اور انھیں  
جہالت کے اٹھانڈھیریوں سے نجات دلا کر علم و عمل کی وہ راہ دکھائی جس پر آج وہ کامران ہیں اسلام  
نے اپنا دائرہ عربستان، ایران اور شام ہی تک محدود نہ رکھا بلکہ اس نے ایشیا میں ہندو چین اور ترکستان،  
افریقہ میں مصر تونس، الجزائر اور مراکش اور یورپ میں روس، اطالیہ اور ہسپانیہ تک خرقہ نشانی کی اور  
ان علاقوں کی پیا سی سرزمین کو باران رحمت سے سیلاب کیا۔

اس بھڑے کا ظہور کس طرح ہوا اور تہذیب و تمدن سے کونسے علوم و فنون سے ناکشاہ  
خبر و دلیل عرب تکم مانگی اور ملت قنود کے ہا رجود ایران اور روم کی مذہب و شافستہ اوقیم پر کس طرح  
غالب آگئے؟ کیا یہ سب کچھ اتفاقاً واقع ہو گیا؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ اسلام کا یہ غلبہ کوئی اتفاقی  
امر تھا جس کی تقلید اقوام عالم کی تاریخ میں ملنا غیر ممکن ہو۔ اگر فرض محال اور بوجہ کے حدود میں  
بعض اتفاقی حوادث کی وجہ سے مسلمانوں کو عدم اختیار کو یہیانی نصیب ہو بھی گئی تھی تو لازماً اس کا اثر  
صوت اور بوجہ کے حد تک محدود رہنا چاہیے تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عمرؓ اور عثمانؓ کے زمانہ خلافت  
میں بھی فتوحات کا یہ سلسلہ باہر جاری رہا، مسلمانوں کی سلطنت ایران اور سلطنت روم کے مقابلے  
میں روز افزوں کامیابیوں نصیب ہوتی چلی گئیں اور کوئی طاقت انھیں آگے بڑھنے سے روک نہ

سکی۔ اس لیے ان کامیابوں کو اتفاقی حوادث کا نام دے کر ان کے اصل اسباب نظر انداز نہیں کیے جاسکتے۔

واقعات کا بغیر غائر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جو کچھ پیش آیا وہ طبع و دماغ کے اقتضائے کے عین مطابق تھا۔ زمانے کا اقتضا ہیشہ یہی رہا ہے کہ افراد کی طرح قوموں پر بھی لازماً ان خطاؤ کا زمانہ آتا ہے اور جس قوم پر ان خطاؤ کا دور آ جاتے فتنہ و فساد اور شورش و اضطراب اس میں بچا کر اس کی زندگی کا خطرہ نزدیک لے آتے ہیں۔ اس وقت اس دورانِ پادشاہت کی جگہ لینے کے لیے ایک اور قوم کھڑی ہو جاتی ہے جو پرانی ثقافت کے آثار کو مشکل ایک نئی ثقافت کی بنیاد رکھ دیتی ہے۔

اس کتاب میں پہلے بھی کئی بار شورش و اضطراب کے ان مراحل کا تفصیلی ذکر کیا جا چکا ہے جو بار بار فارس اور روم میں برپا ہوتے رہتے تھے چھٹی صدی مسیحی میں ان مراحل نے اثر دکھانا شروع کیا اور فارس میں فتنہ و فساد لفظ عروج تک پہنچ گیا۔ اس زمانے میں وہاں ہر جانب ہنگامی اور بترسی کا دور دورہ تھا۔ تخت شاہی کے متعدد دعوے دار پیدا ہو گئے تھے۔ اقتدار حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کے جھگڑات اختیار کیے جا رہے تھے اور غرضی لوگوں کے دلوں میں ساریت کچلی تھی۔ اس فساد کا اثر دوسرے شعبہ ہائے حیات پر بھی پڑا۔ ملک کے باشندے اتحاد و اتفاق کی جستجو کھو بیٹھے۔ گروہ بندیوں کا فم ہر گز نہیں مختلف جگہ جنم لینے لگے اور لوگوں کے عقاید میں انتشار پیدا ہو گیا۔ کچھ کی اور آخرت کی جگہ مصیبت اور مذہبی و سیاسی گروہ بندیوں نے لے لی۔ اس لیے چھٹی گروہ برسرِ اقتدار آجاتا وہ مخالفین کو ظلم و تشدد کا نشانہ بناتے ہوئے چمکا اور دوسروں کو مال و دولت اور جہاد و جلال سے محروم کر کے ہر قسم کا آسائش و آرام اپنے لیے مخصوص کرنا چاہتا۔ یہ انتشار اس امر کا متقاضی تھا کہ سلطنت ایران کی صفت لپیٹ دی جائے خدا کی نعمت اس سے بھین لی جائے اور اس قوم کے حوالے کر دی جائے جو خدا کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر کرنا جانتی ہو۔

سلطنت روم کا حال بھی ایرانی سلطنت سے کسی طرح کم نہ تھا۔ مذہبی مناقشات اور حصولِ اقتدار کا سلسلہ وہاں بھی جاری تھا۔ مختلف عیسائی فرقوں کے درمیان کتنا ہی اختلافات پیدا ہو گئے تھے اور ہر فرقہ اپنے عقاید و دوسرے فرقے کے لوگوں پر مذہبی طور سے چڑھا چکا تھا۔ حصولِ اقتدار



زرقے اور نہ سب کی بیخ کنی پر تکیہ ہوا ہے اور تمام لوگوں کو ہر اپنے فرقے میں داخل کرنے کا خواہش ہے تو وہ اس کے مقابلے پر ناظر کھڑے ہوئے اور سارا ملک مسبب فساد جنگی میں مبتلا ہو گیا۔ اس طرح ہر قتل نے جس طریق کار کو اپنی سلطنت کے استحکام کے لیے مفید خیال کیا تھا وہی اس کی سلطنت کے ضعف کا باعث بن گیا۔

یہ تھے وہ مراحل جن کی بنا پر دنیا کی عظیم الشان سلطنتوں کو عروج کی آخری منزل تک پہنچنے کے بعد آخر ضعف و انحطاط سے ہم کنار ہو کر دوش اڑا کر دوش ایام کا آقا ضایہ تھا کہ ان بخت بدوار اقوام کی جگہ نئی انگلوں سے بھر پور ایک اور قوم کھڑی ہوئی جو حیرت انگیز کارناموں کی بدولت دنیا کی نظروں کو اپنی طرف کھینچ لیتی۔ عروج و زوال کے یہی قوانین کے ماتحت اس نئی قوم کے مقدور میں اس وقت تک کا سامانی کے مراحل طے کرنے لگے تھے جب تک وہ تحقیقاً پیغام الہی کی حامل رہتی اور دنیا کو اسی کی پیروی میں اپنی نجات کے سامان نظر آتے۔

انسان کی آزادی اور خود مختاری کا جھنڈا اس کے لیے مادی تکالیف سے بڑھانا یا آزیت بخش ہوتا ہے۔ آزادی پر تہ ذن عائد ہونے اور ضمیر کی حریت کا گھلا گھونٹ دینے والے قوانین و عقائد سے طمانی ذہن پر جو کوئی حالت طاری ہو جاتی ہے اور انسان خود و فکر کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ طبیعت میں کفعلی مطلق باقی نہیں رہتی۔ انسان اور سکون کی کیفیت بالکل مستفرد ہو جاتی ہے جب قوم کے افراد کیجئے ہیں کہ ان کی آزادی بھیجی جا رہی ہے، ان کے اندکا و خیالات اور عقائد کا اعمال پر عبور و عائد کی جا رہی ہیں تو ان کے دل و دماغ میں باطنی خیالات بہیم گردش کرنے لگتے ہیں باطنی اندوہ ان میں پیدا ہو جاتی ہے اور وہ مقصد باری کے لیے ہر قسم کے جائز و ناجائز وسائل اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ لاریب جب کسی قوم کے فکر و نظر پر پابندیاں عائد کر دی جائیں اور انسانی ذہن کو مضہ کر کے اسے اپنے کمالات ظاہر کرنے کا موقع نہ دیا جائے تو اسی وقت سے اس کا دواں شروع ہو جاتا ہے اور ترقی کی رفتار آہستہ آہستہ باطل کوک جاتی ہے۔

ترقی صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ فکر و نظر کے دروازے کھلے ہوں اور شخص کو اندازہ اس کی آزادی حاصل ہو۔ تاریخ و ثقافت عالم کا مطالعہ کر کے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء سے آفرینش

سے بنی ذریعہ انسان کی ترقی کا راز آلودہی، نگر و عمل میں مسخر رہا ہے۔ ہمارے تو زمین اسلام کا جرجنگلوں اور پہاڑوں کی کھدہروں میں زندگی بسر کرتے تھے، خشب و روہر جنگلی جانوروں سے واسطہ پڑتا رہتا تھا۔ ان خزانہ غاروں و دندلوں کے مقابلے میں وہ ویسی لیے کام یا بچہ مہانتے تھے کہ وہ ذہنی آلودہی کے سبب ایسے تنہا رہا کرتے ہیں کہ کیا یہ گئے تھے جو ان جانور کا مقابلہ نہیں کیا کرتا ثابت ہو سکتا ہے کہ کبیر بنی ذریعہ انسان کی پہلی جماعت جنگلوں اور پہاڑوں کی کھدہروں سے نکل کر دریائے نیل کے کنارے آباد ہوئی اور پہلی بار دنیا میں تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھی گئی۔ ترقی و ترقی انسان نے لوگوں کو ایسے نظام کی ضرورت کا احساس دلایا جس کے ذریعے سے امن و امان اور حریت عمل کی بنیاد رکھی جاسکے۔ اس غرض کو پورا کرنے کے لیے انھوں نے بعض اصول و ضوابط مرتب کیے اور ہر شخص کے لیے ان پر عمل پیرا ہونا اور ان کا احترام کرنا لازم قرار دیا۔ جب زمین انسانی نے ترقی کی مزید راہیں طے کیں اور قدرت کے بعض اور لوازم پر شکست ہوئے تو انسانی ضمیر نے آلودہی کی انسان کے لیے غور و فکر کے راستے کھل گئے اور ان لواظموں کی بدولت اس نے علم و ادب اور فنون تک رسائی حاصل کر لی۔ انسانی ذہن اسی طرح کبھی ترقی کی منازل طے کرتا اور کبھی تزلزل کی راہوں پر قدم نہ دیتا۔ جب کبھی انسان نے عقل و خود کا آواز ادا استعمال کیا ترقی نے آگے بڑھ کر اس کے قدم چومے لیکن جب عقل پر جمود کی کیفیت طاری ہو گئی تو ترقی بھی رک گئی۔ آلودہی، فکر و فکری بدولت عجیب و غریب ایجادیں عمل میں آئیں۔ انسان نے کائنات کو مسخر کرنے کے پروگرام تیار کیے، علم و عمل کی راہیں کھلیں۔ غرض ترقی کی منازل تیزی سے طے ہوتی رہیں اور انسان کبیں کا کبیں . . . . . رہا چھپا لیکن جب انسانی ذہن پر قید و مائدہ کر دی گئیں یا اس نے خود اپنے آپ پر عقل و فکر کے دواؤں سے بند کر لیے تو کاروان انسانیت کے بڑھتے ہوئے قدم بھی رک گئے اور ترقی کی راہیں مسدود ہو گئیں۔

یہی حال ایما نیول اور روسیول کا بھی ہوا جب تک ان میں نگر و عمل کی تباہی ہو کر آدمی وہ ترقی کے ذریعے طے کرتے چلے گئے لیکن جب حریت، فکر و فکری اور لوگوں کے ذہنوں پر پہرے بٹھائے گئے تو ترقی کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا اور ان کی عظیم انسان تہذیب آہستہ آہستہ نابود ہونے لگی۔ قاتلانہ سخت ضروری تھا کہ ایک اور تہذیب ان مٹی ہوئی تہذیبوں کی جگہ لے۔ یہ شرط نازل سے عروں کے لیے مقدر ہو چکا تھا۔ چنانچہ اللہ نے محمد مصطفیٰ کو اس غرض کے لیے چنا اور آپ کے ہاتھ

سے اس تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھی گئی جس نے ایرانی اور دینی تہذیب و تمدن کی جگہ لے کر دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ رسول اللہ نے دنیا میں اگر بت پرستی اور اتش پرستی میں جھٹکے کئے فساد کو کہ ان بھاری زنجیروں سے نہات دلائل اور تلقین کی کہ اگر وہ اپنے لیے ترقی کی راہیں کھولنا چاہتے ہیں تو اس کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ غور و فکر کو کام میں لائیں اور آسمان و زمین کی لائقہ اور طاقتوں اور توفیق کو سوز کر کے انھیں اپنے فائدہ کے غلط استعمال کریں۔

رسول اللہ نے دنیا کے سامنے جو تعلیم پیش کی تھی وہ ان لوگوں کے لیے ناقابل برداشت تھی جنہوں نے ساوہ لوح عوام کو کھانسن کر انھیں بے بنیاد و نہات سلفانہ اور رسوم کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ وہ بھلا کس طرح برداشت کر سکتے تھے کہ ان کے پروردگار انھیں چھوڑ کر ایک نیا راستہ اختیار کریں۔ اس لیے انھوں نے آپ کے خلاف مخالفت کا ایک طوفان برپا کر دیا اور سالہا سال تک آپ سے جنگوں میں مصروف رہے لیکن رسول اللہ کو اللہ کی طرف سے عظیم راجح عطا ہوا تھا۔ آپ نے نہایت پامردی سے ان کا مقابلہ کیا اور اس وقت تک میدانِ مبارزت میں موجود رہے جب تک اللہ نے اپنے دین کو کامل فتح عطا نہ فرمادی یسیتِ ایزدی میں تھی کہ اللہ کے رسول کی پہنچ کر وہ تعلیم کو فروغ حاصل ہوا اور وہ اپنی ساوگی و پاکیزگی کی بنا پر لوگوں کے دلوں میں گھر کر جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور رسول اللہ کی وفات سے پہلے ہی اسلام انھیں شرب میں پھسل گیا اور سارے ملک سے بت پرستی کا عمل خاتمہ ہو گیا۔

رسول اللہ ہی کے زمانے سے مخصوص نہیں بلکہ ہر دور میں حسب بھی حق و صداقت کی آواز بلند ہوتی اس کی مخالفت میں ایشی چوٹی کا نذر لگایا گیا اور علم پر اور ان کی حق کو ان لوگوں کے باغیوں سخت شکایت برداشت کرنی پڑی جنھیں اپنی فیڈی ان آسمانی تحریکوں کے سامنے ختم ہوتی دکھائی دیتی تھی۔ حق و باطل کے درمیان یہ آویزش ابتدائے آفرینش سے اب تک جاری ہے۔

پھر بھی اس مسئلے میں ایک فرق کر محو ظاہر رکھنا ضروری ہے۔ انسانی ضمیر بھی ایک ذوقِ ظفریوت سے گزر رہا ہے چھٹی صدی عیسوی میں اس کی حرکات تھی کلم و عیش رہی اب بھی ہے اس دور ان میں جنگ بڑے مرتدین اور عراق و شام کے سوا باقی متمدنی جنگیں ہوئیں ان کا مقصد تو کچھ اور تھا لیکن دنیا پر بیٹھا ہر کمالی کہ یہ جنگیں حریتِ عدل و مساوات اور اخوت کے قیام کے لیے لڑی جا رہی

ہیں۔ سلاوہ لوح عوام ہمیشہ عدل و انصاف اور مساوات کا بلند بانگ دہن کرتے تھے لیکن ان کے دامن ترویر میں پھنستے رہتے انھوں نے ایک خوش آئند مستقبل کے حصول کی خاطر لٹیر روی کے ساتھ جنگوں میں شریک ہو کر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا اور جانیں تک قربان کرنے سے نہ ہچکچائے۔ جنگوں کے اختتام پر لوگوں کو بجا طور پر یہ امید ہوتی تھی کہ ان سے کیے ہوئے وعدے پورے کیے جائیں گے اور جن اصولوں کے قیام اور بقا کی خاطر انھوں نے جنگ میں شرکت کی تھی۔ انھیں لباس عمل پہنا یا جانے گا لیکن ہمیشہ یہی لوگوں کو بایوسی کا منہ دیکھنا پڑا اور اخوان پر یہ حقیقت مشکف ہوئی کہ ان کے لیڈروں اور حاکموں کے سامنے صرف ذاتی مفاد تھا اور ایسی ذاتی مفاد اور مادی اغراض کے حصول کے لیے انھوں نے سیکڑوں جہازوں میں میدان جنگ میں تلف کر دیں۔ ان کے عدل و انصاف اور حریت و مساوات کے قیام کے وعدے جھوٹے تھے اور ان کی حقیقت مراب سے زیادہ دہشتی۔ یہ واقعہ ہے کہ بیشتر جنگیں جو عدل و انصاف اور حریت و مساوات کے نام پر لڑی گئیں ان کا تاثر صرف خود غرضی، لامی اور جہل پسند روی کو پہنچا۔ انھوں نے ذاتی مطلب باری کے لیے عوام الناس کو جنگ کے شعلوں میں جھونکا اور ان کی کائناتوں پر اپنے عالی شان عمل تعمیر کر دیے۔

عوام الناس کے بار بار دھوکا کھانے کی وجہ یہ تھا کہ ہم جہاں کر چکے ہیں یہ ہے کہ انسانی ضمیر ہنوز عالم عقل میں ہے۔ بوجہ جب چلنے کی کوشش کرتا ہے تو لڑکھڑاتا ہے اور بار بار زمین پر گرتا ہے لیکن باز نہیں آتا۔ ایک مرتبہ زمین پر گرنے کے بعد اٹھتا ہے پھر لڑکھڑاتا ہے چلنے لگتا ہے۔ دوبارہ گرتا ہے پھر اٹھتا ہے اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے لیکن یہی لغزشیں بچنے کو قوائی قائم کرنا سکھاتی ہیں اور آخر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ باقی نہیں رہتی اور وہ بالکل سیدھا ہو کر چلنے لگتا ہے۔ عالم عقل سے نکل کر وہ جانی کی عمر تک پہنچتا ہے اور جانی کا زمانہ گزار کر بڑھاپے کی عمر میں داخل ہو جاتا ہے جس طرح یہ لڑکھڑانے اور بار بار منہ کے بل زمین پر گرنے کے باوجود آٹھنے اور دوبارہ چلنے سے باز نہیں آتا اور یہی لغزشیں آخر اس کی چال میں قوائی پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہیں اسی طرح اقوام عالم کا حال ہے۔ غرض اور دم کی سلطنتوں کے اوندھے منہ زمین پر آگرنے سے انسانیت کو ایک دیر دست دھکا لگا۔

لیکن یہی دھکا اس کے لیے باعث رحمت ثابت ہوا۔ ان عظیم انسان سلطنتوں کی نگہ اسلامی سلطنت کی صورت میں دنیا کے لیے امن و راحت کا سامان پیدا ہو گیا اور انسانی ضمیر کو بچگی حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ اسلام نے اگر انسانیت کی لاج رکھ لی اور حریت و مساوات کا وہ منہ زد دنیا کے سامنے پیش کیا جسے دیکھ کر وہ ششدر رہ گئی۔

اس موقع پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ نے جزیرہ نمائے عرب کو نبی اکرام ان کی بعثت کے لیے کیوں چنا اور اس خطہ زمین کو اپنے غیر عظیم انوار کے نزل کے لیے کیوں منتخب فرمایا؟ اس سوال کا قطعی اور یقینی جواب دینا تو ہمارے بس کی بات نہیں لیکن اقوام عالم کے سلسلہ عروج و زوال پر نظر ڈالنے سے ہمیں اس امر کا تصور اس اندازہ ضرور ہو سکتا ہے کہ کیوں اللہ نے اپنی مشیت سے جزیرہ نمائے عرب کو اس طوفان کے لیے چنا۔

مصر، ایران، اشور اور روم کی سرزمین صدیوں سے انسانی تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھی۔ دنیا کے دوسرے خطوں میں علم و فضل اور تہذیب و تمدن کی جھڑپیں نظر آ رہی تھیں وہ سب انہیں علاقوں سے فیضان حاصل کرنے کا نتیجہ تھا۔ ان علاقوں میں عقل انسانی بچنگی کی اس حد تک پہنچی تھی کہ وہ دوسرے ممالک کے لوگ اس کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ اسی لیے فارس اور روم کی سلطنتیں اپنے زمانے میں دنیا بھر کے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گئی تھیں بلکہ عروج و زوال کے طبعی قوانین کے تحت آخر ان سلطنتوں پر بھی زوال آ گیا اور تہذیب و تمدن اور علم و دانش تنگی کے چراغ کی روشنی جو صدیوں سے ایک عالم کو متوجہ کر رہی تھی، آہستہ آہستہ مریم پنی شروع ہو گئی۔ جزیرہ نمائے عرب، ایران اور روم کے متصل واقع تھا۔ چنانچہ علاقے صدیوں سے تہذیب و تمدن اور علم و دانش تنگی کے مرکز تھے اس لیے ان میں کتنا ہی ضعف و انحطاط نہا ہوا تھا پھر بھی یہ امید کی جا سکتی تھی کہ اگر اعلیٰ اعلیٰ احوالات پر مشتمل کوئی متعلیم ان کے سامنے پیش کی جائے گی تو وہ نہ صرف اسے قبول کرنے میں ہمہ پیش و کریم کے بلکہ پچھلے کی طرح اسے دوسرے علاقوں تک پہنچانے میں بھی مدد و معاون ثابت ہوں گے۔ خدائی فرشتوں میں جہاں ایران و روم کے زوال کی تفصیل مندرجہ تھی وہاں یہ بھی مذکور تھا کہ ان علاقوں کے بالکل متصل عرب کی آباد و خود مختار سرزمین میں ایک سلیل انزلیت شخصیت مبعوث کی جائے گی جسے قبول کرنے میں دنیا کی تمام مضرمتیں،

حرب سے تعلیم ایران اور روم کے علاقوں میں پھیلے گی اور وہاں سے دنیا بھر میں پھیلے گی۔  
چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ نے اپنے نوشتوں کے مطابق عو سب کی سرزمین میں اپنے پیغام کو مبعوث کیا اور کیا بھی اس شہر میں جاپنے تقدس اور احترام کے لحاظ سے عرب کے نام شہروں میں منفرد حیثیت رکھتا تھا۔

رسول اللہ نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دے کر اس کے سامنے انسانیت کی اعلیٰ قدریں متعین کر دی تھیں۔ عربوں کے قلوب فتح کرنے کے بعد آپ نے اپنی توجہ ایران اور روم کی طرف منطقت کی اور ان لوگوں کو اس شریعت غراء اور آسمانی تعلیم پر ایمان لانے کی دعوت دی جو ہر خطے کے لوگوں کے لیے یکساں مفید اور رہبر مانے کے تقاضوں کو یکسر پورا کرنے والی تھی۔ جب تک آپ زندہ رہے، احلا کلہ الحق کے کام میں حق من و حق سے مصروف رہے اور اپنے بعد و خاندان و اصحاب کا ایک ایسا مقدس گروہ چھوڑ گئے جنہوں نے آپ کا مشن پورا کرنے اور اللہ کا پیغام اقصائے عالم تک پہنچانے میں سر و مشرک کی بازی لگادی۔

ابو بکرؓ کا بھی مقدس گروہ کی قیادت کا شرف حاصل تھا۔ انھوں نے اپنے فرائض حق میں ہی سے انجام دیئے حتیٰ وحدت کا ہل بالا کرنے کے لیے جس جان فشانی سے کام کیا اور کئی دین کی خاطر جن مسبب خطرات کا سامنا کیا انھیں ہم مسلمان کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ انھوں نے جس اعلیٰ صحبت رسولؐ نے نفسی اور اخلاص و استقامت کے چرتر نے دکھائے ان کی نظیر پیش کرنے سے ناز قاصر ہے۔ یہ دلیل ہے اس سر کی کہ ان کی ذہنی پختگی کمال کو پہنچ چکی تھی مگر تمام انسانوں میں ہی طرح ذہنی پختگی پیدا ہر جائے قرار میں کلام و نشان مٹ جائے اور دنیا بھر میں امن و امان اور یکجہتی کا دور دورہ ہو جائے۔

لیکن ابھی یہ وقت دور ہے۔ لوگوں کی سرشت میں اب بھی یہ بات داخل ہے کہ جب ان سے ان کے آفاقی عقائد اور رسم و رواج کے خلاف کوئی بات کہی جائے تو خواہ وہ کتنی ہی مفید و مثالی شے کیوں کیوں نہ ہو وہ ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے اسے ماننے سے انکار کریں گے اور اپنے باپ دادا کے عقائد اور پرانے رسم و رواج پر قائم رہیں گے خواہ وہ کتنے ہی مضحکہ خیز اور بیداد عقل کیوں نہ ہوں۔ وہ جی بھی ہے کہ ابھی تک ان کی ذہنی افتاد اس حد تک نہیں پہنچی جسے پختگی کے تعبیر کیا جائیگا۔

ایسے لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ شور و غوغا کر کے اور خاندانی عزت و وجاہت کی قربانی سے کتنی بڑا قربان ہو گئے ہیں۔ ان کی حالت بالکل اس بچے کی سی ہوتی ہے جو شور و غوغا مچا کر اور جھنج بھکار کر کے والدین سے اپنا کما میزا لیتا ہے۔ لیکن جب ماں باپ دیکھتے ہیں کہ ان کا بچہ بے جا حد کر رہا ہے اور اس کی بدتمیزیاں حد سے بڑھ رہی ہیں تو وہ اسے سرزنش کرتے ہیں اور کچھ خاموش ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ چنانچہ ابو بکرؓ کے عہد میں بھی مرتدین نے اسلامی حکومت کے خلاف شور و غوغا کر کے کئے کئے مانی کرنی چاہی تھی لیکن ابو بکرؓ کی بروقت کارروائی سے یہ فتنہ بڑھنے نہ پایا اور جس طرح تافرواں بچے ماں باپ کی گوش مانی کے بعد ان کا کماناٹنے اور اطمینان کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اسی طرح مرتد قبائل ابو بکرؓ کی جنگی کارروائی کی تاب نہ لا کر ان کے آگے تسلیم ختم کرنے پر مجبور ہو گئے۔

مرتدین کے استیصال سے عرب میں اسلام کا اہل بالا تو یہودی چکا تھا، اللہ نے چاہا کہ ایران اور روم میں بھی اسلام کے درخت کی آب پاری کرے۔ اس غرض کے لیے اس نے عہد ابراہیمؑ شیزہ سے انتظام شروع کر دیا تھا اور اپنی خاص تقدیر کے تحت جزیرہ عرب کے سب سے بڑے بادشاہوں کو ایران اور روم کے درمیان صومر کے شام میں آہا کر کے انھیں بطون بیچ کے استعمال کیا تھا۔

ان تمام واقعات سے مسلم ہر تہلکے کہ جو سمجھو ابو بکرؓ کے عہد میں رونما ہوا وہ دو تہا طلب ترقی کی باقی آویزش کا ثر و نہ تھا بلکہ اس خدائی تقدیر کے تحت ظہور پذیر ہوا تھا۔ جسے ہر حال پر مہر کر رہنا تھا اور جس کے پر واز ہونے کے اسباب اللہ نے پہلے ہی سے مہیا کر دیے تھے۔ اگر جزیرہ فارس سے عرب شام اور عراق کے متصل واقعہ نہ ہوتا، اگر عربی زبان ان قبائل کی زبان نہ ہوتی جو صدیوں سے صومر کے شام میں مقیم تھے، اگر اللہ تعالیٰ اس وقت اپنے رسول کو مبعوث نہ فرماتا جس نے ظہورِ نبیؐ کی چاہی اور عالمِ نور حق کے لیے بے تاب تھا تو اس دنیا کی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی نہ دیتی اور ایرانی تہذیب کے بجائے اسلامی تہذیب جلوہ گر ہو سکتی اور نہ آفتابِ ہدایت اقصائے عالم پر خورشیدِ ہر سکتا۔

جب خدائی نصیبیت کے پر واز ہونے کا وقت آتا ہے تو اس کے لیے اسباب بھی مہیا ہو جاتے ہیں اور جن لوگوں کے ذریعے سے خدا کی تقدیر کا ظہور ہوتا ہے ان کی کئی صدیاں پہلے سے



عليكم و اتقوا الله واعلموا ان الله مع المتقين۔

(جو قوم تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس سے انہی جی سختی کر سکتے ہو جتنی اس نے تم سے کی تھی۔ اللہ سے ڈرو اور یاد رکھو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے)۔

اسلام لوگوں کو صلح کی دعوت دیتا ہے۔ ایک دوسرے کی غلطیوں پر غصہ اور درگزر کے کام لینے کی تلقین کرتا ہے۔ دشمن سے بھی نرمی کا سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔ آنا دینی رالے کا وہ سب سے بڑا غلہ برادر ہے اور مذہب و عبادات میں کسی قسم کی مداخلت وہ قلعہ برداشت نہیں کرتا۔ اسلام کی اس تعلیم کے پیش نظر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان اعلیٰ طاقت اور پاکیزہ اصولوں کی موجودگی میں ابو بکرؓ نے مسلمانوں کو مرتدین سے جنگ کرنے کا حکم کیوں دیا اور عرواق و شام کی نو مٹ کس غرض سے کی گئیں؟ ابو بکرؓ اللہ اور رسول اللہ کے احکام کی دل و جان سے اطاعت کرنا فرض سمجھتے تھے۔ خدائی احکام کی خلاف ورزی کا ان پر شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ تو کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام اگرچہ رحمت و شفقت و معفوہ و درگزر اور صلح کا داعی ہے مگر بھی وہ مسلمانوں پر یہ پابندی عائد نہیں کرتا کہ وہ اسلام کی اشاعت کے لیے جبر و قہر کو کام میں نہ لائیں بلکہ انہیں ایمانت دیتا ہے کہ جہاں مرتد ہو وہ اس غرض کے لیے سختی اور جبر سے بچی کام میں اور اسی لیے مسلمانوں نے مکمل اور خسروں پر چڑھائی کی اور وہاں کے باشندوں کو تموار کے زور سے اسلام میں داخل کیا؟

ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک مرتدین کا تعلق ہے ابو بکرؓ نے ان سے خدائی حکام کے مطابق جنگ کی تھی جو اللہ نے سورہ بارات میں تائید فرمائے ہیں:

فان تابوا واقاموا الصلوة واتوا الزکوة فادخلوهم فی الدین  
ولفصل الریبات لغوم معلومت۔ وان نكثوا اذ عاہدناهم وامن بعد  
عهدہم واطعنوا فی دینکم فقاتلو انمنا الکفر انہم لا  
ایمان بہم معلوم ینتہون۔

(اگر کافر توبہ کر لیں نمازیں پڑھیں زکوٰۃ ادا کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔  
تم ان سے مسلمانوں کا سلوک کرو۔ ہم اپنی آیات گوش و برش رکھنے والی قوم کے

یہ کھل کھل کر بیان کرتے ہیں لیکن اگر وہ حمد شکنی کریں اور دین اسلام میں طعن زنی کریں تو ان کو کفر سے لڑو کیونکہ ان کی قصیں ذرا بھی اعتبار کے لائق نہیں۔ شاید اسی طرح یہ شرارتوں سے باز آجائیں۔

اس لیے جب عربی مہذبوں کے کھلم کھلا مسلمانوں کے مقابلے میں آگئے اور دین اسلام پر طعن زنی شروع کر دی تو خدائی حکم کے مطابق ان سے لڑنا ضروری ہو گیا۔

اسی طرح جب البرکھ نے ایرانی اور روم کی طرف اسلامی فوجیں روانہ کیں تو بھی انھوں نے خدائی احکام سے سرگردن نہ کیا بلکہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام کی جیتا کے لیے جنگ و جدل بہ ہر حال ضروری ہے اور جب تک تمہارے ذریعے سے قوموں کو زبرد کیا جائے اسلام کے اعلیٰ اور بلند مقام پر دے ہو ہی نہیں سکتے۔ بات یہ ہے کہ انسانی ضمیر چونکہ ان دنوں عالم فطرت میں سگزر رہا تھا اس لیے اسے اجلاس تہرانے اور تربیت دینے کے لیے مناسب حال طریقے استعمال کیے گئے کیس طاقنت اور زنی سے بچایا گیا اور کچھ سختی دور سختی سے۔

مسلمانوں نے جب اسلام کے تابندہ اصول دنیا کے سامنے پیش کیے تو وہ اس امر سے غافل نہ تھے کہ انسانیت کے اعلیٰ تقاضے اس وقت تک کا ملا ہونے نہیں ہو سکتے جب تک انسانی ضمیر ہنگامی کی حد کو نہ پہنچ جائے۔ اس بات کی تکمیل کے لیے ابھی ہزاروں سال چاہئیں۔ اسلام چونکہ ہندول پر ان کی طاقنت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا اس لیے اس نے ان کی فلاح و بہبود کے لیے جو راستہ تجویز کیا ہے وہ ان کے حالات کے میں مطابق ہے۔ اس راستے پر چلنے سے انسان آہستہ آہستہ جہنمی مشغول کے نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ اسلام کی مثال اس باب کی کسی سے جو نیچے کی تربیت کے وقت اس کی حیوانی فشر و فساد اور ساخت کو محض خاطر رکھتا ہے۔ وہ کبھی اس پر اس کی طاقنت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا اور اس سے کبھی یہ امید نہیں رکھتا کہ وہ بچپن کی حالت میں جو اصول کی طرح کام کرے گا۔ تربیت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ باپ کبھی فریب سے بچنے کی مصدوم خرابشات کا احترام کرتے ہوئے نہیں قبول کر لیتا ہے لیکن بعض اوقات جب وہ دیکھتا ہے کہ اس طرح بچہ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تو وہ نہیں روکھی کرتا ہے اور بچے کی ناراضگی کی پروا نہیں کرتا۔ اسی طرح کبھی فرد پر یا اور محبت سے بچنے کی تربیت کن کہے لیکن جب دیکھتا ہے کہ پیارا اور محبت کا سلوک بچے پر افرانہ لانی نہیں ہوتا تو وہ اس کی

گوش مالی کرنے سے دریغ نہیں کرتا لیکن ہر حال میں اس کے پیش نظر بچے کی بھلائی ہی ہوتی ہے۔ وہ اگر بیمار اور محبت کرتا ہے تو بچتے کے ناکہ سے اور اصلاح کی خاطر اور ڈانٹا اور گوش مالی کرتا ہے تو بھی بچتے کے ناکہ سے اور اصلاح کی خاطر۔ یہی حال اسلام کا بھی ہے۔ وہ ضمیر انسانی کو تدبیر کیا پختگی کی طرف سے جاننا چاہتا ہے۔ اس غرض کو پورا کرنے کے لیے وہ سب سے پہلے والدین کی طرح اس کی تربیت پر زور دیتا ہے۔ اسے کبھی محبت اور پیار سے کام چلانا پڑتا ہے اور کبھی سختی کی طرف مائل ہونا پڑتا ہے لیکن ہر حال میں اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان آہستہ آہستہ اس منزل کے قریب رہتا چلا جائے جو اس کے لیے متعین کر دی گئی ہے اور ان اعلیٰ اقدار کو پالے جو اس کا مستحق ہے۔ قصور وہیں اور جن کا فکر با تفصیل کلام اللہ میں کر دیا گیا ہے۔

انسانی ضمیر پر یہاں اوقات جمود کی حالت بھی طاری ہو جاتی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ اس کی نشوونما باطل رک چکی ہے۔ چنانچہ مہارے زمانے میں مسلمانوں کے اور اہل اوروں کی وجہ یہی ہے کہ طبعی قوانین کے مطابق انسانی ضمیر پر جمود کی حالت طاری ہو چکی ہے لیکن جمود کی یہ حالت ہمیشہ کے لیے برقرار نہیں رہ سکتی۔ یقیناً ایسا وقت آئے گا جب یہ حالت ختم ہوگی انسان کی فطری صلاحیتیں ایک بار پھر بیدار ہوں گی اور انسانی ضمیر آہستہ آہستہ پختگی کی آخری منزل پہنچ جائے گا۔ یہ حالت خواہ صدیوں بعد پیدا ہو بہر حال پیدا ضرور ہوگی۔ یہی وہ دن ہوگا جب انسان اخلاق کے اس بلند ترین مرتبہ تک پہنچ جائے گا جس کا اسلام اس سے تقاضا کرتا ہے۔ زمین پر مہر طوت امن و سلامتی۔۔۔ کا دور وہ ہوگا اور یہی نوع انسان کی مابقی کدورت و شکر دہی غیر منفرد ہو جائیگی۔

لیکن یہ صورت حال بھی پیدا ہوگی کہ کل دوسرے زمین کے لوگ انسانی آواز پر کان دھ کر انشکی بادشاہی میں داخل ہو جائیں گے کہ ان کو انسانی ضمیر بھی حد کمال کو پہنچ سکتا ہے کہ زمین کا چہرہ چہرہ اللہ کے نور سے عمرو ہو جائے۔ اگر زمین کا ایک گوش تر انسانی نور سے جھٹ جائے لیکن ذاتی جھٹے ہو ستر و ضلالت و گمراہی کے گشتاوب اندھیرے میں ڈھلکے دیں تو منافقات اور جنگ و جدل کا سلسلہ ختم نہیں ہو سکتا۔ اس صورت حال کا مادا کرنے کے لیے ہر زمانے میں ایسے انسان پیدا ہوتے ہیں گے جو ابوجہ کے نقش قدم پر چل کر انسانی ضمیر کو گھنجدہ بننے کا کام انجام دیں گے اور جس طرح والدین اور استاد ہر ممکن طریقے سے اپنے بچوں اور شاگردوں کی تربیت کرتے ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی بنی نوع

انسان کی تربیت کے لیے مناسب حال طریقے استعمال کرنے سے دریغ نہ کریں گے۔

انسانی ضمیر نے جو کمال کو پہنچنے کے لیے اب تک جو ترقی کی ہے اس میں بڑا اثر اسلامی تعلیمات کا ہے اور آئندہ بھی وہ ترقی کی منازل اسی وقت طے کر سکے گا جب وہ اسلام کی پیش کردہ تعلیمات کو اپناتے۔ یہ وقت یقیناً آئے گا اور زمین کا گوشہ گوشہ اللہ کے رُسے چل جائے گا۔

ہم یہ بات محض عرض اختتام کی بنا پر نہیں کر رہے بلکہ مغربی مفکرین بھی غور و فکر کے بعد اسی نتیجے پر پہنچے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں ہم مشہور انگریز اور سب جارج برنارڈشا کا ایک حوالہ پیش کرتے ہیں جسے پڑھنے سے ہماری دانستگی تصدیق ہو جاتی ہے برنارڈشا لکھتا ہے:

”مغرب کے پیش کردہ دین کو ادیبانِ عالم میں بہت ہی بلند مرتبہ حاصل ہے۔ دیگر ادیبان کے چلکس اس دین میں دامنِ زندہ رہنے کی حیرت انگیز قوت موجود ہے اس کی وجہ یہاں تک میں سمجھ سکا ہوں یہ ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو اپنے اندر مختلف طریقہ ہائے حیات کو سمو لے کی اہلیت اور یہی نوح انسان کے ہر طبقے کو متفقہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے، . . . کہ یورپ میں بھی اسے روز بروز مقبولیت حاصل ہو رہی ہے۔ جماعت و تعصب کے باعث ازمنہ و کمل میں اسلام کو انتہائی کجیاہک صورت میں عوام کے سامنے پیش کیا گیا اور انھیں یہ یقین دلانے کی کوشش کی گئی کہ اسلام مسیح کا سب سے بڑا دشمن ہے لیکن میں محض کو انسانیت کا سخاوت و ہندو بھکتا ہوں اور میرا اعتقاد ہے کہ اگر آج بھی دنیا کو عہد کی طور پر رکھنے والے کسی شخص کی خدمات حیرت انگیز ترقی نوع انسان کی تمام مشکلات کو حل کر کا فور ہو چکی ہیں اور زمین میں امن و امان اور خوش بختی کا دور دورہ ہو سکتا ہے۔ آج زمانے کو انھیں چیزیں ملنے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔“

انیسویں صدی عیسوی میں کارلائل اور گبن جیسے جلیل القدر مفکرین نے اسلام کو حقائق و انصاف کی کسوٹی پر پکھا اور جو نتائج ان مذکور کے دین کے سامنے پیش کیے ان کی بنا پر یورپ والوں کے نقطہ نظر میں تبدیلی پیدا ہوئی شریعہ ہوتی اور انھوں نے اسلام پر مہدِ رازِ نظر سے غور و فکر کرنا شروع کیا۔ مروجہ عیسوی مذہب

میں تو اسلام کے مستقل اہل یورپ کے لفظ نظر میں بہت زیادہ تبدیلی آچکی ہے اور لغزت و عدالت کی جگہ اسلام کی محبت نے لی ہے۔ اس رفتار کو دیکھتے ہوئے کچھ تعجب نہیں کہ اگلی صدی تک اسلام پورے طور پر اہل یورپ کے دلوں میں گھر کر جائے اور اسے وہ نجات کا ذریعہ سمجھ کر جنت و جہنم اس میں داخل ہونا شروع ہو جائیں۔

”میری اپنی قوم اور یورپ کے دیگر ممالک کے متعدد اشخاص اسلام قبول کر چکے ہیں اور اب یہ بات جاسٹک و شہر کسی جا سکتی ہے کہ یورپ کے کلیئر اسلام تبدیل کرنے کا مسدود شروع ہو چکا ہے۔“

برتاؤ شا کے علاوہ دنیا کے اور بھی بڑے بڑے مفکرین نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے مستقل انہیں خیالات کا اظہار کیا ہے جن سے یہ افادہ کرنا دشوار نہیں کہ انسانی ضمیر آہستہ آہستہ تحلیل صلاح طے کر رہا ہے اور یہ نقطہ ہر چھپکے کے جلد یا بدیر دنیا کا ماحول کے پکڑے نجات مائل کر کے قرار واقعی امن و سکون حاصل کرے اس کے آثار اعلیٰ سے نظر آ رہے ہیں۔ زمین کی فضا میں بھی چلی ہیں۔ ہاضمہ گاہ ارض کو سبیل غلاب کی جو سرسبزی آج میسر میں ایسی پچھلے کبھی نہیں ہوئی، چھاپا پختوں کی بدولت کتابوں کی اشاعت و وسیع پیمانے پر جو رہی ہے اور کسی بھی علم و فن اور مذہب و ملت کے متعلق کتابوں کا دست یاب ہونا دشوار امر نہیں رہا صحافت و جغیالات و عقائد کی اشاعت کا سب سے موثر ذریعہ ہے عروج پر ہے۔ ریڈیو اور ٹیلیفون کے ذریعے سے سات سمندر پار کی خبریں پہل بھر میں لوگوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ یہ سب سامان اس یوم موجودہ کو نزدیک تر لانے کے لیے کیے جا رہے ہیں جب ساری دنیا کا ایک ہی مذہب ہو گا اور ایک ہی دین جو فضا میں آج جنگ کے ضرور سے گونج رہی ہیں وہ کل امن و سلامتی کے قرائن سے معمور ہوں گی اور جہاں اس وقت فتنہ و اور جہالت کی ٹھنڈی گھٹائیں چھا رہی ہیں وہاں آفتاب اسلام طلوع ہو کر ہر قسم کی تاریکی دور کر دے گا۔

اس صبح و شام کا طہور کب ہو گا اور آفتاب سعادت کب جلوہ دکھائے گا؟ گو ہمارے

ظاہری اندازوں کے مطابق یہ وقت ابھی دُور ہے پھر بھی اللہ کی رحمت سے کچھ عیب نہیں کہ یہ دن ہمارے لیے قریب لگا جائے۔ اس دن انسان اپنے اوج کمال کو پہنچ جائے گا۔ عدل و انصاف، رحم و شفقت، برو و تقویٰ سے زمین بھر جائے گی۔ ہر شخص اپنے بھائی کا خیر خواہ ہو گا کسٹام اقوام بھائیوں کی طرح ایک دوسرے سے پیش آئیں گی منافست کا جذبہ بالکل منقرض ہو جائے گا۔ کوئی قوم دوسری قوم پر عہدائی جوئی نظر ڈالے گی پکڑتی کی دلوں میں چھوٹی بڑی اقوام ایک دوسری کے دوش پر دوش گامزن نظر آئیں گی۔

اس دور کا انسان جب بچھنے زمانے پر نظر ڈالے گا تو اسے جنگ و جدل، قتل و غارت، غور زہری و مسفاکی، عیاری و مکاری اور ظلم و قسمی کا ایک لامتناہی سلسلہ نظر آئے گا۔ وہ حیرت و استعجاب سے بنی نوع انسان کے ان کارناموں کو دیکھے گا جو انھوں نے شخصی مفاد اور ذاتی اقتدار کی خاطر انجام دیے اور یہ کارنامے انھام دیتے ہوئے انھوں نے عزت و محبت، عدل و انصاف اور رحمت و شفقت کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سنگ دلی اور نا انصافی کو شمار بنالیا۔ اپنے آبا و اجداد کی یہ کارستانیاں دیکھ کر اس کا دل بے اختیار ان پر نفیریں بھیجنے کو مجبور ہے گا لیکن یکایک اس کی نظر ابوجڑ کے نہایت مختصر مگر استثنائی درخشاں دو جگہوں پر پڑے گی اور وہ مبہوت ہو کر پکار اٹھے گا:

”اشک خیز میں کشتیاں در تہیں ہیں اس مقدس دریا کا ہر انسان پر جس نے اپنی ساری عمر رسول اللہ کی رفاقت اور اسلام کی اشاعت میں صرف کر دی وہ ضعیف تھا لیکن دین کی دلوں میں اس نے عظیم الشان ستارے کا ثروت پایا۔ وہ خوب تھا لیکن اللہ کے راستے میں اپنا ایک ایک پیسا غرض ملی سے خرچ کر دیا۔ اس کے راستے میں سنگ لگانے والی تھے مگر اس کے اپنے انقلابی شخصیت ہی جی جنش پیدا نہ ہوئی اور وہ اسلام کی کشتی کو خونا کی طوفانوں اور صیب چٹانوں سے صحیح سلامت نکال کر رہ گیا۔“

ابو بکرؓ کے کارناموں کے آئے والی کوئی بھی نسل فرہوش نہ کر سکے گی اور قیامت تک ان پر سلام بھیجنے والے ہر تاجر جیسے جانیں گے ہم بھی ان کی مقدس ڈھلے صراط پر چڑھیں گے ان کا مبارک تذکرہ ہم کو خدا اور اللہ کے حضور دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم میں ہر سیدیت، کبر ناپاؤں، حکم اور غلظت سیف اللہ جیسے شرف لادلوں اور ہمارے کھنڈن مڑانے انسان پیدا کرے جن کی اس منت اسلام کی کشتی کو کھینچنے کے لیے اللہ ضرورت ہے۔

# عربي ماخذ

## كتاب

## مصنف

الجامع لأحكام القرآن	أبو عبد الله محمد بن أحمد الأنصاري قرطبي
جامع البيان في تفسير القرآن	أبو جعفر محمد بن جرير طبري
تاريخ الرسل والملوكة	أبو جعفر محمد بن جرير طبري
تاريخ الخلفاء	أحمد بن أبي يعقوب بن جعفر بن وهب بن داود الكاتب البجلي
سيرة سيدنا محمد رسول الله	أبو محمد بن عبد الملك بن هشام
الطبقات الكبير	محمد بن سعد كاتب الواقدي
تاريخ ابن خلدون	عبد الرحمن بن محمد بن خلدون
الكامل في التاريخ	{ عز الدين ابن الأثير عز الدين ابن كثير }
وفيات الأعيان	{ ابن خلكان، شمس الدين ابن أبي عمير ابن علي بن أبي بكر الشافعي }
فتوح البلدان	أحمد بن محمد بن حارث بلادي
فتوح الشام	محمد بن عمرو الواقدي
فتوح الشام	أبراهيم بن محمد بن أحمد الواقدي البصري
الفتوحات الإسلامية بعد	سيد أحمد بن سعيد زيني وصلاح
مضى الفتوحات القبرية	أبو الفرج أصفهاني علي بن حسين القرطبي الأمازيغي
الأخاني	أبو محمد عبد الله بن تقي الدين بن خنيزر
الأمم والملوك	

السلام يا علام بيت الله المحرم  
مروج الذهب وصالون الجهر  
الاتقان في علوم القرآن

كتاب المصاحف

تاريخ القرآن

اشهر مشايير الاسلام

بيت الصديق

فجر الاسلام

خلقنا محمد

علم دين العاص

دائرة المعارف الاسلاميه

دائرة مصادر القرآن الشريف

قلب الدين محمد بن احمد الكليني المعروف بالنهرواني  
ابو الحسن علي بن حسين بن علي المسعودي  
عبد الرحمن بن ابى بكر جمال الدين مسير علي  
ابو داود المازني ابو بكر عبد الله بن ابراهيم بن سليمان بن  
الاشعث السبتي

ابو عبد الله الزهني

رفيع المنظم بك

محمد رفيع البكري

احمد امين بك

عمر ابو النصر

حسن ابراهيم حسن

فريد وهدى

سب کچھ جھٹکا ہو گیا ————— کتابیں سستی پر لکھیں

## میری لائبریری

اُردو میں کم خرچ کاغذی کتابوں رپاکٹ بکس کا پہلا سلسلہ  
 اگر ہم اب بھی کتابیں ذخیرہ یہی قرآن کا مطلب ہے کہ ہم کتابیں پڑھنا ہی نہیں چاہتے۔  
 روزنامہ: ڈان کراچی

مصنف: سن۔ یو۔ ہنگ  
 جینے کی اہمیت  
 ساٹھ روپے پانچ روپے  
 پہلی قیمت: بارہ روپے  
 زندگی کے تنگ مسائل پر اتنی دلچسپ کتاب میری نظر سے آج تک  
 نہیں گزری۔  
 علامہ نیاز فتح پوری، مدیر، نگار

مصنف: ٹیل کارنگی  
 میٹھے بول میں جادو ہے  
 تین روپے  
 پہلی قیمت: سا بیسے  
 قرآن اور بائبل کو جس طرح اس کتاب نے لوگوں کو سب سے زیادہ کامیابی بخش ہے  
 قرآن اور بائبل کو چھڑ کر یہ دنیا کی سب سے مقبول کتاب ہے۔ مختلف  
 زبانوں میں ایک کروڑ جلدیں بیک بکلی ہیں۔

مصنف: ہماری مالی مجلس، زمین اور روحانی پریشانیوں کے آزمودہ علاج  
 پریشان ہونا چھوڑیے  
 تین روپے  
 پہلی قیمت: چھ روپے

مصنف: گفتگو اور تقریر کا فن  
 سوا دو روپے  
 پہلی قیمت: پانچ روپے  
 اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کی باتیں لوگوں کا دل سرہ لیا کریں گی

مصنف: زندگی اور عمل  
 تین روپے  
 ڈاکٹر مارٹن  
 روزمرہ زندگی کے مسائل کو عملی طور سے حل کرنے کے آسانی راستے

مولانا  
ابراہیم کلیم آزاد  
تین روپے  
پہلی قیمت: چھ روپے  
غبارِ خاطر  
قدحِ بیانی کی بے ساختگی، نلو کے پینے کی جندی، نظر کے سیار کی اور جندی سے  
معروضِ غلو کا مجروح ایک عظیم انسان کی ذہنی زندگی کا روشن ترین عکس ہے

مولانا  
ابراہیم کلیم آزاد  
تین روپے  
پہلی قیمت: سات روپے  
تذکرہ  
باطل کے خلاف حق کی طاقتوں کے زبردست جہاد کا تذکرہ حق کے لیے  
لڑنے والوں کی ان مثالوں سے بڑھنے والوں کے دل دتوں گرم  
رہی گے۔ یہ مثالیں انصاف سے ہیں جتنوں کی سلسلہ چلتی رہی گی۔

مصنف:  
عطا اللہ پوری  
خاص میری فائبریری  
میں: ساڑھے چھ  
حلال و حرام  
قرآن کے مطابق کھانے پینے اور زندگی طیف میں کیا حلال اور کیا حرام ہے ایک  
دشمنِ فکر مصنف کے قلم سے ایسا اہم معاشری اور دینی مسئلے پر ایک انقلاب  
آفریں کتاب۔

مصنف:  
آر تھرو ویل  
میں: تین روپے  
قلوِ طیر  
نکاح، معروضہ، جلال و جلال، غریبوں کی انگلیوں و انگلیوں زندگی کا حقیقت آفریں جائزہ  
قلوِ طیر: تین روپے، معروضہ، جلال و جلال، غریبوں کی انگلیوں و انگلیوں زندگی کا حقیقت آفریں جائزہ

خاص میری فائبریری  
پاکستان شری انڈیا  
میں: تین روپے  
معلومات کا انسائیکلو پیڈیا  
آپ کا گھر آپ کے ہسپتال کی نسبت اس سے بھی افضل سمجھا جائے گا کہ اس میں  
معلومات کا انسائیکلو پیڈیا جیسی اہم اور مفید کتاب موجود ہوگی معلومات کی صحت اور صحت  
سے آپ یقیناً اپنے احوال میں جتنا حقیقت حاصل کر سکتے ہیں پانچ سو غلوں کی اس ضخیم اور بھرپور کتاب  
کی تیاری میں مترجم کوئی کسر نہیں چھوڑی اور نا صرف حق الامکان قیمت کم رکھی ہے۔

## لہری — حاقیتیں — مزید حاقیتیں

۲/-

۳/-

۱/۵۰

اردو کے مشہور و مقبول ترین افسانہ نگار شفیق الرحمن کے ہفتے ہر روز  
افسانوں اور خاکروں کے یہ نین مجبور ہے اس بات کا ثبوت ہے کہ شفیق الرحمن  
موجودہ دور میں ننگشتہ اور صحت مند ادیب کا بالی ہے۔ ماہنامہ ادیبان لطیف لاہور

## سنگ و خشت — تیشہ و تیشہ

۱/۵۰

۱/۵۰

کنبیا لالی کپور کے طنز کے تیروں اور مزاح کی پھلجھڑیوں سے معمور مضامین اور خاکروں کی یہ مجموعہ  
ہماری سماجی، ادبی اور اخلاقی زندگی کو بے نقاب کرنے میں مثال نہیں رکھتے۔ کپور کے  
مضامین میں غلاظت ہے، زندگی ہے، گہرا گہمی ہے۔

مصنفہ :  
قرۃ العین حمید

میرے بھی صنم خانے میں دو ہے  
اپنی تیت: چھوٹا ہے

قرۃ العین حمید اردو میں ایک بالکل نیا اسلوب نگارش کی موجودگی ان کا یہ ناول اردو کے چند  
بہترین ناولوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے کرداروں کی کہانی زندگی کی ایسی مزین تصویر ہے جس کی  
ہیں کہ یہ کردار پڑھنے والوں کے دستانوں کی طرح دل و دماغ میں گہرے جلتے ہیں اور ان کی یاد دہی  
طرح و رنگ میں چٹکیاں ہتی تہی جیسے جس طرح دو ستوں کی یاد۔ ان کرداروں کے لیے دشنام کا موقع  
ہیں پائی اور چاہے کہ سب سے کچھ یاد ہے بقینا وار کا مستحق ہے۔ — فیض

## دیوان غالب

دیوان غالب اردو کی سب سے مقبول کتاب ہے۔ آج بھی اکثر لوگ غالب کو اردو کا سب سے اچھا شاعر  
سمجھتے ہیں۔ میری لاٹھری میں اب اس اردو کے مقبول ترین شاعر کے اردو کلام کے دو مجموعے  
دیوان غالب کا صحیح ترین نسخہ ہے۔ داغ طباعت کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ اس میں کسی  
بھانسنے کی لغو صوف سوا اور وہ ہے میں مل جاسے۔

# الزہرا ————— الحیثیہ ————— البازون

۲/۲۵

۱/۵۰

۱/۱۰

محمد اور حضرت علی کا نام سرخ ٹکڑے ہے۔ الزہرا میں خانہ بہشت بنی بی خانہ کی جتنی حاجت ہوگی  
 گئی گئی ہے۔ الحیثیہ حضرت امام حسین کے حالات کا سب سے مستند تذکرہ ہے۔ البازون عظیم ترین مسلمان  
 ہادیوں الرشید کے پسپ ترین واقعات پر مبنی ہے۔ ان تینوں کتابوں میں مصنف نے تاریخ نویسی کا  
 ایک نیا اور برتر معیار قائم کیا ہے۔ ترجمہ: محمد احمد دہلوی

مصنف: سماور دہچہ

## المامون

مصنف: ملا رشید خانی

پہلی قیمت: پانچ روپے

شبلی خانی نے المامون میں مامون الرشید بن ہارون الرشید کے تمام کارنامے، اچھے یا بُرے، مذہبی  
 و دنیاوی اور بے پناہ خوش اسلوبی سے لکھے ہیں۔ انہوں نے عجیب و غریب امتعات کے ساتھ مامون کی پڑوس  
 زندگی اس کے مشغول اور بخلوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور اس زمانے کی زندگی اور معاشرہ کا نقشہ کچھ دیکھ کر  
 مصنف: دودا داس کا کینی

خاص میری ڈائری

## رابعہ بصری

ترجمہ: عبد الصمد صادم

میں: ڈوئیز دہچہ

• دنیا کے تصوف کی مشہور سنی راغبہ بصری کے نام سے ہر شخص واقف ہے، اور وہ اب  
 میں بھی اس نام کو علمی حیثیت حاصل ہے لیکن اس کے حالات کا علم ہزاروں سال پہلے  
 بھی نہیں اس لیے یہ کتاب مصنف تاریخ و تذکرہ میں بڑا اچھا اضافہ ہے: نیاز نوح بھڑی

خاص میری ڈائری

## عمر بن عبد العزیز

مصنف: احمد زکی

میں: سماور دہچہ

عمر امیہ کے ایسے جلیل القدر فرزند کے حالات جس نے خلفائے راشدین کی یاد  
 تازہ کر دی۔ ایک مختصر لیکن بھرپور کتاب۔

خاص میری ڈائری

## امیر معاویہ

مصنف: انیس دکیا

میں: سماور دہچہ

سلطنت امیر معاویہ کے بانی، کاتب وحی، حضرت امیر معاویہ کی سیاست، فراست اور طرز  
 حکومت کا جائزہ۔ ایک منفرد کتاب۔

لاہور

جلد یکم

مکتبہ

## مکتبہ جدید فتح محمدیہ لاہور

یہ واقعہ ہے کہ علم و ادب کی مکتبہ جدید سے زیادہ گرامر و مترجمات کرنے والا ادارہ اس وقت کوئی دوسرا نہیں ہے۔

علامہ نیاز فتح پوری

کتابوں کی طبع و اشاعت بھلے خود ایک مقتدر فن ہے، اس فن میں مکتبہ جدید کی دسترس اور مہارت سے شاید ہی کسی کو انکار ہو۔ فیض احمد فیض

آپ اپنی کتب میں مٹھ لے کر لے رہے ہیں!  
مکتبہ جدید اپنی کتب میں شائع کرتا ہے!

## ہفت روزہ 'نصرت' لاہور

کے از مطبوعات مکتبہ جدید ———— ادیب: حنیف رامے

انسانوں کے دلوں میں بہتر زندگی کے لئے آواز و پیدا کرنا، اپنے ملک و ملت کے مسائل و تعمیری جذبات کے ساتھ خود جھڑپنا اور دوسروں کو باطل کرنا نصرت کا مطبع فکر ہے۔  
ابوالفضل محمد بانی

"نصرت نے جو حیرت انگیز ترقی کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پیچھے ایک صحت مند پینام ہے اور اس میں بصیرت کی چمک ہے۔"  
مصور مشرق، عبدالغنی مفتاحی

ایک شمارہ: چھ آنے

سال بھر کے لئے پندرہ روپے - دو سال کے لئے پچیس روپے

ابوبکر ، صدیق اکبر کے مصنف : محمد حسین ہیکل کی  
دوسری عظیم کتاب

## عمر ، فاروق اعظم

ترجمہ : حبیب الشعر

☆ ” حضرت عمر ہر اس سے پہلے اتنی جماع اور

مکمل کتاب نہیں لکھی گئی۔“ روزنامہ : کوہستان

☆ ” یہ کتاب حضرت عمر کی شخصیت اور کارناموں

کی چہرہ کشائی میں بے نظیر ہے۔“ روزنامہ : جنگی

☆ ” یہ کتاب اتنی دلچسپ ہے کہ ہر طرح کا پڑھنے

والا اس سے مستفید ہوگا۔“ روزنامہ : اسروز

☆ ” یہ کتاب ایک مثال ہے کہ اپنی تاریخ اور نثرے

تقاضوں کو ہم آہنگ کرنے کا طریقہ کیا ہوا کرتا

ہے۔“ روزنامہ : آفاق

☆ ” اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی اس کے نقطہ

نظر کی صحت ہے۔“ ماہ نامہ : ترجمان القرآن

☆ ” یہ کتاب اردو زبان کے لٹریچر میں گہرا قدر

اضافہ ہے۔“ ماہ نامہ : طلوع اسلام

☆ ” یہ کتاب بڑی معلومات آفریں ، لائق قدر اور

لائق مطالعہ ہے۔“ ماہ نامہ : برہان

☆ ” یہ کتاب مصنف کی بالغ نظری کا نمونہ اور نہایت

فاضلانہ ہے۔“ ماہ نامہ : معارف

پہلی قیمت : پچاس روپے — میری لائبریری میں : صرف آٹھ روپے

مکتبہ جدید ، لاہور